

مَجْمُوعَةُ رَسَائِلِ إِمَامِ شَاهِ وَلِيِّ اللَّهِ

(فقہ، تاریخ فقہ، اجتہاد و تقلید، تفسیر و اصول تفسیر، تاریخ علوم و فنون، نظریہ تعلیم اور وصیت نامہ پر مشتمل امام شاہ ولی اللہ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا گراں قدر مجموعہ)

www.KitaboSunnat.com

جلد دوم

ترتیب و تقدیم

مَوْلَانَا مُفْتِی عَظِیْمُ الرَّحْمَنِ قَاسِمِی



شَاهِ وَلِیِّ اللَّهِ نِسْطِی طِبُوْطِی دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کادشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد دوم

(فقہ، تاریخ فقہ، اجتہاد و تقلید، تفسیر و اصول تفسیر، تاریخ علوم و فنون، نظریہ تعلیم اور وصیت نامہ پر مشتمل حضرت شاہ ولی اللہ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا گرانقدر مجموعہ)

ترتیب و تقدیم
مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

www.KitaboSunnat.com

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ

جملہ حقوق بحق انسٹی ٹیوٹ محفوظ

نام کتاب :	مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ حصہ دوم
مرتبہ :	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی
قیمت :	۳۰۰
من اشاعت :	۱۸ مارچ ۲۰۱۳ء
آئی ایس بی این :	81-901848-8-1
تعداد :	۵۰۰
کمپوزنگ :	ریاض احمد
طباعت :	
ناشر :	شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکا نگر، کاکا نگر نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

All Rights Reserved by the Institute

Title :	Majmua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-II
Editing :	Maulana Mufti Ataur Rahman Qasmi
First Edition :	18th March, 2013
Price :	300/-
ISBN :	81-901848-8-1
Composing :	Riyaz Ahmed
Printer :	

Published by

Shah Waliullah Institute

Masjid Kaka Nagar (Near N.D.M.C. Primary School)

Kaka Nagar, New Delhi-110003

Ph. : 011-26953430, Mob.9811740661

Email : shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرست رسائل امام شاہ ولی اللہ حصہ دوم

نمبر شمار	کتب	صفحہ
۱۔	مقدمہ	۱۷
۲۔	عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید	۱
۳۔	انصاف فی سبب الاختلاف	۱۲۱
۴۔	النور الکبیر فی وصول التفسیر	۲۴۷
۵۔	فتح الخیر بما لا بد من حفظہ فی علم التفسیر	۳۲۷
۶۔	فیوض الحرمین	۳۹۹
۷۔	السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم	۴۹۷
۸۔	رسالہ دانشمندی	۵۱۳
۹۔	وصیت نامہ	۵۲۳

مقدمہ

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

شیخ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اٹھارویں صدی عیسوی کی نابغہ روزگار شخصیت ہیں، آپ فی الحقیقت حجۃ اللہ فی الارض اور آیۃ من آیات اللہ ہیں، برصغیر میں تحریک رجوع الی القرآن والحدیث، اصلاح و دعوت اور اسلامی علوم و فنون کے احیاء و تجدید کی تاریخ پر آپ نے بڑے گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے، آپ نے امت کی اصلاح و تربیت کیلئے جو الہامی نقشہ اور لائحہ عمل مرتب و مدون کیا تھا اور اپنی مساعی جمیلہ سے اس میں رنگ بھرے، اسکے نقوش و خطوط اور اثرات صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی زندہ و تابندہ ہیں اور آئندہ بھی مشعل راہ رہیں گے، آپ نے مختلف علمی میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں چنانچہ آپ کے علمی و تجدیدی کارناموں کا دائرہ بڑا وسیع الاطراف ہے، امام غزالی اور علامہ ابن تیمیہ کے بعد امت میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی جامعیت، ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کی حامل رہی ہو۔

حضرت شاہ صاحب ایک کثیر التصانیف مصنف اور عظیم مفکر ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ نے جہاں حجۃ اللہ انہالغہ، التہسیمات الالہیہ، البدور البازغہ، فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن، ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین جیسی ضخیم و مطول کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہیں عقد الجدید فی احکام الاجتہاد و التقليد، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، الفوز الکبیر فی وصول التفسیر، فتح النجیر، مالا بد من حفظہ فی علم التفسیر، فیوض الحرمین، السرا لمکتوم فی اسباب تدوین العلوم

اور رسالہ دانشمندی جیسے متعدد مختصر رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں۔

ان رسائل میں ”عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید“ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا شاہکار رسالہ ہے جو اجتہاد اور تقلید کے موضوع پر ایک معرکتہ آراء رسالہ ہے، یہ رسالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے، باب اول میں اجتہاد کی حقیقت اور اس کی شرائط و اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔ باب دوم میں اختلاف مجتہدین کے اسباب و ملل پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب سوم میں مسالک اربعہ اور ابن حزم کی رائے پر بحث کیا گیا ہے، باب چہارم میں فقہی مسالک کی تقلید اور اختلاف آراء کو بیان کیا گیا ہے، باب پنجم میں تصدید میں میانہ روی کا ذکر ہے۔ کتاب مذکور کے مطابق سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جس طرح نفس تقلید کے مخالف و منکر نہیں ہیں، اسی طرح بعض شرائط کے ساتھ اجتہاد کے بھی قائل و ملہم دار ہیں چنانچہ آپ بعض حالات میں اجتہاد کو امت کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔

عقد الجید میں قاضی بیضاوی، امام رافعی، امام بغوی اور ابوشامہ کے حوالے مختلفہ اور علامہ ابن الہمام (متوفی ۹۶۱ھ) کی فتح القدیر اور قاضی جگن گجراتی (متوفی ۹۲۰ھ) کی کتاب خزانۃ الروایات کے حوالے تفصیل سے ملتے ہیں۔ یہ دونوں اصحاب حنفی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

عقد الجید اصلاً عربی میں ہے جس کے ایک نے زائد ترجمے ہوئے ہیں، میری محدود معلومات کے مطابق اس کا سب سے قدیم ترجمہ مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی کے قلم سے ہوا ہے اور ”مسک مروارید“ کے نام سے ۱۳۴۴ھ میں مولانا حافظ محمد عبدالاحد دہلوی کے زیر اہتمام و انصرام مطبع مچھائی دہلی سے شائع ہوا تھا، مولانا حافظ محمد عبدالاحد مرحوم کی فرمائش پر مولانا محمد احسن نانوتوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا جس کو اس زمانہ کے اردو محاورات اور اردو زبان کے اعتبار سے عمدہ اور سلیس ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے، جس کے ایک طرف عربی عبارت ہے اور دوسری طرف اردو ترجمہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا ترجمہ ڈاکٹر محمد میاں صاحب صدیقی کے قلم سے معرض وجود میں آیا۔ آخر الذکر ترجمہ اول الذکر سے قدرے آسان اور سہل ہے، اس مجموعہ رسائل میں دوسرا اہم رسالہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ہے، یہ رسالہ بھی عربی زبان میں ایک شاہکار فقہی رسالہ ہے، جو اگرچہ مختصر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ حضرت شاہ

صاحب نے اس رسالہ میں جہاں فقہ کی ابتدائی تاریخ بیان کی ہے، وہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کے درمیان فقہی اختلافات کے اسباب و مصل کا بھرپور جائزہ لیا ہے، حضرت شاہ صاحب کی نگاہ میں ائمہ مجتہدین کے درمیان ہونے والے فقہی اختلافات کے یہاں اسباب تھے اور کیوں اختلافات و نزاعات رونما ہوئے ان امور پر آپ نے سیر حاصل بحث کی ہے، اس کا صحیح اندازہ اور قدر و قیمت کتاب کے مطالعے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد حسن نافوتوی نے عقد الجید کے ترجمے سے قبل الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کا ترجمہ کیا تھا اور وہ بھی دہلی کے مطبع مجتہبی سے شائع ہوا تھا۔ جس کے مالک مولانا حافظ محمد عبد اللہ دہلوی تھے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مولانا محمد حسن نافوتوی نے اس کا ترجمہ علی طرز و انداز پر کیا ہے۔ جو صرف اس صم کے استفادہ کے لائق ہے۔ عام آدمی کے لئے بڑی حد تک ناقابل فہم ہے۔ آپ نے ترجمے کے ایک عرصہ بعد اسی ترجمے کو سامنے رکھ کر مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب نے ”اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ“ کے نام سے ترجمہ کیا جسے اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور نے شائع کیا ہے، مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب کا ترجمہ عام فہم اور سلیس ہے۔ اسی ترجمے کو پیش نظر مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے، حضرت شاہ صاحب ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں

”ایک وقت اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں ایک ایسی میزان حق و عدل کا القا فرمایا جس سے میں امت محمدیہ کے مابین واقع ہونے والے تمام اختلافات کے اسباب معلوم کر سکوں اور جان لوں کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حق کیا ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ قدرت بیان بھی عطا فرمائی جس سے کام لے کر میں اس مسئلہ کی بہترین وضاحت کر سکوں، ایسی وضاحت کہ پھر کوئی شک اور اشکال باقی نہ رہ جائے۔ بعد ازاں مجھ سے یہ دریافت کیا گیا کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے اکابر ملت کے درمیان خاص طور سے احکام فقہیہ میں اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ میں وقت کی کنجش اور مسائل کی قوت فہم و حفظ کا لحاظ کرتے ہوئے اسی آن، حقائق کا، جو اللہ کی عنایت خاص سے مجھ پر حوالے گئے تھے ایک حصہ بیان کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس مسئلہ پر ایک مفید رسالہ تیار ہو گیا، جس کا نام میں نے ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ رکھا۔

حضرت شاہ صاحب نے بصر احست لکھا ہے کہ عہد نبوی اور دور صحابہ میں فقہی اصطلاحات اور فقہی اختلافات موجود نہیں تھے۔ جیسا آمد و مسکن کے مسند میں صحابہ کا طریقہ کار اور منہ فطری اسلوب پر مبنی ہوا کرتا تھا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

”معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ ایک فن کی طرح مدون نہیں تھا، اور نہ اس وقت احکام کے باب میں بحث کا یہ طریقہ تھا جو اب ہمارے فقہاء میرا کج ہے کہ وہ اپنی انتہائی دماغی قابلیتیں صرف کر کے دلائل کے ساتھ ایک ایک چیز کے تئید و تائیدہ اراکان اور شرائط اور آداب بیان کرتے ہیں۔ مسائل کی فرضی صورتیں سامنے رکھ کر ان پر بحث کرتے ہیں، جن چیزوں کی تعریف کی جا سکتی ہو ان کی منطقیات تعریف بیان کرتے ہیں اور جن کا حصہ بیان کیا جاسکتا ہو ان کا حصہ واضح کرتے ہیں، وغیرہ ذلک۔ اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ مثلاً وضو فرماتے اور صحابہ کرام آپ کا طریقہ وضو دیکھ کر اسے اختیار کر لیتے، بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی توضیح فرمائیں کہ یہ وضو کا رکن ہے اور فلاں چیز اس کے آداب میں سے ہے، اسی طرح آپ نماز پڑھتے، لوگ آپ کے نماز پڑھنے کا طریقہ دیکھ لیتے اور اسی طرح خود پڑھنے لگتے، آپ نے حج، اذکار، لٹائے، لوگوں نے آپ کے حج کرنے کے طریقے اور مراسم دیکھے اور اسی طرح خود حج کرنے لگے۔ الغرض آنحضرت ﷺ کا عام طریقہ یہی تھا، آپ ﷺ نے کبھی یہ توضیح نہیں فرمائی کہ وضو میں چار فرض ہیں یا چھ اور نہ کبھی آپ نے یہ خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی آدمی اعضائے وضو کو لگا تا رہ نہ دھوئے، اس لیے ایسے وضو کے ہونے یا نہ ہونے کا پیشگی حکم دے دینا چاہیے۔ اس قسم کی فرضی اور غیر واقعی صورتوں کے احکام کی بابت آپ نے شاذ و نادر ہی کبھی کچھ فرمایا ہے۔ دوسری طرف اصحاب رسول کا بھی یہ حال تھا کہ وہ اس طرح کی باتوں کے متعلق آنحضرت ﷺ سے بہت کم سوال کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے اصحاب رسول سے بہتر کسی جماعت کو نہیں پایا، انہوں نے رسول خدا کی پوری زندگی میں آپ سے صرف تیرہ سوال کیے جو سب کے سب قرآن میں مذکور ہیں۔“

حضرت شاہ صاحب فقہ کی تعریف اور اسکی تاریخ کا پس منظر بیان کرنے کے بعد اپنے زمانے کے نام نہاد فقہوں کے طریقوں اور رویوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس زمانہ میں فقہ اس شخص کا نام ہے، جو باتونی ہو، زور زور سے ایک جہڑے کو دوسرے جہڑے پر پگھلتا ہو، جو فقہاء کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر کسی امتیاز کے اپنی زبان درازی سے سب کو بیان کرتا چلا جاتا ہو۔“

حضرت شاہ صاحب کے وہی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے ایک اہم کمال و امتیاز انکا اعتدال و توازن ہے۔ آپ اجتہاد و تقلید کے مابین بھی نقطہ اعتدال و توازن کے قائل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اجتہاد اور تقلید کی حمایت کرنے والوں کے دونوں گروپوں کی انتہا پسندی و بے اعتدالی کا جائزہ لیا ہے اور ان دونوں گروپوں کو راہ اعتدال سے تجاوز کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ اس رسالہ میں مختلف عنوانات ہیں، مثلاً عہد نبوی میں اختلاف رائے، فروعی مسائل میں اختلاف آراء، امت کے حق میں باعث آسانی و سہولت، عہد صحابہ کے بعد اختلاف رائے، صرف فروعیات میں، اختلاف آراء کے اسباب، مختلف احادیث میں تطبیق، مذاہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہی مسائل میں تطبیق۔ ان کے علاوہ دوسرے اہم مباحث ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے مذاہب اربعہ کو برحق قرار دیا ہے اور اس کے دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرنے کی تاکید کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے عقد الجید میں ایک باب قائم کیا ہے، تاکید الاخذ بھذہ المذاهب الاربعہ والتشديد فی ترکھا، والخروج عنها، مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو ترک کرنے کی ممانعت۔ اسی عنوان کے ذیل میں آپ کا معنی نیز فقرہ بھی ہے اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاهب الاربعہ مصلحہ السیعة و فی الاعراض عنها کلھا مفسدة کبيرة۔ جان لینا چاہئے کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت اور ان کے چھوڑ دینے میں بہت بڑا فساد ہے۔

حضرت شاہ صاحب اصلاً رجوع الی القرآن والحدیث کے داعی تھے۔ فقہاء کرام کے اقوال اگرچہ اخلاص پر مبنی ہوتے ہیں اور عموماً ان پر عمل بھی کیا جاتا ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کہ حضرت شاہ صاحب نے ان مذاہب اربعہ کو برحق قرار دیا ہے۔ لیکن اگر ان فقہاء کے فقہی اقوال قرآن و حدیث سے صریح متصادم ہوں تو ایسی صورت میں کسی بھی امام کی تقلید جائز نہیں ہے۔ موجودہ مسلکی اختلافات کے دور میں یہ ایک بصیرت افروز و چشم کشا رسالہ ہے۔ جسکے بارے میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

”اس کتاب کو اگر تاریخ فقہ و علم الحدیث کہا جائے تو بجا ہے لیکن فی الحقیقت یہ کتاب مہد سعادت سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک فقہ کی تدوین“ کتب احادیث کی فراہمی اور مختلف فقہی مذاہب کے آثار کی ایک نہایت دلچسپ منصفانہ اور پراز معلومات تاریخ ہے۔ شاہ صاحب کے اس مختصر رسالے کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اسلام کی علمی تاریخ سے کتنی واقفیت تھی۔ اس میں نہایت وضاحت اور انصاف پسندی سے تقریباً ان سب بنیادی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں علمائے دین میں اختلافات ہوئے، ان اختلافات کی توضیح کی ہے، ساتھ ساتھ مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی طریقوں کی خصوصیات اور ان کی جداگانہ تفکیلات کی نہایت عالمانہ تاریخ لکھی ہے۔ جمع احادیث اور محدثین مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کے مجموعوں کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اجتہاد و تقلید کے مسئلے پر روشنی ڈالی ہے اور ان وجوہ کا ذکر کیا ہے جن کی بنا پر مسلمانوں میں تقلید کا رواج ہو گیا، یہ دونوں رسائل تاریخ فقہ کے نشیب و فراز سے متعلق ہیں۔“

اس مجموعہ رسائل میں تیسرا رسالہ اصول تفسیر سے متعلق ہے، جس کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ہے۔ یہ فن اصول تفسیر میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے جو اصلاً عربی زبان میں ہے۔ اب اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ جس کے مترجم مولوی رشید احمد انصاری مرحوم ہیں جسے ملتہ زبان اردو بازار جامع مسجد دہلی نے شائع کیا۔ الفوز الکبیر ہمارے دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ اس کتاب سے صحیح معنوں میں قرآن مجید اور قرآن شناسی ہوتی ہے۔ مہر شاد صاحب الفوز الکبیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

”فقہی ولی اللہ بن عبد الرحیم (خدا ان دونوں سے اپنی مہربانی کے ساتھ معامد کرے) کہتا ہے کہ جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کیلئے کارآمد ہو سکتے ہیں، ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے، خداوند تعالیٰ کی عنایت سے نایت سے امید ہے کہ طالب علموں کو صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شہارہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو مفسروں سے ”جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم ہو گئی ہے“ پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور میں نے اس رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا ہے۔“

الفوز الکبیر پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب ان علوم و ہنر میں ہے جن کی طرف قرآن نے صراحت کے ساتھ رہنمائی کی ہے۔ اور گویا قرآن کے نزول کا مقصد دراصل وہی علوم و ہنر ہیں، دوسرا باب وجوہ فہم و نظم قرآن کے بیان میں ہے جس میں ان وجوہ کا بیان نہایت وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تیسرا باب نظم قرآنی کے لطائف اور اس کے اسلوب بدیع کی تشریح و بقدر طاقت بشری پر مشتمل ہے۔ چوتھا باب فنون تفسیر کے بیان میں ہے۔ اس طرح الفوز الکبیر کی تکمیل ہوتی ہے جو تفسیر کے باب میں گنج گرامیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی مرحوم اپنی کتاب ”الثقافة الإسلامية في الهند“ میں اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: ”مجموع قرآن پر اس کتاب سے بہتر کوئی تصنیف نہیں۔“ حضرت مولانا علی میاں ندوی مرحوم اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ میں تحریر فرماتے ہیں: ”شاہ صاحب کی ایک تجدیدی و انقلابی خدمت اور کارنامہ الفوز الکبیر“ کی تصنیف ہے، جو اپنے موضوع پر ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں منفرد تصنیف ہے۔“

اسی طرز و آہنگ میں فتح الخیر بمالہ بد حفظہ فی التفسیر بھی ہے، یہ بھی ایک اہم رسالہ ہے جو صل مشکلات و غرائب اور قرآنی لغات و محاورات پر مشتمل ہے۔ فتح الخیر کے مترجمین میں مولانا سید محمد مہدی الحسنی اور مولانا حبیب الرحمن صدیقی کا نہ حلوٰی شامل ہیں۔ مکتبہ قرآن محل کراچی سے شائع ہوئی ہے فتح الخیر کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصول تفسیر میں ایک گوہر نایاب کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی افادیت مسلم ہے۔ فتح الخیر سورہ الفاتحہ سے لے کر سورہ الناس تک تمام سورتوں پر محیط ہے۔ حضرت مصنف علام نے اس میں صرف انہی الفاظ و غرائب کی تشریح و توضیح پر توجہ دی ہے جو طالب علم کے لئے مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب درس نظامی کے نصاب تعلیم میں داخل ہے، شاہ صاحب نے اس احساس کے ساتھ اس کتاب کو مرتب کیا ہے کہ اگر طالب علم بذکر غائر اس کا مطالعہ کر لیں تو ان کے لئے قرآن فہمی کی راہ یقیناً آسان ہو جائے گی، حضرت شاہ صاحب کے گرانقدر رسائل و کتب میں ایک فیوض الحرمین ہے جو آپ کے مکاشفات آپ کے اور مشاہدات پر مبنی ہے، یہ تمام مشاہدات و مکاشفات اور حرمین شریفین کے قیام روضہ اطہر پر حاضری کے دوران ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں باطنی حقائق، کلامی مسائل اور

مہشات و رویا بھی ہیں، اسی کتاب فیوض الحرمین میں حضرت شاہ صاحب نے انہما ربوہ کے فقہی مسالک کو برحق ہونے کا مشاہدہ فرمایا ہے۔ جس سے شاہ صاحب کی فقہی توسع پسندی اور وسعت نظری سامنے آتی ہے۔ فیوض الحرمین ۷۴ مشاہدات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مباحث بھی ہیں۔ فیوض الحرمین کا سب سے قدیم اردو ترجمہ ”سعادت کوئین“ کے نام سے پایا جاتا ہے جسے سید ظہیر الدین احمد عرف سید احمد ولی الہی نے مطبع احمدی مدرسہ عزیزی دہلی سے شائع کرایا تھا۔ پھر لوگوں کے پے در پے اصرار سے سید عبدالغنی جعفری ولی الہی نواسہ وجائین حضرت شاہ صاحب نے بے تاب پر تنگ و رکس چاہ رہٹ دہلی سے طبع کرایا، لیکن اس ترجمہ میں ترجمہ نگار کا نام درج نہیں ہے البتہ ترجمہ کے بیان و زبان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب سے قدیم ترجمہ ہے۔ جس کے ایک کالم میں عربی عبارت اور دوسرے میں اردو ترجمہ ہے۔ اس کے ایک عرصہ کے بعد فیوض الحرمین کا دوسرا ترجمہ منظر عام پر آیا۔ جس کے ترجمہ نگار مولانا عابد الرحمن کاندھلوی صاحب ہیں۔ انہوں نے ایک طرف باعرب عربی عبارت دی ہے اور دوسری طرف اردو ترجمہ دیا ہے۔ یہ ترجمہ زبان و بیان کے اعتبار سے قدرے آسان ہے اور پرانے ترجمے سے ماخوذ ہے۔ میں نے اس مجموعہ میں اسی آخری ترجمہ کو شامل کیا ہے۔

پیش نظر مجموعہ میں السرا المکتوم فی اسباب تدوین العلوم بھی شامل ہے جو حضرت شاہ صاحب کا ایک مختصر جامع رسالہ ہے جس میں تدوین علوم و فنون کی تاریخ منضبط کی گئی ہے اور فنون مختلفہ کی اصطلاحات و تعبیرات کی تشریح اور وضاحتیں کی گئی ہیں۔

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے جس کے ترجمہ نگار مولانا ابوبکی امام خاں مرحوم ہیں۔ اردو ترجمہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں مطبع احمدی مدرسہ عزیزی دہلی سے طبع ہوا تھا اور اس کے ناشر و طابع سید ظہیر الدین عرف سید احمد ولی الہی مالک مطبع احمدی دہلی تھے۔

یہ قدیم مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے جس کے ایک کالم میں عربی عبارت اور دوسرے میں اردو ترجمہ ہے۔ پھر یہ رسالہ حیدرآباد سندھ کے ماہنامہ الرحیم میں دو قسطوں جون ۱۹۶۳ء اور جولائی ۱۹۶۴ء میں چھپا لیکن ماہنامہ الرحیم میں صرف اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ عربی شامل نہیں ہے۔ میں نے ان دونوں نسخوں کے موازنہ اور تقابلی سے رسالہ السرا المکتوم کو مرتب و مدون کیا ہے

اور اس رسالہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اسکو بھی مجموعہ میں شائع کیا ہے۔

اس گرانقدر مجموعہ رسائل میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک شاہکار ”رسالہ دانشندی“ بھی شامل ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کا ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل رسالہ ہے جس میں اصول تعلیم، نظریہ تعلیم اور طریقہ تعلیم کی نشاندہی کی گئی ہے، جسے حضرت شاہ صاحب نے فن دانشندی سے موسوم کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب فن دانشندی کے متعلق لکھتے ہیں:

اس فقیر کے دل میں آیا کہ فن دانشندی کے قواعد و اصول مرتب کرے۔ اور اپنے زمانے والوں کو ان سے متعارف کرائے۔ اگر تم یہ پوچھو کہ دانشندی سے میں کیا مراد لیتا ہوں تو دانش مندی سے میری مراد کتاب دانی ہے۔ اور اس کے تین درجے ہیں۔ اس کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ کتاب کا مطالعہ ہو، اور اس کی حقیقت بدرجہ تحقیق حاصل کی جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ استاد کتاب کو پڑھائے اور اس کی حقیقت شاگردوں کو سمجھائے۔ اور اس کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ اس کتاب پر شرح یا حاشیہ لکھے اور اس کی حقیقت کے انکشاف میں مبالغہ کرے۔

رسالہ دانشندی ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں السراج المکتوم فی اسباب تدوین العلوم کے ساتھ بی مطبع احمدی دہلی سے طبع ہوا تھا۔ رسالہ دانشندی کا قدیم مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے جس کے ایک طرف فارسی عبارت اور دوسری طرف اردو ترجمہ ہے۔ مزید برآں رسالہ دانشندی ماہنامہ الرحیم حیدر آباد سندھ دسمبر ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں بھی طبع ہوا۔ میں نے ان دونوں نسخوں کو پیش نظر رکھ کر رسالہ دانشندی کو مرتب و مدون کیا اور اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔

اس مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد دوم میں شامل آخری رسالہ ”وصیت نامہ“ موسوم بسہ المسقالہ الوضیہ فی النصیحة والوصیة ہے۔ یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک اہم و پر مغز رسالہ ہے جسے حضرت شاہ صاحب نے التفصیلات الالبیہ جلد ثانی کا ایک حصہ بنایا ہے۔ پھر اس وصیت نامہ کا اردو ترجمہ ارمان شاہ ولی اللہ مطبوعہ سندھ سحر اکاوی لاہور میں چھپا تھا جسے فاضل مرتبہ پروفیسر محمد سرور مرحوم سابق استاذ جامعہ علیہ اسلامیہ نئی دہلی تھے۔ اس رسالہ میں حضرت شاہ صاحب کی آٹھ وصیتیں ہیں جو نہایت موثر و کارآمد ہیں۔ ان میں سے ساتویں وصیت کے چند کلمات ملاحظہ فرمائیں:

”ہم عربی ہیں۔ ہمارے آبا و اجداد ہندوستانی شہروں میں مسافروں کی حیثیت سے آئے۔ ہمارے لئے ہمارا عربی النسب اور عربی اللسان ہونا باعثِ فخر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہمیں سید اولین و آخرین، افضل الانبیاء والمرسلین، فخر موجودات علیہ ولی آلہ السلوۃ والتسلیمات سے نزدیک کرتی ہیں۔ اس عظیم نعمت کا شکر یوں ادا کیا جائے کہ ہم بقدر امکان عربوں کی عادات و رسوم کو، جن میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور آپؐ نے نشو و نما پائی، ہاتھ سے نہ جانے دیں اور عجم کی رسوم اور بنود کی عادات کو اپنے اندر سرایت نہ ہونے دیں۔

بغوی نے ابو عثمان النہدی سے روایت کی ہے کہ ہمارے پاس عمر بن خطاب کی طرف سے ایک خط آیا۔ ہم اس وقت حمیہ بن مرقدہ کے ساتھ آذر بایجان میں تھے۔ (خط کے عربی متن کو نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب اس کا فارسی ترجمہ کرتے ہیں) لکھتے ہیں، یعنی جب عرب جہاد کرنے کے لئے سرزمینِ عجم میں مختلف اطراف میں پھیلے تو حضرت عمرؓ کے لئے کہ عرب کہیں عجمیوں کی رہیں اختیار نہ کر لیں اور عربوں کی رہیں نہ چھوڑ دیں۔ اس لئے انھوں نے اپنے خط میں یہ کہہ دیا کہ وہ تہ بند باندھیں، چادریں اوڑھیں، جوتے (نعل) پہنیں۔ موزے ترک کر دیں، شلواریں نہپوڑ دیں۔ اپنے دادا اسماعیل کا لباس اپنے لئے لازم کریں۔ اپنے آپ کو ناز و نعم اور شہات ہاتھ اور ٹہنیوں کے طرزِ رہائش سے دور رکھیں، دھوپ میں بیٹھنا اپنے لئے لازم ٹھہرائیں۔ بے شک دھوپ عربوں کے لئے حرام ہے۔ بنو معد کی رہیں اختیار کریں، سخت لباس پہنیں، مشقت کی زندگی گزاریں۔ پرانے کپڑے پہننے کی عادت ڈالیں، اونٹوں کو پکڑیں اور انھیں رام کریں، چھانٹ مار کر گھوڑوں پر سوار ہوں اور نشانوں پر تیر اندازی کریں۔

بنود کی بری عادتوں میں سے ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرے، یہ عادت سرے سے عرب میں نہ تھی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے، نہ آپ کے زمانے میں اور نہ آپ کے بعد۔ خدا تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو اس بری عادت کو ختم کرے۔ اگر اس کو تمام لوگوں سے دور کرنا ممکن نہ ہو تو خود اپنی جماعت میں نکاحِ بیوگان کی اس عربوں کی عادت کو رائج کرنا چاہئے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بیوگان کا نکاح نہ کرنے کی اس عادت کو برا سمجھے اور دل سے اس کا مخالف ہو کیونکہ

نبی عن المنکر کا سب سے ادنیٰ درجہ یہی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی مختلف و منتشر کتب و رسائل کو ”کلیات“ کی صورت میں ترتیب و تدوین اور تفسیر و ضروری حواشی کے ساتھ شائع کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ یہ عظیم سرمایہ محفوظ ہو سکے۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نے اس جہت پر خصوصی توجہ مرکوز کیا ہے اور اس کے اشاعتی منصوبوں میں یہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی عظیم مقصد و ہدف کے تحت اس سے قبل تصوف و سلوک سے متعلق حضرت شاہ صاحب کے مختلف رسائل و کتب کو ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول“ کے نام سے مرتب کیا گیا تھا۔ جسکی اشاعت ہو چکی ہے۔ اب یہ مذکورہ بالا رسائل و کتب جو تاریخ فقہ، اجتہاد و تقلید، تفسیر، اصول تفسیر، تاریخ علم و فن، نظریہ تعلیم اور وصایا کے موضوعات پر ہیں، الحمد للہ اب ان مختلف رسائل و کتب پر مشتمل یہ اہم مجموعہ طبع ہو رہا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس مجموعہ رسائل کی اشاعت و ترویج سے فقہ و تفسیر اور دوسرے علوم و فنون کے مختلف نئے زاویے اور مخفی گوشے امت و ملت کے سامنے آئیں گے۔

اس ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد دوم“ کی اشاعت میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا تعاون حاصل رہا ہے۔ جس کے لئے میں ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح اپنے دوست مولانا عقیدت اللہ قاسمی کا بھی شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ آپ بھی اس مجموعہ کی ترتیب میں گاہ بگاہ اپنے مشوروں سے نوازتے ہیں۔ تاخیر میں محتہ مسرت جہاں صلابہ کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ اس مجموعہ رسائل کی اشاعت میں بحر پور، چنپسی لیتی ہیں اور ممکنہ تعاون کرتی ہیں۔ یہ دلی ہیں انہیں حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات سے خصوصی طور پر دلچسپی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت سے رکھے۔

عطاء الرحمن قاسمی

چیرمین

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ

عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۲	باب ۱:	۱
۲۲	اجتہاد کی حقیقت، شرائط و اقسام	۲
۲۳	شرائط اجتہاد	۳
۲۵	اقسام مجتہد	۴
۳۲	باب ۲:	۵
۳۲	اختلاف مجتہدین، اسباب و علل	۶
۳۳	جواب مصنف	۷
۳۷	مقامات اختلافات	۸
۳۸	کتب اصول فقہ میں مذکور مسائل	۹
۵۸	باب ۳:	۱۰
۵۸	تقلید مسالک اربعہ	۱۱
۶۱	تقلید کے بارے میں ابن حزم کا مسلک	۱۲
۶۲	ابن حزم کی رائے پر محاکمہ	۱۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۷۲	باب ۴	۱۴
۷۳	فقہی مسائل کی تقلید، اختلاف آراء	۱۵
۷۴	فصل ۱: مجتہد مطلق منتسب	۱۶
۷۷	فصل ۲: مجتہد فی المذہب	۱۷
۸۴	فصل ۳: تبعہ فی المذہب	۱۸
۹۹	تقلید واجب	۱۹
۱۰۱	تقلید حرام	۲۰
۱۰۵	عام آدمی کا مسلک	۲۱
۱۱۳	باب ۵	۲۲
۱۱۳	تقلید میں میانہ روی	۲۳
۱۱۶	اقسام مقننہ	۲۴
۱۱۷	فتویٰ صرف مجتہد دے سکتا ہے	۲۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس اللہ رحمن و رحیم کے لیے ہیں جس نے ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان کی ذات بابرکات سے لوگ جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں میں روشنی حاصل کریں، جن افراد کو اللہ جل جلالہ نے بلند ہمتیں عطا کی ہیں اور توفیق سے ہم کنار کیا ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی پیروی کر کے بلند مقامات پر فائز ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ اشتریک ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ آئے گا، انہیں، نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ان کی ذات اقدس پر ختم ہو گیا۔

اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش سے بعد اللہ جل جلالہ کا یہ کرم و بندہ، جو ہر لحظہ اس کی رحمتوں کا محتاج و طلب گار ہے، ولی اللہ بن عبد الرحیم کہتا ہے، اللہ جل جلالہ اسے ایسی باتوں سے محفوظ رکھے جو اس کے لیے مناسب نہ ہوں اور اس کے دل اور اعمال، افعال کو سخت اور سلاحتی خطا فرمائے، یہ ایک رسالہ، جو میں جدید قارئین کر رہا ہوں اس کا نام میں نے ”عقد الحید فی احکام الاجتهاد والتقلید“ تجویز کیا ہے۔

بعض دوستوں نے اجتہاد و تقلید کے بارے میں مجھ سے سوالات کیے اور بعض اہم مسائل کی وضاحت چاہی، ان کے سوالات اور اس اہم موضوع پر تشریح مسائل کی طلب نے مجھے اس تحریر کے لکھنے پر آمادہ کیا۔

باب: ۱

اجتہاد کی حقیقت، شرائط و اقسام

علماء کے کلام سے اجتہاد کی جو حقیقت سمجھی گئی وہ یہ ہے کہ شریعت کے فردی احکام کو ان سے تفصیلی دلائل سے سمجھنے کے لیے مقدور بھر کوشش کرنا، ان تفصیلی دلائل کا مآخذ چار چیزیں ہیں۔

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) قیاس (۱)

اس تعریف سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اجتہاد اس سے عام ہے کہ وہ اس قسم کے معلوم کرنے میں مقدور بھر کوشش کرنا ہو جس میں پچھلے علماء کا دوش کر چکے ہیں یا اس حکم کے علاوہ کسی اور قسم کے معلوم کرنے میں کوشش کرنا، مقصود ہو، مجتہد اپنے اس اجتہاد میں پچھلے علماء کے موافق ہو یا مخالف، نیز اس سے بھی عام ہے کہ یہ اجتہاد کسی دوسرے کی مدد سے کیا گیا ہو، مثلاً کسی نے مسائل کی صورتوں کی نشان دہی کر دی ہو اور احکام کے مآخذ و مصادر پر تفصیلی دلائل سے اشارہ کر دیا گیا ہو یا یہ اجتہاد کسی دوسرے کی مدد سے کیا گیا ہو۔

اس صورت حال کے پیش نظر کسی ایسے عالم کے بارے میں جو اکثر مسائل میں اپنے امام سے مطابقت رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ہر کسی کی دلیل سے بھی واقف ہو اور ان دلائل پر اسے یقین کامل بھی ہو اور جس کام کی انجام دہی میں وہ مصروف ہے اس پر وہ پوری دسترس بھی رکھتا ہو، یہ سمجھتا ہے کہ اس دور میں مجتہد کا وجود نہیں ہے وہ ایک غلط اور بے بنیاد نظریہ قائم کرنے کا مرتکب ہوتا

ہے (۱۲)

شرائط اجتہاد

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ جن مسائل میں اجتہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان مسائل کے بارے میں قرآن و سنت میں جو کچھ ہے اس سے پوری طرح واقف ہو، یہ بھی جانتا ہو کہ کن مسائل میں اجماع منعقد ہو چکا ہے، قیاس صحیح کی کیا شرائط ہیں یہ بھی اسے معلوم ہو، کن اصول اور مقدمات کو جوڑ کر ترتیب دے کر اجتہاد کیا جاسکتا ہے، وہ اس سے بھی بے خبر نہ ہو، عربی زبان پر کامل دسترس رکھتا ہو۔ قرآن میں تاج و منسوخ کا بھی علم ہو، راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو۔ البتہ اجتہاد میں علم الکلام اور فقہ کی ضرورت نہیں۔ (۳)

عزائی (۴) کہتے ہیں کہ:

”ہمارے زمانے میں اجتہاد، فقہ میں مہارت اور گہرے شغف کے بغیر ممکن نہیں۔“

مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کا یہی ایک طریقہ ہے مگر صحابہؓ کے زمانے میں صورت حال اس سے مختلف تھی۔

میں کہتا ہوں: غزالی کی مراد یہ ہے کہ اجتہاد مطلق منتسب اس وقت مکمل ہوتا ہے جب مجتہد مستقل کی تصریحات سے ہر منتسب کو واقفیت حاصل ہو، جیسا کہ مجتہد مستقل کے لیے صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے کلام سے ابواب فقہ میں واقفیت ضروری ہے، اجتہاد کی یہ مذکورہ بالا شرائط اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں۔

اس موقع پر بغوی (۵) کی رائے نقل کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، وہ کہتے ہیں ”مجتہد وہ ہے جو پانچ علوم کا جامع و ماہر ہو۔“

(۱) کتاب اللہ کا وسیع علم

(۲) سنت رسول اللہ کا وسیع علم

(۳) علمائے سلف نے جو کچھ لکھا اس سے آگہی جو بخوبی جانتا ہو کہ علمائے سلف نے کس

مسئلہ میں اتفاق کیا ہے اور کس مسئلہ میں ان کی آراء مختلف ہیں۔

(۴) قیاس کے طریقہ کار کو جانتا ہو اور یہ کہ قیاس، قرآن و سنت سے کسی مسئلہ کا حکم معلوم

کرنے کا ایک طریقہ ہے، اس صورت میں جب مجتہد کو مطلوبہ حکم نہ قرآن و سنت کے نصوص میں

ملے اور نہ اس کے بارے میں کوئی اجماع منعقد ہوا ہو۔

(۵) عربی لغت میں مہارت۔

(ان علوم پیش گاہ کو کیسے حاصل کیا جائے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے)

مجتہد کے لیے قرآن حکیم کے علوم میں سے ان علوم کا جاننا ضروری ہے، نسخ و منسوخ، مجلس و مفسر، عام و خاص، محکم و متشابہ، نیز یہ جاننا ضروری ہے کہ صحیح، ضعیف، مسند اور مرسل کی تعریفات کیا ہیں اور ان کے درمیان کیا فرق ہے۔

حدیث کو قرآن کے ساتھ اور قرآن کو حدیث کے ساتھ تطبیق دینے کی کیا صورت ہے؟ ضروری ہے کہ مجتہد یہ بھی جانتا ہو کہ وہ اگر کوئی ایسی حدیث جس کا ظاہری مفہوم قرآن کے مطابق نہیں ہے تو یہ کھوج لگائے اور اس حقیقت تک پہنچے کہ اس حدیث کی قرآن کے ساتھ مطابقت کس طرح ممکن ہے؟ کیونکہ حدیث قرآن کی توضیح و تشریح ہے، وہ قرآن کے مخالف نہیں ہو سکتی۔

بال یہ بات ہے کہ مجتہد کے لیے صرف ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جن کا تعلق شرعی احکام سے ہے، ان احادیث کا ظلم ضروری نہیں جو قصص، واقعات اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح عربی لغت کا بھی اس حد تک جاننا ضروری ہے جس کے سبب قرآن و سنت میں وارد احکام و مسائل کا ظلم ہو سکے، پورے عربی لغت کا احاطہ ضروری نہیں ہے!

بہتر یہ ہے کہ عربی زبان میں اتنی مہارت حاصل کرے کہ اس کے معانی و مطالب اور مدلول کو بخوبی سمجھ سکے، وہ اس بات سے آگاہ ہو کہ سیاق و سباق کی مناسبت سے فلاں لفظ اور جملے کے فلاں مقام پر یہ معنی ہیں۔ (۶)

عربی زبان پر اس حد تک عبور اس لیے ضروری ہے کہ شریعت عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ (خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو یا حدیث کی شکل میں) جو شخص عربی زبان سے پوری طرح واقف نہ ہو گا وہ شارع علیہ السلام کے مقصود کو نہیں پہچان سکے گا۔

صحابہ و تابعین کے ان اقوال و آراء کا علم ضروری ہے جو ان سے احکام کے بارے میں منقول ہیں۔ (۷)

مختلف مسائل کے بارے میں (قدیم) فقہاء نے جو فتوے دیے ہیں۔ ان کا جاننا بھی

ضروری ہے کہ اس کی کوئی رائے اور فیصلہ اسلاف کے فتاویٰ اور فیصلوں کے خلاف نہ ہو کیوں کہ کہ انہیں ایسا ہونا اسلاف کے اجماع کے خلاف ایک نئی رائے دینے کا مرتکب ہوگا۔

جب ان مذکورہ پانچ علوم میں مہارت حاصل کرے گا تو پھر مجتہد کہلائے گا، لیکن ان علوم میں مہارت اس حد تک ضروری نہیں کہ ان کا کوئی جز اور معمولی حصہ بھی اس کے علم سے خارج نہ ہو، اہل بیت ائمہ ان پانچ علوم میں سے کسی ایک علم سے کلی طور پر ناواقف ہو تو پھر اس کے لیے تقلید کا راستہ اختیار کرتے ہی بہتر ہے، اگرچہ وہ شخص ائمہ سلف میں سے کسی ایک کے فقہی مسلک پر عمل مجبور رکھتا ہو۔ ایسے شخص کے لیے عہدہ قضا کو قبول کرنا اور مفتی کے منصب پر فائز ہونا جائز نہیں ہے۔ (۸)

جو شخص ان پانچ علوم کا جامع ہو، نفسانی خواہشات اور بدعات سے اپنے آپ کو بچاتا ہو، تقویٰ اور پابندی اس کا شعار ہو، کبیرہ گناہوں سے دور رہتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو، وہ قاضی بھی بن سکتا ہے اور مسائل شریعت میں اس کے لیے اجتہاد بھی جائز ہوگا، اور جو شخص ان شرائط کا جامع نہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ پیش آمدہ واقعات و حوادث میں سے کسی ایک امام مجتہد کی تقلید کرے۔ (بخاری)

اقسام مجتہد

رابعی (۹) اور نوینی (۱۰) وغیرہ نے وضاحت کی ہے کہ مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مجتہد مستقل (۱۱) (۲) مجتہد منسوب (۱۲)

ان علماء کے کلام سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مجتہد مستقل تین امور میں دوسرے

مجتہدین سے ممتاز ہوتا ہے۔

الف۔ وہ اصول میں تصرف اور تبدیلی کرتا ہے جن پر اس کے اجتہاد کی بنیاد ہوتی ہے۔

ب۔ جن مسائل کا حکم پہلے معلوم کیا جا چکا ہے ان کی تہ تک پہنچنے کے لیے ان آیات،

احادیث اور آثار کی تلاش و جستجو میں ممکنہ حد تک اپنی قوت و صلاحیت صرف کرتا ہے جن پر اس حکم کی

بنیاد ہے، متعارض دلائل میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اس کے رائج معانی بیان کرتا ہے اور ان

دلائل کی مدد سے احکام کے ماخذ و مصادر سے آگہی حاصل کرتا ہے، اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے لیکن

ہمارا گمان ہے کہ یہ بات امام شافعیؒ (۱۳) کے علم کا دو تہائی حصہ ہے۔

ج: ان دلائل کی مدد سے ان مسائل میں گفتگو کرنا جن کا ابھی تک کوئی حکم دریافت نہیں کیا جاسکا۔

مجتہد منتسب وہ ہے کہ جو اپنے استاذ و امام کے اصول کو برقرار رکھ کر عموماً دلائل کی تلاش اور مآخذ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس کے اقوال و آراء سے مدد لے اور اس کے ساتھ ان دلائل پر کامل یقین رکھتا ہو جن کو اس کے شیخ نے مسائل کا حکم معلوم کرنے کے لیے بنیاد بنایا ہو۔ وہ خود بھی ان دلائل کی مدد سے مسائل کے احکام معلوم کرنے کی قدرت رکھتا ہو خود وہ کم ہوں یا زیادہ۔

جاننا چاہیے کہ مذکورہ بالا امور صرف مجتہد مطلق میں شرط ہیں اور جو مجتہد منتسب سے کم درجہ رکھتا ہو وہ مجتہد فی الہد ہب کہلاتا ہے، جن مسائل میں اس کے امام کی رائے وضاحت کے ساتھ مذکور ہو اس میں اپنے امام کی تقلید کرتا ہے لیکن تقلید کے باوجود امام کے مقررہ اصول، قواعد اور اس کے مسلک کی بنیاد سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ایسا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے جس میں امام کی کوئی واضح رائے موجود نہیں تو یہ مجتہد فی الہد ہب اپنے امام کے اقوال و آراء کی روشنی میں اسی کے طریقے پر اجتہاد کر کے مسئلہ کا حکم معلوم کر لیتا ہے۔

مجتہد فی الہد ہب سے کم درجہ مجتہد فی الفتویٰ کا ہوتا ہے، یہ اپنے امام کے مذہب (مسلک) سے پوری طرح واقف ہوتا ہے اور اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ امام کے ایک قول کو اس کے دوسرے قول پر اور اس کے اصحاب کی ایک دلیل کو دوسری دلیل پر ترجیح دے سکے، حق کیا ہے؟ اسے اللہ جل جلالہ ہی زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

باب (۱)

حواشی و حوالہ جات

الکتاب:

امام ابوالحسن علی بن محمد حسن بزدویؒ (م: ۴۸۲ھ) نے کتاب اللہ کی حسب ذیل تعریف کی ہے۔ اما الکتاب فالقرآن المنزل علی رسول اللہ المکتوب فی المصاحف والمنقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نقلاً متواتراً بلا شبہۃ۔ (بہر حال الکتاب، اس سے مراد وہ قرآن ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا، صحیفوں میں لکھا ہوا ہے، کسی شک و شبہ کے بغیر نقل متواتر کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے)، (اصول بزدوی)

النسب:

لغت میں سنت اس راستے یا طریقے کو کہتے ہیں جس پر لوگ پابندی کے ساتھ چلتے ہوں۔ لفظ سنت کی نسبت جب کسی انسان کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جس کو وہ تمام افعال میں جو اس سے صادر ہوں، لازم سمجھتا ہو اور ان کو پیروی کیے کے ساتھ کرتا ہو، اس کا تعلق خواہ ان کاموں سے ہو جن کے سبب اس کی تعریف کی جائے یا ان کاموں سے ہو جن کی وجہ سے اس کی برائی کی جائے۔

علمائے اصول کی اصطلاح میں سنت سے مراد قرآن حکیم کے علاوہ وہ قول، فعل یا سکوت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہو، سکوت یا تقریر کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے سامنے اور ان کی موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہ نے کوئی کام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی یا اس کی تعریف کی اور اس کام کو اچھا سمجھا، اس اعتبار سے سنت مآخذ احکام میں سے ایک مآخذ اور تشریع احکام کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ ہے۔ ابن حزمؒ (م: ۴۵۶ھ) نے سنت کی تعریف یوں کی ہے:

”کسی قول یا عمل کو ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی سے نقل کرتے ہوئے نبی علیہ السلام تک پہنچائے اور اس کی نسبت نبی علیہ السلام کی طرف کر لے اور نقل کرنے

والے کے درمیان اور نبی علیہ السلام کے درمیان کوئی فصل نہ ہو۔“ (یعنی روایت کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے)

(ارشاد الفحول، محمد بن علی بن محمد شوکانی (م: ۱۲۵۵ھ) الاحكام فی اصول الاحکام: ۱۰۰ ص: ۱۰۰، علی بن محمد بن حزم (م: ۴۵۶)۔ ۲۳: ۱، الفقه الاسلامی۔ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ ص: ۲۳۱) اجماع:

لغت کی رو سے اجماع کے دو معنی اور دو صورتیں ہیں۔ اول: کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اس پر پختگی کے ساتھ جرم جانا، دوسرے معنی اتفاق کے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں اجماع کسی معاملے میں اہل صل و عقد کے اتفاق کو کہتے ہیں، اصول کی کتابوں میں اجماع کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ الاحصاع هو اتفاق المجتہدین من الامة الاسلامیة فی عصر من العصور علی حکم شرعی بعد وفاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(اجماع سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی ناس زمانے میں امت مسلمہ کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے)

ارشاد الفحول۔ شوکانی ص: ۲۳، الاحكام فی اصول الاحکام۔ ابوالحسن سینف الدین علی بن محمد آمدی (م: ۶۳۱ھ۔ ۱۰۸۰، ۲۸۱)۔

قیاس

لغت میں قیاس چیز کو دوسری چیز سے ناپنے یا مقدار معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔ مانعے اصول کی اصطلاح میں قیاس کی تعریف یہ ہے۔

”جس مسئلہ کے بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو، اس کو کسی دوسرے حکم کے ساتھ جو قرآن یا سنت میں موجود ہو، علت میں مشابہت ہونے کے سبب مانعے کو قیاس کہتے ہیں۔“ (ارشاد الفحول، شوکانی ص: ۱۰۳)۔

(۲) کوئی وقت اور کوئی زمانہ اجتہاد سے خالی نہیں۔ ہر زمانے میں اجتہاد لازم ہے، کیونکہ ہر آن اور ہر لمحہ ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں اور ایسی جزئیات پیش آتی رہتی ہیں جن کا حکم سر احاطہ کتاب و سنت میں موجود نہیں ہوتا، ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کے ہوا کوئی ذریعہ

نہیں۔ اجتہاد اپنی تمام شرائط کے ساتھ قیامت تک باقی رہے گا۔ اجتہاد کو کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص و محدود کرنا اسلامی شریعت کی ابدیت کا انکار کرنے کے مترادف ہے، شوکانی، بعض علماء کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

”اگر کسی زمانے میں ایک ہی مجتہد ہے تو اس پر اجتہاد کرنا فرض عین ہے تاکہ پیش آمدہ جزئی مسائل کے احکام معلوم کر کے لوگوں کی رہنمائی کرتا رہے اور اگر اس دور میں ایک سے زائد مجتہدین موجود ہوں تو ان پر اجتہاد فرض کفایہ ہوگا، اگر کوئی بھی اجتہاد نہیں کرے گا تو سب گناہگار اور تارک فرض ہوں گے۔“ (ارشاد الطوال ص: ۲۵۱)

(۳) علماء فقہاء اور خود مجتہدین نے اجتہاد کی جو شرائط بیان کی ہیں وہ کم از کم چھ ہیں:

(۱) عربی زبان میں مہارت۔ (۲) قرآنی علوم کا وسیع علم۔ (۳) سنت کا علم۔ (۴) اصول فقہ کا علم۔ (۵) مواقع اجماع کا علم۔ (۶) مقاصد شریعت کا علم۔

ناجیز راقم (محمد میاں صدیقی) کہتا ہے کہ علماء اور فقہاء کی محولہ بالا شرائط کے علاوہ فطری استعداد اور صلاحیت کا ہونا بھی ضروری ہے بلکہ یہ شرط اول ہے، آدمی میں اگر فطری صلاحیت نہ ہو تو باہر کی تعلیم و تعلم سے کچھ بھی نہیں ہوتا، نبی علیہ السلام سے فیض صحبت تو بہت سوں نے اٹھایا مگر ہر آدمی ابو بکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابن عباس اور معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہم) نہ بن سکا۔

آمدنی نے ایک اور شرط بیان کی اور اسے سب شرائط پر مقدم رکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ”مجتہد کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یوم آخرت پر پختہ یقین رکھتا ہو۔“ (احکام: ۳، ۲۲۰)

(۴) محمد بن محمد الغزالی۔ (متوفی ۵۰۵ھ)

(۵) ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی۔ (متوفی ۵۱۶ھ)

(۶) لغت کی رو سے ایک لفظ کے ایک یا دو معانی ہوتے ہیں لیکن سیاق و سباق کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں بلکہ گفتگو میں لہجہ کی تبدیلی سے بھی معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔ لفظ ”دین“ یا ”الدين“ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر آیا ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔

”ولی“ ۳۵ جگہ آیا ہے۔ کہیں اضافت کے بغیر اور کہیں اضافت کے ساتھ، سیاق و سباق کی تبدیلی سے مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے اور قرآن حکیم کے فاضل مترجمین نے اس کی رعایت کی ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر جگہ اس کا ایک ہی ترجمہ کیا جائے، اس لیے ضروری ہے کہ اجتہاد کرنے والا زبان کے اسلوب اور اس کی باریکیوں سے پوری طرح واقف ہو۔

۷) صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہو اور وہ ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو۔ تابعی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں مرا ہو۔

۸) امام ابو حنیفہؒ نے تدوین فقہ اسلامی کے لیے جو چالیس ارکان پر مشتمل مجلس بنائی تھی اس کے بارے میں ان کا تجزیہ یہ تھا کہ:

”میں نے اپنی مجلس فقہ کے لیے جن افراد کا انتخاب کیا ہے ان میں انھیں اس درجے کے ہیں کہ قاضی کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں اور چھ افراد ایسے ہیں جو فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔“

صدیوں تک مفتی کا یہی معیار قائم رہا جس شخص میں اجتہاد کی اہلیت نہیں ہوتی تھی وہ نہ مفتی بن سکتا اور نہ قاضی کے منصب پر فائز ہو سکتا تھا، اسی معیار کے پیش نظر شاہ ولی اللہؒ نے یہ بات کہی ہے کہ جو شخص ان پانچ علوم میں مہارت نہ رکھتا ہو جو مجتہد کے لیے ضروری ہے تو اس کے لیے مرند افتاء پر پیشنا جائز نہیں ہے۔

آج کے ماحول میں یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اب تو صورت حال یہ ہے کہ جو آدمی مذکورہ چھ علوم میں سے کسی ایک میں بھی مہارت نہ رکھتا ہو وہ بھی گزشتہ دو ڈھائی سو سال کے فتاویٰ کو سامنے رکھ کر فتوے دینا شروع کر دیتا ہے، علوم القرآن اور علوم الحدیث تو درکنار اسے قدیم فقہاء کے اقوال اور فقہی آراء کا بھی علم نہیں ہوتا۔

گزشتہ سو سال میں برصغیر میں جو فتاویٰ مرتب ہوئے ان سب کے بنیادی مصادر فتاویٰ شامی، فتاویٰ عالمگیری اور درمختار ہیں، قرآن، سنت اور قدیم فقہاء کی آراء کے حوالے ان میں شاذ

و نادری نظر آتے ہیں۔

(۹) ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم۔ (۶۲۳ھ) فقیہ، شافعی المسلك۔

(۱۰) ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی، (متوفی: ۶۷۲ھ) محدث، فقیہ۔

(۱۱) مجتہد مستقل اس کو کہتے ہیں کہ جو ان اصول و کلیات یعنی اجتہادی مآخذ و مصادر میں رد و بدل اور تصرف کا اختیار رکھتا ہو جن پر احکام و مسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

(۱۲) مجتہد منتسب وہ ہے جو کسی تصرف کے بغیر، مقررہ اصول و کلیات کو تسلیم کرتا ہو اور مسائل کے استخراج و استنباط میں انہی سے کام لیتا ہو، لیکن مسائل کے حل کرنے میں جس امام کے مقرر کردہ اصول سے زیادہ کام لیتا ہو اس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے۔

یہ مجتہد بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کرتا ہے لیکن اصول میں اتفاق کی وجہ سے اپنے امام کے دائرے میں سمجھا جاتا ہے۔

(۱۳) امام محمد بن ادریس الشافعی۔ امام مالک بن انس (م: ۱۷۹ھ) کے ارشد تلامذہ میں

سے ہیں۔ مجتہد مطلق کا درجہ پایا، ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے، ۲۰۴ ہجری میں وفات پائی۔

باب: ۲

اختلاف مجتہدین، اسباب و علل

جن فردی مسائل میں کوئی قطعی حکم نہ ہو، اس میں اگر دو مجتہد مختلف ہو جائیں اور کسی ایک رائے پر دونوں متفق نہ ہوں تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ دونوں کو صحت اور صواب پر مانا جائے یا ان میں سے ایک کو۔

ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر، ابویوسف، محمد بن حسن اور ابن شریح (رحمہم اللہ) (۱) کی رائے ہے کہ دونوں مجتہد حق پر ہیں اور صواب کو پانے والے ہیں۔ اشاعرہ (۲) کے جمہور متکلمین اور معتزلہ (۳) کی یہ رائے ابویوسف کی کتاب الخراج میں وضاحت کے ساتھ نقل کی گئی ہے کہ اختلاف آراء کے باوجود دونوں مجتہد حق پر تصور کیے جائیں گے، ائمہ ماربعہ (ابوصیف، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل) اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دونوں مجتہدین میں سے ایک حق کو پانے والا ہے اور ایک حق کو نہ پانے والا۔

ابن سماعی (۴) کتاب ”قواطع“ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ اختلاف آراء کی صورت میں ایک مجتہد حق پر سمجھا جائے گا۔

بیضاوی ”منہاج الاصول“ (۵) میں کہتے ہیں کہ:

”مجتہدین کے حق پر ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف، اس اختلاف کی بنیاد پر ہے کہ ہر مسئلہ میں ایک ایسا حکم معین ہوتا ہے جس پر کوئی قطعی یا ظنی دلیل موجود ہوتی ہے اور پسندیدہ رائے وہی ہے جو مستند طریقے سے امام شافعی سے نقل کی

گئی ہے کہ ہر واقعے میں ایک معین حکم ہوتا ہے، جس کے لیے کوئی نہ کوئی قرینہ اور علامت موجود ہوتی ہے۔ جس نے اس علامت کو پہچان لیا، اس نے حق کو پایا اور جو اس علامت اور قرینے کو نہ پہچان سکا وہ غلطی کا مرتکب ہوا۔ اس لیے کہ دلائل اجتہاد سے مقدم ہیں۔ اجتہاد، دلائل کی تلاش و جستجو ہی کا نام ہے اور دلالت، حکم سے مؤخر ہے۔ تو اگر ایک ہی مسئلے میں دو اجتہاد جمع ہو جائیں تو یہ دو تقیضوں کا اجتماع ہوگا (اور یہ محال ہے)۔“

ایک ہی مسئلے میں کیے جانے والے دونوں اجتہادوں کو درست ماننا اس لیے بھی ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جو مجتہد حق کو پالے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اس غلطی کا مرتکب ہو اس کے لیے ایک اجر ہے۔“

اس رائے اور موقف پر ایک اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب ہر مسئلے کا ایک معین حکم ہے تو اس حکم کے خلاف دوسرا حکم لگانے والا، اللہ کی طرف نازل کیے جانے والے حکم کے خلاف ایک حکم معین کرنے کا مرتکب قرار پائے گا اور یہ فسق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”جو اللہ کے نازل کیے ہوئے حکموں کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ فاسق ہے۔“ (۶)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والے نے اگر غلطی کی مگر اپنی کوشش اور خیال کے مطابق صحیح حکم تلاش کیا، قطع نظر اس سے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق نہیں ہے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد حق و صواب پر مبنی ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مخالف کو حاکم مقرر کرنا درست نہیں ہوگا، انھوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا تھا۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کو منصب سونپنا اور حاکم بنانا درست نہیں جس کا باطل پر ہونا اور واضح اور ظاہر ہو، اور جو مجتہد غلطی کا مرتکب ہوتا ہے وہ باطل پر نہیں ہوتا۔ (بیضاوی)

جواب مصنف:

بیضاوی کا کہنا ہے کہ ہر مسئلہ کا ایک معین حکم ہوتا ہے، بے دلیل بات اور دعویٰ ہے اور ایک

ایک چیز پر حکم لگا رہا ہے جو فی الواقع موجود ہی نہیں ہے۔

نیز انھوں نے امام شافعیؒ کا جو قول نقل کیا ہے کہ ”ہر واقعہ کے لیے ایک معین حکم ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر واقعہ کے بارے میں ایک رائے ایسی ہوتی ہے جو اصول اور اجتہاد کے قواعد و ضوابط سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے، اجتہاد کے لیے کئے جانے والے دلائل اس بات کی واضح نشان دہی کرتے ہیں کہ (یہ رائے اصول اجتہاد کے زیادہ مطابق ہے) جو ان تمام امور کی تک پہنچ گیا، اس نے حق کو پایا اور جو ان امور کی تک نہ پہنچ سکا، وہ غلطی کا مرتکب ہوا لیکن خطا اور غلطی کے باوجود یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ گنہگار ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ”الام“ (۷) کے آغاز میں کہا ہے کہ۔

”جب ایک عالم دوسرے عالم سے کہے کہ تم نے غلطی کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس راستے پر نہیں چل سکتے جس پر چنا علماء کی شان کے مطابق تھا اور تمہیں اس راستے پر چلنا چاہیے تھا۔“

امام شافعیؒ نے اس مسئلہ کو ”الام“ میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی متعدد مثالیں بھی دی ہیں۔

امام شافعیؒ نے جو کہا ہے کہ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر کسی امر اور واقعہ کے بارے میں خبر واحد موجود ہو (۸) اور مجتہد کی اس تک رسائی ہو جائے تو وہ حق کو پالینے والا سمجھا جائے گا اور جو خبر واحد کو نہ پا سکے وہ غلطی کا مرتکب کہلائے گا۔

امام شافعیؒ نے اس بات کو بھی ”الام“ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بیضاویؒ کہتے ہیں کہ: دلائل، اجتہاد سے مقدم ہوتے ہیں اور اجتہاد بعد میں وقوع پذیر ہوتا ہے، اس کے جواب میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس بات کو عبادت بنا دیا ہے کہ ہم اس چیز کو پانے کی مقدور بھر کوشش کریں جس کو اجتہاد کے ذریعے پاسکتے ہیں، چنانچہ جس چیز کو ہمیں اجماعی علم ہوتا ہے ہم اس کو تفصیلی طور پر جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

بیضاویؒ نے یہ بات بھی کہی ہے کہ اگر دونوں مجتہدوں کو حق اور صواب پر مانا جائے تو دو نفیضوں کا بیک وقت جمع ہونا لازم آئے گا۔

اس بات کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس معاملے کی صورت بالکل کفارہ کی سی ہے کہ اس کی ایک سے زائد صورتوں میں سے ہر صورت واجب بھی ہے اور واجب نہیں بھی، بیضاوی نے کہا: ”جو مجتہد حق اور صواب کو پالے اس کے لیے دوا جریں۔“ ہم کہتے ہیں: یہ دلیل ان کے موقف کی مؤید نہیں بلکہ مخالف ہے، اس لیے کہ جس خطا اور غلطی کے نتیجے میں اجر و ثواب واجب ہوتا ہو وہ گناہ کیسے ہو سکتی ہے؟

اس صورت حال سے یہ بات یقینی ہوئی کہ دونوں اجتہاد اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ جیسے عزیمت اور رخصت (کہ دونوں درست ہوتی ہیں اور دونوں پر عمل جائز ہوتا ہے) یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ دو اجتہادوں میں سے ایک کا حق پر ہونا قاضی کے حکم اور فیصلے کے لحاظ سے ہے اور خارج میں یا تو مدعی کا قول ثابت ہوتا ہے یا منکر کا۔ بیضاوی نے کہا: ”مجتہد نے جس رائے کو صحیح سمجھا اس کا حکم دیا۔“ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا ہمارے مقصود اور مدعا کا اعتراف کر لینے کے مترادف ہے۔ (کیونکہ ہم بھی اس کو مخالف حق نہیں کہتے)۔ بیضاوی نے کہا: ”غلطی کرنے والا مجتہد باطل پر نہیں ہوتا۔“

ہم کہتے ہیں کہ جب باطل پر نہیں ہوتا تو حق کے مخالف بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جو حق کے مخالف ہوگا وہ باطل پر ہوگا اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا باقی رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اندر اور بعد کی جانب جو قول منسوب کیا گیا ہے وہ ان کی بعض تصریحات سے اخذ کیا گیا ہے، وضاحت کے ساتھ ان سے منقول نہیں ہے اور جس مسئلے میں نص یا اجماع کی رو سے اختیار ہو اس میں دونوں مجتہدوں کے حق اور صواب پر ہونے میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، جیسے قرآن کریم کی سات قرأتیں، دعاؤں کے مختلف کلمات اور صیغے، نماز وتر کی رعتیں سات ہیں، نویں یا گیارہ، لہذا جس مسئلے میں از روئے دلالت اختیار ہو، اس میں اختلاف کرنا مناسب نہیں۔

اختلاف چار قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) جس معاملے میں حق قطعی اور یقینی طور پر متعین ہو اس صورت میں اختلاف کا کوئی جواز

نہیں، معین اور طے شدہ حق کے سوا جو بھی صورت ہوگی وہ باطل ہوگی۔

(۲) جس مسئلے میں غالب رائے کی مدد سے حق کا تعین ہو جائے اور باطل گمان غالب کے درجے میں ہو۔

(۳) جس مسئلے کے دونوں پہلوؤں میں کئی طور پر اختیار ہو، کوئی ایک پہلو اور سمت دوسرے سے رائج نہ ہو۔

(۴) جس کے دونوں اطراف میں غالب رائے کے ذریعے اختیار دیا گیا ہو۔

ان اقسام کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر مسئلہ کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے قاضی کے فیصلے کو منسوخ کیا جاسکتا ہے، مثلاً اس بارے میں کوئی صحیح اور مشہور حدیث موجود ہے تو اس صورت میں جو بھی اجتہاد اس حدیث کے خلاف ہوگا وہ باطل ہوگا۔ البتہ غلطی کے مرتکب مجتہد کو اس وقت تک معذور تصور کیا جائے گا جب تک اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ملتی۔

اگر اجتہاد کسی ایسے واقعہ سے متعلق ہے جو گزر چکا اور اب مشتبہ ہو گیا، مثلاً کسی خاص شخص کی موت یا زندگی اس میں شک پیدا ہو گیا اس معاملے میں حق اور یقینی امر ایک ہی ہے (وہ شخص زندہ ہے یا مر چکا) مگر غلطی کا ارتکاب کرنے والے مجتہد کو معذور سمجھا جائے گا۔

اگر اجتہاد کسی ایسے معاملے میں ہے جسے مجتہد کی کوشش اور عقل کے حوالے کر دیا گیا ہو اور دونوں مآخذ قریب قریب ہیں، دونوں میں سے کوئی بھی ذہن سے اتنا دور نہیں کہ کسی ایک مآخذ والے کو قصور وار ٹھہرایا جائے کیوں کہ ایسا کرنا لوگوں کے عرف و عادت کا حصہ نہیں ہے، جیسے دو آدمیوں میں سے ہر ایک سے کسی نے یہ کہا کہ تمہیں جو فقیر ملے اسے میرے مال میں سے دو درہم دے دو، اس نے کہا: مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں آدمی فقیر ہے؟

صاحب مال نے کہا: جب کسی شخص کے حالات اور قرائن سے تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ فقیر (اور ضرورت مند) ہے تو اسے دو درہم دے دو، اب ان دو شخصوں کے درمیان کسی ایک آدمی کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ ایک کہتا ہے کہ یہ فقیر ہے دوسرا کہتا ہے فقیر نہیں ہے اور مآخذ دونوں کے ذہن سے اتنے قریب ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں یہ دونوں شخص حق تک رسائی حاصل کرنے والے سمجھے جائیں گے، اس لیے کہ مال والے نے اپنے حکم کو اسی پر محمول کیا تھا کہ اس کی سوچ اور تحقیق کے لحاظ سے جو فقیر ہو اسی کو دو درہم دے دیے

جائیں اور اس کے ذہن میں کسی ظاہری تصور کے بغیر یہی آیا۔

بخلاف اس صورت کے کہ کسی بڑے تاجر کو دے دے جس کے نوکر چاکر ہوں (اور قرآن اس کے فقر اور شکستہ کی نفی کرتے ہوں) تو اس تاجر کو فقیر کہنے اور سمجھنے والا غلطی کا مرتکب نہ رہے گا اور جس شبہ کی طرف اس کا ذہن گیا ہے اس پر عمل کرنا غیر معقول ہوگا۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں:

(۱) جس شخص کو دور ہم دینے کے لیے منتخب کیا، یا تو حقیقت میں فقیر ہے یا فقیر نہیں ہے اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اس معاملے میں حق ایک ہی ہے (کہ وہ فقیر ہے یا امیر ہے) اور دو تھیضوں اور دو متضاد حقیقتوں کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔

(۲) مال ۱۰ کے کہنے کے مطابق اس شخص نے فقیر کو فقیر سمجھتے ہوئے دور ہم دے دیئے تو کیا اس نے مال ۱۰ کی تعمیل حکم کی یا نہیں؟ یقیناً تعمیل حکم کی، اب صورت حال یہ ہے کہ جس کی سوچ اور فیصلہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہو اس نے پورا پورا ثواب حاصل کر لیا۔

اگر اجتہاد ان امور میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے میں ہو جن میں اختیار دیا گیا ہے، جیسے قرآن حکیم کی سات قرأتیں، دعاؤں کے کلمات اور وہ افعال جن کو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کی سہولت کی خاطر مختلف طریقوں سے انجام دیا، باوجودیکہ ان طریقوں میں سے ہر طریقہ کسی مصلحت پر مبنی ہے تو اس صورت میں دونوں مجتہد مصیب یعنی حق پانے والے سمجھے جائیں گے۔

مولو! لا تظنوا نظر بالکل واضح اور ظاہر ہے اس میں کسی کے لیے سوچ بچار اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مقامات اختلاف

فقہاء اور مجتہدین کے درمیان جو اختلافات ہوئے اس کے چار بنیادی اسباب ہیں:

(۱) ایک مجتہد کو کسی واقعہ کے بارے میں ایک حدیث ملی اور دوسرے مجتہد کو نہ مل سکی اس صورت میں حق کو پانے والا مجتہد معین ہے۔

(۲) ہر مجتہد کے پاس احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور ہر ایک نے ایک حدیث کو دوسری حدیث کے ساتھ اور ایک اثر کو دوسرے اثر کے ساتھ تطبیق دینے

میں یا ترجیح دینے میں اجتہاد سے کام لیا ہے اور اس اجتہاد نے ہر مجتہد کو ایک معین ضم تک پہنچا دیا ہے جس کے سبب اس طرح کا اختلاف رونما ہوا۔

(۳) مجتہد نے حسب ذیل امور میں اختلاف کیا۔

الف مستعمل الفاظ و محاورات کی تشریح و توضیح اور ان کے مفہوم کا تعین۔

ب مستعمل الفاظ و کلمات کی جامع و مانع حدود کا تعین اور نشان دہی۔

ج اشیاء کے ارکان اور شرائط کی صحیح پہچان مثلاً ذکر، حذف، تخریج منط (۹) موصوف کا وصف عام سے، وصف خاص پر صادق آنا، نکیہ کا اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہونا، غیرہ وغیرہ۔

اس طرح ہر مجتہد کے اجتہاد نے اسے ایک جد اور مستقل مسلک (اور رائے) تک پہنچا دیا۔

(۴) مجتہدین نے مسائل کے اصول میں اختلاف کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فروعی مسائل میں

بھی اختلاف پیدا ہو گیا۔

مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تمام مجتہدین حق پر ہیں جب کہ سب کے مآخذ ہمارے ذکر کردہ

معنی اور طریقہ کے قریب ہوں۔ یعنی ذہن، کسی دشواری کے بغیر ان کو قبول کر سکتے، عقلی نقطہ نظر سے ان میں کوئی جوجیدگی نہ ہو۔

کتب اصول فقہ میں مذکورہ مسائل

اصول فقہ کی کتابوں میں جن مسائل کا ذکر ہے، ان کو دو حصوں اور قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ایک قسم کا تعلق عربی الفاظ کی تلاش و جستجو سے ہے جیسے خاص، عام، نص اور بظاہر اور یہ

ایسے ہے جیسے نحو کا قول کہ یہ اسم مکرر ہے اور معرفہ ہے، یہ علم ہے اور یہ جنس ہے، فاعل پر رفع

(پیش) آتا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔

مسائل کی اس پہلی قسم اور صورت میں زیادہ اختلاف نہیں ہے۔

(۲) دوسری قسم کے مسائل، ذہن کو ان امور کی طرف لے جاتے ہیں جنہیں عقل و دانش والا

شخص اپنی صلاحیت اور سلیقہ سے انجام دے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آپ نے ایک سمجھ دار آدمی کے سامنے پھٹی پرانی ایک کتاب

رکھ دی جس کے بعض حروف اور جملے مٹ چکے تھے، آپ نے اس سے کہا کہ وہ یہ کتاب پڑھے،

اس نے کتاب پڑھنی شروع کی جہاں حروف مدہم ہیں یا مٹے ہوئے ہیں اور ان کا پڑھنا دشوار ہے، انھیں وہ سیاق و سباق اور قرینے کی مدد سے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے گا۔

ایسی صورت میں دو عقل مند افراد کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے، جب کسی صاحب عقل و دانش کے سامنے دو راستے ہوں گے تو وہ اس راستے کو اختیار کرے گا جو دائل اور مصالح کی رو سے محفوظ تر ہوگا، یا تم سے کم یہ کہ اس میں دوسرے راستے کے بالمقابل خطرات کم ہوں گے۔

بالکل ایسی صورت حال سے علماء بھی دوچار ہوتے ہیں، ائمہ مجتہدین کے سامنے مختلف قسم کی احادیث آئیں، انھوں نے ان میں غور و خوض کیا، ان کی قوت اجتہاد نے ان کو یہ راستہ دکھایا کہ ایسی صورت میں جب کہ ایک ہی مسئلے میں ایک سے زائد احادیث ہوں کہ وہ دلیل و برہان یا قرینے کی بنیاد پر کسی ایک حدیث کو اس رائج حدیث کے ساتھ تطبیق دے لیں۔

اسی طرح ان کے سامنے بعض ایسے مسائل آئے جو سلف کے سامنے نہیں آئے تھے یا ان مسائل کا ظہور تو ہو چکا تھا مگر سلف نے ان کے بارے میں نہ گفتگو کی تھی اور نہ کوئی اجتہادی فیصلہ کیا تھا، ایسے مسائل کے بارے میں متاخرین علماء نے یہ طریقہ اپنایا کہ ان جیسے دوسرے مسائل میں غور و فکر کیا اور دیکھا کہ سلف نے ان کا کیا حکم بتا دیا ہے سبب اور علت کا اشتراک ڈھونڈا، اگر سبب اور علت میں اشتراک یا یسائیت پائی گئی تو وہی حکم پیش آمدہ مسئلہ کا معین کر دیا جو اس کے مشابہ پہلے سے موجود کسی مسئلہ کا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ مجتہدین میں جو فطری صلاحیتیں تھیں ان کی بدولت وہ ابلاغ و تفہیم کے لیے ایسی تدابیر وضع کرنے پر قادر ہو گئے تھے جیسے ایک انتہائی زیرک و دانا اپنی عقل و دانش کی مدد سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے کی صورت میں اس کے حل کے لیے اختیار کرتا ہے۔

اس تناظر میں اہل علم و دانش کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ سلف کی ان تدابیر و طرق کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے جو انھوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں یا جن کی طرف انھوں نے اپنی تحریروں میں اشارہ کیا ہے یا جو انھوں نے بعض مسائل سے اخذ کی ہیں، ائمہ چنانچہ اپنی کتابوں میں انھوں نے ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔

حل مسائل کے لیے سلف نے جو تدابیر اختیار کی تھیں بعد میں آنے والے اہل علم نے انہیں

قبول کر لیا اور کسی نئی کاوش، کوشش کی راہ ترک کر دی، اس کی بنیادی وجہ بظاہر یہ تھی کہ وہ تدابیر اور طریقے ان میں موجود فطری صلاحیت اور سلیقے سے پوری مطابقت رکھتے تھے۔

بعد میں آنے والے اہل علم کی طرف سے سلف کے طریقہ و نسخ کو کبھی طور پر قبول کر لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بعد جو فقہاء آئے، انھوں نے انہی تدابیر و طرق کو مسلمہ اصول کا درجہ دے دیا۔

اسی طرح جب علمائے حدیث نے روایت حدیث میں صحیح کو سقیم سے اور مستفیض کو غریب سے ممتاز کرنے، جرح و تعدیل کی رو سے راویوں کے حالات معلوم کرنے اور کتب حدیث کی ترتیب و تدوین اور کتابت میں مقدمہ و رجحان کو کوشش کی اور ان تمام میدانوں میں اپنی ان صلاحیتوں کا بھر پور مظاہرہ کیا جو ان کو عطا کی گئیں تھیں تو ان کے بعد آنے والے ان اہل علم نے جنہوں نے ان کے موضوع کو اپنایا اور ان کے ہموار کیے ہوئے میدان میں چلنے کا فیصلہ کیا، ان کی تدابیر و طرق کو مرتب و مدون، اصولی و کلیات کی صورت دے دی اور ان میں کسی ترمیم و اضافے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں ایک اہم اور قابل غور نکتہ ہے وہ یہ کہ اس قسم کے کئی اور اصولی مقدمات پر عمل کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جو جزئی صورت اور مسئلہ زیر بحث ہو وہ ان صورتوں اور ان مسائل میں سے نہ ہو جن کی اضداد کا حکم اہل علم و دانش پہلے معین کر چکے ہیں، کیوں کہ بسا اوقات ایسے مخصوص قرآن ہوتے ہیں جو کلیات کے طے کردہ حکم کے خلاف کسی دوسرے حکم کی نشان دہی کرنے والے ہوتے ہیں۔

نزاع اور اختلاف کی بنیاد، کلیات کی پیروی کر کے ایسا حکم صادر کر دینا ہے جس کے خلاف عقل مخصوص حالت و موقع کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر چکی ہو۔

اور یہ ایسا ہے جیسے آپ نے ایک پتھر دیکھا اور اسے دیکھ کر یقین کر لیا کہ یہ پتھر ہے، لیکن ایک مناظر آیا اس نے اعتراف کو رد کرنے یا کمزور کرنے کے لیے دلائل دینے شروع کر دیئے اور کہنے لگا کہ چیزیں اپنے رنگ اور مخصوص شکل و صورت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں اور بہت سی چیزیں ایک دوسرے کے مشابہ ہو سکتی ہیں، لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کو آپ نے دیکھا ہے وہ پتھر ہی ہے، مطلب یہ کہ وہ آپ کے مشابہ ہے اور یقین کو ایک قانون کلی کے زور سے توڑنا اور ختم کرنا چاہتا ہے لیکن حقیقت سے نا آشنا اس مناظر کی نظر سے یہ بات اوجھل ہے کہ دیکھنے والے کو جو

یقین اس مخصوص صورت میں (یعنی مشاہدے کے سبب) حاصل ہو چکا ہے وہ کلی قواعد و ضوابط اور نظری دلائل و براہین سے کہیں زیادہ مضبوط اور بے غبار ہے۔

ان حالات میں آپ کو ہر لحظہ اور ہر مرحلہ پر اس بات سے باخبر رہنا چاہیے کہ علماء کے اقوال کو حدیث و سنت نہ سمجھ بیٹھیں۔

اس طرح کے مسائل و معاملات میں انتہائی سکون، اطمینان قلب اور یکسوئی کے ساتھ غور و فکر اور فیصلے کی ضرورت ہے۔

مشاہدہ اور قرآن اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ فقہ کے اصول، قواعد و ضوابط اور اجتہاد میں اختلاف کا سبب تعقل و تدبر اور اطمینان قلب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ شریعت کا حکم اسی طرف جھک جاتا ہے جس طرف انسان کو اس کا غور و فکر اور کوشش پہنچادے، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہارا روزہ افطار کرنا اسی روز درست ہے جس روز تم نے روزہ افطار کیا اور تمہاری قربانی اسی روز درست ہے جس روز تم نے قربانی کی“۔

خطابی (۱۱) کہتے ہیں کہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جن مسائل کا مدار اجتہاد پر ہے ان میں لوگوں کی غلطی اور خطا معاف ہے۔ مثلاً کچھ لوگوں نے چاند دیکھنے کی مقدور بھر کوشش کی مگر تمیں تاریخ سے پہلے چاند نظر نہ آیا، ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آنے کی بنیاد پر انھوں نے ۳۰ رمضان کو روزہ رکھا اور پورے تین روزے کیے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ رمضان انتیس روز کا تھا تو ان کا تین تاریخ کا روزہ درست ہوگا اور ان پر کوئی گناہ بھی نہ ہوگا۔

اسی طرح مناسک حج کی ادائی کے دوران یوم عرفہ کے تعین میں غلطی ہو جائے تو حج کا اعادہ واجب نہیں ہے (حالانکہ وقوف عرفہ تمام فقہاء کے نزدیک حج کا رکن ہے) اور جو افعال و مناسک ادا کر چکے ہیں وہی کافی ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک سہولت اور نرمی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”مجتہد جب اپنے اجتہاد میں حق اور صحت کو پالے تو

اس کے لیے دواجر ہیں اور اگر اجتہاد میں غلطی کا مرتکب ہو جائے اور حق کو نہ پاسکے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔“

جو شخص بھی شارع علیہ السلام کے نصوص اور فتاویٰ کا احاطہ کرے گا وہ ایک قاعدہ کلیہ سے آگاہ ہوگا، وہ یہ کہ شارع علیہ السلام نے نیکی اور بھلائی کے تمام احکام کو امکانی حد تک تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا، خواہ ان کا تعلق ارکان و شرائط سے ہے یا آداب سے، جیسے وضو، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ نیز ان امور کو بھی وضع کر دیا جن سے یہ عبادات باطل ہو جاتی ہیں یا ان میں کوئی خرابی اور نقص واقع ہو جاتا ہے اور ان امور کی بھی نشان دہی کر دی جن کے ذریعے ان عبادات میں خرابی کی خلافی ہو سکے۔ لیکن اس تمام تر تفصیل کے باوجود ان ارکان و اعمال کی تعریفات کے بارے میں زیادہ بحث و تحقیق اور غیر ضروری تفصیل سے فریضہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور طرز عمل ہمیشہ یہ رہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کی جزیات کے بارے میں سوال کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایسے ہلکے پھلکے الفاظ اور پیرایہ بیان میں جواب دیتے جو خود ان کا اپنا روزمرہ کا اسلوب ہوتا اور جس میں وہ ایک دوسرے کو بات سمجھاتے، بسا اوقات وضاحت کی خاطر جزئی مسائل کو کئی مسائل پر محمول کر کے بتا دیتے، اس کے باوجود بھی اگر صحابہ رضی اللہ عنہ معاملہ کی تک نہ پہنچتے تو پھر بقدر ضرورت تفصیل فرماتے تاکہ مخاطب مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ جائے۔

جیسا کہ وضو میں آپ ﷺ نے چار اعضاء کا دھونا تو ضروری قرار دیا مگر اتنی وضاحت اور تفصیل نہیں فرمائی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ ملنا اور پانی بہانا وضو کی حقیقت میں داخل ہے یا نہیں؟ پانی کے بارے میں بھی یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ مطلق ہو یا مقید؟ نہ کنویر اور تالاب کے تفصیلی احکام ذکر فرمائے۔

یہ مسائل ایسے ہیں جو کثرت سے واقع ہوتے ہیں، یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ واقعہ نہ ہوتے ہوں۔

ایک سوال کرنے والے نے جب آپ ﷺ سے بر بضاعہ اور حدیث قلین (۱۲) کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے اتنی ہی وضاحت کی جتنی وہ ان الفاظ کی از خود سمجھتے تھے، اس

پر آپ ﷺ نے کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔

اسی بنا پر سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ہم نے دین میں پانی کے مسائل کے بارے میں بہت گنجائش اور وسعت پائی جب ایک بار آپؐ سے ایک عورت نے ایسے کپڑے کے بارے میں سوال کیا جسے حیض کا خون لگ گیا ہو تو اسے کیسے پاک کیا جائے تو سفیان ثوریؒ نے جواب دیا کہ ”خشک ہونے کے بعد اسے کھرچ دو، پھر خوب اچھی طرح کپڑے کو مل دو، اس کے بعد اس کپڑے میں نماز پڑھ لو۔“ اس کے علاوہ مزید تفصیل نہیں بتائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نماز قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا مگر یہ نہیں بتایا کہ قبلہ کا رخ معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سفر کرتے، اور دوران سفر انہیں قبلہ کا رخ معلوم کرنے میں سخت دشواری پیش آتی۔ اس دشواری کو دور کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ان کے لیے بے حد ضروری تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قبلہ کا رخ معلوم کرنے کا طریقہ نہیں بتایا۔

اس کی بنیادی وجہ اور حکمت یہ تھی کہ قیامت تک سمتوں کو معلوم کرنے کے بے شمار عقلی اور سائنسی طریقے ایجاد ہونے تھے اس لیے یہ بات آپ ﷺ نے لوگوں پر چھوڑ دی تھی کہ جیسے حالات ہوں، جو ذرائع موجود ہوں، لوگ ان کے ذریعہ قبلہ کا رخ معلوم کر لیں (اگر آپ ﷺ قبلہ کا رخ معلوم کرنے کا کوئی ایک طریقہ بتا دیتے تو بعد میں آنے والے ظاہر پرست، اس ایک طریقہ کے علاوہ باقی تمام طریقوں کی حرمت کا فتویٰ دیتے اور امت کے لیے دشواری کا سبب بنتا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر فتاویٰ، ارشادات اور ہدایات کی یہی صورت حال ہے، جزوی اور اضافی معاملات کو امت کے اہل علم کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ حالات اور اپنی سہولت کے مطابق ان کو حل کریں۔ اہل فکر و نظر پر حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات میں غور و فکر کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملات کی بہت زیادہ گہرائی میں جانے سے گریز کیا ہے۔ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل کی جزئیات بھی بیان نہیں کیں، اصول اور کلی قواعد کے بیان پر اکتفا کیا۔ نیز احکام و مسائل کے اقسام کے حصر اور احاطے سے بھی گریز فرمایا۔ (۱۳)

نبی علیہ السلام کے اس طرز عمل میں عظیم مصلحت پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ اکثر و بیشتر مسائل کا انجام ایسے حقائق پر ہوتا ہے جو عرف و عادت میں اجمال و اختصار کے ساتھ رائج و مستعمل ہیں، لوگ تفصیلات کے بغیر ہی ان پر عمل کرتے ہیں، اگر ان مسائل و احکام کی جامع و مانع اور محکم تعریف کی جائے اور ایک حتمی منطوق و مفہوم معین کر لیا جائے تو شدید دشواریوں کا سامنا ہو اور لوگوں کے لیے ان پر عمل کرنا مشکل ہو جائے اور ان احکام و مسائل کی جامع و مانع تعریف بذات خود ایک مشکل مرحلے کی صورت اختیار کر لے۔

بسا اوقات تعریف کرتے وقت دو مشکل حقائق میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کے لیے ایسے قواعد و احکام وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے جن کا بیان کرنا بہت دشوار ہوتا ہے، ان حقائق کی توضیح و تشریح کی اگر کوشش بھی کی جائے تو وہ ممکن نہیں ہوتی۔

اگر تکلف اور دشواری کا راستہ اپنا کر ایسا کر بھی لیا جائے تو پھر ایک مرحلے پر انہی جیسے حقائق سے ان کی تفسیر و توضیح کی ضرورت پیش آئے گی اور اس طرح تشریح و تشریح کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

اس سلسلے کو ختم کرنے کی صرف ایک صورت رہ جائے گی، وہ یہ کہ معاملے کو مامور اور مجتہد کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، حالانکہ بعض دوسرے حقائق ایسے ہیں جنہیں مامور اور مجتہد کی رائے پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔

اسی مصلحت کی بنا پر شارع علیہ السلام نے جزئیات کی تعبیر و تشریح اور تعین کا کام مامور اور مجتہد افراد کی رائے پر چھوڑ دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمد سعید اور موجودگی میں جب کسی ایسے مسئلے میں ان لوگوں کے درمیان اختلاف ہوا جو مامور و مکلف تھے اور اس مسئلے میں اختلاف کی گنجائش بھی تھی۔ (شارع علیہ السلام نے پہلے سے اس کا کوئی حکم معین نہیں فرمایا تھا اس میں اجتہاد کی گنجائش تھی) وہاں کسی سختی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ مثلاً عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی آیت وَلَا تَلْقُوا بَانِدِيكُمْ اِلٰى الْفَهْلُكَةِ (۱۳) (اپنے تئیں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) سے یہ مطلب نکالا کہ اگر کسی کو نہانے کی صورت پیش آجائے اور ٹھنڈے پانی سے نہانے کی صورت میں اسے بیمار یا ہلاکت

کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرو بن العاصؓ کے اس اجتہاد اور رائے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے نہ ان کی رائے کو رد کیا اور نہ ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے قرآن حکیم کی آیت **أُولَٰئِكَ مَسْتَمُوعَاتُ الْمُنَافِقِينَ** (یا یہ کہ تم نے عورتوں کو چھوا) سے یہ حکم اخذ کیا کہ تیمم کی اجازت صرف عورت کو چھونے کی صورت میں ہے ازواجی تعلق کی ادائیگی کی صورت میں تیمم کی اجازت نہیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد و استنباط سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص کو غسل کی حاجت ہو وہ غسل ہی کرے۔ تیمم اس کے لیے کافی اور جائز نہیں ہے۔

نیز عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد اور رائے عمرو بن العاصؓ کی رائے اور اجتہاد کے خلاف ہوا، سنن نسائی نے ایک واقعہ نقل کیا کہ ”ایک شخص کو غسل کی ضرورت پیش آئی، اس نے نہ غسل کیا اور نہ نماز پڑھی، مسند پوچھنے کی خاطر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے ٹھیک کیا، اسی طرح ایک اور شخص کو غسل کی ضرورت پیش آئی، اس نے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی (سردی کی وجہ سے غسل نہ کیا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال عرض کیا آپ ﷺ نے اس سے بھی فرمایا کہ ”تو نے ٹھیک کیا۔“

آپ ﷺ نے ان لوگوں پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا جنہوں نے نماز عصر کو مؤخر کر دیا تھا یا جن لوگوں نے نماز عصر غروب آفتاب سے پہلے وقت میں ادا کر لی تھی۔ جب کہ ان سب سے نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ نماز عصر بنی قرینہ میں جا کر پڑھنا۔ (۱۶)

جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور کلام کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے گا اور ان کو اچھی طرح سمجھے گا نیز اس حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقصد اور فضا تھا، اس کو پالے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم اور کلام کے مفہوم کو سمجھنے کا معاملہ مخاطبین پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اس مجمل کلام کا وہی مفہوم مراد لیں جو مباحث عرف اور محاورے میں لیا جاتا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کلام کو دوسرے کلام کے ساتھ اور ایک حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ تطبیق دینے کا معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقل و فہم اور قوت اجتہاد کے حوالے فرما دیتے تھے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ فقہاء بہت سے مسائل میں فیصلہ مامور اور مکلف کی تحری،

کوشش اور عرف کے حوالے کرتے تھے اور جب مختلف افراد ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف فیصلوں اور نتیجوں پر پہنچتے تھے تو ان میں سے کسی کو ہدف ملامت نہیں بناتے تھے۔

اس کی مثال وہ مسئلہ بھی ہے جس میں کسی ایک فریق پر گرفت نہ کرنے پر فقہاء کا اجماع ہے، وہ یہ کہ تاریکی کی صورت میں مختلف لوگوں نے کوشش اور جستجو سے قبلہ کا رخ معلوم کیا اور اس کے مطابق نماز ادا کی، ان کے فیصلے اور عمل میں اختلاف کے باوجود کسی کو مور و الزام نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ اس مصلحت کی ایک مثال وہ بھی ہے کہ جواہل مناظرہ نے بیان کی کہ دلائل کے مبادی اور مقدمات کے بارے میں بحث نہ کی جائے کیوں کہ اس بحث سے انتشار لازم آئے گا، جو شخص اس مسئلے کی حقیقت کو بخوبی جان لے گا اس پر یہ بات اچھی طرح عیاں ہو جائے گی کہ:

الف: اجتہاد کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور حق ان مختلف صورتوں میں دائر ہوتا ہے۔

ب: دین میں تنگی نہیں بلکہ وسعت اور گنجائش ہے۔

ج: کسی ایک چیز پر بغیر دلیل کے جم جانا اور مخالف کی نفی پر یقین کرنا، بے اصل بات ہے۔

د: اگر حقائق و معاملات کی ایسی تعریفات کی گئی ہیں جو ذہن کو ایسے معانی کے قریب لے آتی ہیں جنہیں ہر صاحب زبان سمجھ سکے تو وہ علم کا مد کرنے والا کہلائے گا اور اگر اس کی تعریفات لوگوں کے ذہنوں سے دور ہیں اور ان کے ذریعے من گھڑت مقدمات میں فرق و امتیاز مشکل ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ایک نئی شریعت بن جائے۔

ہ: عزالدین بن عبدالسلام (۱۷۱) نے یہ بات بالکل درست کہی ہے کہ:

وہ شخص کامیاب ہے جو ان باتوں پر عمل کرتا رہا جن پر علماء کا اتفاق ہے اور ان باتوں سے بچتا رہا جن کو علماء نے بلا کسی اختلاف کے حرام قرار دیا اور ان امور کے جواز کا قائل ہوا جن کے جواز کا علماء اور فقہاء نے فتویٰ دیا، جن اعمال و افعال کے استحباب پر علماء متفق ہوئے، انہیں یہ بھی مستحب سمجھتا رہا جن کی کراہت پر اتفاق کیا، انہیں مکروہ جانا۔

البتہ جن امور میں علماء نے اختلاف کیا اور کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے ان کو دو حصوں اور دو صورتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جس امر میں اختلاف کیا گیا ہے اس کا تعلق ان مسائل سے ہو جن سے حکم دینے والے

کا حکم کا عدم ہو جاتا ہو تو اس صورت میں تقلید کی کوئی گنجائش نہیں رہتی بلکہ یہ حکم واضح غلطی اور خطا سمجھا جائے گا اور اس حکم کو کا عدم اس لیے قرار دیا جائے گا کہ یہ غلطی نفس شریعت میں ہے اس کے مآخذ و مصدر میں ہے اور شریعت کا جو حکم اور منشا ہے اس غلطی نے اس حکم کو اس سے ہٹا دیا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جس امر میں اختلاف کیا گیا ہے اس کا تعلق ان مسائل سے نہیں جن سے حکم دینے والے (شریعت) کا حکم ختم ہو جاتا ہے، ایسے حکم کو بجالانے یا اس کو چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے (بے دلیل رائے پر نہ چلے) کیوں کہ مہد اول میں امت مسلمہ کا طریقہ یہی رہا کہ وہ کسی خاص فقہی مسلک کی پیروی (تقلید) نہیں کرتے تھے بلکہ مسلک کی تحقیق کیے بغیر، علماء سے رجوع کرتے تھے اور ان کے فتاویٰ کو معتبر جانتے تھے، اسی طرح علماء بھی اس بات کو برا نہیں سمجھتے تھے کہ ایک عام آدمی کسی خاص مسلک کی تقلید نہیں کرتا بلکہ جو عالم اور فقیہ اس سے قریب تر ہے اور اس تک اس کی رسائی ہے وہ وہی مسائل میں فتویٰ لینے اور سوال کرنے کے لیے اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، یہاں تک کہ فقہی مسالک نمایاں اور معروف ہو گئے اور ان کی تقلید کرنے والوں میں تعصب اور جنگ نظری پیدا ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے ایک امام اور مجتہد کی تقلید کو ضروری قرار دے لیا جو شخص جس امام کا مقلد ہے وہ ہر مسئلے میں اسی کی تقلید کرتا ہے خواہ اس کا مسلک اور اجتہاد دلائل سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔ گویا وہ امام اور مجتہد، ایک عالم اور فقیہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک رسول ہے۔

تعصب اور فکرو ذہن کی یہ تنگی انسان کو حق سے دور پھینک دینے والی ہے، جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے عقل سے نوازا ہے وہ اس تعصب اور جنگ نظری کو نہ پسند کر سکتا ہے اور نہ اپنا سکتا ہے۔

عزالدین بن عبدالسلامؒ نے یہ بھی کہا:

”کسی نے ابتدا میں کسی ایک امام کی تقلید کی، کچھ عرصہ بعد اس نے اس امام کے فقہی مسلک کو چھوڑ کر کسی دوسرے فقہی مسلک کی تقلید کرنا چاہی تو کیا یہ امر اس کے لیے جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ وہ فقہی مسلک جس کو وہ اختیار کرنا چاہتا ہے اگر ان مسالک میں سے ہے جن میں حکم کو توڑا جاتا ہے تو اسے ایسے حکم کو اختیار کرنا جائز نہیں جس کو توڑنا واجب ہو، اس لیے کہ اس کو

توڑنا اس کے باطل ہونے کی وجہ سے ہے۔

اگر وہ فقہی مسلک جسے وہ چھوڑ رہا ہے اور وہ فقہی مسلک جسے وہ اختیار کرنا چاہتا ہے، ماخذ و مصدر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں دونوں مسلک کے مصادر میں زیادہ فرق نہیں، تو پھر ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرے فقہی مسلک کی پیروی کرنا جائز ہے، اس لیے کہ عہد صحابہؓ سے لے کر اس وقت تک جب تک چار فقہی مسلک عالم اسلام میں رائج نہیں ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کو اپنا نہیں لیا اس وقت تک کسی ایک مسلک کے بجائے علماء کی پیروی کرتے رہے، جو شخص جس عالم کو علم و تقویٰ میں افضل سمجھتا اسی سے فتویٰ لیتا اور اس پر عمل کر لیتا، قطع نظر اس سے کہ وہ حنفی ہے، مائتھی ہے، یا شافعی (پیش نظر علم اور تقویٰ ہوتا تھا خاص مسلک نہیں)۔“

کسی ایسے شخص نے اس عمل اور رویہ کو ناپسندیدہ قرار نہیں دیا جس کی ناپسندیدگی کو وقیع سمجھا جاتا، اگر یہ طریقہ باطل اور غلط ہوتا تو اہل علم یقیناً اس کو رد کر دیتے اور لوگوں کو اسے اپنانے سے روک دیتے۔“

اور اللہ تعالیٰ حق کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

ہم نے جو تفصیل اور تجزیہ آپ کے سامنے پیش کیا اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ حکم جس کے بارے میں مجتہد اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کلام کرتا ہے وہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتا ہے یا ان کے الفاظ و اقوال کی طرف یا کسی ایسی علت کی طرف جو شارع علیہ السلام کے الفاظ سے ماخوذ ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر ہر اجتہاد میں دو صورتیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ مجتہد نے اپنے اجتہاد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کیا شارع علیہ السلام نے اپنے کلام سے وہی معنی مراد لیے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد ہیں؟ اور جب شارع علیہ السلام نے ایک واضح اور مخصوص حکم صادر فرمایا تھا تو کیا ذہن مبارک میں یہی علت تھی یا اس کے علاوہ کوئی اور؟ اگر اس صورت حال کی روشنی میں مجتہد کے حق پر یا غلطی پر ہونے کا فیصلہ کرنا ہے تو کسی تعین

کے بغیر دو مجتہدوں میں سے ایک حق پر ہے اور ایک خطا پر ہے۔

(۲) شریعت کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت و وضاحت کے ساتھ، یا دلائل اور اشارہ کے ذریعہ یہ فرمایا کہ جب ایسی صورت حال پیش آئے کہ میری امت کے افراد میرے کسی حکم اور نص یا کسی حکم اور نص کے مفہوم و مصداق کے تعین میں اختلاف اور شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں، اس کے کسی ایک معنی اور مدلول پر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ اجتہاد کرے اور حق کو پہچاننے کے لیے امکانی حد تک اپنی قدرت و صلاحیت کو بروئے کار لائے۔

مجتہد نے اپنی مقدور بھر کوشش سے جب شارع علیہ السلام کے مجمل حکم اور نص کا ایک مفہوم معین کر لیا تو اس پر لازم ہو گیا کہ وہ اس کی پیروی کرے (کیوں کہ اس کے اجتہادی فیصلے کی رو سے وہی حق ہے)۔

جیسا کہ نبی علیہ السلام نے امت کو یہ ہدایت کی کہ جب تاریک رات میں رخ قبلہ کا تعین دشوار ہو جائے تو پھر واجب ہے کہ کوشش اور اجتہاد سے سمت قبلہ کا تعین کریں اور اس کے مطابق نماز ادا کر لیں۔

اس حکم کو شریعت نے وجود تحریری یعنی کوشش اور اجتہاد پر معلق کیا ہے، جیسے نماز کو وقت پر یا جیسے بچہ کے احکام کی بجا آوری کا مکلف ہونے کو اس کے بالغ ہونے پر معلق کیا ہے۔

اگر اس مقدمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ زیر بحث جس میں مجتہد کے اجتہاد کو رد کیا جاسکتا ہے تو اس کا اجتہاد قطعی طور پر باطل ہے۔

اور اگر اس مسئلے میں صحیح حدیث موجود ہے اور مجتہد کا اجتہاد اس کے خلاف ہے تو بھی اس کے اجتہاد کو باطل قرار دیا جائے گا۔

اگر دونوں مجتہد قواعد و ضوابط کی پاسداری کرتے ہیں، حزم و احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور کسی ایسی حدیث یا کسی ایسے ضابطے کے خلاف کوئی رائے قائم نہیں کرتے جس کے سبب مجتہد کا اجتہاد، قاضی کا فیصلہ اور مفتی کا فتویٰ کا عدم قرار پاتا ہے تو پھر دونوں مجتہدوں کو حق پر تصور کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو زیادہ جاننے والا ہے۔

باب نمبر (۲) حواشی و حوالہ جات

(۱) ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعرئ کا شمار تیسری صدی ہجری کے ممتاز علماء میں ہوا، رئیس المعتزلہ جہانکی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اگر مسلک اعتزال کو چھوڑ کر جماعت اہل السنہ میں شامل نہ ہوتے تو اس کے جانشین ہوتے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قدیم اہل السنہ کے عقائد کی تائید و اثبات کے لیے علم کلام کو استعمال کیا۔

ایک عرصہ تک مسلک اعتزال سے وابستہ رہنے کے باعث وہ معتزلہ کے اصول اور عقائد سے پوری طرح آگاہ تھے، ان کی آراء کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اس لیے علم کلام میں مہارت تھی، ان باتوں کے اجتماع سے ان کو یہ قدرت حاصل ہوئی کہ وہ ان کا مسلک چھوڑنے کے بعد مؤثر انداز سے اس کا رد کریں۔

جن لوگوں نے ابوالحسن اشعرئ سے براہ راست استفادہ کیا ان کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے وہ "اشاعرہ" یا "اشعرئ" کہلائے اور اس طرح "اشاعرہ" کے عنوان سے ایک مستقل علمی حلقہ فکر وجود میں آ گیا۔

ابن عساکرؒ اور ابن فورکؒ نے ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ تک بیان کی ہے "مقالات الاسلامیین" نے بہت شہرت پائی۔ اس میں مختلف مسلم فرقوں کا تعارف و تذکرہ ہے۔

۲۶۰ ہجری میں بصرہ میں پیدا ہوئے ۳۲۴ ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔

قاضی ابوبکر بن العربیؒ۔ پورا نام: ابوبکر محمد المعافری الاندلسی القاضی (متوفی ۵۳۶ھ)

قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیمؒ۔ (متوفی ۸۲۰ھ)

ابن شریحؒ، بظاہر ابوامیہ شریح بن الخارث بن قیس بن جهم بن معاویہ مراد ہیں۔ (متوفی ۷۸ھ)

(۲) اشاعرہ حاشیہ نمبر "ایک" دیکھئے۔ بضمن "ابوالحسن اشعرئ"

(۳) معتزلہ: علم کلام کا ایک مدرسہ فکر جس نے عقل اور نقل کے درمیان تطابق اور توافق کی کوشش کی۔

اعتزال کے معنی کسی شخص یا گروہ سے الگ ہو جانے کے ہیں، قرآن حکیم نے اس معنی میں

استعمال کیا۔ فَاِنَّ لَّكُمْ فَاَعْنُوْا لِيْ فَاَعَزُّ لُوْنُ (الدخان، ۲۱) اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ

معتزلہ کے بہت سے شیوخ نے اپنے آپ کو ”معتزلہ“ کہنے میں کوئی تردد محسوس نہیں کیا لیکن انھوں نے اپنے لیے ”اہل العقل والتوحید“ کے لقب کو زیادہ پسند کیا۔ اسکے باوجود علمی دنیا میں یہ طبقہ ”معتزلہ“ ہی کے نام سے روشناس ہوا۔

معتزلہ کا کہنا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک ہمارا ہم مسلک نہیں کہلائے گا جب تک وہ ان پانچ اصولوں کو تسلیم نہ کرے۔ (۱) توحید، (۲) عدل، (۳) وعدہ و وعید، (۴) منزل، (۵) بین المیزتین، (۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

ان کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔

(۱) اللہ کی صفات اس کی ذات سے جدا نہیں ہیں، مطلب یہ کہ اس کے لیے فقط ذات ہے صفات نہیں ہیں۔

(۲) قرآن میں اللہ کے ”ید“، ”ہاتھ“ اور ”وجہ“ (چہرہ) کا جو ذکر آیا ہے اس سے مراد اس کا فضل اور ذات ہے۔

(۳) حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن نہیں، آخرت میں بھی اس کا دیدار نہ ہوگا۔ اللہ کی رویت تو اگر ممکن مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جسم رکھتا ہے۔ (۴) قرآن مخلوق ہے۔

(۵) انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اپنے افعال میں اختیار کا مالک ہے۔

(۶) ایک مومن، گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے نہ مومن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے۔

ان میں دو گروہ ہوئے، بصری اور بغدادی، بصری گروہ زمانی اعتبار سے مقدم ہے اور اعتزال کے اصول و فروع متعین کرنے کا سہرا بھی بصری شاخ کے سر ہے، بغدادی گروہ نے انہی کے نقوش پاکی پیروی کی، ان کے اہل علم میں واصل بن عطاء (متوفی ۱۳۱ھ)، ابوعلی محمد بن عبد الوہاب جبائی (متوفی ۳۰۳ھ)، عمرو بن عبید (متوفی ۱۴۲ھ)، محمد بن ہذیل العلاف (متوفی ۲۳۵ھ)، ابراہیم بن سيار بن ہانی النظام بصیر (متوفی ۲۳۱ھ) اور ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ

(متوفی: ۲۵۵ھ) بہت نمایاں ہیں۔

الہلک والنحل (عبد الکریم شہرستانی)، وفيات الاعیان (ابن خلکان)، الاعلام (زرکلی)

(۴) ابن سہبانی: الحافظ عبد الکریم بن محمد سعد بن سہبانی۔ (متوفی ۵۶۲ھ)

(۵) بیضاوی: ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی شیرازی البیضاوی، مفسر، تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل جو تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے۔

(۶) سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴ ہے، یہ نصاریٰ سے خطاب ہے، آیت کا ابتدائی حصہ ہے۔
وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ

(انجیل والوں کو چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق فیصلے کریں)۔

(۷) خبر واحد راویوں کی کثرت تعداد اور قلت تعداد کے لحاظ سے حدیث کی ایک قسم، ایک تعریف یہ کی گئی کہ جس کے روایت کرنے والے ایک نسل اور ایک طبقے میں تین سے کم رہ گئے ہوں، بعض محدثین نے یہ تعریف کی کہ: جس کے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال سمجھا جائے۔

(۸) مناط کے معنی مدار اور علت کے ہیں کسی معاملے اور مسئلے میں علت کو پہچاننے اور اس کا پتہ لگانے کے لیے فقہاء نے تین اصطلاحیں ایجاد کیں۔

(۱) تنقیح مناط، (۲) تخریج مناط، (۳) تحقیق مناط۔

”تنقیح مناط“ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ الحاق انواع بالاصل بالغاء الفاروق (فرق کرنے والے کو انفقہ) اور عکس کر اصل کے ساتھ فرع کو ملا دینا)

(ارشاد النجاشی، محمد بن علی بن محمد شوکانی، تصدق، فصل رابع)

یعنی جس واقعہ میں حکم موجود ہے اس کے مجموعہ پر نظر ڈالنے سے مختلف قسم کے اوصاف سامنے آتے ہیں، ان میں بعض ”حکم“ میں مؤثر ہوتے ہیں اور بعض مؤثر نہیں ہوتے، اجتہاد کے ذریعہ مؤثر اور غیر مؤثر میں امتیاز قائم کرنا، غیر مؤثر کو مؤثر سے جدا کرنا اور بحیثیت علت مؤثر کو واضح اور صحیح کرنا ”تنقیح مناط“ کہلاتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہلاک ہو گیا، آپ ﷺ نے پوچھا: کس وجہ سے

ہلاک ہوئے؟ بولا: رمضان میں قصداً اپنی بیوی سے جماع کر لیا، آپ ﷺ نے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، اس واقعہ میں کئی اوصاف ہیں جن پر حکم کے مدار اور علت ہونے کا گمان ہو سکتا ہے۔ مثلاً دیہاتی ہونا (ان پڑھ) اپنی بیوی سے جماع کرنا، قصداً کرنا، رمضان کے روزے میں کرنا، مجتہد ان سب میں غور و فکر کر کے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ ان اوصاف میں کون سا وصف حکم کی علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور کون سا وصف یہ صلاحیت نہیں رکھتا، پھر دلائل کے ذریعے دونوں میں امتیاز کرتا ہے اور جس میں علت بننے کی صلاحیت دیکھتا ہے اس کو واضح اور متّح (نمایاں) کرتا ہے۔ چنانچہ ”تنقیح مناط“ کے ذریعہ مذکورہ بالا صورت میں وصف جماع جو قصداً رمضان کے روزے میں ہو، علت قرار پایا اور باقی اوصاف کو حکم کی علت بننے کے اعتبار سے انقراض کر دیا گیا۔

”تخریج مناط“ (علت نکالنا) کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: استخراج علت معینۃ لل حکم ببعض الطرق المقدمۃ۔ (مقررہ طریقوں کے ذریعے حکم کی معین علت نکالنا اور معلوم کرنا)۔ (منہاج الاصول، ابو حامد بن محمد الغزالی)۔

”تنقیح“ میں حکم کے مدار اور علت کی حیثیت سے ان اوصاف کو مسترد کیا جاتا ہے جو علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ”تخریج“ میں اس وصف کو دلائل کے ذریعے متعین کیا جاتا ہے جو علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے مذکورہ بالا مثال میں، دیگر اوصاف کو فوق قرار دے کر وصف جماع (جو قصداً رمضان کے روزے میں کیا گیا) کو علت کے لیے مخصوص و معین کیا گیا یا جیسا کہ قصاص کی علت قتل کو قرار دیا گیا۔

”تحقیق مناط“ (علت جاری کرنا) کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی۔ ان يقع الاتساق علی وصف بنص او اجماع فیجتہد الناظر فی صورۃ النزاع التی خفی فیہا۔ (نفس یا اجماع کے ذریعے جو علت متعین ہو چکی ہو اس کو اجتہاد کے ذریعہ زیر بحث نئے مسئلے میں جاری کرنا)۔ (حصول المامول۔ صدیق حسن خاں)

حکم کے نفاذ کے لیے موقع و محل کی تعیین بھی تحقیق مناط میں داخل ہے۔

تحقیق کی ایک شکل یہ ہے کہ حکم موجود ہے، اس کی علت متعین ہے، اجتہاد کے ذریعے اس کو نئے مسئلے میں جاری کرنا ہے تاکہ نئے مسئلہ کا بھی وہی حکم ہو، مثلاً سود کی علت کیل (ناپ) یا وزن

مع الجہنس تسلیم کی جائے تو جن چیزوں کا ذکر حدیث میں نہیں ہے اجتہاد کے ذریعہ ان میں غور و فکر کرنا کہ وہ علت کس میں پائی جاتی ہے جس کی بنا پر اسے سود والی اشیاء میں شمار کیا جائے اور کس میں نہیں پائی جاتی کہ اسے سود سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

(۹) راویوں کی تعداد کے لحاظ سے محدثین نے احادیث کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔

- (۱) متواتر: وہ حدیث جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر بعد کے ادوار تک اسنے راویوں نے بیان کی ہو کہ جن کا عقلاً اور عادتاً جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔
- (۲) مشہور: وہ حدیث جس کے روایت کرنے والے کسی بھی نسل اور کسی بھی طبقے میں تین سے کم نہ ہوں۔

فقہاء اور محدثین کی اکثریت نے کہا کہ خبر مشہور کو خبر مستفیض بھی کہا جاتا ہے، بعض محدثین نے کہا کہ مشہور مستفیض کی نسبت عام ہے، خبر مستفیض کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی، مستفیض وہ ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر بعد کے ادوار تک ایک کثیر جماعت نقل کرے۔

خبر واحد: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے روایت کرنے والے ایک نسل اور ایک طبقے میں تین سے کم رہ گئے ہوں۔

خبر غریب: تعداد رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی ایک قسم ”خبر غریب“ بھی ہے اس کی تعریف یہ کی گئی: وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر بعد کے ادوار تک ایک ہی راوی ہو۔

صفات رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں بیان کی گئیں۔

(۱) صحیح (۲) حسن

صحیح: وہ حدیث جو عدل، کامل حافظ اور اتصال سند کے ساتھ نقل کی گئی ہو اور علت و شد و ذ سے پاک ہو۔

حسن: ہر وہ حدیث جو اس خصوصیت سے بیان کی جائے کہ اس کی سند میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جس پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو، وہ حدیث شاذ نہ ہو اور ایک سے زائد طریقوں سے منقول ہو۔

(شرح نخبہ الفکر (ابن حجر عسقلانی)، کتاب العلل (ترمذی) تیسیر معطّح الحدیث (محمود طحان)

۱۰) خطابی ابوسلمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب بستی خطابی۔ فقیہ، محدث، متوفی: 388ھ۔

۱۱) ناظر کے حوالہ سے ایک فقہی مسئلہ ہے کہ پانی کی وہ کون سی مقدار ہے جس میں اگر نجاست گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہو، بلکہ پاک ہی رہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ”جو پانی قلعین سے زیادہ ہو اس کو کوئی نجاست ناپاک نہیں کرے گی“۔ دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اذا كان الماء قلعين لم يحمل الخبث“ کہ جب پانی دو قلعہ کی مقدار ہو جائے تو نجاست گرنے سے وہ ناپاک نہیں ہوگا، یہ حدیث ”حدیث قلعین“ کے نام سے مشہور ہے۔ فقہاء نے قلعین میں پانی کی جس مقدار کا اندازہ لگایا وہ آج کل کے اوزان کے اعتبار سے کم و بیش سوا دو سو لیٹر بنتی ہے۔

۱۲) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ایسے اجمال کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً قرآن نے جہاں احکام صوم بیان کیے اور یہ کہا کہ اگر کوئی شخص مریض ہو یا مسافر ہو تو روزہ چھوڑ سکتا ہے، رمضان کے بعد اس کی قضا کرے، یہاں قرآن نے مرض کی وضاحت نہیں کی کہ کس درجے کا مرض ہو تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہوگی، اسی طرح سفر کی بھی وضاحت نہیں کی کہ کتنا سفر ہوگا اور اس قسم کا ہوگا جس میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی۔

مرض کی وضاحت سنت رسول اللہ ﷺ نے بھی نہیں ہے، مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا، لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں، ایک آدمی ایک تکلیف برداشت کر سکتا ہے لیکن دوسرا آدمی اسی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا بلکہ ایک ہی آدمی ایک عمر میں ایک تکلیف کو برداشت کر لیتا ہے مگر بڑی عمر میں پہنچ کر اتنی ہی تکلیف برداشت کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا، انسان خود اپنے ضمیر کو مفتی بنائے اور اس سے فیصلہ کرائے کہ وہ کس مرض میں روزہ رکھ سکتا ہے، اگر نہیں رکھ سکتا تو ”فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ“ پر عمل کرنے والا ہوگا۔

سفر کی ایک گونہ وضاحت سنت رسول اللہ ﷺ نے کی، صرف مسافت کا اندازہ بتایا کہ کم از کم اتنی مسافت ہو تو مسافر کہلاؤ گے اور ترک صوم کی اجازت ہوگی لیکن یہ تجزیہ نہیں کیا کہ سفر اگر تکلیف دہ اور دشوار ہے تو روزہ قضا کرنے کی اجازت ہوگی اور اگر سفر آرام دہ ہے تو ترک صوم کی

اجازت نہیں ہوگی یہ اجمال بھی حکمت پر مبنی ہے، ترک صوم کی جو رعایت دی گئی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سفر سے آدمی کے معمولات بگڑ جاتے ہیں، ذریعہ سفر خواہ آرام دہ ہو یا تکلیف دہ۔ گھر کے معمولات سفر میں باقی نہیں رہتے، اسی سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے، سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رعایت دے کر بندہ مومن کو اسی تکلیف سے بچانا مقصود ہے، احکام صوم کی جو آیات ہیں ان کے درمیان سیاق و سباق اور مضمون کے تسلسل کو تو ذکر ”یرید اللہ حکم الیسر ولا یرید حکم العسر“ کہنے کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے۔

(۱۳) القرآن: البقرہ (۲)، ۱۹۵

(۱۳) یہ سورۃ النساء کی طویل آیت (آیت نمبر: ۳۳) ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم اس وقت نماز کے قریب بھی مت جاؤ جب نشے کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ جو پڑھ رہے ہو اسے سمجھنے لگو اور نہ اس وقت نماز کا ارادہ کرو جب ناپاکی کی حالت میں ہو یہاں تک کہ غسل کر لو، مگر حالت سفر میں (اسی کا حکم مختلف ہے) اور اگر تم مریض ہو، یا سفر کی حالت میں ہو، یا تم میں سے کوئی پیشاب، پاخانے سے فارغ ہو کر آئے، یا عورتوں کے پاس گیا ہو۔“

”لا تمس النساء“ کے مفہوم و منطوق میں فقہاء کا اختلاف ہوا۔ لغت کی رو سے ترجمہ ہوگا کہ ”تم نے عورتوں کو چھوا ہو“ یا تم ان کے پاس گئے ہو۔ اکثر فقہاء نے قرآن اور سیاق و سباق کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا کہ یہاں عورتوں کو چھونا مراد نہیں اور نہ ان کے پاس جانا مراد ہے، بلکہ ان سے صحبت کرنا مراد ہے، غسل اسی سے واجب ہوتا ہے، عورت کے پاس جانے سے اس سے ملنے سے یا اس کو چھونے سے غسل واجب نہیں ہوتا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت میں ملامتہ (چھونے سے) صحبت مراد ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ، مجاہد اور حسن بصریؒ کی رائے یہی ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جسم کا چھونا مراد ہے (احکام القرآن)۔

(۱۵) یہ بات اجتہاد کے اصول میں داخل ہے کہ عبارت کے الفاظ اور معانی میں کس کو ترجیح دی جائے، ذہن اور نکتہ رس صحابہؓ (جن کو فقہائے صحابہ بھی کہا گیا) اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ الفاظ اظہار مقصد کا ایک ذریعہ ہیں، ہر موقع پر لفظ کے ظاہری مفہوم پر عمل ممکن نہیں ہوتا بلکہ بعض

مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں معنی و مفہوم کو ترجیح دینا ضروری ہوتا اور الفاظ کے ظاہری مفہوم کو ثانوی حیثیت دینا ہوتی ہے، یہی صورت حال غزوہ احزاب کے موقع پر پیش آئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سحابیہ کو ایک مخصوص پیغام دے کر قبیلہ بنی قریظہ کی طرف بھیجا اور ان سے فرمایا دیکھو، عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھنا اس سے پہلے کوئی نماز ادا نہ کرے۔ ”صحیہ بروانہ“ ہوئے، راستے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا اور غروب آفتاب سے پہلے قبیلہ بنی قریظہ میں پہنچنا ممکن نظر نہ آیا اور انہیں ہوا کہ بنی قریظہ تک پہنچنے پہنچنے نماز عصر قضا ہو جائے گی۔ آپس میں مشورہ کیا کہ کیوں نہ نماز عصر ادا کر لی جائے، بعض ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز عصر پڑھیں گے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں یہی حکم دیا تھا لیکن دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم بنی قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز عصر ادا کریں بلکہ آپ ﷺ کا مقصد اس بات کی تاکید کرنا تھا کہ ہم تیز تیز چل کر راستہ طے کریں اور ایسے وقت تک بنی قریظہ پہنچ جائیں کہ وہاں نماز عصر ادا کر سکیں، اس رائے کے حامل افراد نے نماز عصر راستے میں ہی ادا کی، پھر بقیہ سفر پورا کیا اور پہلی رائے کے حامل افراد نے راستے میں نماز عصر ادا نہیں کی، سفر جاری رکھا، بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز عصر قضا پڑھی۔ واپسی پر یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ ﷺ نے کسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ تم نے غلط کیا۔

(عز الدین بن عبد السلام، الشافعی، فقیہ، (متوفی: ۶۰۰ھ)

باب: ۳

تقلید مسالک اربعہ

یہ بات انتہائی اہم اور غور و فکر کی ہے کہ فقہی مسالک کی پیروی میں عظیم مصلحت، حکمت پوشیدہ ہے اور ان کو کلی طور پر چھوڑ دینے میں بہت سے مفسد اور خرابیاں ہیں، ہم اس حقیقت کو مختلف طریقوں سے دلائل کے ساتھ بیان کریں گے۔

(۱) امت مسلمہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ احکام شریعت کو پہنچانے اور سمجھنے میں سلف پر اعتماد کریں گے اور ان کے عمل اور تشریحات کو حجت جانیں گے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے نہ صرف عامہ مسلمین بلکہ اہل علم نے بھی اسی طریقہ کو اپنایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تنہا منبع رشد و ہدایت تھی، مہبط وحی تھی، صحابہ کرامؓ انہی کے اقوال و اعمال کو نمونہ بناتے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب نے بھی نبی کریم علیہ السلام ہی کی ذات کو نمونہ عمل بنانے کا حکم دیتا ہے۔ صحابہؓ کے بعد تابعین کا دور آیا، انھوں نے صحابہؓ پر بھروسہ کیا، نبی کریم علیہ السلام کی توضیح و تشریح نہ ملی تو صحابہؓ سے رجوع کیا اور ان کی تشریحات پر اپنے عمل، فیصلے اور فتوے کی بنیاد رکھی، تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور ان کے علم اور عمل سے رہنمائی حاصل کی، اسی طرح یہ سلسلہ چلا رہا اور ہر دور کے علماء نے اپنے سے پہلوں کا حوالہ دیا اور ان کی آراء اور فتاویٰ کو معتمد جانا۔

عقل بھی اسی روش اور طریقہ عمل کی تحسین و توثیق کرتی ہے، اس لیے کہ شریعت کا علم نقل اور اخذ و استنباط سے ہوا۔

نقل کے قائم اور باقی رہنے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ ہر فرد اپنے سے پہلے فرد سے اور ہر طبقہ اپنے سے پہلے طبقہ سے ایک بات کو حاصل کرتا رہے اور کسی مرحلہ پر یہ تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

یہی صورت حال اخذ و استنباط میں بھی ضروری ہے، اگر ایک مفتی اور مجتہد کو قدیم فقہی مسلک کا اور اپنے مسلک سے پہلے علماء اور فقہاء کی آراء اور فتاویٰ کا علم نہ ہوگا تو اس بات کا خطرہ ہوگا کہ ان کی کوئی رائے فتویٰ یا اجتہاد، متقدمین کے اجماع کو توڑنے کا سبب بن جائے۔

ہر بعد میں آنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے پہلے صاحب علم کی آراء اور فتاویٰ پر اپنے قول کی بنیاد رکھے اور کسی مسئلے میں اجتہاد و استنباط کرنا چاہتا ہے تو سلف کے اقوال اور اجتہاد و استنباط سے مدد لے۔

یہ طریقہ اور اسلوب صرف احکام شریعت کے جاننے اور ان کی فہم میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے، یہ طریقہ تمام علوم و فنون میں اختیار کرنا پڑتا ہے، مثلاً صرف، نحو، طب، شعر و شاعری، آہن گری، بڑھی گیری اور رنگ ریزی، غرضیکہ کوئی بھی فن اور ہنر ہو اس وقت تک نہیں آتا جب تک اسے کسی کامل و ماہر سے سیکھا نہ جائے اور پھر ایک عرصہ تک اس کی نگرانی میں کام نہ کیا جائے۔

اس مشق اور عمل کے بغیر اگرچہ کسی فن میں مہارت حاصل کرنا ناممکن نہیں ہے لیکن دشوار تر ضرور ہے اور عموماً ایسا ہوتا ہے۔

جب یہ بات طے ہوگئی کہ سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا ضروری ہے تو پھر لازم ہوا کہ ان کے اقوال، فتاویٰ اور آراء صحیح اور معتبر سند کے ساتھ کتابوں میں مدون، موجود ہوں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہوا کہ ان کے ان اقوال اور آراء کو زیر بحث بھی لایا گیا ہو، بایں طور کہ اس کے محتملات میں سے رائج قول کو واضح کر دیا گیا ہو، جہاں ضروری ہو وہاں عام کو خاص اور مطلق کو مقید کیا گیا ہو (۱)۔ اور جہاں اقوال و آراء میں اختلاف ہے وہاں ان کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت نکالی گئی ہو۔

اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے احکام کے علل بھی بیان کر دیے ہوں کیونکہ ان

کے مبہم ہونے کی صورت میں ان پر اعتقاد کرنا ممکن نہیں ہے۔

اب بعد کے ادوار میں رائج شدہ فقہی مسالک کے علاوہ کوئی ایسا فقہی مسلک نہیں ہے جس کی تقلید کی جاسکے، لے دے کر مسلک امامیہ اور مسلک زیدیہ رہ جاتے ہیں، مگر یہ فقہی مسالک اہل بدعت اور اہل تشیع کے ہیں، ان کے اقوال اور فتاویٰ پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: سواد اعظم (بڑی جماعت) کی پیروی کرو، ان چار فقہی مسالک (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے علاوہ حق پر مبنی کوئی اور فقہی مسلک علماء دنیا میں موجود نہیں ہیں، لہذا ان کی پیروی سواد اعظم کی پیروی کہلائے گی اور ان چاروں مسالک کو چھوڑ دینا اور ان سے باہر ہو جانا سواد اعظم سے نکل جانے کے مترادف ہوگا۔

(۳) جب خیر القرون، یعنی عہد نبوت و رسالت سے بعد ہو گیا اور لوگوں میں امانت و دیانت کی صفت مضطرب ہو گئی تو پھر اس بات کا کیا جواز باقی رہ گیا کہ خود غرض عالموں، خاتم قاضیوں اور ہوا و ہوس کے اسیر مفتیوں کے اقوال، فتاویٰ اور فیصلوں پر اعتقاد کیا جائے، الا یہ کہ ان کا کوئی فتویٰ یا فیصلہ صراحت یا دلالت و اشارت کے ساتھ اسلاف میں سے کسی ایسے فرد کے فتوے یا رائے کے مطابق ہو جس کے علم، فتویٰ اور دیانت پر اعتقاد کیا جاتا ہو اور اس کا وہ فتویٰ یا رائے محفوظ بھی ہو۔

ایسے کسی شخص کی رائے اور فتوے پر بھی اعتقاد نہیں کیا جاسکتا جس کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس میں شرائط اجتہاد پائی جاتی ہیں یا نہیں۔

جن علماء میں ہم پختہ علم کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ وہ اسلاف کے فقہی مسالک سے پوری طرح آگاہ ہیں اور ان پر ثابت قدم بھی ہیں، وہ اسلاف کے اقوال و آراء سے احکام اخذ کرتے ہیں یا براہ راست قرآن و سنت سے احکام کا استنباط کرتے ہیں تو ایسے علماء کی آراء اور استنباطات کی تصدیق کی جائے گی۔

اس حقیقت کی طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ:

”منافع کا کتاب اللہ سے احکام کا غلط اخذ و استنباط اسلام کی عمارت کو منہدم کر دے گا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ:

”جو شخص کسی دوسرے کی پیروی کرنا چاہے (یا دوسرے کی پیروی کا محتاج ہو) اسے چاہیے کہ سلف کی پیروی کرے۔“

تقلید کے بارے میں ابن حزمؒ کا مسلک

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ (۲):

”تقلید حرام ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا بے دلیل کسی شخص کی رائے کو اپنائے اور اس پر عمل کرے۔“

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

”لوگو! جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سر پرستوں کی پیروی نہ کرو۔“ (۳)

ارشاد ہے:

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان حکموں کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیے ہیں تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔“ (۴)

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی اور کی پیروی نہیں کرتے، ان کی تعریف میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

”اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ان بندوں کو خوش خبری دے دیجیے جو بات سنتے ہیں تو اس میں جو بہتر ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی لوگ عقل والے ہیں۔“ (۵)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

”اگر کسی معاملے میں تمہارے درمیان نزاع پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم اللہ اور ہمہ آخرت پر ایمان رکھتے

ہو۔“ (۶)

کسی معاملے میں نزاع اور اختلاف کے وقت اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کے قول اور عمل کی طرف رجوع کرنے کی اجازت نہیں دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کا ہمیشہ اس امر پر اجماع رہا ہے کہ اس بات سے کلی طور پر بچا جائے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر اپنوں میں سے کسی عالم اور امام کی پیروی کرے یا اسلاف میں سے کسی کے اقوال و آراء کو اپنے عمل کی بنیاد بنائے۔

جو شخص ابو حنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد بن حنبل کے اقوال و فتاویٰ کو حجت مانتا ہے، انہی کی پیروی کرتا ہے ان کے سوا کسی کے فیصلے، فتوے اور رائے کو اہمیت نہیں دیتا، نہ اسے قبول کرتا ہے، قرآن اور سنت پر بھی اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک اسے کسی خاص امام کے قول کے ساتھ مطابقت نہیں دے لیتا، ایسے شخص کو جان لینا چاہیے کہ وہ بلا شک اجماع امت کی مخالفت کا مرتکب ہوا ہے۔

اسے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جب وہ ابتدائی تین بہترین زمانوں میں اپنی رہنمائی اور پیشوائی کے لیے کوئی امام اور مقتدا نہیں پاتا تو وہ مسلمانوں کے راستے سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اپنا رہا ہے، ہم اس صورت حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ خود فقہاء اور مجتہدین نے اپنی اور کسی دوسری معین شخص کی تقلید سے منع کیا ہے اور اس بات کی مخالفت کی ہے کہ لوگ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل پڑیں۔

نیز اس بات کی کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی کہ عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس اور اہل المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر بعد کے فقہاء کی تقلید کی جائے، اگر تقلید جائز ہوتی تو دوسری، تیسری صدی ہجری کے علماء کی یہ نسبت کہیں زیادہ بہتر تھا کہ اکابر صحابہ کی تقلید کی جاتی۔

ابن حزمؒ کی رائے پر محاکمہ

ابن حزمؒ نے جو کچھ کہا اس کے مصداق تین طرح کے افراد ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ افراد جو اجتہاد کی کچھ نہ کچھ صلاحیت رکھتے ہیں اگرچہ وہ ایک مسئلہ میں کیوں

نہ ہو۔

وہ یہ بات بخوبی جانتا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں کام کا حکم دیا یا اس سے منع فرمایا اور اس مسئلہ میں جو حدیث ہے وہ منسوخ نہیں ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اس نے اس مسئلہ کے بارے میں جتنی احادیث تھیں ان سب کا احاطہ کیا اور موافق و مخالف جتنے اقوال تھے وہ بھی چھان مارے لیکن اس تفحص اور تلاش کے باوجود اس حدیث کی نسخ کا اس کو کوئی ثبوت نہیں ملا۔

یا اس نے دیکھا کہ جدید علماء کی ایک جماعت اس حدیث کی طرف مائل ہے اور ان کا مخالف صرف اپنے قیاس و اجتہاد کو دلیل بنا کر حدیث کو رد کرنا چاہتا ہے تو اس صورت حال میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا سبب باطنی نفاق اور ظاہری حماقت ہے۔

شیخ غزالدین بن عبدالسلام (۷) نے اسی طرف اشارہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

”یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ بعض مقلد علماء اس بات سے واقف ہوئے ہیں کہ فلاں مسئلہ میں ان کے مقتدا اور امام کی رائے اور موقف کا مآخذ بہت کمزور ہے، اس حد تک کمزور ہے کہ وہ اس کی تاویل کرنے پر بھی قادر نہیں ہوئے لیکن یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود وہ اسی کی تقلید کرتے ہیں اور جس دوسرے امام و مجتہد کے فقہی مسلک پر قرآن، سنت اور قیاس صحیح واضح طور پر شاہد ہوں، اسی کے مسلک کو اپنے معین امام کے مسلک پر جمے رہنے کے باعث چھوڑ دیتے ہیں۔

بات صرف یہیں تک نہیں رہتی بلکہ اپنے معین امام کے مسلک کی اس حد تک وکالت کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کے ظاہری منطوق اور سیاق و سباق میں تاویلیں کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اپنے امام کے مسلک کو صحیح اور حق ثابت کرنے کے لیے دروازہ کا رتا ویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اسلام کے عہد اول میں لوگوں کا یہ طریقہ اور عمل رہا کہ وہ کسی خاص اور معین فقہی مسلک کا لحاظ کیے بغیر علماء سے رجوع کرتے تھے، جن مسائل کا انہیں علم نہ ہوتا وہ اس کا حکم کسی مستند عالم سے پوچھتے، یہ تحقیق کیے بغیر کہ یہ خفی ہے یا مالکی، علماء بھی

سوال کرنے والوں پر اعتراض نہیں کرتے تھے لیکن ایک ایسا دور آیا کہ فقہی مسالک کی تقلید میں تعصب پیدا ہو گیا لوگوں میں سے وسعت نظر جاتی رہی، اب لوگ ایک معین امام و مجتہد کی پیروی کرتے ہیں، ہر معاملہ میں خواہ کسی مسئلہ میں اس کی رائے دلائل سے خالی ہو، فقیہ اور مجتہد کو رسول کا درجہ دے دیا، اس تعصب اور غلو نے لوگوں کو حق سے دور کر دیا، یہ ایسی روش اور طرز عمل ہے جسے کوئی بھی عقل و خرد والا انسان پسند نہیں کر سکتا۔

ابوشامہ (۸) کہتے ہیں:

”جو شخص فقہ کے مطالعہ میں مشغول ہے، اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ کسی ایک امام کے فقہی مسلک میں منحصر اور محدود نہ ہو بلکہ یہ دیکھے کہ کتاب اور سنت سے قریب تر کیا ہے، مسئلہ کا جو پہلو یا فقہاء کی آراء میں سے جو رائے کتاب و سنت سے قریب تر ہو اسی پر اپنے اعتقاد اور عمل کی بنیاد رکھے، جو شخص سابقہ علوم پر وسیع نظر رکھتا ہو، قرآن و سنت کے نصوص اور ان کے سیاق و سباق سے واقف ہو، ایک ہی مسئلہ میں فقہاء کی اگر مختلف آراء ہیں ان کا بھی علم ہو، تو اس کے لیے یہ بات آسان ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک مخصوص فقہی مسلک میں محدود نہ کرے، البتہ ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعصب سے گریز کرے اختلاف آراء کے جو اسباب ہیں ان میں بھی غور و فکر سے کنارہ کش رہے، کیونکہ یہ چیزیں وقت کو ضائع کرتی ہیں اور طبیعت میں ٹکدر پیدا ہوتا ہے، امام شافعی کا یہ قول مستند طریقے سے ہم تک پہنچا ہے کہ انھوں نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی بھی عالم و فقیہ کی تقلید سے منع کیا ہے۔“

امام شافعی کے شاگرد مزنی کہتے ہیں کہ:

”میں نے اپنی کتاب ”المختصر“ میں امام شافعی کے علوم کا خلاصہ بیان کیا ہے اور ان کے اس قول کی توفیہ و تشریح کی ہے کہ: ”میری کوشش ہے کہ علم کو اس کے طلب کرنے اور حاصل کرنے والوں کے قریب کر دوں۔“ اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ امام شافعی نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی دوسرے فقیہ و مجتہد کی تقلید سے منع کیا

ہے تاکہ وہ دینی مسائل میں غور و فکر کر کے احتیاط سے کام لے۔

بہر کیف جو شخص بھی امام شافعیؒ کے علوم کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ان کے فتاویٰ اور آراء تک اس کی رسائی ہو، اس پر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ ایک مخصوص و معین عالم کی تقلید سے منع کرتے تھے۔

(۲) دوسرے ابن حزم کا قول اس شخص پر بھی صادق آتا ہے جو فقہاء میں سے کسی ایک فقیہ کی تقلید کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے کسی اجتہادی رائے قائم کرنے میں غلطی ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس نے جو اجتہاد کیا، جو رائے قائم کی اور جو فتویٰ دیا وہ بلا شک و شبہ صحیح ہے اور بدل میں یہ بات بھی رکھتا ہے کہ وہ اس کی تقلید کبھی نہیں چھوڑے گا اگرچہ اس کی کسی رائے میں دلیل اس کے خلاف ہو۔

قرآن و سنت رسول ﷺ نے اس طرز عمل کی قیادت بیان کی جیسا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا: اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ (۱۰) کافر لوگ اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور راہبوں کی بندگی نہیں کرتے تھے لیکن ان پر اتنا اندھا اعتماد تھا کہ وہ جس چیز کو حلال کہتے اسے حلال سمجھتے اور جس چیز کو حرام کر دیتے اسے اپنے اوپر حرام کر لیتے۔

(۳) ابن حزمؒ کی رائے تیسرے اس شخص سے متعلق ہے جو اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ خنفی فقیہ، شافعی فقیہ سے فتویٰ لے یا شافعی فقیہ، خنفی فقیہ سے اور نہ اس بات کو جائز سمجھتا ہے کہ خنفی مسلک کا پیروکار امام شافعیؒ کی اقتداء کرے۔

درحقیقت یہ وہ شخص ہے جس نے عہد اول کے طریقے اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے اجماع کے خلاف کیا۔

ابن حزمؒ نے جو کچھ کہا اس کی زد میں وہ شخص نہیں آتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دین اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حلال کر دیا اس کے حلال ہونے پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے حرام قرار دے دیا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔

لیکن جب کسی شخص کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر وسیع نظر نہ ہو، وہ یہ بھی نہ جانتا ہو کہ آپ ﷺ کے ایسے ارشادات میں تطبیق کیسے دی جائے جن میں بظاہر کسی قسم کا کوئی اختلاف ہے، اسے یہ بھی علم نہ ہو کہ آپ ﷺ کے کلام سے احکام کیسے اخذ و مستنبط کیے جاتے ہیں، ایسا شخص اگر کسی جید اور راسخ عالم کی تقلید کرتا ہے، وہ کوئی فتویٰ دیتا ہے اس میں اسے حق پر سمجھتا ہے اور یہ گمان رکھتا ہے کہ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا ہے، ان سب باتوں کے ساتھ وہ یہ عزم رکھتا ہے کہ اگر کسی وقت مجھے کوئی حدیث، اس عالم کے کسی قول یا فتوے کے خلاف ملی تو میں اس کے قول اور فتوے کی پیروی چھوڑ دوں گا اور کسی بحث و تکرار کے بغیر حدیث رسول ﷺ کو اپنالوں گا، اس طرز عمل پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، یہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے چلا آ رہا ہے کہ اہل علم فتویٰ دیتے تھے اور جن لوگوں کا گہرا اور وسیع علم نہیں ہوتا تھا وہ ان کے فتاویٰ پر اعتماد کرتے تھے۔

البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی عالم اور ایک ہی مفتی سے فتویٰ لیتا رہے، ایک ہی عالم اور ایک ہی مفتی سے مسئلہ پوچھنے یا کبھی کسی ایک عالم سے فتویٰ لے لیا اور کبھی کسی دوسرے عالم سے اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ سارا عمل اس اصول کے مطابق ہو جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ (۱۱)

اگر ہم فقہاء میں سے کسی ایک فقیہ کی تقلید کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ہے، اس کی رائے اور فتویٰ قرآن اور سنت کے کسی واضح حکم اور نص کے مطابق ہوگا یا ان دونوں کے کسی نص کے یا دونوں میں سے کسی ایک کے نص سے مستنبط ہوگا یا اس عالم نے قرآن و سنت میں موجود قرائن سے کوئی حکم معلوم کیا ہوگا کہ یہ حکم فلاں صورت میں فلاں علت کی وجہ سے ہے اور اس کو اپنی اس ساری کوشش اور معرفت پر اطمینان قلب حاصل ہوا ہوگا، اس بنیاد پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا، اس کا یہ سارا عمل اس بات کا گواہ ہے کہ گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جہاں تم یہ علت پاؤ وہاں یہ حکم ہوگا اور جس مسئلہ میں قیاس کیا گیا ہے وہ اس عموم میں داخل ہے، لہذا یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کا طریق کار شک و شبہ سے خالی نہیں اگر یہ نہ ہوتا تو کوئی بھی

صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔

اب اگر ہمیں اس امام کے مسلک کے خلاف صحیح اور مستند سند سے کوئی حدیث ملی اور ہم نے اس حدیث کو چھوڑ کر امام و مجتہد کی رائے اور مسلک کو ترجیح دی اور اس پر جے رہے تو ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، کیونکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہم پر فرض ہے جب کہ کسی امام اور مجتہد کی اطاعت فرض نہیں ہے۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ کر کسی امام، فقیہ یا مجتہد کے اقوال، آراء کی پیروی کریں گے تو اس روز کیا عذر ہوگا جب اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کے بارے میں سوال ہوگا۔

باب (۳) حواشی و حوالہ جات

(۱) خاص کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی: کل لفظ وضع لمعنی واحد علی الانفراد (ہر وہ لفظ جو تنہا ایک مخصوص معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو) خاص میں یہ خصوصیت، جنس، نوع اور شخصیت بر اعتبار سے ہوتی ہے جیسے انسان، رجل (مرد) اور نعمان، ارشد، شاہد وغیرہ۔
عام کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: کل لفظ ینتظم جمعاً (ہر وہ لفظ جو متعدد افراد کو شامل ہو)۔

”عام“ کبھی لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے رجال، رجل کی جمع ہے اور کبھی صرف معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے لفظاً جمع نہیں ہوتا جیسے قوم، رہط، (گروہ) من، ما (شرطیہ و موصولہ) الذی، کل، جمیع اور الف لام استغراق جو تمام افراد کے احاطے کے لیے آتا ہے وغیرہ۔
عام کے محل استعمال میں غور کرنے سے اس کی تین قسمیں وجود میں آتی ہیں۔

الف: وہ عام جس کے ساتھ ایسا قرینہ موجود ہو جو تخصیص یعنی بعض افراد کو عام کے حکم میں داخل نہ ہونے کے احتمال کو کلی طور پر ختم کر دے۔ جیسے: وَمَا مِنْ ذَاْبَةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ رُدُّفُہَا۔ (القرآن: ۶۱۳) ”زمین پر کوئی چلنے والا نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ ہے۔“ ذابۃ (چلنے والے) کا لفظ عام ہے اس میں تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

ب: وہ عام جس کے ساتھ تخصیص کا ایسا قرینہ موجود ہو جو سب افراد کے عام میں شامل ہونے کی نفی کرتا ہو، جیسے: وَلِلّٰہِ عَلٰی النَّاسِ حُجُّ الْبُیْتِ مِنْ اِسْتِطَاعِ اِلَیْہِ سَبِيْلًا۔ (القرآن)۔ ”لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔“

آیت میں ”الناس“ عام ہے لیکن ”مَنْ اِسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِيْلًا“ ایسا قرینہ موجود ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے وہ تمام افراد کو شامل نہیں ہو سکتا اس میں صرف وہی افراد شامل ہوں گے جو وہاں پہنچنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

عام کی ان دو قسموں میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

ج: وہ عام جس میں نہ تخصیص کو ختم کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو اور نہ کوئی ایسا قرینہ ہو جو عام کو عمومیت پر باقی رہنے کی نفی کرتا ہو، مطلب یہ ہے کہ وہ عام دونوں قسم کے قرینوں سے خالی ہو اس قسم کے عام میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایسے عام کی دلالت نفی ہوتی ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے عام کی دلالت اس کے افراد پر قطعی ہوتی ہے۔

مطلق کی اصطلاحی تعریف ہے: المتناول لواحد لا بعينه باعتبار حقيقة شاملة لجنسية. (جو افراد میں کسی کو غیر معین طور پر شامل ہو اس میں جنس حقیقت کا اعتبار کیا گیا ہو)
مقید کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: المتناول لمعين او غير معين موصوف بأمر زائد على الحقيقة الشاملة لجنسية. (جو افراد میں سے کسی کو معین یا غیر معین طور پر شامل ہو اور اس میں جنس حقیقت سے زائد وصف کا اعتبار کیا گیا ہو)۔

مطلق میں صرف انہی اوصاف کا لحاظ ہوتا ہے جو حقیقت کی جنس میں پائے جاتے ہیں لیکن مقید میں ان اوصاف کے علاوہ کسی زائد کا بھی وصف ہوتا ہے، صفت، حال، شرط، غایت یا کوئی اور قید، سب زائد وصف کے عموم میں داخل ہیں لیکن مطلق اس سے خالی ہوتا ہے۔

(كشف الاسرار، شرح اصول مزدوی، التقریر والتخیر (ابن امیر الحاج)، نور الانوار (ملاجیون)، المستصفیٰ (غزالی))

۲) ابن حزمؒ: ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزمؒ۔ محدث، فقیہ ابتداء میں شافعی المسلک تھے بعد میں مسلک اہل ظاہر اختیار کیا۔ متوفی: ۴۵۶ھ۔

۳) القرآن: الاعراف (۷)، ۳

۴) القرآن: بقرہ (۲)، ۱۷۰

۵) القرآن: الزمر (۱)، ۱۸

۶) القرآن: النساء (۴)، ۵۹

۷) عز الدین بن عبدالسلامؒ، محدث، فقیہ، فقہ شافعی کے مؤثر نمائندے متوفی: ۶۶۰ھ

۸) ابوشامہؒ، شہاب الدین متوسی و دمشقی

اہم تصانیف: کتاب الروضین فی اخبار الدولین، ضوء القمر الساری الی معرفة الباری، نور المسرا فی تفسیر آیۃ الاسراء۔ متوفی: ۶۶۵ھ۔

(۹) مزنی، احمد بن عبد اللہ بن محمد المزنی معقلی ہروی۔

محدث، فقیہ، شافعی مسلک کی نمائندگی کرتے تھے۔ متوفی: ۳۵۶ھ۔

(۱۰) یہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۱ ہے۔ اس آیت میں یہود و نصاریٰ کی ایک گمراہی کا ذکر ہے

کہ انھوں نے اپنے علماء اور دینی پیشواؤں کو اپنا رب بنالیا۔

قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ پر علماء اور دینی پیشواؤں کو رب بنانے کا الزام عائد کیا ہے، وہ ان لوگوں کو صراحتاً اپنا رب نہیں کہتے تھے لیکن ان کے حکموں کی پیروی اس طرح آنکھیں بند کر کے کرتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کی پیروی کا حکم ہے، علماء یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور عباد و زہاد کے اقوال و احکام کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر ترجیح دیتے تھے، اس رویے اور طرز عمل کو قرآن شرک سے تعبیر کر رہا ہے اسی سے ملتا جلتا طرز عمل آج فقہی مسالک کے بارے میں ہے جو شخص جس امام کو اگر کھلم کھلا رد نہیں کرے گا تو اس میں تاویل ضرور کرے گا مگر اپنے امام کی رائے کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوگا۔

(۱۱) جو بات شاہ ولی اللہ کہہ رہے ہیں وہی بات جب آج کہی جاتی ہے تو علماء اور مفتی حضرات اس رائے کو فسق اور ہوائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے یہ بات ”عقد الجید“ کے علاوہ ”حجتہ اللہ البالغہ“ اور ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ میں بھی مختلف انداز اور غیر مبہم طریقے سے کہی ہے۔ ”ازالۃ الخفاء“ خلافت راشدہ کے موضوع پر ہے، اس میں بھی شاہ صاحبؒ نے ایک مقام پر افسوس اور توبہ کے انداز میں یہ بات کہی ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں کئی صدیوں تک فقہی مسالک کا وجود نہیں تھا عام لوگ اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے مسئلہ پوچھتے اور فتویٰ لیتے، وہ اس تحقیق میں نہیں پڑتے تھے کہ یہ عالم اور مفتی، حنفی ہے یا شافعی لیکن بعد کے علماء نے اس کو فسق سے تعبیر کرنا شروع کر دیا ہے۔

اجتہادی مسائل میں مختلف مسلک فقہی مسالک سے استفادے کو ”ہوائے نفس“ سے تعبیر کرنے کا رجحان گزشتہ چند صدیوں میں ابھرا۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقہی مسالک کو دین اور شریعت کا درجہ دے دیا گیا اور اسلاف کا یہ فیصلہ کہ: ”حق چاروں فقہی مسالک میں دائر ہے۔“ صرف کتابوں میں محدود ہو گیا اور آہستہ آہستہ اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کو قبول کرنے کی رسم ختم ہو گئی۔

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں جو بات کہی وہ یہ ہے کہ
 ”مذہب اربعہ میں جو مسلک آسان ہو چن کر اس پر عمل کر لینا، بشرطیکہ وہ نص قرآن، حدیث، اجماع سلف اور قیاس جلی کے خلاف نہ ہو، مستحسن ہے۔“

(ازالۃ الخفاء مع اردو ترجمہ۔ طبع کراچی۔ ص: ۵۲۲)

شاہ صاحب سہولت کی خاطر فقہی مسالک میں سے کسی ایک مسلک کو اختیار کرنے کی صرف اجازت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اسے مستحسن اور پسندیدہ قرار دے رہے ہیں۔
 اور یہ امر مسلم ہے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی کوئی فقہی رائے ان اصول سے باہر اور بہت کرشمیں ہے جن کا شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے۔

باب: ۴

فقہی مسالک کی تقلید: اختلاف آراء

مسلم ائمہ میں اہل سنت کے جو چار فقہی مسالک رائج ہوئے، انہیں کس حد تک اختیار کیا جائے اور ان کے اخذ و قبول کی کیا صورت ہو؟ اس بارے میں اہل عمل و فضل کا اختلاف ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ان چار فقہی مسالک کو اختیار کرنے میں لوگوں کے چار درجے اور مرتبے ہیں اور ہر طبقے کے لیے ایک حد مقرر ہے، کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس حد سے آگے بڑھے۔

(۱) اول مجتہد مطلق کا مرتبہ جس کی طرف ان فقہی مسالک میں سے کوئی ایک فقہی مسلک منسلک ہے۔

(۲) دوسرے مسائل کی تخریج کرنے والے کا مرتبہ، یعنی مجتہد فی المذہب۔

(۳) تیسرے متبحر فی المذہب کا مرتبہ ہے، جو اپنے مسلک کا حافظ ہے، اس کی جزئیات اور اصول پر پوری دسترس رکھتا ہے، اپنے حفظ اور مہارت کی مدد سے اپنے ائمہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔

(۴) چوتھے مقلد محض، جو اپنے مسلک کے علماء سے فتوے لے کر ان پر عمل کرتا ہے۔

اہل علم کی بیشتر کتابوں میں ہر مرتبے کی شرائط اور احکام تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ ان مراتب میں جو باہمی فرق ہے نہ اس کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کے درمیان کوئی امتیاز کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ احکام کی پہچان ان کے لیے دشوار ہو جاتی ہے اور وہ

ان احکام کو ایک دوسرے سے مناقض سمجھنے لگتے ہیں۔

لوگوں کے اس تحیر اور خلطِ مبحث کو دور کرنے کے لیے ہم نے ارادہ کیا کہ ہر مرتبے کے لیے ایک مستقل فصل رکھی جائے اور اسمیں اس مرتبے سے متعلق احکام کی وضاحت کے ساتھ نشان دہی کی جائے۔

فصل: ۱

مجتہد مطلق منتسب

مجتہد مطلق کی کیا شرط ہے؟ اس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مذکورہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ وہ علم حدیث اور اپنے ائمہ سے مروی فقہ اور اصول فقہ کا جامع ہوتا ہے، جیسے شافعی مسلک کے اکابر علماء اگرچہ بذات خود ان کی تعداد خاصی ہے لیکن دوسرے مراتب کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہے، جب ہم نے ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا تو ان کے طریق کار کا یہ نقشہ سامنے آیا کہ: جو مسائل، مالک، شافعی اور ثوری رحمہم اللہ سے منقول ہیں، ان کا مؤطا امام مالک اور صحیحین، اس کے بعد ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں تلاش کیا (۱)، جو مسئلہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوا خواہ اس کی مطابقت نص کی رو سے ہو یا اشارۃً انص کی رو سے، اس پر اعتماد کیا اور اس کو لے لیا اور جہاں کسی حدیث کو اس کے خلاف پایا تو اس کو رد کر دیا اور اگر پہلے سے اس پر عمل تھا تو اس عمل کو چھوڑ دیا۔

جس مسئلے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ (۲) کو مختلف پایا وہاں ایک حدیث کو دوسری حدیث کے ساتھ، یا ایک اثر کو دوسرے اثر کے ساتھ تطبیق دینے میں اجتہاد کیا۔ اگر ایک مضمون کی دو حدیثیں یا دو اثر ملے، ان میں ایک مجمل و مبہم ہے اور ایک تفصیل و وضاحت ہے تو واضح اور مفصل کو مجمل و مبہم کی تفسیر قرار دے کر عمل کی بنیاد اس پر رکھ لی اور اسی کو فیصلہ کن تصور کر لیا۔

جس مسئلے میں ایک سے زائد احادیث یا ایک سے زائد آثار آئے ہیں، اس کا تعلق اگر آداب و سنن سے ہے تو اختلاف کی صورت میں منقول دونوں طریقوں کو سنت سمجھا گیا، اگر اس مسئلے کا تعلق حلال و حرام سے تھا یا اس کا تعلق کسی عدالتی معاملے سے تھا اور اس میں صحابہؓ کے، تابعین کے، یا مجتہدین کے درمیان اختلاف تھا تو دین میں سہولت اور وسعت کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے سب اقوال و آراء کو معتبر اور قابل عمل مانا گیا اور لوگوں کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ ان مختلف اقوال میں سے جس قول کو چاہیں اختیار کر لیں اور پھر مختلف اقوال میں سے جس نے کوئی ایک قول اختیار کر لیا اس کو برا نہیں سمجھا گیا اور نہ ایسے شخص پر زبان طعن دراز کی گئی، مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ ہر رائے کے حق میں بطور دلیل کوئی حدیث موجود ہو یا اثر صحابی اس کی تائید کرتا ہو۔

انھوں نے مختلف اقوال میں اولیٰ اور رائج قول کو معلوم کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی، اولیٰ اور رائج اس قول کو قرار دیا جس کی سند سب سے قوی تھی یا جس پر اکثر صحابہ کا عمل تھا یا جمہور مجتہدین نے اس قول کو اپنایا تھا یا وہ قیاس کے زیادہ مطابق تھا اور اس کے دوسرے نظائر موجود تھے، جب انھوں نے اولیٰ اور رائج کا تعین کر لیا تو اپنے عمل کی بنیاد اسی پر رکھی اور کسی نے ان کے معین کردہ رائج قول کو اختیار نہیں کیا، دوسرے قول کو اپنایا اور اس پر عمل کیا تو انھوں نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

اگر انھیں صحابہ اور تابعین سے کوئی حدیث نہیں ملی تو تبع تابعین کے اقوال و آثار کا مطالعہ کیا، ان کے اقوال و آثار سے جو دلائل اور علل سمجھ میں آتے تھے ان میں غور کیا، اگر اس تمام جائزے اور تفحص سے اطمینان نہ ہوا اور مسئلہ ایسا ہے جس میں مجتہد کے لیے اجتہاد کی گنجائش اور اجازت ہے اور اس میں پہلے کبھی اہل علم کا اجماع بھی نہیں ہوا اور ان کے پاس اس قول اور رائے کو اختیار کرنے کی کوئی واضح دلیل بھی موجود ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے اختیار کر لیتے ہیں لیکن یہ صورت شاذ و نادر ہی وقوع پذیر ہوتی ہے، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس طرح کی مشکل صورت حال سے بچا جائے۔

اور جب اپنے پاس کوئی واضح اور قوی دلیل نہیں پاتے تو جمہور اہل علم کی پیروی کرتے ہیں،

جس مسئلے میں سلف سے کوئی وضاحت نہیں ملی اور نہ ہی ان کے کلام سے کسی ایک سبب اور علت کی نشان دہی ہوئی جس پر اجتہاد کی بنیاد رکھی جاسکتی تو پھر ان فقہاء نے جو مجتہد مطلق کے درجے پر فائز تھے، کتاب و سنت یا صحابہ اور تابعین کے آثار سے کوئی نص یا اشارہ حاصل کرنے کی ممکنہ کوشش کی، اگر ان کے اقوال و آثار میں کوئی نص یا اشارہ مل گیا تو اسی کو اختیار کر لیا، انھوں نے کبھی اس طرز عمل کو نہیں اپنایا کہ ہمیشہ ایک ہی امام کی تقلید کرتے رہیں، خواہ اس کی آراء اور اجتہادات پر اطمینان قلب ہو یا نہ ہو۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا اگر کوئی شخص اس پر مطمئن نہیں ہے تو وہ کتاب معالم السنن، بغوی کی شرح السنن اور بیہقی (رحمہم اللہ) کی کتابوں کا مطالعہ کرے، ان کتب کی طرف رجوع سے قاری کو بہار موقف سمجھنے میں مدد ملے گی۔

بہر کیف فقہ وحدیث میں گہری سمجھ رکھنے والوں کا طریقہ کار یہی تھا، ظاہر یہ (۳) کے علاوہ علمائے حدیث میں ایسے افراد بہت کم ہیں جو نہ قیاس کے قائل ہیں اور نہ اجماع سلف کو مانتے ہیں، یہ حضرات اپنے آپ کو ان متقدمین اصحاب حدیث سے بھی وابستہ نہیں کرتے جنھوں نے مجتہدین کے اجتہاد اور اقوال و آراء کی طرف کوئی توجہ نہیں دی لیکن یہ حضرات اصحاب حدیث سے زیادہ مشابہ اور قریب تر ہیں، کیوں کہ انہوں نے بھی مجتہدین کے اقوال و آراء کے بارے میں وہی رویہ اختیار کیا جو محدثین نے صحابہ اور تابعین کے مسائل کے بارے میں کیا ہے۔

فصل: ۲

مجتہد فی المذہب

یہاں تین مسائل قابل غور ہیں:

(۱) اول یہ جاننا ضروری ہے کہ مجتہد فی المذہب پر سنن اور آثار کا اس حد تک جاننا واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی صحیح حدیث کی مخالفت سے محفوظ کر لے، سلف نے جن مسائل میں اتفاق کیا ہے ان کا علم بھی ضروری ہے، اس کے ائمہ نے اپنے اقوال و آراء میں جن احادیث اور آثار کو مآخذ اور دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ ”فتاویٰ سراچہ“ کی اس عبارت کا مطلب یہی ہے۔ اس میں ہے کہ:

”کسی عالم کے لیے اس وقت تک فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے جب تک اسے اپنے سے مقدم علماء کے اقوال اور فتاویٰ کا علم نہ ہو اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ انہوں نے یہ اقوال کیوں اختیار کیے؟ معاشرے میں جو عرف و عادت ہے اور لوگ جس طرح معاملات طے کر رہے ہیں اسے اس کا علم ہو، اگر وہ علماء کے اقوال سے تو واقف ہے لیکن ان کے فقہی مسائل کا علم نہیں رکھتا، اگر اس سے کسی مسئلہ میں رجوع کیا جائے اور وہ مسئلہ ایسا ہو کہ اس کے بارے میں ان مجتہدین کی متفقہ رائے ہو جن کا فقہی مسلک تسلیم کیا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر یہ (مجتہد فی المذہب) کہہ دے کہ: ”یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے“، تو کوئی حرج نہیں، اس کا یہ کہہ دینا کہ ایک واقعہ کا بیان ہوگا اور اس کی حیثیت خبر کی سی ہوگی، اس کا یہ کہنا مستقل رائے

اور فتویٰ شمار نہیں ہوگا۔

اور اگر اس مسئلے میں جو اس سے پوچھا گیا ہے مجتہدین کا اختلاف ہو تو اس کے لیے یہ کہہ دینا مناسب ہے کہ: ”فلاں کے نزدیک جائز ہے اور فلاں کے نزدیک جائز نہیں ہے۔“ یا اس مسئلے میں فلاں مجتہد کی یہ رائے ہے اور فلاں کی یہ رائے۔ از خود کسی مجتہد کے قول کو رائج قرار دے کر اور اختیار کر کے سوال کرنے والے کو جواب نہیں دے سکتا جب تک ان اقوال اور آراء کے مآخذ اور دلائل کا علم نہ ہو۔

فصول عماد یہ کی فصل اول میں یہ بات کہی گئی ہے کہ:

”جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز نہیں ہے اس کو فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، البتہ جس کو مجتہدین کے اقوال و آراء پوری طرح محفوظ ہوں اور اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ مختلف فقہاء کی آراء کو آپس میں گڈمڈ کر دے گا اس کے لیے صرف اس حد تک اجازت ہے کہ وہ ان اقوال، آراء اور فتاویٰ کو حکایت کے طور پر نقل کر سکتا ہے، اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ فلاں امام کا قول یا فلاں کا فتویٰ ہے، میری اپنی رائے نہیں ہے۔“

ابو یوسف، زفر بن ہذیل اور عافیہ بن زید (۴) رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ:

”کہ کسی عالم اور مفتی کو ہمارے قول کو اپنے فتوے کی بنیاد بنانا اور اس کے مطابق فتویٰ دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اسے یہ علم نہ ہو کہ ہم نے یہ رائے کس بنا پر اختیار کی اور ہمارے اس قول کا مآخذ کیا ہے۔“

فصول عماد یہ نے بعض ائمہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

”اگر کسی نے ہمارے اساتذہ کی کتابوں کو حفظ بھی کر لیا لیکن ان میں سے کسی کے آگے زانوائے تلمذ تہ نہیں کیا تو اس کو بھی فتویٰ نہیں دینا چاہیے، مفتی کے منصب پر بیٹھنے کے لیے کسی امام اور عالم کا شاگرد بننا ضروری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مسائل ایسے ہیں کہ اس میں فقیہ، مجتہد یا عالم جو فتویٰ دیتا ہے اپنے شہر اور علاقے کے حالات اور عرف و عادت کو ملحوظ رکھ کر دیتا ہے، کسی دوسرے علاقے کے مفتی کے

لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے علاقے کے حالات اور عرف کو ملحوظ رکھے بغیر اسی فتوے کو دہرائے، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض مسائل کے احکام حالات اور زمانے کے تغیر سے بدل جاتے ہیں، ان باتوں کا علم کتابوں سے نہیں، اساتذہ کے ساتھ رہنے سے ہوتا ہے، اسے اپنے شہر کے حالات کا علم ہونا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے مسائل ہیں جن میں حالات کے تغیر سے فتویٰ تبدیل کیا جاسکتا ہے۔“

عہدہ الامام نے محیط کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ:

”مجتہد وہ ہے جو کتاب، سنت، آثار اور فقہی اصول و قواعد سے واقف ہو اور ان سب پر اس کی گہری نظر ہو۔“

”خانیہ“ نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”اجتہاد کے لیے ضروری ہے کہ کتاب مبسوط پر پورا عبور ہو، اس میں مذکور مضامین اور مباحث اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہوں، ناسخ و منسوخ اور محکم و مؤول میں فرق و امتیاز پر پوری طرح قادر ہو اور اس کے علاوہ اپنے علاقے کے عرف و عادت سے بھی واقف ہو۔“

”سراجیہ“ میں ہے:

”بعض علماء کا کہنا ہے کہ اجتہاد کی کم سے کم شرط یہ ہے کہ اسے کتاب مبسوط کے مضامین و مباحث پر مکمل عبور ہو۔“

یہ تمام روایات ”خزانۃ المفتیین“ میں ذکر کی گئی ہیں۔

میں (ولی اللہ بن عبد الرحیم) کہتا ہوں کہ ان عبارات کا مقصد یہ ہے کہ مفتیوں کی جو قسمیں ہیں، ان کے درمیان فرق کیا جائے، ایک وہ مفتی ہیں جو صاحب تخریج ہیں، یعنی از خود مسائل کا حکم اخذ کرتے ہیں اور پھر فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲) مجتہد فی المذہب کے بارے میں دوسرا مسئلہ یہ جاننا ضروری ہے کہ فقہائے محققین

کہتے ہیں کہ مسائل چار قسم کے ہیں۔

پہلی قسم: وہ مسائل جو ظاہر مذہب میں ثابت ہو چکے ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ فقہاء انہیں ہر حال میں قبول کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ اور بعض دوسرے فقہاء نے مسائل تینیس کے درمیان فرق بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

دوسری قسم: ابو حنیفہؒ اور صاحبین (ابو یوسفؒ، محمد بن حسن شیبانیؒ) (۵) کی وہ آراء جو شاذ کا درجہ رکھتی ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں صرف اس صورت میں قبول کیا جائے گا جب کسی اصول سے ان کی مطابقت ثابت ہو جائے، صاحب ہدایہ (۶) نے ایسی آراء کے دلائل بیان کیے ہیں جن کی وجہ سے ابو حنیفہؒ اور صاحبین کی بہت سی شاذ آراء اور روایات کی تصحیح و توثیق ہو گئی ہے۔

تیسری قسم: فقہائے متاخرین کے تخریج کردہ وہ مسائل جن پر علماء نے اتفاق کیا، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اسی کے مطابق فتویٰ دیں گے۔

چوتھی قسم: فقہائے متاخرین کے تخریج کردہ وہ مسائل جن پر جمہور علماء کا اتفاق نہ ہو سکا، ان کو سلف کے اقوال و آراء پر پیش کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ انھوں نے جو اصول بیان کیے ہیں، ان کے مسائل ان سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟ نیز ان کے فتاویٰ میں متاخرین کے اقوال و فتاویٰ کے نظائر تلاش کیے جائیں گے، اگر پائے گئے تو ان کے فتاویٰ اور اقوال کی توثیق کی جائے گی، ورنہ نہیں۔

”خزائے الروایات“ نے ”بستان“ کے حوالہ سے فقیہ ابواللیث کا قول نقل کیا ہے:

”اگر کسی نے حدیث رسول ﷺ سنی یا کسی عالم کا کوئی قول سنا اور سنانے والا ثقہ اور قابل اعتماد آدمی نہیں ہے تو اس کی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا، البتہ اس نے جو بات نقل کی ہے وہ اصول کے مطابق ہے اور دوسری روایات و واقعات اس کی نقل کردہ روایت کی نفی نہیں کرتے تو پھر اس کی روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے اور اگر کسی اصول سے ٹکراتا ہے یا دوسری کوئی ثقہ اور مستند روایت اس کی نفی کرتی ہے تو پھر اس پر عمل کرتا جائز نہ ہوگا۔“

ایسے ہی اگر کوئی حدیث یا مسئلہ کسی کتاب یا مضمون میں لکھا ہوا پایا تو اگر اصول کے مطابق ہے اور دوسری کوئی مستند روایت اس کے مخالف نہیں تو پھر اس پر عمل کی اجازت ہوگی۔

”بحر الرائق“ نے بھی ابوالیث سے ایک روایت نقل کی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

”کسی نے ابوفضرؓ (۷) سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا جو ان سے پاس آیا تھا۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ تمہارے پاس خلیفہ ہشام کی طرف سے چار کتابیں ہیں۔ (۱) کتاب ابراہیم بن رستم، (۲) خصاف کی کتاب آداب القاضي، (۳) کتاب ”الحجر ذ“ اور کتاب ”النواذر“۔ یہ بتائیے کہ ہم ان کتابوں میں سے فتویٰ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ابوفضرؓ نے کہا: ہمارے ائمہ سے جو باتیں اور مسائل ہم تک پہنچے ہیں اور مستند طریقے سے پہنچے ہیں ان کی حیثیت تو ہمارے نزدیک پسندیدہ اور قابل قدر علم کی ہے، لیکن ان پر فتویٰ دینا میری رائے میں مناسب نہیں، میں کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ دے کر جسے میں سمجھتا ہی نہیں، لوگوں کا وبال اپنی ردوں پر اٹھانا نہیں چاہتا۔

ہمارے ائمہ کے جو مسائل ہمارے پاس ہیں اور وہ واضح اور غیر مبہم ہیں ان کے بارے میں میرا طرز عمل یہ ہے کہ آئے دن جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں ان مسائل سے رجوع کرتا ہوں اور ان سے جو رہنمائی ملتی ہے اس پر اعتماد کرتا ہوں۔“

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ بات سمجھیے کہ جب کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین (ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ) کے درمیان اختلاف ہو تو مجتہد فی المذہب کو اختیار ہے کہ ان حضرات میں سے جس کا قول دلیل کے اعتبار سے سب سے قوی علت کے اعتبار سے قیاس سے قریب تر اور زیادہ موافق اور لوگوں کے لیے زیادہ سہولت پیدا کرنے والا ہو، اسے اختیار کر لے، خود بھی اس پر عمل کرے اور دوسروں کے لیے بھی اس کے مطابق فتویٰ دے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے حنفی فقہاء نے ماہ مستعمل کی پاکی کے مسئلے میں امام محمدؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

عصر اور عشا کے وقت کی ابتداء کب ہوتی ہے، اس مسئلے میں صاحبین رحمہم اللہ کا قول اختیار کیا ہے۔

نیز مزارعت کے جواز کے بارے میں حنفی فقہاء نے صاحبین کی رائے کو ترجیح دی ہے اور

اسی پر فتویٰ دیتے ہیں، فقہ حنفی کی کتابیں اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں، یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

یہی حال فقہ شافعی کی کتابوں کا ہے ان میں بھی بے شمار ایسی مثالیں مذکور ہیں کہ امام شافعی کا جو نقطہ نظر ہے بعد میں آنے والے شافعی فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے، مثلاً میراث کے مسائل میں امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ ذوی الارحام کو وراثت نہیں ملے گی، لیکن بعد میں آنے والی شافعی فقہاء نے تبدیل شدہ حالات کو سامنے رکھا اور بیت المال نہ ہونے کی صورت میں یہ فتویٰ دیا کہ ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دیا جائے گا۔

فتیہ یمن بن زیادؓ (۸) نے ایسے مسائل کو حوالہ دیا ہے جن میں متاخرین شافعی فقہاء نے اصل شافعی مسلک سے انحراف کرتے ہوئے فتوے صادر کیے ہیں۔

جن مسائل میں بعد کے شافعی فقہاء نے قدیم فقہی مسلک سے انحراف کیا، انہی میں سے ایک سونے، چاندی اور اموال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مسئلہ ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نقد روپے نے ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی لیکن شافعی فتیہ بلقیسیؒ (۹) نے فتویٰ دیا کہ نقد روپے کے ذریعہ ان کی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

قدیم فقہی مسلک سے اختلاف کرنے میں بلقیسیؒ نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی پیروی کی ہے، اسی طرح کے مسائل میں سے اشراف علویین کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ ان لوگوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ بیت المال سے ان کے وظیفے بند ہو گئے تھے اور شکستہ سی نے ان کو گھیر لیا تھا۔ (اموال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرنا اس سے بہتر تھا کہ وہ دوسروں کے آگے دست سوال پھیلانے پر مجبور ہوتے، وہ ان کی نجات و شرافت کو زیادہ مجروح کرنے والی صورت حال ہوتی)۔

ایسا ہی ایک مسئلہ شہد کا مجھدہ فروخت کرنے کا ہے، بلقیسیؒ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ابن زیادؓ، ابن نجیمؒ سے نقل کرتے ہیں کہ شافعی مسلک کے متاخر فقہاء زکوٰۃ سے متعلق تین مسائل میں اصل شافعی مسلک کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔

(۱) زکوٰۃ کا روپیہ ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا اور وہاں کے لوگوں میں اسے تقسیم کرنا۔

(۲) زکوٰۃ کی رقم ایک ہی آدمی کو دے دینا۔

(۳) زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے کسی ایک مصرف میں زکوٰۃ دے دینا۔

میرے (ولی اللہ بن عبد الرحیم) کے نزدیک اس بارے میں بہتر صورت یہ ہے کہ اگر شافعی مسلک کے کسی عالم اور مفتی کو دوسرے مسلک کے کسی مسئلے، رائے اور فتوے کو اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ امام احمد بن حنبل (۱۰) کے فقہی مسلک سے استفادہ کرے، یہ شافعی عالم و مفتی خواہ مجتہد فی المذہب ہو یا تبعی فی المذہب۔

ترجمی طور پر فقہ شافعی کے مقلد کو فقہ احمد بن حنبل کی طرف رجوع کرنا اس لیے بہتر ہے کہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے سب سے نمایاں اور قابل اعتماد شاگرد ہیں، علم اور تقویٰ کا پیکر ہیں اور ان کے فقہی مسلک کی تحقیق و تجزیہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا فقہی مسلک، شافعی مسلک ہی کا ایک حصہ اور اس کی شاخ ہے، تمام حقائق کو اللہ زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔

فصل: بسم

تبحر فی المذہب

تبحر فی المذہب کا اپنے فقہی مسلک کی کتابوں پر مکمل عبور ہوتا ہے، کلیات اور اصول و قواعد کے علاوہ جزئیات پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے۔

(۱) جو عالم تبحر فی المذہب ہو، اس میں چار اوصاف و شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

الف: صحیح فہم رکھنے والا ہو، علمی مسائل اور عملی معاملات دونوں کا بہتر شعور و ادراک رکھتا ہو۔
ب: عربی زبان میں مہارت۔

ج: اسباب کلام پر وسیع نظر، کلام عرب میں جو محاورے اور ضرب الامثال ہیں، ان سے واقف ہو کیوں کہ اسلوب کلام کی تبدیلی سے الفاظ کے معانی و مطالب بدل جاتے ہیں۔

د: وہ اس فرق و امتیاز پر قادر ہو کہ کس مقام پر مطلق کلام سے مقید مرا لینا ہے، اور کہاں مقید کلام کو مطلق پر محمول کرنا ہے۔

ابن نجیم (۱۱) نے ”بحر الرائق“ میں ان شرائط پر بہت زور دیا ہے۔

تبحر فی المذہب پر واجب ہے کہ وہ صرف دو صورتوں میں فتویٰ دے۔

یا تو اس کے پاس اس فتوے کے لیے کوئی معتمد اور مستند دلیل ہو اور اس دلیل کی سند اس کے امام تک پہنچتی ہو یا وہ مسئلہ کسی معروف اور مستند کتاب میں مذکور ہو۔

کتاب ”نہر الفائق“ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ:

ایسے مفتی کے لیے جو مقلد ہو، مجتہد کا قول یا فتویٰ نقل کرنے کی صرف دو صورتوں

میں اجازت ہے۔

(۱) یا تو اس کے پاس ایسی سند ہو جو اس کے امام اور مجتہد تک پہنچتی ہو۔

(۲) یا وہ مسئلہ کسی معروف اور مستند کتاب میں موجود ہو، جیسے امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابیں یا انہی کے ہم رتبہ دوسرے ائمہ اور مجتہدین کی کتب، اس لیے کہ محمد بن حسن جیسے ائمہ کی کتابوں کا درجہ خیر متواتر و مشہور کے برابر ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ کا بھی نقطہ نظر یہی ہے۔ ”وہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں اگر کسی ایسی کتاب کا کوئی نسخہ مل جائے جو غیر معروف ہو اور نادر کے درجے میں ہو تو اس کے مسائل کو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی طرف منسوب کرنا غیر مناسب بات ہے، کیوں کہ نادر کتب یا نادر اقوال نہ ہمارے زمانے میں مشہور ہوئے اور نہ اہل عمل نے ان پر عمل کیا، البتہ اگر کسی نادر کتاب کے مسائل کسی معروف و مستند کتاب میں ملیں جیسے ہدایہ اور المہدوط تو ایسی صورت میں ان کتابوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔“

(۲) اگر مجتہد فی المذہب اپنے فقہی مسلک کے خلاف کسی مسئلے میں کوئی حدیث پائے تو کیا اس کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس مسئلے میں اپنے فقہی مسلک اور رائے کو چھوڑ کر حدیث کو اختیار کرے؟ اسی پر عمل کرے اور اسی کے مطابق فتویٰ دے؟

صاحب ”خزانة الروایات“ نے اس مسئلے میں ”دستور مساکین“ سے طویل روایت نقل کی ہے اور خاصی تفصیل سے کلام کیا ہے، ہم اس میں سے کچھ حصہ نقل کرتے ہیں۔

”اگر سوال کیا جائے کہ ایک مقلد، جو مجتہد نہیں ہے لیکن عالم ہے، صاحب استدلال ہے، اصول اور قواعد و ضوابط سے واقف ہے، نصوص و اخبار کے معانی و مطالب پر اس کی نظر ہے، کیا اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ اپنے امام کی کسی رائے کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے؟

اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ کر کسی حدیث پر عمل کرنا اس کے لیے جائز ہوگا جب کہ اہل علم یہ بات کہہ چکے ہیں کہ غیر مجتہد کو صرف اپنے فقہی مسلک کی روایات اور اپنے

مسلک کے فتاویٰ پر عمل کرنا ہوگا، وہ ان سے باہر نہیں جاسکتا اور اس کے لیے یہ بھی درست نہ ہوگا کہ وہ نصوص و اخبار کے معانی و مفاہیم کا خود تعین کرے کیوں کہ مجتہد نہ ہونے کے سبب اس کی حیثیت ایک عام آدمی کی سی ہے۔

یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ یہ حکم ایسے عام اور جاہل آدمی کے لیے ہے جو نصوص کے معانی اور ان کی تاویل سے واقف نہ ہو، لیکن جو عالم ہوگا وہ نصوص و اخبار کو بھی پہنچا سکتا ہوگا اور اصول و روایت سے بھی واقف ہوگا، اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ متعلقہ حدیث کی صحت، محدثین کے اقوال اور ان کی کتابوں سے ثابت ہے، اس بنیاد پر اس کے لیے اپنے امام کی رائے کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا جائز ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے اقوال سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔

”روضة العلماء الزند و یسبہ فی فضل الصحابة“ میں صاحب ہدایہ کا یہ قول بھی اسی کا مونسید ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ: جب آپ کا کوئی قول کتاب اللہ کے مخالف ہو تو کیا کیا جائے، فرمایا: اسے چھوڑ دو، پوچھا گیا: ”جب آپ کا قول سنت رسول اللہ کے خلاف ہو؟ فرمایا: میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو، سوال ہوا اگر آپ کا قول، اقوال صحابہ کے خلاف ہو؟ فرمایا صحابی کے قول (یا فتوے) کو لے لو اور میرے قول کو چھوڑ دو۔“

”اقتاع“ میں ہے کہ بیہی نے اپنی سند سے ”السنن الکبریٰ“ میں ”الکلام علی القراءۃ“ کے ذیل میں روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ: اگر میرے کسی قول یا فتوے کے خلاف کوئی حدیث مل جائے اور وہ حدیث علماء کے نزدیک پایہ صحت کو پہنچتی ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا اور میرے قول اور فتوے کو ترک کر دینا۔“

امام الحرمین (۱۲) نے اپنی کتاب ”النهاية“ میں امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: جب کوئی صحیح حدیث تمہیں میرے مسلک کے خلاف ملے تو اس کی پیروی کرو اور یہ سمجھو کہ وہی حدیث میرا مسلک ہے۔

یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کہ امام شافعیؒ ہمیشہ یہ کہا کرتے کہ جو لوگ میرے فقہی مسلک کی پیروی کرنے والے ہیں ان کو جب بھی کوئی صحیح حدیث میرے مسلک کے خلاف ملے تو میرے مسلک کو ترک کر کے حدیث پر عمل شروع کر دیں اور یاد رکھو صحیح حدیث ہی میرا مسلک ہے۔

خطیبؒ (۱۳) اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ دار کی الشافعیؒ (۱) سے لوگ فتویٰ لیتے، وہ بسا اوقات امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں کے مسلک کے خلاف فتویٰ دیتے، جب ان سے کہا جاتا کہ آپ کا فتویٰ تو ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ دونوں اماموں کے مسلک کے خلاف ہے تو کہتے: تمہارا استیئاس ہو میں نے جو فتویٰ دیا ہے یہ مجھ سے فلاں نے اور فلاں نے فلاں سے اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح بیان کیا ہے، میں اس قول رسول ﷺ کے مطابق فتویٰ دے رہا ہوں جب ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ دونوں کی آراء حدیث کے خلاف ہوں تو حدیث کو اختیار کرنا ان کے اقوال کو اختیار کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

روزہ میں پچھنے لگوانے والے کا مسئلہ ہے، اس کے بارے میں صاحب ہدایہ نے جو بات کہی ہے اس سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے جو ابھی امام الحرمینؒ اور خطیبؒ کے حوالہ سے بیان کیا گیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اس حال میں پچھنے لگوائے کہ اس کا روزہ تھا، اس نے یہ خیال کیا کہ پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ گیا اور اس خیال کی بنا پر اس نے عمدہ کھانی لیا، اس صورت میں اس شخص پر روزہ کی قضا بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی، کیونکہ اس نے جو خیال اور گمان کیا اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، ہاں اگر کوئی فقیہ یا مفتی فتویٰ دے دے کہ تمہارا روزہ ٹوٹ گیا تو پھر عمدہ کھانے پینے سے اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

یا اس کے علم میں کوئی ایسی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ پچھنے لگوانے سے

(۱) اس حوالہ سے اندازہ دیتا ہے کہ دار کی الشافعی مشہور فقیہ ہیں، مگر ان کے حالات زندگی دستیاب نہیں ہیں (قاسمی)

روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس نے اس مفتی کے فتوے یا اس حدیث پر بھروسہ کیا اور یہ سمجھ کر کھلا پی لیا کہ روزہ ٹوٹ چکا ہے، ایسی صورت میں امام محمد بن حسن شیبانی کی رائے ہے کہ اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، امام محمد کہتے ہیں کہ مفتی اور فقیہ کو فتوے کی بنا پر جب کفارہ ساقط ہو جاتا ہے تو حدیث کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک کسی مفتی اور فقیہ کے فتوے سے کہیں زیادہ معتبر و مستند ہے اور اس لائق ہے کہ اس پر عمل کو ترجیح دی جائے۔

”الکافی“ اور ”الحمدی“ میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قول رسول اللہ ﷺ قول مفتی سے کس طرح کم رتبہ ہو سکتا ہے، جب مفتی کا قول اور فتویٰ شرعی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو قول رسول ﷺ بدرجہ اولیٰ شرعی دلیل کا درجہ پائے گا بلکہ قول رسول اللہ تو بلاشبہ اور بلا اختلاف شرعی دلیل ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے جو رائے منقول ہے وہ اس رائے کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی پر (جو عالم نہ ہو) کسی فقیہ کی اقتداء لازم ہے، کیوں کہ علم نہ ہونے کی وجہ سے احادیث کو پہنچانے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اگر وہ حدیث کی اقسام اور معنی و مفہوم سے واقف ہے تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور ”مندوی“ میں ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اتفاق ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کا جواب کہ ”عام آدمی پر کسی فقیہ کی اقتداء واجب ہے“ یہ ہے کہ عام آدمی سے وہ شخص مراد ہے جو حدیث کے معنی و مفہوم سے بالکل ناواقف ہو۔ ان کے اپنے اس قول میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، انھوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو حدیث اور معنی حدیث سے بالکل ناواقف ہو، نیز انھوں نے یہ بھی کہا کہ ”اگر عام آدمی کو بھی حدیث کے معنی کا علم ہو جائے تو اس صورت میں اس پر کفارہ واجب ہو جائے گا“۔

اس قید اور اضافے سے بھی یہ امر معین ہو گیا کہ عام آدمی سے غیر عالم مراد ہے۔ ”حمیدی“ میں ہے کہ: عام آدمی سے مراد جاہل آدمی ہے جو کسی طرح کا علم نہ رکھتا ہو۔

ان اشارات نے یہ واضح کر دیا کہ امام ابو یوسفؒ کی مراد عام آدمی سے یہ ہے کہ وہ
نفس کی تاویل، مفہوم و معنی اور پس منظر سے بالکل ناواقف ہو۔

امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے اقوال سے کہنے والے کا یہ قول نامعتبر ہو گیا کہ نفس
کے خلاف کوئی روایت مل جائے تو اس پر عمل واجب ہے۔ ("خزانة الروایات")

اس مسئلے میں ایک اور قول بھی ہے، وہ یہ کہ اگر عالم کے پاس اجتہاد کے وسائل نہ ہوں تو اس
کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے فقہی مسلک کے خلاف کسی حدیث پر عمل کرے، اس لیے کہ وہ یہ
نہیں جانتا کہ جس حدیث سے میں واقف ہوا ہوں وہ منسوخ ہے یا مؤول، اپنے ظاہری معنی پر
محمول کی گئی ہے یا کسی دوسری حدیث کی توضیح و تشریح ہے۔

ابن حابط نے اپنی "مختصر" میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ان کے پیروکار بھی اسی قول کی
طرف مائل ہیں۔

لیکن ابن حابطؒ کی اس رائے کو رد کیا گیا ہے کیونکہ ان احتمالات سے اگر عدم یقین مراد ہے
تو مجتہد کو کسی مرحلے پر قطعی اور کلی یقین حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اکثر مواقع پر مجتہد اپنے اجتہاد کو ظن اور
گمان پر مبنی سمجھتا ہے۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ غالب رائے سے نہیں جانتا تو اس کو ہم ان صورتوں میں سے نہیں مانتے
جو متنازع ہیں، کیونکہ جو شخص اپنے فقہی مسلک میں مہارت رکھتا ہو، وسیع تر مطالعہ ہو، بالخصوص
حدیث اور فقہ کے ذخیرے پر اس کی گہری نظر ہو تو عموماً اسے ظن غالب حاصل ہو ہی جاتا ہے اور یہ
بات اس کے علم میں آ جاتی ہے کہ فلاں حدیث منسوخ نہیں ہے اور اس میں کسی طرح کی کوئی
تاویل بھی نہیں کی گئی، وہ اپنے ظاہری مدلول پر قائم ہے اور یہاں بحث اسی شخص کے بارے میں
ہے جسے ظن غالب حاصل ہو چکا ہو۔

اس معاملے میں پسندیدہ قول ایک تیسرا قول ہے، جسے ابن الصلاحؒ نے ترجیح دی ہے،
نوویؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، کہتے ہیں کہ:

"شافعی مسلک کے پیروکار کسی شخص کو اگر کوئی ایسی حدیث ملے جو اس کے مسلک
کے خلاف ہو تو پھر اس شخص کے علمی رتبے اور مقام کو دیکھا جائے گا، اگر اس میں

اجتہاد مطلق کی استعداد ہے، یا جس مسئلہ میں اپنے مسلک کے خلاف حدیث ملی ہے اس میں اسے شرائط اجتہاد حاصل ہوں، یعنی اس موضوع پر احادیث اور فقہاء کی آراء کا اتنا علم ہو کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کر سکتا ہو، تو ایسی صورت میں خود اس کو اس حدیث پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی اور اگر اس شخص میں اجتہاد کی شرائط نہیں پائی جاتیں اور پوری تحقیق و تفحص کے بعد یہ حدیث کی مخالفت سے ڈرتا ہے اور اپنے مسلک کی حمایت میں اب حدیث کا کوئی تسلی بخش جواب بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا، اس صورت میں اگر اس بات کا علم اور ثبوت ہو جائے کہ کسی مجتہد نے اس حدیث پر عمل کیا ہے جس پر یہ مطلع ہوا ہے تو پھر اس کے لیے جائز ہوگا کہ یہ اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ دے اور حدیث پر عمل کرے۔

(۲) اگر متحرفی المذہب کسی مسئلے میں اپنے امام کی رائے کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کی رائے کو اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہے تو کیا وہ کر سکتا ہے؟
اس بارے میں بھی اہل علم و فضل کی آراء مختلف ہیں، غزالی اور دوسرے بہت سے اہل علم نے اس سے منع کیا ہے۔

جمہور علماء کہتے ہیں کہ غزالی اور ان کے ہم رائے اہل علم کا نقطہ نظر بہت کمزور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان پر مذہب کا دلیل کے ساتھ قبول کرنا واجب ہے اور جب دلیل نہ رہی تو مذہب کو قبول کرنے کا اختیار ختم ہو گیا۔

ہم نے اس کے امام کی افضلیت کے اعتقاد کو دلیل کے قائم مقام بنا دیا لہذا اب اس کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے۔
اپنے فقہی مذہب (مسلک) کو چھوڑنا اس کے لیے بالکل اس طرح ناجائز ہوگا جیسے کسی دلیل شرعی کی مخالفت جائز نہیں ہے۔

اس رائے اور موقف کو اس طرح رد کیا گیا کہ صحت تقلید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کوئی مقلد یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا امام دوسرے تمام ائمہ مجتہدین سے افضل ہے، کیونکہ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ تمام صحابہ اور تابعین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ پورے طبقہ صحابہ میں ابو بکر و عمر (رضی اللہ

عہما) سب سے افضل ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ بعض مسائل میں ان کی آراء پر بعض دوسرے صحابہؓ کی آراء کو ترجیح دیتے تھے، اور صحابہؓ اور تابعین کے اس عمل پر اہل علم میں سے کسی نے تنقید نہیں کی اور اس کو برا نہیں سمجھا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہم نے جو موقف اختیار کیا وہ سب کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

ربا اس مسئلہ میں امام کے قول کا افضل ہونا تو مقلد محض کے لیے اس کی معرفت کی کوئی صورت نہیں اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کو تقلید کی شرط قرار دیا جائے، اگر اس شرط کو درست قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ عام مقلدین کی تقلید درست نہ ہو۔

اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو شخص جس امام کی پیروی کرتا ہے وہ اس کی دوسرے اماموں پر افضلیت کا بھی قائل ہو تو اس مسئلے میں یہ نظریہ خود ان کے خلاف پڑے گا، جو اس کے قائل ہیں، اور وہ اس طرح کہ جب وہ کسی مسئلے میں اپنے امام کے مسلک کے خلاف کوئی حدیث پاتا ہے یا کوئی قوی قیاس اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اس وقت اس مسئلے میں اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کی افضلیت کا قائل ہوتا ہے۔

اکثر اہل علم اس کے جواز کے قائل ہوئے، ان میں آمدیؒ، ابن حابطؒ، ابن ہمامؒ اور نوویؒ نمایاں اور قابل ذکر ہیں، ابن حجرؒ، ربیعؒ اور مالکیؒ اور حنبلیؒ فقہاء میں بھی بہت سوں کی یہی رائے ہے۔ طوالت کے خوف سے ان کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی، مسالک اربعہ کے متاخر مفتیوں کا اسی پر فتویٰ ہے، یہ جواز انھوں نے سلف کے کلام اور ان کے اقوال سے اخذ کیا ہے۔

بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا کہ کوئی شخص جس مسئلے میں اپنے امام کی رائے اور فتوے کی تقلید کر چکا ہو اس میں اپنے امام کی رائے اور فتوے سے رجوع نہ کرے، ابن ہمامؒ نے کہا کہ "تقلید کر چکا ہو" سے مراد یہ ہے کہ اس پر عمل کر چکا ہو۔

ابن ہمامؒ کی اس توضیح و تشریح کے بارے میں بعض شارحین نے اختلاف کیا کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ کسی نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ جس خاص عمل کو اپنے امام کی رائے اور فتوے کے مطابق انجام دے لیا ہو، اس میں رجوع نہ کرے۔ مثلاً جو نمازیں اپنے امام کے مسلک کے مطابق ادا کی تھیں ان کی قضا کرنے لگے (ان کو دوبارہ پڑھے) یہ قول زیادہ صحیح ہے اور غور و خوض

کے بعد اس سے بہتر کسی رائے کی نشاندہی نہیں ہوتی۔

بعض اہل علم نے ابن ہمام کے قول کے یہ معنی بیان کئے کہ جس عمل کی جنس سے کوئی کام کر چکا ہو، اسی جنس کے کسی کام میں اپنے امام کے قول اور فتوے سے رجوع نہ کرے۔

اس قول کو رد کیا گیا کیوں کہ یہ قول اتفاق نہیں ہے بلکہ اکثر سلف سے روایت کیا گیا کہ وہ جس فقہی مسلک پر پہلے عمل کر چکے تھے اس کے خلاف کیا۔

بعض نے کہا کہ جواز کی شرط یہ ہے کہ سہولتیں تلاش نہ کرے، کسی نے کہا کہ اس پر عمل کرے جو اسے آسان معلوم ہو۔

اس قول کو بایں طور رد کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو باتوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ اس بات کو اختیار فرماتے جن میں آسانی ہوتی بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ کسی نے رخصت سے یہ معنی مراد لیے کہ جس کو تابعت کرنے والی کوئی دلیل نہ ہو، بلکہ دلیل اس کے خلاف ہو، جیسے متعہ اور بیع صرف اور یہ بہت معقول وجہ ہے۔

حافظ ابن حجر مسقداً کی کتاب ”التخلیص فی تخریج احادیث المرافعی“ (باب الزکاح) میں، میں نے دیکھا کہ وہ ”علوم الحدیث“ مصنفہ حاتم سے اپنی سند کے ساتھ جو اوزاعی تک متصل ہے، یہ بات نقل کرتے ہیں کہ:

اہل حجاز اور اہل عراق کی پانچ باتوں سے بچنا بہت ضروری ہے، گانے بجانے کی محفلوں میں شریک ہونا، متعہ کرنا، عورتوں کے ساتھ دبر میں دلی کرنا، بیع صرف اور بلا ضرورت جمع بین الصلوٰتین کرنا۔

اہل عراق کا نبیذ پینا، نماز عصر میں اتنی تاخیر کہ ہر چیز کا سایہ اس کے چار مثل ہو جائے، صرف شہروں میں نماز جمعہ کا قائل ہونا، جہاد سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور رمضان میں فجر کے بعد کھانا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ معمر کے حوالہ سے عبد الرزاق کی روایت ہے کہ:

”اگر کسی نے غنا کے بارے میں اور عورتوں سے دبر میں دلی کرنے کے بارے میں اہل مدینہ، متعہ اور بیع صرف کے بارے میں اہل مکہ اور مسکر کے بارے میں اہل

کو فہ کا قول اختیار کیا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کا بدترین بندہ ہے۔“

بعض اہل علم نے اپنے امام کے فقہی مسلک کو چھوڑ کر کسی دوسرے امام کا مسلک اختیار کرنے کی یہ شرط بیان کی کہ عمل کرنے والا دونوں مجتہدوں کے مسلک کے درمیان اس طرح کی تطبیق نہ کرے کہ مسئلہ کوئی ایسی صورت اختیار کرے جو دونوں اماموں کے نزدیک ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ ایک ہی مسئلے میں ایسی صورت پیدا ہو جانا جو دونوں اماموں کے نزدیک ممنوع ہو، ممکن نہیں ہے، جیسے کسی نے بلا ترتیب وضو کیا اور پھر جسم کے کسی حصہ سے ہنسنے والا خون نکل آیا۔

دوسلوں میں بھی اس طرح کی صورت پیدا ہو جانا ممکن نہیں ہے جیسے کسی نے شافعی مسلک کے مطابق ناپاک کپڑے کو پاک کیا اور پھر اسے پہن کر حنفی مسلک کے مطابق نماز ادا کی، اس صورت کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے کیونکہ اگر اس قید سے یہ مقصد ہے کہ عمل کرنے والے نے جو بھی کیا ہے وہ اتفاق ہے تو یہ صورت حال دونوں مسلوں میں موجود ہے اور اگر مقصد یہ ہے کہ صرف یہ مسئلہ اجماع سے خارج نہ ہو تو اس سے بہتر شرط یہ ہے کہ وہ مسئلہ ایسا ہو جس میں اجتہاد کرنا درست اور ممکن ہو۔

کسی نے امام کے فقہی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے امام کا مسلک اختیار کرنے کی یہ شرط رکھی کہ وہ مسئلہ ایسا نہ ہو جس میں قاضی کے فیصلے کے خلاف عمل کرنا لازم آتا ہو اور قاضی (عدالت) کا فیصلہ متاثر ہوتا ہو اور یہ شرط سب سے بہتر اور معقول نظر آتی ہے، اس شرط سے احتراز اس وقت ممکن ہے، جب معروف و متداول چار فقہی مسالک میں سے کسی ایک کی تقلید کرے۔

کسی نے یہ شرط عائد کی کہ کسی شخص کو اپنے امام کا مسلک چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید اس صورت میں جائز ہے جب اسے دوسرے امام کی رائے پر شرح صدر اور اطمینان ہو جائے۔

مذکورہ بالا صورت میں محل نظر یہ بات ہوگی کہ شرح صدر ہر کس و نا کس کا معتبر نہیں ہو سکتا، صرف اس شخص کے شرح صدر کا اعتبار کیا جائے گا جو فقہی مسالک پر وسیع نظر رکھتا ہو۔

بعض اہل علم نے یہ کہا کہ جو شخص مختلف ائمہ اور مجتہدین کے فتاویٰ اور آراء پر عمل کرتا ہے اور

ان میں بھی بالعموم قول مشہور کو اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مخصوص امام کے مسلک کو چھوڑ کر کسی دوسرے مجتہد اور امام کے مسلک پر عمل کرے، لیکن جو شخص ہمیشہ ایک ہی امام کی تقلید کرتا ہے اور اس کے فرق مسالک کا بھی علم نہیں تو اس نے لیے ایک امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام کے مسلک پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اوپر جو کچھ نقل کیا گیا وہ پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ ان تحریروں کا خلاصہ ہے جو اس موضوع پر اہل علم نے لکھیں۔

میں (ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم) ایک فقہی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے فقہی مسلک پر عمل کرنے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرتا ہوں کہ اس عمل سے عدالت کا فیصلہ متاثر نہ ہوتا ہو، اگر عدالت کا فیصلہ متاثر ہوتا ہو تو وہ دواپسے معنی کے اجتماع سے ہوتا ہو جن میں سے ہر ایک معنی صحیح ہو، مثلاً گواہوں اور اعلان کے بغیر نکاح یا کسی اور وجہ سے۔ اس شرط کو اختیار کرنے یا پسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ:

”مضبوط اور معقول دلیل کی بنیاد پر اپنے مخصوص امام کی فقہی رائے اور فتوے کے خلاف کسی دوسرے امام کی فقہی رائے پر شرح صدر اور اعتماد ہونا۔“

جوئی رائے اپنائی ہے اور دوسرے امام کا فقہی مسلک اختیار کیا ہے اس میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے۔

یا صورت حال یہ ہے کہ مخصوص امام کے مسلک میں کسی مسئلے میں خفی اور شک ہے اور اس طرح کے حالات درپیش ہیں کہ اس پر عمل کرنا دشواری کا سبب ہوگا تو دوسرے امام کی فقہی رائے کو اختیار کرنے سے اس خفی اور شک سے نجات ممکن ہے اور مخصوص امام کے مسلک پر عمل کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی بھی نفی ہوتی ہو کہ:

”میں تمہیں جب کسی بات کا حکم دوں تو اس کی اس حد تک تعمیل کرو جس حد تک تم سے ممکن ہو۔“

اس سارے معاملے میں بنیادی بات یہ ہے کہ ایک امام کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے امام کی رائے کو اختیار کرنے میں احکام شریعت پر بہتر طریقہ سے عمل کرنا مقصود ہو نہ ذاتی خواہش کا رفرما

ہوا اور نہ عمل سے فرار کی نیت ہو۔

اس عمل میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسرے کا حق پامال کرنا مقصود نہ ہو، مثلاً عدالت میں کوئی مقدمہ ہے، ایک فریق کا خیال ہے کہ میں اپنا قدیم فقہی مسلک چھوڑ کر اُتر فلاں امام کا مسلک اپنالوں گا تو مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں ہو جائے گا اور فریق مخالف کو شکست ہو جائے گی، ایسی صورت میں مسلک کی تبدیلی جائز نہ ہوگی۔

”خزائے الروایات“ نے ”کشف القناع“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

”ایک شخص ایک مسئلے میں کسی فقیہ کی تقلید کرتا ہے تو کیا کسی دوسرے مسئلے میں وہ کسی دوسرے فقیہ کی تقلید کر سکتا ہے؟“

ایسی صورت میں معاملے کی دو شکلیں ہیں:

(۱) اس نے کسی معین اور مخصوص فقہی مسلک کا التزام نہ کیا ہو، جیسے امام ابو حنیفہؒ کا فقہی مسلک، امام مالکؒ کا فقہی مسلک یا امام شافعیؒ کا۔

(۲) یا ان مسلمہ فقہی مسالک میں سے کسی ایک فقہی مسلک کا التزام کیا ہو اور کہتا ہو کہ فلاں فقہی مسلک کا مقلد ہوں اور صرف اسی کی تقلید کرتا ہوں۔

پہلی صورت کے بارے میں ابن حاجبؒ کہتے ہیں کہ جس مسئلے میں کسی امام کی تقلید کر چکا ہے، اس مسئلے میں رجوع نہ کرے اور جس فقہی مسلک کے مطابق عمل کر چکا ہے اسے ترک کر کے کسی دوسرے فقیہ کی رائے پر عمل نہ کرے۔

دوسری صورت میں مختار اور راجح قول یہ ہے کہ رجوع کر سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لیا کرو“۔ تو جس امام کی اولاً تقلید کی تو اس کی طرف وجوب رجوع کا قول، نص کو مقید کر دینا ہے اور یہ امر اصول کے مقررہ قانون کے مطابق نسخ کے قائم مقام ہے۔

نیز اس بنا پر بھی رجوع کر سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”میرے ساتھی ستاروں کی طرح ہیں، جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔“

اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں (کم و بیش تیسری صدی ہجری کے اختتام تک) عوام اپنے مسائل میں یہ جانے بغیر علماء سے رجوع کرتے اور ان سے فتوے حاصل کرتے تھے کہ وہ حنفی ہیں، مالکی ہیں یا شافعی اور اس طریقہ اور عرف و رواج و اہل علم میں سے کوئی برا نہیں سمجھتا تھا، اس طرز عمل کی حیثیت ایک امام کے فقہی مسلک سے رجوع کے جواز پر اجماع کی سی ہوگی، شرح ابن حاجبؒ میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

دوسری صورت جس میں اس نے کسی معین فقہی مسلک کا التزام کیا ہے، جیسے فقہ حنفی اور فقہ شافعی، اس میں ابن حاجبؒ نے اپنے فقہی مسلک کے اختلاف کے سبب، اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، کہتے ہیں کہ

علماء کے اس بارے میں تین قول ہیں، اول یہ کہ کسی حال میں جائز نہیں، دوسرے بغیر کسی شرط کے جائز ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں تخم پیمان ہے، لہذا کسی ایک فقہ کی کسی عمل میں تقلید کے بعد اس کے مسلک سے رجوع جائز نہیں ہوگا، بصورت دیگر جائز ہوگا۔

”عمدة الاحكام“ میں ”فتاویٰ صوفیہ“ سے نقل کیا گیا ہے کہ ابن حاجبؒ نے عید الفطر کے روز بعض لوگوں نے سوال کیا کہ ہم بعض لوگوں کو مسجد میں زوال آفتاب کے وقت نفل نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں، ہم انہیں روکتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تین وقتوں میں نماز پڑھنا منع ہے اور ان میں سے ایک وقت زوال بھی ہے، وہ جواب میں ہم سے کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے سے مت روکو، مبادا ایسا نہ ہو کہ اللہ کے اس فرمان میں داخل ہو جاؤ ”ارأیت الذی ینہی عدا اذا صلی“ (کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے؟) پھر تمہارے لیے اس امر کا تعین اور یقین بھی مشکل ہے کہ یہی خاص وقت زوال ہے، زوال کا وقت اس سے پہچاننا بھی ہو سکتا ہے اور مؤخر بھی جب وہ نماز پڑھ رہا ہے۔

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہی وقت زوال ہے تو امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ زوال آفتاب کے وقت نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے اس میں کراہت نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ عید الفطر کے دن کی تخصیص نہیں، کسی بھی دن زوال آفتاب کے وقت

نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

اگر تم زوال آفتاب کے وقت نماز پڑھنے والے پر اعتراض کرو گے تو تمہیں یہ جواب دے سکتا ہے کہ اس نے اس مسئلے میں اس فقیہ کی تقلید کی ہے جو اس کے جواز کا قائل ہے، یا اس فقیہ و مجتہد کی دلیل تمہارے سامنے پیش کر دے جو زوال آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کو جائز سمجھتا ہے اور تمہیں اس بات کا کوئی اختیار نہیں کہ کسی مجتہد کے مقلد پر یا ایسے شخص پر اعتراض کرو جو اپنے عمل کے لیے کوئی دلیل رکھتا ہے۔

”عمدة الاحکام“ ہی میں ”المجتہدین“ اور ”المزید“ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ بسا اوقات عید الفطر کے دن زوال آفتاب کے وقت نفل نماز ادا کرنے والا اس امام کی تقلید کرتا ہے تو جو اس کے جواز کا قائل ہے، تو ایسے شخص پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے جو کسی مجتہد کے فعل یا قول کی تقلید کرتا ہے۔

”فتاویٰ ظہیر“ میں ہے:

جو شخص ایسا کام کرے جس میں اجتہاد کیا جاسکتا ہو یا ایسے کام میں کسی مجتہد کی تقلید کرے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں اور نہ ہی اس میں قباحت کا کوئی پہلو ہے۔

قاضی بیضاویؒ کی ”منہاج الاصول“ میں ہے کہ:

”اگر شوہر نے طلاق دیتے وقت اس لفظ کو جس کے ذریعہ طلاق دی ہے، کتنا یہ خیال کیا اور بیوی نے صریح لفظ سمجھا تو شوہر کو مطالبہ رجعت کا اور بیوی کو اس سے باز رہنے کا حق حاصل ہوگا، ایسی صورت میں یہ دونوں کسی دوسرے سے مسئلہ پوچھیں۔“

کتاب ”الانوار“ کی دو متضاد عبارتوں کا سمجھنا ایک شافعی المسلک شخص کے لیے بہت دشوار ہوا ہے، ان دونوں عبارتوں کے درمیان تطبیق اس کے لیے ممکن نہ ہوئی تو اس نے مجھ (ولی اللہ دہلویؒ) سے پوچھا، میں نے اسے اس انداز سے جواب دیا کہ اس کا اشکال دور ہو گیا۔

کتاب ”الانوار“ کی ایک عبارت کا خلاصہ اور ماحصل تو یہ ہے، اور یہ عبارت ”کتاب القضاء“ میں ہے۔

”جب چار فقہی مسلک (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) مدون و رائج ہو گئے تو ان میں

سے کسی ایک مسلک کی پیروی کرنے والے کے لیے جائز ہو گیا کہ وہ کسی ایک مسئلے میں ایک امام و مجتہد کی رائے اور مسلک کو چھوڑ کر دوسرے امام کو اختیار کرے اور اس پر عمل کرے۔“

اسی طرح ایک شخص کا عمل یہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں ایک امام کی پیروی کرتا ہے اور بعض مسائل میں کسی دوسرے امام کی، یہاں تک کہ اس نے یہ طریق عمل اپنا لیا کہ جس مسئلے میں وہ جس فقہی مسلک میں سہولت اور آسانی دیکھتا ہے، اسے اپنا لیتا ہے، مثلاً ایک شخص حنفی مسلک کا مقلد ہے، اسے فصد کھلوانے کی ضرورت پڑتی ہے اس وقت وہ شافعی مسلک کو اختیار کر لیتا ہے، کیوں کہ حنفی مسلک میں فصد کھلوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعی مسلک کی رو سے وضو باقی رہتا ہے، وہ اس سہولت کو حاصل کرنے کی خاطر حنفی مسلک کو چھوڑ کر شافعی مسلک اختیار کر لیتا ہے کہ از سر نو وضو کرنے سے بچ جائے گا۔

یا ایک شافعی المسلک ہے، اس نے اپنی شرم گاہ کو یا عورت کو ہاتھ لگایا اور حنفی مسلک کو اختیار کر لیا تا کہ وضو قائم رہے، اس لیے کہ حنفی مسلک میں شرم گاہ کو یا عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب کہ شافعی مسلک میں ان دونوں میں وضو ختم ہو جاتا ہے۔ تو ”الانوار“ کتاب القضاء میں ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔“

لیکن اسی کتاب کے باب الاضباب میں ہے کہ:

”اگر ایک شافعی المسلک شخص نے کسی شافعی کو دیکھا کہ وہ نمینہ پیتا ہے یا کسی شافعی کو دیکھا کہ اس نے ولی کی اجازت کے بغیر کسی لڑکی سے نکاح کر لیا اور اس نے از و اجی تعلق بھی قائم کر لیا تو اس شافعی المسلک کو یہ حق ہے کہ ایسا کرنے والے شافعی پر اعتراض کرے، اس لیے کہ ہر مقلد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی امام کی پیروی کرے جس کا وہ مقلد ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے امام کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے کسی امام کے مسلک پر عمل کرے، اگر ایسا کرے گا تو گناہگار ہو گا۔“

اور اگر کسی شافعی نے حنفی کو دیکھا کہ وہ گدھے کو یا ایسے جانور کو کھا رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ:

”یا تو اس بات کا اعتقاد رکھو کہ شافعی، تقلید اور اتباع کے زیادہ لائق ہیں یا ان کی تقلید چھوڑ دو۔“

صاحب ”الانوار“ کا یہ قول کتاب الاحساب میں ہے اور جو دو اقوال نقل کیے گئے ان میں آپس میں اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم سب کو محیط ہے، کوئی اس سے زیادہ جاننے والا نہیں، میں (ولی اللہ بن عبد الرحیم دہلوی) اپنے محدود علم کی بنا پر کہتا ہوں کہ اس اختلاف کے حل کی صورت یہ ہے کہ الانوار کے ان الفاظ کے معنی کہ ”مخالفت سے گناہگار ہوگا“ یہ ہیں کہ جب وہ تمام مسائل میں، یا صرف ایک مسئلے میں اس کی تقلید کا پختہ ارادہ کر چکا ہو، پھر اس کی مخالفت شروع کر دے تو بلاشبہ یہ معصیت ہوگی اور ایسا کرنے والا گناہگار ہوگا لیکن جب اس مسئلے میں کسی دوسرے امام کی تقلید کی تو یہ اسی کا مقلد ہوگا اور اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

یا اس بارے میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مسئلہ دوم امام غزالی اور بعض دوسرے اہل علم کے قول پر مبنی ہے اور مسئلہ اول کی بنا جمہور علماء کی آراء پر ہے۔

اس مسئلے پر خوب غور و خوض کیجیے، اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیجیے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کیجیے، کیوں کہ اکثر اہل علم پر اس اختلاف کا حل بہت دشوار گزار ہے اور مختلف آراء کے درمیان تطبیق میں مشکل کا سامنا ہوا ہے۔

(۴) یہ بات اپنے مفروضہ بن میں اچھی طرح جمالیجیے کہ کسی مجتہد کی تقلید کرنے کی دو صورتیں اور قسمیں ہیں۔ (۱) واجب۔ (۲) حرام۔

تقلید واجب

جو واضح طور پر حدیث سے ثابت ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص قرآن، سنت اور فقہ کا علم نہیں رکھتا، اس میں اس بات کی قطعاً کوئی اہلیت و صلاحیت نہیں کہ وہ مسائل کا حل قرآن و سنت سے معلوم کرے، فقہاء کی آراء، فتاویٰ اور ان کے مسالک کو سمجھے، اس کے لیے واجب ہوگا کہ جب بھی اسے کوئی معاملہ درپیش ہو تو ہو کسی فقیہ، مفتی، یا عالم سے پوچھے کہ اس کا قرآن و سنت کی رو سے کیا حل ہے اور کیا حکم ہے؟ وہ اس کا جو حکم بتائے اس پر عمل کرے، وہ حکم خواہ صریح نص سے

مستند ہو یا کسی نص پر قیاس کیا گیا ہو، ان میں سے جو بھی صورت ہوگی وہ حکم بہر صورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث پر مبنی ہوگا اور جو حکم حدیث رسول ﷺ پر مبنی ہوگا اس کی صحت پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے، اس بارے میں مسلم علماء کی کبھی دو رائیں نہیں ہوتیں۔

اس تقلید کی بنیاد اس بات پر ہوگی کہ فقیہ اور مفتی کا قول یا فتویٰ، سنت رسول کے مطابق ہے، وہ اپنی قدرت اور صلاحیت کی حد تک سنت کا متلاشی رہے گا، جب بھی اس کے علم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا قول یا عمل آئے گا جو فقیہ اور مفتی کے قول اور فتوے کے خلاف ہو تو وہ اس فقیہ اور مفتی کے قول اور فتوے کو چھوڑ دے گا اور حدیث رسول ﷺ پر عمل کرے گا، تمام فقہاء اور مجتہدین نے یہاں بات کی ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ:

”کسی شخص پر جب یہ بات واضح ہو جائے کہ میری اجتہادی رائے حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہے تو میری رائے کو دیوار پر پھینک مارو اور حدیث پر عمل کرو۔“

امام مالکؒ بن انس کا قول ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت کے علاوہ ہر چیز کو رد کیا جاسکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے علاوہ کوئی ایسا کلام نہیں، جس کے ترک کرنے پر مواخذہ کیا جاسکے۔

امام ابو حنیفہؒ نے بھی وہی کہا جو شافعیؒ اور مالکؒ نے کہا اور ان سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہا کہ:

”جو شخص میری اجتہادی رائے کی دلیل سے واقف نہیں ہے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ میرے اقوال اور اجتہادی آراء کی بنیاد پر فتویٰ دے۔“

امام احمد بن حنبلؒ نے کہا:

نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ کی نہ کسی اور کی، اپنے مسائل کا حکم قرآن اور سنت رسول ﷺ سے متلاش کرو، ان حضرات نے بھی مسائل کے احکام قرآن و سنت ہی سے اخذ کیے ہیں۔“

تقلید حرام

اس صورت میں تقلید حرام ہو جاتی ہے جب اس امام اور فقیہ کے بارے میں جس کا وہ مقلد ہے، یہ گمان کرے کہ وہ اس رتبے پر فائز ہے کہ اس سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ اگر اس کے قول اور فتوے کے خلاف کوئی صحیح حدیث بھی ملے تو وہ اس کے اندر تاویل کرے اور اس فقیہ کے قول اور فتوے کو نہ چھوڑے، یا یہ سمجھے کہ جب میں نے اس فقیہ کی تقلید کر لی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے اقوال و فتاویٰ کی پیروی کا مکلف بنادیا ہے، میرے لیے اب اسی کی پیروی ضروری ہے، یہ شخص اس بے وقوف کی طرح ہے جس کو تصرفات اور لین دین سے روک دیا جائے۔

ایسے شخص کا حال یہ ہوتا ہے کہ اسے جب کوئی حدیث ملتی ہے اور اسے یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، تب بھی وہ اس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا اور مخصوص امام کی تقلید پر ہی جمارہتا ہے۔

ایسا عقیدہ اور عمل فاسد ہے، اس پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں ہے، اسلام کے ابتدائی دور میں کسی نے اس طرح کا طرز عمل اختیار نہیں کیا، جو شخص حقیقت میں معصوم نہیں ہے اور اس سے کسی وقت بھی غلطی کا صدور ہو سکتا ہے، اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھ کر کہ یہ غلطی نہیں کر سکتا، یہ شخص خود بہت بڑی غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور یہ سمجھ کر بھی اس نے ٹھوکر کھائی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ یہ اس مخصوص امام کی پیروی کرے، اسی طرح کی تقلید کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَإِنَّا عَلٰى أَفْوَاجِهِمْ مُّقْتَدُونَ** (ہم انہی کے آثار قدم پر چلنے کے پابند ہیں)۔ پچھلی امتوں کی تحریفات بھی اسی قسم کی تھیں۔

(۵) اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا نادار اور متردک اقوال و روایات پر فتویٰ دیا

جا سکتا ہے؟

”خزائے الروایات“ میں ”سراجیہ“ سے ایک رائے یہ نقل کی گئی کہ:

”فتویٰ دینے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے اور قول کو دوسرے حنفی فقہاء کے اقوال پر ترجیح دی جائے گی، اس کے بعد ابو یوسفؒ کے قول پر، پھر محمد بن حسن شیبانیؒ کے قول پر، پھر زفر بن ہذیلؒ کے قول پر اور سب سے مؤخر حسن بن زیادؒ کے قول کو رکھا

جائے گا۔“

بعض علماء نے کہا کہ اگر کسی مسئلہ میں ابوحنیفہؒ کی رائے ایک طرف ہو اور صاحبین (ابو یوسفؒ، محمد بن حسن شیبانیؒ) کی دوسری طرف، تو مفتی اگر مجتہد ہے تو اسے اختیار ہے کہ ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دے یا صاحبین کے قول پر، لیکن اگر مفتی مجتہد نہیں ہے تو پھر اس کو قول اول کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے مجتہد تھے، ان کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ:

”فقہ میں تمام لوگ امام ابوحنیفہؒ کا کنبہ اور تربیت یافتہ ہیں۔“

(اس لیے ان کے اقوال کی پیروی مقدم ہے۔)

بعض علماء نے یہ بھی کہا کہ اگر کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ ایک طرف ہوں اور ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ ایک طرف تو مفتی کو اختیار ہے، چاہے وہ ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دے لے اور چاہے صاحبین کے قول کو، اگر صاحبین میں سے ایک امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے متفق ہو تو پھر ضروری ہے کہ ابوحنیفہؒ کی رائے کو اختیار کیا جائے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

مشائخ نے اگر ان فقہاء میں سے کسی ایک کا قول اختیار کرنے اور اس پر فتویٰ دینے پر اتفاق کر لیا ہو تو پھر اسی کا قول اختیار کیا جائے گا، اسی پر فتویٰ ہوگا اور اسی کی تقلید کی جائے گی، جیسا کہ ابواللیث فقیہؒ نے اس بارے میں کہ مریض اگر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو کیسے بیٹھے؟ امام زفر بن ہذیلؒ کا قول اختیار کیا ہے، امام زفرؒ کہتے ہیں کہ مریض نماز میں اسی طرح بیٹھے گا جس طرح عام نمازی تشہد میں (یعنی قعدہ میں) بیٹھتا ہے، کیوں کہ مریض کے لیے اس طرح بیٹھنا نسبتاً آسان ہے، اگرچہ علماء احناف کا قول یہ ہے کہ مریض حالت قیام میں متر بعتاً یا جتمعاً بیٹھے گا تا کہ اس قعدہ میں اور اس قعدہ میں فرق ہو جائے جو قیام کے حکم میں ہے لیکن اس طرح مریض پر دشوار ہے کیوں کہ اسے اس طرح بیٹھنے کی عادت نہیں ہے۔

اسی طرح جس نے عدالت یا حاکم کی اجازت کے بغیر کسی کی چغلی کھائی ہو، امام زفرؒ نے اس چغلی خور کو چغلی کا دروازہ بند کرنے کے لیے ضامن ٹھہرایا ہے، اگرچہ ہمارے اصحاب کا قول ضمان کے عدم وجوب کا ہے، اس لیے کہ اس نے کوئی مال ضائع نہیں کیا اور مشائخ کے لیے جائز ہے کہ وہ

مصلحت زمانہ پر عمل کرتے ہوئے ہمارے ائمہ میں سے کسی ایک کا قول اختیار کر لیں۔

فتیہ، باب ما يتعلق بالمفتی من النواذر. میں مذکور ہے کہ قضاء سے متعلق فتویٰ ابو یوسفؒ کے قول پر ہے کیوں کہ ان کو قضاء کا زیادہ تجربہ تھا۔
مضمرات میں ہے:

”مفتی کے لیے جائز نہیں کہ کسی منفعت کے لیے متروک اقوال پر فتویٰ دے، کیوں کہ اس کا نقصان دنیا و آخرت میں پورا پورا اور عام ہے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مشائخ کے اقوال اختیار کرے، سلف کی سیرت پر نچلے اور اسی فضیلت و شرف کے حصول کی کوشش کرے۔“

فتیہ، کتاب ادب القاضی باب مسائل متفرقة میں یہ مسئلہ مذکور ہے، قضاء سے متعلق مسائل میں فتویٰ ابو یوسفؒ کے قول پر ہے کیونکہ انہیں تجربہ سے زیادتی علم حاصل ہو گئی تھی اور عہدہ الاحکام میں کشف بزودی سے منقول ہے، ”مفتی کے لیے رخصتوں کا اختیار کرنا مستحب ہے تاکہ عوام پر آسانی ہو، مثلاً احرام کے پانی سے وضو کرنا، پاک جگہ بغیر جائے نماز کے نماز پڑھنا اور سرسروں کی وہ کچھ جن کی طہارت کا فتویٰ ہو چکا ہو، اس سے بچنا، اہل عزیمت کو یہ خصلتیں نامناسب ہیں، ان کے لیے احتیاط اور عزیمت پر ہی عمل بہتر ہے“ اور فتیہ میں ہے ”مفتی کے لیے مناسب ہے کہ لوگوں کو آسان ترین فتویٰ دے“ جیسے بزودی نے شرح جامع صغیر میں ذکر کیا ہے، ”مفتی کے لیے مناسب ہے کہ دوسروں کے حق میں آسان بات کو اختیار کرے خصوصاً ضعیف اور کمزور لوگوں کے حق میں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعرئی اور معاذ کو جب یمن بھیجا تھا تو فرمایا: ”لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا، انہیں مشکلات میں نہ ڈالنا، ان سے اچھی باتیں کرنا، انہیں دین سے ہزار نہ کر دینا۔“ اور عہدہ الاحکام، کتاب انکراہیہ میں ہے کہ کتے اور خنزیر کا جھوٹا نجس ہے، امام مالکؒ وغیرہ کا اس سے اختلاف ہے اگر کسی نے قول مالکؒ پر فتویٰ دیا تو جائز ہے۔

فتیہ میں ہے ایک فقیہ سعید بن مسیبؒ (۱۴) کے مذہب پر فتویٰ دیتا ہے اور مطلقہ ثلث کا نکاح شوہر اول سے کرتا ہے تو عورت مطلقہ ثلث رہے گی اور فقیہ کو سزا دی جائے گی، اور ایک فقیہ تین طلاق میں حیلہ کرتا ہے اور اس بہانے رشوت لیتا ہے اور شوہر ثانی سے عورت کے جنسی تعلقات قائم ہوئے بغیر عورت کا شوہر اول سے نکاح کر دیتا ہے، کیا نکاح صحیح ہے اور ایسا کرنے

والے کی کیا سزا ہے؟ بعض علماء نے کہا کہ، منہ کالا کر کے نکال دیا جائے، فتاویٰ اعتمادیہ میں فتاویٰ سرمدیہ سے نقل ہے کہ سعید المسیبؒ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا تھا کہ حلالہ میں دخول محلل یعنی عورت کے لیے شوہر عانی سے جنسی تعلق ضروری نہیں، اب اگر کوئی قاضی ان کے اس قول پر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور اگر فقیہ اس کا حکم کرے، صحیح نہیں اور فقیہ کو سزا دی جائے گی۔

اور تحفۃ، شرح المہاج میں ہے کہ:

عراقی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اگر مقلد کو اپنے امام کے دو اقوال میں ترجیح نہ معلوم ہو تو جس کو چاہے اختیار کرے، دونوں اقوال کو جمع نہیں کر سکتا، شاید اجماع سے اس نے اپنے مذہب کا اجماع مراد لیا، کیونکہ ہمارے مذہب کا مقتضی یہی ہے کہ قول کے مطابق قضاء اور افتاء میں اس کی ممانعت ہے، ہاں از خود عمل میں یہ ممنوع نہیں اور اسی سے ماوردیؒ کے قول سے بھی مطابقت ہوتی ہے، اور غزالیؒ نے بھی ماوردیؒ کی تائید کی ہے۔

اور امام کا قول اس شکل میں ممانعت کا ہے، جب دونوں قول دو متضاد حکموں کے بارے میں ہوں جیسے ایجاب اور تحریم، بخلاف کفارہ کی رخصتوں کے اور سبکیؒ نے اختیار قول میں اپنے حق میں عمل کرنے کے جواز کو اس مجتہد کے لیے جاری کیا ہے جس کی تقلید درست ہو اور تمام شرائط اجتہاد اس میں مکمل ہوں اور لوگوں نے بھی سبکیؒ کی پیروی کی ہے، یعنی ان اعمال میں جن پر سنت کے مطابق عمل ہو اور ابن صلاحؒ کا یہ قول کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، اسی پر محمول ہے کہ قضاء و فتویٰ میں جائز نہیں اور اس کا اور دوسری تقلید کی صورتوں کا محل اس وقت تک ہے جب تک رخصتیں نہ تلاش کرے۔

ماوردیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جائز نہیں، مثلاً جس کے اجتہاد میں دونوں سمت برابر ہوں تو اسے جائز ہے کہ جس سمت چاہے نماز پڑھ لے کہ تقلید کا پھندا اس کی گردن سے نکل جائے ورنہ اس سے گناہگار ہوگا، بلکہ بعض علماء نے تو کہا کہ فاسق

ہو جائے گا، بعض علماء نے کہا کہ اگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ مدونہ فقہی مذاہب میں رخصتیں تلاش کرے۔ گردونہ فقہی مذاہب کو چھوڑ کر متردک یا شاذا آراء کو اختیار کرتا ہے تو یقیناً فاسق ہو جائے گا۔

عام آدمی کا مسلک؟

یہ بات اپنے احاطہ علمی میں لے آئیے کہ عام آدمی کا کوئی فقہی مسلک معین نہیں ہوتا، اس کا مذہب صرف مفتی کا فتویٰ ہے، بحرا لائق میں ہے کہ اگر کسی نے پچھنے لگوائے یا غیبت کی اور یہ گمان کیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، کھالیا، تو اگر کسی فقیہ سے فتویٰ نہیں لیا اور نہ اس کے پاس کوئی حدیث ہے تو اس پر کفارہ واجب ہے، کیونکہ یہ محض جہالت کی وجہ سے ہوا اور جہالت دارالاسلام میں عذر نہیں اور اگر کسی فقیہ سے فتویٰ لیا اور اس نے فتویٰ دے دیا کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ عام آدمی جب کسی عالم کے فتوے پر اعتماد کرے، اگر وہ عالم اپنے فتویٰ میں غلطی پر ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس کی تقلید واجب ہے، اس شکل میں یہ اپنے فعل میں معذور ہے اور اگر اس نے فتویٰ تو نہیں لیا مگر اس کے پاس حدیث موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا“ اور فرمایا: ”غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے“ اور اس عامی کو نسخ یا تاویل معلوم نہیں، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں، اس وجہ سے کہ ظاہر حدیث پر عمل واجب ہے، ابو یوسفؒ اس میں مختلف ہیں کیونکہ عامی کو عمل بالحدیث نازیبا ہے کیونکہ اسے ناخ و منسوخ کا کوئی علم نہیں۔

اور اگر روزہ دار نے شہوت سے عورت کو ہاتھ لگایا، بوسہ لیا، یا سرمہ لگایا اور خیال کیا کہ ان کاموں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، روزہ توڑ دیا، تو اس پر کفارہ واجب ہے لیکن اگر اس نے کسی فقیہ سے معلوم کیا اس نے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا یا اس بارے میں اسے کوئی حدیث ملی تو کفارہ واجب نہیں اور اگر زوال سے پہلے روزہ کی نیت کی پھر افطار کر لیا تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ان سے مختلف ہے۔

بحر الحیط نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

ان تفصیلات اور فقہاء کی آراء سے یہ ثابت ہوا کہ عام آدمی کا مذہب، مفتی کا فتویٰ ہے کیونکہ

وہ احکام و مسائل سے کلی طور پر ناواقف ہے۔

بحر الرائق، قضا الفوائت میں مصنف کے اس قول کے تحت (۱۵) ویسقط بصیق الوقت والنسیان، مذکور ہے مقلد عامی ہے اور اس کا کوئی مذہب معین نہیں تو اس کا مذہب مفتی کا فتویٰ ہے، جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے، اگر اس نے فتویٰ حنفی سے لیا تو عصر و مغرب کا اعادہ کرے گا اور اگر شافعی سے فتویٰ لیا تو اعادہ نہیں کرے گا، اس کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اگر کسی سے فتویٰ نہیں لیا گیا لیکن کسی مجتہد کے مذہب کے مطابق نماز ہو گئی تو یہ نماز صحیح ہے اور اعادہ واجب نہیں۔

شرح منہاج العیضاوی مصنفہ ابن امام الکاملیہ میں ہے:

”ایک عامی کو کوئی واقعہ پیش آیا اور اس نے کسی مجتہد سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کیا تو

اس کو بالاجماع اس واقعہ میں دوسرے کے فتویٰ کی طرف رجوع جائز نہیں۔“

جیسے کہ ابن الحاجب وغیرہ نے نقل کیا اور جمع الجوامع میں اس بارے میں خلاف ہے اور اگر عمل سے پہلے رجوع کرنا چاہے تو نووئی کہتے ہیں کہ مختار وہ شکل ہے جو خطیب وغیرہ نے نقل کی ہے کہ اگر وہ دوسرا مفتی بھی موجود ہے تو صرف اسی کے فتویٰ سے لازم نہ ہوگا، کیونکہ اسے اجازت ہے کہ وہ دوسرے سے دریافت کرے اور اس شکل میں کبھی وہ اس کی مخالفت کرے گا تو اس حکم میں اختلاف دو مفتیوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا لیکن جب اسے اور کوئی واقعہ پیش آئے تو اسے جائز ہے کہ اس کو چھوڑ کر جس سے پہلے واقعہ میں فتویٰ لیا تھا کسی دوسرے سے لے لے اور کر اُسی قطعی طور پر کہتے ہیں کہ اس پر واجب ہونا پسند کیا ہے، لیکن التزام صرف خواہشات کے لیے نہیں بلکہ ایک مذہب کی تقلید کر کے اسے ہر چیز میں رائج یا دوسرے کا مساوی اعتقاد رکھے مرجوح نہیں۔

نووی نے فرمایا کہ دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ کسی مذہب کا التزام نہ کرے بلکہ جس سے چاہے بغیر رخصتوں کو تلاش کیے فتویٰ دریافت کرے، شاید جس نے اس سے منع کیا ہے اس نے عامی کی رخصت نہ تلاش کرنے پر اعتماد نہیں کیا اور جب اس نے کسی مذہب معین کا التزام کر لیا تو صحیح تر یہی ہے کہ اس سے خروج جائز ہے اور کتاب زید بن رسلان میں یہ دو شعر مذکور ہیں۔

والشافعی و مالک و نعمان و احمد بن حنبل و سفیان

و غیرہم من سائر الائمة علی ہدی و الاختلاف رحمة

جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور سفیان بھی اور ائمہ حق پر ہیں تمام، اختلاف ان کا ہے رحمت والسلام، شرح غایۃ البیان میں ہے اگر برابر درجہ کے دو مجتہدین کا قول مختلف ہو تو صحیح تر قول یہی ہے کہ مقلد کو دونوں میں اختیار ہے جس کو چاہے لے اس مسئلہ میں تحذیر کی عبارت نثر چکی۔

باب (۳) حواشی و حوالہ جات

(۱) ”الموطا“ احادیث صحیحہ کے اولین مجموعوں میں سے ایک مجموعہ جو تسلسل کے ساتھ امت مسلمہ کے ہاتھوں میں موجود ہے، امام مالک بن انسؒ (۹۳-۷۹ھ) نے مرتب کیا، امام شافعیؒ نے اس کے بارے میں کہا:

”کتاب اللہ کے بعد دنیا کی صحیح تر کتاب“۔

عقدا الجید کے مصنف شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے موطا کی دو شرحیں لکھیں۔

”المسئ“ عربی زبان میں اور ”المصفی“ فارسی میں۔

شروح، حواشی اور تراجم و تعلیقات کی صورت میں موطا پر علمی کام کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ امام مالکؒ کو مجتہد مطلق کا درجہ بھی حاصل ہے۔

صحیح بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۱۹۴-۲۵۶ھ) نے احادیث صحیحہ کا ایک مجموعہ مرتب کیا ”جو الجامع الصحیح“ کے نام سے مشہور ہوا، صحاح ستہ (یعنی حدیث کے چھ صحیح مجموعے) کے نام سے جن چھ مجموعہائے حدیث نے شہرت پائی ان میں صحیح بخاری سرفہرست ہے، اس کے بارے میں بھی علماء نے وہی کہا جو امام شافعیؒ نے امام مالکؒ بن انس کی الموطا کے بارے میں کہا تھا۔

صحاح ستہ کی دوسری کتاب امام مسلم بن حجاج قشیریؒ (۲۰۶-۲۶۱ھ) کا مرتبہ مجموعہ حدیث ہے، یہ بھی الجامع الصحیح اور ”صحیح مسلم“ کے نام سے معروف و مقبول ہوا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے لیے علماء کے درمیان ”صحیحین“ کی اصطلاح وضع ہوئی، مطلق صحیحین جہاں بھی بولا اور لکھا جاتا ہے اس سے یہی دو کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

صحاح ستہ کی تیسری کتاب ابو یوسف محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذیؒ (۲۰۹-۲۷۹ھ) کا مرتبہ مجموعہ حدیث ہے۔ ”جامع ترمذی“ کے نام سے اہل علم میں معروف ہے، اس پر بھی شروح، حواشی اور تراجم کی صورت میں علمی کام کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

صحاح ستہ کی کتب میں ابوداؤد سجستانی کا مرتبہ مجموعہ حدیث بھی ہے۔ ان کا پورا نام سلیمان

بن اشعث بن اخیق (۲۰۲-۲۷۵ھ) ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کو ابو داؤدؒ سے تلمذ حاصل ہے۔

امام نسائیؒ کا مرتبہ مجموعہ حدیث بھی صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے، ان کا پورا نام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی خراسانی (۲۱۵-۳۰۳ھ) ہے۔ ان کا مجموعہ حدیث ”سنن نسائی“ کے نام سے معروف و متداول ہے، اس کے حواشی، شرح اور تعلیقات کا سلسلہ بھی تا حال جاری ہے۔

(۲) قول رسول ﷺ، عمل رسول ﷺ اور توثیق رسول ﷺ کو ”حدیث“ کہتے ہیں (جیسا کہ اس کی تفصیل سابقہ حواشی میں گزر چکی) اور اقوال صحابہ کو ”آثار“ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں یہ معروف اور متفق علیہ اصطلاح ہے۔

(۳) ظاہریہ: ظاہریہ ان لوگوں کو یا اس طبقہ کو کہا گیا جو اس بات کے قائل ہوئے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی پر عمل کیا جائے، اس مسلک کی نسبت داؤد بن علی اصفہانی معروف داؤد ظاہری یا ابوسلیمان ظاہریؒ کی طرف کی گئی، داؤد ظاہریؒ ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے، کوفہ جائے پیدائش ہے، بغداد میں تعلیم حاصل کی، ابتدا میں شافعی مسلک کے پیروکار تھے پھر اپنا مسلک اختیار کیا، جو ظاہری مسلک کہلایا، ظاہریہ نہ قیاس کے قائل ہیں اور نہ اجماع کے، صرف اس اجماع کے قائل ہیں اور اسے قابل استدلال سمجھتے ہیں جس پر تمام علمائے امت متفق ہوں، استحسان، مصالح، مرسلہ اور دوسرے عقلی مصادروں کو دلیل شرعی تسلیم نہیں کرتے، چوتھی صدی ہجری میں ان کے بیٹے محمد بن داؤد (م: ۲۹۷ھ) اور ابن مفلس (م: ۳۲۳ھ) نے اس مسلک کی نمائندگی کی۔

اس مسلک کی سب سے بھرپور نمائندگی ابو محمد علی بن حزم اندلسی (م: ۲۵۶ھ) نے کی، ابن حزم قوی الاستدلال عالم مصنف تھے، انداز تحریر بہت جارحانہ تھا، ان کی تین کتابوں نے عالمی شہرت حاصل کی۔ (۱) المحلی فی فروع الفقہ، (۲) الاحکام فی اصول الاحکام، (۲) کتاب الفصل فی المثل والابواء والنخل، اپنے ظہور کی ابتدا میں یہ مسلک اندلس میں پھیلا لیکن آٹھویں صدی ہجری تک بالکل ختم ہو گیا، (فلسفۃ التشریع فی الاسلام، ڈاکٹر صبحی محصانی، وفیات الاعیان - ج: ۱، ص: ۱۷۵-۱۷۶ ابن خلدون)

(۳) قاضی ابو یوسفؒ۔ امام ابو حنیفہؒ کے رفقاء میں ممتاز و معتمد، ان کی مجلس فقہ کے اہم رکن،

پورا نام: ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب النصارئ (۱۱۳-۱۸۲ھ) خلافت بنو عباس میں امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد عہدہ قضاء پر فائز ہوئے اور اسلامی تاریخ میں پہلی بار "قاضی القضاۃ" کا منصب سنبھالا۔

زفر بن ہذیل (۱۱۰-۱۵۸ھ) امام ابو حنیفہ سے علمی استفادہ کیا، ان کے رفقاء میں شامل ہوئے، امام ابو حنیفہ کی قائم کردہ اس دس رکنی کمیٹی کے رکن تھے جس نے فقہ کی تدوین میں مدد کی، امام ابو حنیفہ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ:

ہمارے اصحاب میں زفر قیاس کے سب سے زیادہ ماہر ہیں۔

عقد الجدید کے جس نسخے میں میں نے زیر نظر ترجمہ و تعلیقات کا کام کیا ہے اس میں "عافیہ بن زید" کا حوالہ ہے، حنفی اور شافعی فقہاء میں مجھے اس نام کے کوئی فقیہ نہیں ملے۔ "عافیہ بن زید" معروف فقیہ ہیں، امام ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طباعت کی غلطی سے یزید کا زید چھپ گیا، قرین قیاس یہی ہے کہ عافیہ بن یزید مراد ہیں، کیونکہ ابو یوسف اور زفر بن ہذیل کے ساتھ ان کے نام اور رائے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) امام ابو حنیفہ کے دو تلامذہ اور رفقاء قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی کو صاحبین کہا جاسکتا ہے۔

(۶) شیخ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینائی۔ ہدایہ کے مصنف جو کہ فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہے۔ متوفی: ۵۹۶ھ ہجری۔

(۷) ابونصر احمد بن حسین بخاری۔ شافعی فقیہ، کوفہ میں قاضی رہے۔ متوفی: ۲۴۹ھ۔

(۸) ابن زیاد: ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ ابن زیاد، فقیہ متوفی: ۲۸۹ھ ہجری۔

(۹) بلقیسی: سراج الدین عمر عسقلانی بلقیسی۔ فقیہ، مالکی المسلک، مدرسہ مالکیہ قاہرہ میں استاذ رہے، دمشق میں عہدہ قضاء پر بھی فائز ہوئے، فقہ میں کئی مولفات ہیں، متوفی: ۴۰۳ھ۔

(۱۰) امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل۔ مسالک اہل سنت میں سے چوتھے فقہی مسلک کے بانی، امام شافعی کے شاگرد، محدث، فقیہ، مجتہد، بغداد میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ ولادت: ۵۴ھ، اور وفات ۲۴۱ھ آپ کے مرتبہ مجموعہ حدیث نے دوامی شہرت پائی جو کہ "مسند امام احمد بن

ضبط“ کے نام سے موسوم ہے۔

۱۱) ابن نجیم: شیخ عمر بن ابراہیم بن محمد۔ الشیخ بایں نجم مصری، فقیہ، محقق، شرعی علوم میں ماہر، حنفی المسلمک، مصنف: نہر الفائق شرح کنز الدقائق، اجابۃ السائل فی اختصار النفع الوسائل، ان کے بڑے بھائی نے ”بحر الرائق“ کے نام سے کنز الدقائق کی شرح لکھی، ابن نجیم نے اپنی شرح میں اپنے برادر بزرگ کی شرح پر سخت تنقید اور مناقشے کیے ہیں۔ متوفی: ۷۵۰ھ ہجری۔

۱۲) امام الحرمین ابوالمعالی جوینی، امام غزالی کے استاذ ایک عرصے مکہ اور مدینہ میں مسند درس وافتاء پر فائز رہے، اس مناسبت سے ”امام الحرمین“ کہلائے، مدرسہ نظامیہ بغداد کے بانی، متوفی: ۵۸۰ھ ہجری

۱۳) خطیب سے معروف مؤرخ خطیب بغدادی مراد ہیں، متوفی: ۶۳۰ھ دارالک الشافعی۔ عبدالعزیز بن عبداللہ، محدث، فقیہ، دارک، اصہبان میں ایک گاؤں تھا اس کی طرف نسبت ہے، متوفی: ۷۵۰ھ ہجری

۱۴) سعید بن مسیب، تابعی، فقہائے مدینہ میں شمار ہوتا ہے، محدث، مفسر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد، متوفی: ۹۴ھ ہجری۔

۱۵) بھول چوک اور تنگی وقت کی بنا پر قضا نمازوں میں ترتیب واجب نہیں رہتی، بالغ ہونے کے بعد اگر کسی کی پانچ سے زائد نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں تو اگر اس کی چند نمازیں قضا ہو جائیں گی تو فقہائے احناف کے نزدیک اس پر ترتیب واجب ہوگی، مثلاً ایسے شخص کی عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہو گئیں، اس نے پہلے نماز مغرب کی قضا کی پھر نماز عصر کی قضا پڑھی اور کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ لیا تو وہ اعادہ کا فتویٰ دے گا کیونکہ ان کے نزدیک ترتیب واجب ہے، اس فتوے کی رو سے اسے ان دونوں نمازوں کا اعادہ کرنا پڑے گا، اگر شافعی فقیہ سے فتویٰ لیا تو نمازوں کے صحیح ہونے کا فتویٰ دے گا، اس صورت میں اسے ان دونوں نمازوں کا اعادہ نہیں کرنا پڑے گا، شافعی فقہاء کے نزدیک قضا نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب واجب نہیں ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب فوت شدہ نمازوں کی ترتیب یاد ہو، نسیان (بھول چوک) کی صورت میں ترتیب کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں رہتی۔

باب: ۵

تقلید میں میانہ روی

ہم نے جو افراط و تفریط کے درمیان شکل ذکر کی، مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے والے تمام جمہور علماء اسی پر چلے ہیں اور ائمہ مذاہب نے اپنے اصحاب کو اس کی وصیت کی ہے، شیخ عبدالوہاب اشعرائی (۱) ”الیواقیت والجواہر“ میں امام صاحبؒ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں

”جو شخص میرے کلام کی دلیل سے واقف نہیں اسے میرے کلام سے فتویٰ دینا بھی درست نہیں“ اور جب آپ فتویٰ دیتے تو اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے،

”یہ نعمان بن ثابت کی رائے ہے، جتنا ہمیں معلوم ہے، اس کے لحاظ سے بہتر ہے، اگر کوئی اس سے اچھی رائے دے، تو وہ زیادہ لائق صحت ہے۔“

اور امام مالکؒ فرمایا کرتے:

”سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر شخص اپنے کلام پر مانوڑ ہے۔ اور اس کا کلام رد کیا جاسکتا ہے“ اور حاکم ذہبیؒ نے شافعیؒ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں

”جب حدیث کی صحت ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے“ ایک روایت ہے،

”جب تم میرا کلام مخالف حدیث دیکھو، تو حدیث پر عمل کرو، اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو“ اور ایک روز آپؒ نے مزنی (۲) سے فرمایا: اے ابراہیمؒ! ہر بات میں میری تقلید نہ کرو بلکہ اپنی نجات کی فکر کرو، یہ دین ہے اور فرماتے، سوائے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا قول حجت نہیں اگرچہ کہنے والے کثیر ہوں نہ ہی

قیاس اور نہ ہی کسی اور شے میں حجت ہے، تم پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت واجب ہے۔

امام احمد (۳) فرمایا کرتے:

”کسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ کے ساتھ کلام کی گنجائش نہیں، ”نیز ایک شخص سے فرمایا، ”نہ میری تھلید کرو، نہ مالک، اوزاعی اور فحیی وغیرہ کی کرو، بس کتاب و سنت سے احکام حاصل کیا کرو، جہاں سے انھوں نے حاصل کیے ہیں۔“

اس کے بعد انھوں نے علماء مذاہب کی ایک عظیم جماعت سے نقل کیا اور اصحاب مذاہب کے زمانہ سے اس زمانہ تک بغیر کسی مذہب معین کا التزام کیے، مذاہب پر عمل کرتے اور فتویٰ دیتے تھے، اور کچھ اس طرح بیان کیا، کہ اس کے کلام کا متقاضی یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف اور حال ہمیشہ سے اسی پر ہیں، یہاں تک یہ امر متفق علیہ اور گویا مسلمانوں کا ایسا طریق ہو گیا کہ اس سے مختلف ہونا صحیح نہیں، چونکہ عبد الوہابؒ نے اقوال کے نقل کرنے میں کافی تفصیل سے کام لیا ہے، تو ہمیں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں، لیکن جو اس وقت ذہن میں آگئے، ان کے ذکر میں بھی کوئی نقصان نہیں، بغویؒ، شرح السنہ، کے شروع میں کہتے ہیں:

”میں اپنے اکثر بیان بلکہ تمام ہی میں دوسروں کا تبع ہوں، ہاں اگر کہیں کلام مختل کی تاویل یا مشکل کی وضاحت یا ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے میں کوئی مجھ پر واضح ہوگئی، تو وہ دوسری بات ہے۔“

اور باب الدعاء الذی یستفتح بہ الصلوۃ میں انی وجہت اور سبحانک اللہم کے ذکر کے بعد کہتے ہیں۔

”اس کے علاوہ افتتاح صلوۃ کے بارے میں اور بھی قابل ذکر روایات ہیں، یہ اختلاف مباح ہے، جس سے بھی نماز شروع کر لے صحیح ہے“ اور باب المراءۃ لا تخرج الامع محرم میں ذکر کیا ہے۔

”یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، کہ عورت اگر محرم نہ پائے تو اس پر حج لازم نہیں یہی قول فحیی، حسن بصریؒ، ثوریؒ، احمدؒ، احنفؒ اور اہل رائے کا ہے، اور ایک جماعت

اس طرف گئی ہے، کہ اس پر عورتوں کی جماعت کے ساتھ جانا واجب ہے، یہ قول مالکؒ اور شافعی کا ہے اور قول اول ظاہر حدیث سے مطابقت کی وجہ سے اولیٰ ہے۔
 بغویؒ نے حدیث بروع بنت واشق کے بارے میں امام شافعی کا قول نقل کیا ہے:
 ”اگر حدیث بروع بنت واشق ثابت ہے تو بجز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا کلام حجت نہیں، یہ حدیث مضطرب ہے، راوی کبھی معقل بن یسار کبھی معقل بن سنان اور کبھی اشجع سے روایت کرتا ہے اور اگر حدیث غیر ثابت ہے تو عورت کے لئے مہر نہیں، البتہ میراث ہے۔ (۴)

اور حاکم نے امام شافعی کا یہ قول:

”اگر حدیث بروع بنت واشق صحیح ہو تو میں اس کا قائل ہو جاؤں“ ذکر کر کے کہا کہ میرے بعض مشائخ نے کہا:

”اگر میں شافعی کے پاس ہوتا، تو ان کے شاگردوں میں کھڑا ہو کر کہتا کہ حدیث صحیح ہو چکی، تم اس کے قائل ہو جاؤ۔

اور اسی طرح امام شافعیؒ نے بریدۃ الاسلمی (۵) کی اس حدیث میں توقف کیا ہے جو اوقات صلوٰۃ کے بارے میں ہے چونکہ مسلم کے نزدیک حدیث صحیح ہے، اس لیے محدثین کی جماعتوں نے توقف سے رجوع کیا ہے اور ایسے ہی ثوب مصر (کسم کارنگا ہوا کپڑا) کے بارے میں بیہقی نے شافعیؒ پر عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث سے اعتراض کیا ہے، اور قسطنین سے کم پانی کی نجاست کے مسئلہ میں غزالیؒ نے کلام کثیر میں امام شافعیؒ کا پیچھا کیا ہے، یہ کلام احیاء العلوم میں مذکور ہے اور نوویؒ نے امام شافعیؒ کے خلاف اس مسئلہ کی دلیل بیان کی کہ بیع معاطاۃ جائز ہے، (یعنی بغیر زبان سے کچھ کہے قیمت دے دینا اور چیز لے لینا)

اور زحشریؒ نے بعض مسائل میں امام صاحبؒ کا تعاقب کیا ہے، ان میں ایک یہ ذکر کیا کہ سورہ مائدہ کی آیت تیمم کی تفسیر میں زجاجیؒ نے کہا کہ، صعید کے معنی سطح زمین کے ہیں، خواہ مٹی ہو یا نہ ہو، اگرچہ تھری کیوں نہ ہو جس پر کوئی مٹی نہ ہو، تو اگر تیمم نے اس پر ہاتھ مارا اور مسح کیا، تو بھی اس کی طہارت ہوگی، یہ مذہب ابو حنیفہؒ کا ہے، اگر تم کہو تو اس آیت کا جواب کیا دو گے فاسمحو

ہو جو حکم و ایذیکم منہ یعنی کچھ اس میں سے اور یہ صورت اس پتھر میں جس پر منی نہ ہو، ہو نہیں سکتی، تو ہم یہ جواب دیں گے کہ علماء نے ”من“ کے معنی ابتداء غایت کے لیے ہیں، پھر اگر تم کہو، کہ ”من“ کے معنی ابتداء غایت لینا، قول ضعیف ہے اور عرب کے ان محاورات، ”مسحت براسی من الدھن ومن التراب ومن الماء“ سے تعین ہی کے معنی سمجھے جاتے ہیں، تو میں کہوں گا، آپ ٹھیک کہتے ہیں اور حق کو مان لینا جھڑے سے بہتر ہے۔

اس قسم کے علماء کی اپنے ائمہ پر گرفت اور بالخصوص محدثین کی حد و شمار سے زیادہ ہے، میرے استاد علامہ ابو طاہر شافعیؒ نے اپنے شیخ حسن العینیؒ سے نقل کیا، کہ وہ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم نجاست قلیلہ میں زیادتی و غشی سے بچنے کے لیے عورتوں پر زیادہ تشدد نہ کریں اور اس بارے میں ہم ابو حنیفہؒ کا مذہب اختیار کریں کہ درہم سے کم مقدار معاف ہے اور ہمارے شیخ ابو طاہرؒ اسی قول کو پسند فرماتے تھے اور اسی پر عامل تھے، انوار میں ہے کہ اہلیت اجتہاد مندرجہ ذیل امور کے جاننے پر موقوف ہے۔

اول: کتاب اللہ تعالیٰ، قرآن میں جو آیات و احکام سے متعلق ہیں ان کا جاننا شرط ہے، تمام قرآن کا جاننا اور اس کا حفظ ہونا ضروری نہیں۔

دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو احکام سے متعلق ہیں، تمام نہیں، البتہ احادیث و قرآن میں سے مندرجہ باتوں کا جاننا شرط ہے، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مبین اور ناسخ و منسوخ اور حدیث کے جملہ اقسام، متواتر، احاد، مرسل، مسند، متصل اور منقطع اور جرح و تعدیل کے اعتبار سے راویوں کے حالات۔

سوم: علماء، فقہاء، صحابہ اور ان کے بعد والوں کے اقوال، کہ کون سا قول اجماعی ہے اور کونسا اختلافی۔

چہارم: قیاس کی جلی و خفی دونوں اقسام اور صحیح و فاسد کی تمیز۔

پنجم: عربی زبان، باعتبار لغت و ترکیب، ان تمام علوم میں مہارت کا ملہ بھی شرط نہیں، بلکہ ان میں سے کسی قدر جاننا کافی ہو جائے گا اور تمام احادیث متفرقہ کی بھی جستجو کی کوئی حاجت نہیں بلکہ اس کے پاس ایسی صحیح کتاب جو تمام احکام کو جمع کرے، ہونا کافی ہے۔ مثلاً سنن ترمذی، نسائی

اور ابوداؤد اور تمام اجماع و اختلافات کے مقامات اور ایسے ہی معرفت ناسخ و منسوخ، تمام کا ضبط و محفوظ ہونا ضروری نہیں، صرف اس مسئلہ میں جس میں وہ فیصلہ کر رہا ہے، اس کا قول اجماع کے مخالف نہ ہو، اسے یہ معلوم ہو کہ اس نے بعض متقدمین کے موافق فیصلہ کیا ہے، یا اس کا غالب ظن یہ ہو کہ متقدمین نے اس بارے میں کوئی کلام نہیں کیا ہے، بلکہ یہ واقعہ اسی کے زمانہ میں پیش آیا ہے۔ وہ حدیث جس کے قبول پر سلف نے اجماع کیا ہو یا اس کے راویوں کی اہلیت درجہ تو اتر کر پہنچی ہوئی ہو تو اس کے راویوں کی عدالت سے متعلق بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے علاوہ دیگر احادیث میں بحث عدالت ضروری ہے۔

ان تمام علوم کا اجماع اس مجتہد مطلق میں شرط ہے تو تمام ابواب شرع میں فتویٰ دے سکتا ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی باب میں مجتہد ہو اور کسی میں نہ ہو، اور اجتہاد کی ایک شرط اصول اعتقاد کی معرفت بھی ہے۔ غزالی نے فرمایا:

”اصول اعتقاد کی معرفت متکلمین کے طریقے پر شرط نہیں، کیونکہ وہ ہر ایک عقیدہ کی دلیل رکھتے ہیں اور بدعتیوں میں سے جس کی شہادت مقبول نہیں، اسے قاضی بھی بنانا درست نہیں اور ایسے ہی جو خوارج کی طرح اجماع کا، قدر یہ کی طرح اخبار احاد اور شیعہ کی طرح قیاس کا قائل نہ ہو، وہ بھی قاضی نہیں بنایا جاسکتا، انوار میں مذکور ہے۔“ مجتہد کے لیے مذہب مدون ہونا شرط نہیں اور جب مذہب مدون ہو گئے تو مقلد کے لیے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا جائز ہو گیا۔

اور اصولیین کے نزدیک اگر کسی واقعہ میں مذہب اول پر عمل کر چکا، تو اس واقعہ میں تبدیل مذہب جائز اور معاطات میں درست ہے اور اگر عمل نہیں کیا تو اس میں اور اس کے علاوہ تمام واقعات میں جائز ہے اور اصولیین کے نزدیک ناجائز ہے اور اگر ہر مذہب میں آسان ترشستوں کو اختیار کر لیا تو ابواحق کہتے ہیں کہ فاسق ہو جائے گا اور ابن ابی ہریرہؓ نے کہا کہ: فاسق نہیں ہوتا، بعض شروع میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

اقسام مقلد

اور الانوار میں ہے کہ جو حضرات ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ کے فقہی مذہب کی طرف منسوب

ہیں ان کی چند اقسام ہیں۔

اول: عوام اور ان کا امام شافعی کی تقلید کرنا مجتہد منتسب کی تقلید پر متفرع ہے۔

دوم: درجہ مجتہاد حاصل کرنے والے اور مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتے، وہ تو صرف اپنے اجتہاد، دلائل کے استعمال اور ترتیب دلائل میں اپنے امام کے طریقے پر چلنے کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہو جاتے ہیں۔

سوم: درمیان لوٹ جو ترجیحاً مجتہاد کو نہیں پہنچے، لیکن وہ اصول امام سے واقف اور اس پر قادر ہیں کہ جس مسئلہ کو وہ غیر منصوص پائیں اس کو منصوص پر قیاس کر سکیں یہ لوگ مقلد ہیں اور ایسے ہی وہ لوگ جو ان کا قول اختیار کرتے ہیں اور مشہور یہ ہے کہ ان کی بذات خود تقلید نہیں کی جاتی کیونکہ وہ تو خود مقلد ہیں۔

اور ابو الفتح الہروئی (۷) جو امام اعظمؒ کے تلامذہ میں ہیں، کہتے ہیں:

”اصول میں ہمارے اکثر ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اگر مجتہد مل جائے تو اس کی تقلید کرے ورنہ کسی ماہر مذہب کی تقلید کرے، کیونکہ وہ اسے اپنے مذہب پر فتویٰ دے گا اور یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ماہر مذہب کی خود تقلید کی جاسکتی ہے اور فقہاء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ جو عامی کسی مذہب کی طرف منسوب ہو اس کا وہی مذہب ہوتا ہے اس کو مذہب کی مخالفت جائز نہیں اور اگر کسی مذہب سے منسوب نہ ہو تو کیا اسے اختیار ہے کہ جس مذہب کی چاہے تقلید کرے؟ اس میں اختلاف ہے جو اس پر مبنی ہے کہ اسے مذہب معین کی تقلید لازم ہے یا نہیں؟ اس میں دو صورتیں ہیں۔ نوویؒ نے کہا کہ دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ عامی کو تقلید لازم نہیں بلکہ جس سے چاہے اور جو مل جائے اس سے فتویٰ پوچھ لے لیکن رخصتوں کا متلاشی نہ ہو۔

فتویٰ صرف مجتہد دے سکتا ہے

فتح القدیر، کتاب آداب القاضی میں ہے؟ معلوم ہونا چاہیے کہ مصنف نے قاضی کے بارے میں جو ذکر کیا، وہی مفتی کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے کہ مجتہدین کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے۔

اور اصولیین کی رائے یہ ہے کہ مفتی مجتہد ہوتا ہے، رہا غیر مجتہد جو اقوال مجتہد کو یاد کر لیتا ہے وہ

مفتی نہیں اس پر واجب ہے کہ اس سے فتویٰ لیا جائے تو مجتہد کا قول مثلاً ابو حنیفہؒ کا قول حکایتاً نقل کر دے، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے میں علماء کا فتویٰ، فتویٰ نہیں بلکہ وہ مفتی کے کلام کی نقل ہے تاکہ فتویٰ دریافت کرنے والا اس پر عمل پیرا ہو۔

اور ایسے مفتی کے مجتہد سے طریق نقل کی دو صورتیں ہیں یا تو مفتی کے پاس مجتہد تک متصل کوئی سند ہے یا کسی مشہور متداول کتاب سے نقل کرتا ہے، جیسے کتب محمد بن حسن وغیرہ اور دیگر مجتہدین کی مشہور تصانیف، اس لیے کہ یہ بھی درجہ میں غیر متواتر یا مشہور کے ہے، (جیسا کہ رازئیؒ نے بیان کیا)۔ اس لیے کہ اگر ہمارے زمانہ میں کوئی نسخہ نواذ کا دستیاب ہو تو اس کے اقوال کو محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ ہمارے زمانے اور ہمارے وطن میں نہ مشہور ہے اور نہ متداول، ہاں اگر نواذ کی کوئی نقل کسی مشہور و معروف کتاب میں ملے جیسے ہدایہ اور مہبوط تو اس کتاب پر اعتماد کیا جائے گا۔

اگر کوئی اقوال مجتہدین کا حافظہ ہے لیکن ان کے دلائل سے ناواقف ہے اور کسی قول کو ترجیح دینے کے لیے اسے اجتہاد پر بھی قدرت نہیں تو کسی قول کو قطعی سمجھ کر اس پر فتویٰ نہ دے بلکہ مستفتی (فتویٰ پوچھنے والے) کے سامنے بیان کر دے مستفتی جسے صحیح تر سمجھے گا اس کو اختیار کرے گا (بعض جوامع میں یہ قول مذکور ہے) میرے نزدیک اس پر تمام اقوال کا بیان واجب نہیں بلکہ ایک قول بیان کر دینا کافی ہے کیونکہ مقلد کو اختیار ہے کہ جس مجتہد کی چاہے تقلید کرے جب اس نے ایک قول ذکر کیا اور مستفتی نے اس کی تقلید کر لی تو مقصود حاصل ہو گیا۔ ہاں مفتی کو چاہیے کہ ایک قول کو قطعاً اس طرح بیان نہ کرے کہ تمہارے سوال کا بس یہی جواب ہے، بلکہ یہ کہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس صورت میں یہ کم دیا ہے، البتہ اگر مفتی تمام اقوال بیان کر دے تو جو مستفتی کے دل میں صحیح صواب تر معلوم ہو اس کو اختیار کر لے اور عامی کا کوئی اعتبار نہیں کہ اس کے دل میں صواب حکم واقع ہوا ہے یا خطائے حکم۔

اسی طرح اگر دو مجتہدوں سے فتویٰ لیا اور دونوں نے اختلاف کیا تو دونوں اقوال میں جس طرف طبیعت مائل ہو اس کو اختیار کر لینا بہتر ہے۔

اور میرے نزدیک اگر اس نے وہ قول لے لیا جس کی طرف اس کا میلان نہیں ہے تب بھی

جائز ہے، اس لیے کہ اس کا میلان وعدم میلان سب برابر ہے، اس پر تو صرف تقلید مجتہد واجب ہے اور تقلید یہ کر چکا ہے، اب خواہ مجتہد غلطی پر ہو یا صحت پر، علماء نے کہا کہ ایک مذہب سے دوسرے میں اجتہاد اور دلیل سے جانے والا بھی گناہگار اور قابل سزا ہے، بغیر اجتہاد و دلیل کے توجہ درجہ والی گناہگار ہوگا اور اس اجتہاد سے تحری اور دلیل کا فیصلہ مراد ہے، کیونکہ عامی کو اجتہاد حاصل ہی نہیں ہوتا اور حقیقت انتقال مذہب اس مسئلہ خاص کے حکم میں ثابت ہو سکتی ہے، جس میں اس نے تقلید کر کے اس پر عمل بھی کر لیا ہو ورنہ مقلد کا صرف یہ کہہ دینا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کی ان مسائل میں تقلید کی ہے جس نے انھوں نے فتویٰ دیا ہے اور میں نے اجمالاً ان کے فتویٰ پر عمل کو لازم کر لیا حالانکہ یہ شخص مسائل کی صورتیں بھی نہیں جانتا، تو یہ واقع میں تقلید نہیں بلکہ یہ حقیقت میں تقلید کو مشروط کرنا یا اس کا وعدہ کرنا ہے، گویا کہ اس نے یہ التزام کر لیا کہ جو مسائل مخصوص واقعات میں اسے پیش آئیں گے ان میں وہ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر عمل کرے گا۔

اگر علماء کی مراد یہ التزام ہے تو مجتہد معین کے وجوب اتباع پر کوئی دلیل نہیں جس سے قولاً یا نیثاً مقلد اس کو شرعی طریقہ پر اپنے ذمہ لازم کرے، بلکہ دلیل اور جن مسائل میں ضرورت ہو ان میں مجتہد کے قول کے ساتھ اقتناء عمل میں یہ ارشاد خداوندی ہے، فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون، (اگر تم واقف نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو) اور سوال اسی وقت ہوگا جب کسی معین واقعہ میں حکم کی ضرورت اور جب اس کے نزدیک قول مجتہد ثابت ہو جائے گا، اس پر علم واجب ہو جائے گا اور غالب یہ ہے کہ فقہاء کی جانب سے یہ شرائط لوگوں کو رخصتوں کی تلاش سے روکنے کے لیے ہیں، ورنہ ہر مسئلہ میں عامی کا قول مجتہد کو لیتا اس کے لیے آسان ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ نقل اور عقل میں سے کون سی دلیل اس سے مانع ہے کہ انسان اس مجتہد کے ان اقوال میں سے کسی ایک قول کو جو اس کے لیے آسان ہو، اختیار کرے، ہمیں شریعت کی جانب سے کوئی علم نہیں کہ اس نے اس پر مذمت کی ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان امور کو پسند فرماتے تھے جب آپ ﷺ کی امت کے لیے سہولت کا باعث ہوں، واللہ اعلم

اور یہ اس مضمون کا آخر ہے جس کو ہم اس رسالہ میں بیان کرنا چاہتے تھے۔

والحمد لله اولاً و آخراً

باب (۵)

حواشی و حوالہ جات

(۱) عبد الوہاب شمرانی، عقلی علوم میں ان کی مہارت مسلم تھی، تصوف میں بلند مقام کے حامل تھے۔ مصر سے تعلق تھا، حنفی، اہم تصانیف طبقات الصوفیہ، لطائف العین، الجواب المصون، متوفی: ۱۵۶۵ء۔ ۹۷۳ھ۔

(۲) مزنی۔ احمد بن عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المزنی الہروئی۔ شافعی المسلك، جامع العلوم، متوفی: ۳۵۶ھ۔

(۳) مراد۔ امام احمد بن حنبل، محدث، فقیہ، مجتہد۔ متوفی: ۲۴۱ھ۔

(۴) بروغ بنت واشق کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اس کے شوہر نے بغیر ذکر مہر کے نکاح کیا اور بغیر جنسی تعلقات قائم ہوئے وفات پا گیا، ایسا ہی واقعہ جب عبد اللہ بن مسعودؓ کے زمانہ میں پیش آیا تو آپ نے حدیث نہ ملنے کی بنا پر اپنی رائے سے فیصلہ کیا کہ بیوی کے لیے مہر مثل اور میراث ہے اور اس پر عدت واجب ہوگی۔ اس پر معقل بن سنانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بروغ بنت واشق کے مسئلہ میں یہی فرمایا تھا۔ تب عبد اللہ بن مسعودؓ نے اللہ اکبر کہا اور نہایت خوش ہوئے، یہ حدیث نسائی نے علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(۵) نسائی نے اس حدیث کو بریدہ الاسلمی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نمازوں کے اوقات معلوم کیے تو آپ نے دو روز نماز پڑھ کر دکھائی، ایک روز اول وقت میں اور دوسرے روز آخر وقت میں نمازیں پڑھائیں اور فرمایا ان کے درمیان نمازوں کے اوقات ہیں۔

(۶) شاہ ولی اللہ کے استاذ، ان سے حریم شریفین میں سند حدیث لی۔

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا صدر الدین اصلاحی

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۲۸	عدم اختلاف کا دورِ سعید (عہد نبوت)	۱
	دور نبوی میں فقہی مباحث کا فقدان	
۱۳۱	تاریخ اختلاف کا ابتدائی دور (عہد صحابہؓ)	۲
	شیخین کا طرز عمل	
۱۳۳	بنائے اختلاف	۳
۱۳۳	آغاز و وجوہ اختلاف	۴
۱۳۴	(۱) حدیث نبوی سے واقفیت اور عدم واقفیت کا اختلاف	۵
۱۳۶	(۲) فعل رسولؐ کی تعیین نوعیت میں اختلاف	۶
۱۳۷	دوسری مثال	۷
۱۳۷	(۳) وہم تعبیر کا اختلاف	۸
۱۳۸	(۴) سہو و نسیان کا اختلاپ	۹
۱۳۸	(۵) ضبط مدعائے حدیث کا اختلاف	۱۰
۱۳۹	(۶) تعیین علت کا اختلاف	۱۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۳۹	(۷) طرز تطبیق کا اختلاف	۱۲
۱۴۰	دوسری مثال :- تاریخ اختلاف کا دوسرا دور (عہد تابعین)	۱۳
۱۴۱	تابعین کا اختلاف	۱۴
۱۴۲	تدوین فقہ کی ابتداء تاریخ اختلاف کا تیسرا دور (عہد تبع تابعین)	۱۵
۱۴۳	علمائے تبع تابعین	۱۶
۱۴۵	ان علماء کا طرز فکر و عمل مشہور عام فقہی مذاہب	۱۷
۱۴۹	(۱) امام مالک اور مذہب مالکی	۱۸
۱۵۰	(۲) امام ابو حنیفہ اور مسلک حنفی	۱۹
۱۵۲	(۳) امام شافعی اور مسلک شافعی اہل الحدیث	۲۰
۱۵۸	اتباع حدیث کا التزام	۲۱
۱۶۰	تدوین حدیث کا دور	۲۲
۱۶۲	علمائے حدیث کی توجہ فقہ کی طرف	۲۳
۱۶۳	نئے اصول فقہ	۲۴
۱۶۴	ان اصولوں کا ماخذ	۲۵
۱۶۸	اس طریق فقہ کی کامیابی	۲۶
۱۶۹	تنقیح احادیث کا دور	۲۷
۱۷۰	امام بخاری	۲۸
۱۷۰	امام مسلم	۲۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۷۱	امام ابو داؤدؒ	۳۰
۱۷۲	امام ترمذیؒ	۳۱
	اہل الرائے	
۱۷۳	اجتہاد رائے کا رجحان	۳۲
۱۷۴	ظہور تخریج کے اسباب	۳۳
۱۷۵	تخریج کیا ہے؟	۳۴
۱۷۷	مجتہد فی المذہب	۳۵
۱۷۷	بعض مذاہب کے پھیلنے اور بعض کے مننے کے اسباب	۳۶
	مسلب حق و راہ اعتدال	
۱۷۸	حق کا درمیانی راستہ	۳۷
۱۷۹	اہل الحدیث کی افراط و تفریط	۳۸
۱۸۰	اہل الرائے کی افراط و تفریط	۳۹
	مسئلہ تقلید	
۱۸۷	عدم تقلید کا زمانہ	۴۰
۱۸۹	شخصی تقلید کا آغاز	۴۱
۱۹۲	تقلید کا وجوب اور اس کے مفہوم کی وسعت	۴۲
۱۹۸	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۴۳
۲۰۰	تقلید امام معین کب واجب ہے	۴۴
	مسئلہ اجتہاد	
۲۰۱	اجتہاد مطلق	۴۵
۲۰۲	مجتہد مطلق کی اقسام	۴۶
۲۰۲	مجتہد مطلق مستقل اور اس کی خصوصیات	۴۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۰۴	مجہد مطلق منتسب	۴۸
۲۰۵	اجتہاد متقید اور مجہد فی المذہب	۴۹
۲۰۷	سلف نے اصول فقہ کی تدوین کیوں نہ کی؟	۵۰
۲۰۷	مذہب چہارگانہ کی تاریخ اجتہاد	۵۱
	فقہی اختلافات کا رخ (چوتھی صدی ہجری کے بعد)	
۲۱۱	فتنوں کا ہجوم	۵۲
۲۱۱	(۱) فقہی مجادلے	۵۳
۲۱۳	(۲) ائمہ مجتہدین کی حقیقی بنائے اختلاف سے عدم آگہی	۵۴
۲۱۷	(۳) فقہی اقوال کی حقیقت سے بے خبری	۵۵
۲۱۸	(۴) ”رائے“ اور ”ظاہریت“ کے مفہوم سے ناواقفگی	۵۶
۲۱۹	(۵) اندھی تقلید کا زور	۵۷
۲۲۳	(۶) غیر ضروری فقی کاوشوں کا زور	۵۸
۲۲۵	اختلافی مسائل اور ان کا نقطہ عدل	۵۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوة کے بعد!

ایک وقت اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں ایک ایسی میزان حق و عدل کا القافر مایا جس سے میں امت محمدیہ کے مابین واقع ہونے والے تمام اختلافات کے اسباب معلوم کر سکوں اور جان لوں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک حق کیا ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ قدرت بیان بھی عطا فرمائی جس سے کام لے کر میں اس مسئلہ کی بہترین وضاحت کر سکوں، ایسی وضاحت کہ پھر کوئی شک اور اشکال باقی نہ رہے، بعد ازاں مجھ سے یہ دریافت کیا گیا کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے اکابر ملت کے درمیان اختلاف کی، خاص کر احکام فقہیہ میں اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ میں وقت کی گنجائش اور سائل کی قوت فہم و حفظ کا لحاظ کرتے ہوئے اسی آن ان حقائق کا، جو اللہ کی عنایت خاص سے مجھ پر کھولے گئے تھے ایک حصہ بیان کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس مسئلہ پر ایک مفید رسالہ تیار ہو گیا، جس کا نام میں نے ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ رکھا۔

عدم اختلاف کا دورِ سعید

(عہد نبوت)

دور نبوی میں فقہی مباحث کا فقدان

معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہ ایک فن کی طرح مدون نہیں تھی، اور نہ اس وقت احکام کے باب میں بحث کا یہ طریقہ تھا جو اب ہمارے فقہاء میں رائج ہے کہ وہ اپنی انتہائی دماغی قابلیتیں صرف کر کے دلائل کے ساتھ ایک ایک چیز کے علیحدہ علیحدہ ارکان اور شرائط اور آداب بیان کرتے ہیں، مسائل کی فرضی صورتیں سامنے رکھ کر ان پر بحث کرتے ہیں، جن چیزوں کی تعریف کی جاسکتی ہو ان کی منطقیانہ تعریف بیان کرتے ہیں اور جن کا حصر بیان کیا جاسکتا ہو ان کا حصر واضح کرتے ہیں، وغیر ذلک، اس کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ مثلاً وضو فرماتے اور صحابہ کرام آپ کا طریقہ وضو دیکھ کر اسے اختیار کر لیتے، بغیر اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی توجہ فرمائیں کہ یہ وضو کا رکن ہے اور فلاں چیز اس کے آداب میں سے ہے، اسی طرح آپ نماز پڑھتے، لوگ آپ کے نماز پڑھنے کا ڈھنگ دیکھ لیتے اور اسی طرح خود پڑھنے لگتے، آپ نے حج ادا فرمایا، لوگوں نے آپ کے حج کرنے کے طریقے اور مراسم دیکھے اور اسی طرح خود حج کرنے لگے، الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طریقہ تعلیم یہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ توضیح نہیں فرمائی کہ وضو میں چار فرض ہیں یا چھ اور نہ کبھی آپ نے یہ خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی آدمی اعضائے وضو کو لگا تار نہ دھوئے اس لیے

ایسے وضو کے ہونے یا نہ ہونے کا پیشگی حکم دے دینا چاہیے، اس قسم کی فرضی اور غیر واقعی صورتوں کے احکام کی بابت آپ نے شاذ و نادر ہی کبھی کچھ فرمایا ہے، دوسری طرف اصحاب رسول کا بھی یہ حال تھا کہ وہ اس طرح کی باتوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم سوال کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے اصحاب رسول سے بہتر کسی جماعت کو نہیں پایا، انہوں نے رسول خدا کی پوری زندگی میں آپ سے صرف تیرہ سوال کیے جو سب کے سب قرآن میں مذکور ہیں۔ مثلاً:-

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَقَالَ فِيهِ

اے نبی یہ لوگ تم سے حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں۔

اور

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْمَجْبِضِ

تم سے حالت حیض کے احکام پوچھتے ہیں۔

وغیرہ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”صحابہ صرف ان ہی مسائل کو پوچھتے تھے جو ان کے لیے نفع رساں ہوتے“ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ”کسی ایسی بات کے متعلق سوال نہ کرو جو فی الواقع پیش نہ آئی ہو، کیونکہ میں عمر بن الخطاب کو اس شخص پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا ہے جو اس طرح کے سوالات کرے“ قاسمؒ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”تم لوگ ایسی چیزوں کی بابت سوال کیا کرتے ہو جن کی بابت ہم نے کبھی زبان استفسار نہیں کھولی، نیز تم ایسی باتوں کی کھود کرید کرتے ہو جن کے متعلق ہمیں کوئی علم و واقفیت نہیں اور اگر ہم کو ان کے بارے میں کوئی علم ہوتا تو حسب فرمان نبوی (۱) ہم تمہیں ضرور بتا دیتے۔“ عمر بن اسحاق کا قول ہے کہ ہم کو آدھے سے زائد اصحاب رسول سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے، میں نے اس گروہ سے بڑھ کر کسی گروہ کو اونچے پینچ سے خالی اور تشدد سے مجتنب نہیں پایا، عبادہ بن بسر کندھ سے یہ فتویٰ پوچھا گیا کہ ”اگر کسی عورت کا ایسی جگہ انتقال ہو جائے جہاں اس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کو غسل کیونکر

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس عالم کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی جو کسی چیز کا عمر رہتا ہو مگر پوچھنے والے کو نہ بتائے۔

دیا جائے گا آپ نے جواب دیا کہ ”میں ایسے لوگوں (۱) سے ملا ہوں جو تمہاری طرح تشدد نہیں کرتے تھے نہ تم لوگوں کی طرح (فرضی) مسائل کے متعلق سوالات کرتے تھے (ان تمام آثار کو امام دارمی نے نقل کیا ہے)۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں استفسار اور افتاء کا دستور صرف یہی تھا کہ لوگ پیش آمدہ واقعات کے متعلق آپ سے استفسار کرتے تھے اور آپ ان کا حکم بیان فرما دیتے، اسی طرح معاملات و مقدمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوتے اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ کر دیتے، لوگوں کو اچھے کام کرتے دیکھتے تو ان کی مدح و منقبت فرماتے اور برے کام کرتے دیکھ کر نا پسندیدگی کا اظہار کرتے۔

(۱) مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔

تاریخ اختلاف کا ابتدائی دور (عہد صحابہؓ)

شیخین کا طرز عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ساری باتیں بالعموم اجتماع عام ہوتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ جب حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کو (اپنے زمانہ خلافت میں) کسی مسئلہ میں حکم شریعت معلوم نہ ہوتا تو دوسرے صحابہ سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں سے کسی نے اس امر کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان سنا ہے؟ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ ”میں نے اس کے حصہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نہیں سنا ہے اس لیے میں اس کے متعلق اوروں سے پوچھتا ہوں“، جب نماز ظہر آپؓ نے ادا کر لی تو لوگوں سے پوچھا کہ ”کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دادی کے حق وراثت کے بارے میں کچھ فرماتے سنا ہے؟“ مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ ”ہاں! میں نے سنا ہے“ پوچھا ”کیا سنا ہے؟“ جواب دیا کہ ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو میت کے مال کا چھٹا حصہ دیا ہے“۔ حضرت ابوبکرؓ نے پھر پوچھا ”یہ بات تمہارے سوا اور کسی کو بھی معلوم ہے؟“ محمد بن سلمہؓ نے کہا ”مغیرہ صحیح فرماتے ہیں“، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو (جس کا معاملہ پیش تھا، اس کے پوتے کے ترکہ میں سے) چھٹا حصہ دے دیا، اس طرح کے ایک دو نہیں

بے شمار واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں مثلاً ”غرة“ (جنین کے خون بہا) (۱) کے بارے میں حضرت عمرؓ نے عام لوگوں سے استفسار کے بعد مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت پر عمل کیا، وہا (۲) کے متعلق حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے بیان کردہ ارشاد نبوی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ بخوسیوں (۳) کے معاملہ میں ان ہی عبدالرحمنؓ بن عوف کی بیان کی ہوئی حدیث پر اپنے فیصلہ کی بنیاد رکھی حضرت عبداللہ (۴) بن مسعود معقلؓ بن یسار کی روایت سن کر جو ان کی رائے کے بالکل مطابق نکلی تھی از حد خوش ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری (۵) فاروق اعظم کے دروازے پر تین بار آواز دینے کے بعد جب واپس جانے لگے تو آپ نے گھر سے نکل کر ان سے ان کی وجہ دریافت کی اور جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش کیا تو حضرت ابوسعیدؓ کی تصدیق کے

(۱) حضرت عمرؓ کے سامنے جنین کے خون بہا کا مسئلہ آیا تو چونکہ آپ کو اس کے بارے میں کوئی نص شرعی معلوم نہ تھی اس لیے آپ نے صحابہ سے استفسار کیا، مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا کہ ”پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون بہا غرة مقرر کیا ہے“ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا۔ ”غرة“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک خادم آزاد کیا جائے، یا جنین کے دلی کو پچاس دینار، پانچ سو درہم دیے جائیں۔

(۲) حضرت عمرؓ کے واقعہ سفر شام کی طرف اشارہ ہے جب کہ آپ شام پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکر لیے جا رہے تھے اور راستہ میں معلوم ہوا کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، تو لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے، کوئی بات طے نہیں ہو رہی تھی، جب حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے آکر یہ روایت بیان کی آنحضرتؐ نے وہابی مقامات پر جانے سے منع فرمایا ہے ”تو یہ سن کر حضرت عمرؓ نے لشکر کو واپس کا حکم دے دیا۔

(۳) حضرت عمرؓ اپنے زمانہ خلافت میں بخوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے یہ بتایا کہ آنحضرتؐ ہجر کے بعد بخوسیوں سے جزیہ لیتے تھے تو آپ نے بھی ان پر جزیہ لگا دیا۔

(۴) یہ ایک ایسی عورت کا معاملہ ہے جس کا شوہر اس حال میں مر گیا تھا کہ نہ تو ابھی اس نے اس کا مہر مقرر کیا تھا نہ اس سے مقاربہ کی تھی، اس واقعہ کی تشریح آگے آتی ہے۔

(۵) حضرت ابوموسیٰ حضرت عمرؓ کے دروازے پر گئے اور جب تین بار آواز دینے کے باوجود کوئی جواب اندر سے نہ ملا تو واپس چلے، چند قدم گئے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ نے خادم سے کہا کہ ان کو اندر بلاؤ، مگر خادم نے باہر کر دیا ابوموسیٰ کو دروازہ پر نہ پایا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو پکار کر بلوایا اور واپس جانے کی علت پوچھی، انھوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ ”جب تین آوازیں دینے کے باوجود اجازت نہ ملے تو دروازہ سے ہٹ جاؤ“ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اپنی اس روایت پر کوئی حوالہ لاؤ ورنہ ٹھیک نہ ہوگا، چنانچہ حضرت ابوسعیدؓ خدری نے حضرت ابوموسیٰ کی توثیق کی تو حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم کر لیا۔

بعد آپ نے اسے تسلیم کر لیا۔

بنائے اختلاف

مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک بالعموم یہی تھا کہ آپ مسائل و احکام شرع، مجامع عام میں بیان فرمایا کرتے تھے، اب ہر صحابی نے آپ کی عبادت کے ان ہی طریقوں اور آپ کے ان ہی فتوؤں اور فیصلوں کو یاد کر لیا جن کو اسے دیکھنے اور سننے کا موقع نصیب ہوا تھا، پھر اس نے ان میں سے ہر حکم کے قرائن حال پر نظر ڈال کر، علت متعین کی اور موقع و محل کے ان قرائن و علامات کو سامنے رکھ کر، جو اس کے نزدیک تعین علت و مقصد کے لیے کافی اور اطمینان بخش تھے، کسی حکم کو مباح ٹھہرایا، کسی کو مستحب اور کسی کو منسوخ، اس باب میں ان لوگوں کا اعتماد صرف اپنے دل کے اطمینان پر تھا، استدلال کے (پرچہ منطقیانہ) طریقوں سے ان کے ذہن آشنا نہ تھے، جیسا کہ تم سیدھے سادے دیہاتی باشندوں کو دیکھتے ہو کہ وہ آپس کی گفتگوؤں کا مطلب بآسانی سمجھتے جاتے ہیں اور (ان گفتگوؤں کے اندر استعمال ہونے والے) اشارات و کنایات اور تصریحات سے ان کو گفتگو کا مدعا سمجھنے میں آپ سے آپ اس طرح طمانیت حاصل ہوتی جاتی ہے کہ ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

آغاز و وجوہ اختلاف

عہد رسالت تک تو لوگوں کا یہی حال رہا، اس کے بعد یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف اطراف و ممالک میں پھیل گئے، اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ علاقے میں عوام کا رہنما بن گیا، اب ان کے سامنے زندگی کے بیشمار واقعات اور مسائل پیش ہونے شروع ہوئے، جن میں ان سے فتوے پوچھے جاتے، ہر صحابی اپنی مخصوص معلومات یا اپنے استنباط کے مطابق ان کے جوابات دیتا اور اس کو اپنے معلومات و استنباط میں کوئی چیز ایسی نہ ملتی جس سے وہ مسئلہ کا جواب دے سکتا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرتا اور اس علت کو معلوم کرتا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخصوص احکام کی بنیاد رکھی تھی، پھر جس مقام پر اس کو وہ علت نظر آتی وہاں وہی حکم لگا دیتا مگر ایسے قیاسات کرتے وقت یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کا لحاظ کرنے میں اپنے مقدور بھر کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے تھے، اب یہاں سے ان کے درمیان اختلاف کا آغاز ہوتا ہے، جس کی

مختلف بنیادیں تھیں۔

(۱) حدیث نبوی سے واقفیت اور عدم واقفیت کا اختلاف

پہلی بنیاد یہ تھی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کو کسی امر کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم و ارشاد معلوم تھا، لیکن دوسرے اس سے ناآلہ تھے، اس لیے انھوں نے مجبوراً اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے کام لیا جس کی چند صورتیں یہ ہوتیں ہیں۔

اولیٰ یہ کہ یہ اجتہاد حدیث نبوی کے عین مطابق نکلا، اس کی مثال وہ روایت ہے جس کو امام نسائی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے ایک ایسی عورت کو (حق مہر وغیرہ کے) بارے میں استفسار کیا گیا جس کا شوہر مہر مقرر کرنے اور اس سے مقاربت کرنے سے پہلے ہی وفات پا گیا تھا، آپ نے جواب دیا کہ ایسے معاملے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ مجھے معلوم نہیں، لوگ مہینہ بھر ان کے ہاں آتے اور اصرار کرتے رہے کہ کوئی حکم بیان کر دیں، تب انھوں نے اجتہاد کر کے یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کو اتنا مہر ملنا چاہیے تھا جتنا اس کی ہم مرتبہ عورتوں کا ہوا کرتا ہے، نہ کم نہ زیادہ، نیز اس کو عدت گزارنی ہوگی اور وہ شوہر کے ترکہ میں سے حصہ پائے گی۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بطور شہادت فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت کے بارے میں ایسا ہی حکم دیا تھا، حضرت ابن مسعودؓ کو یہ معلوم کر کے اتنی مسرت ہوئی کہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سے اب تک ایسی مسرت ان پر کبھی بھی نہ طاری ہوئی تھی۔

ثانی یہ کہ دو صحابیوں میں کسی مسئلہ کے متعلق بحث ہوئی اور اس سلسلہ میں اس طریقہ سے کوئی حدیث نبوی سامنے آئی جس سے اس کی صحت کا ظن غالب ہوتا تھا، اس لیے مجتہد نے اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث رسولؐ کو اختیار کر لیا، مثال کے طور پر اس روایت کو لے لو جس کو ائمہ جدیدین نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے خیال میں ”جو شخص طلوع صبح کے وقت جنبی رہا اس کا روزہ نہیں ہوتا۔“ لیکن جب بعض ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس خیال کے خلاف بیان کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔

ثالث یہ کہ اجتہاد کرنے والے صحابی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تو پہنچی مگر ایسے قابل

اطمینان طریقے سے نہیں پہنچی کہ اس کے صحیح ہونے کا اسے گمان غالب ہوتا، اس لیے مجتہد نے روایت کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد ہی پر عمل کیا، اس کی مثال فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث سے ملتی ہے جس کو اصحاب اصول (یعنی صحاح ستہ کے مؤلفین) نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے کہ ”فاطمہؓ نے حضرت عمرؓ کے رو برو کر کہا ”مجھ کو تین طلاقیں دی گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھ کو زمانہ عدت کا نفقہ دلا یا اور نہ مکان“ آپ نے ان کی گواہی ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی بنا پر کتاب (۱) الہی کو نہیں چھوڑ سکتے، جس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صحیح کہہ رہی ہے یا غلط، تین طلاقیں پانے والی عورت کو نفقہ بھی ملنا چاہیے اور قیام گاہ بھی، نیز ان ہی فاطمہ بنت قیس کے قول ”لا نفقة لہا ولا سكنی“ کو سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کا خوف نہیں کرتی۔“

دوسری مثال بخاری و مسلم کی اس روایت میں موجود ہے کہ ”حضرت عمرؓ بن خطاب کے خیال میں اگر جنسی غسل کے لیے پانی نہ ملے تو وہ حیض سے پاکی حاصل نہیں کر سکتا، حضرت عمار بن یاسر نے ان کے سامنے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سفر تھا،

(۱) قرآن مجید کی آیت ولا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ اور آیت اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت کو زمانہ عدت تک گھر سے نہیں نکالنا چاہیے، بلکہ شوہر کو لازم ہے کہ اسے وقت کے لیے اس کے لیے مکان مہیا کرے پھر آیت وَاتَّقُوا اللَّهَ مِنْ اَسْفَلِ مَا ظَهَرَ مِنْكُمْ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ عورت کو زمانہ عدت تک نفقہ بھی ملنا چاہیے، یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل مطلق اور عام ہیں، ان میں طلاق رجعی وانی عورت کی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے، اس لیے ان کا حکم ہر قسم کی معاقہ عورتوں کے حق میں عام اور نافذ اہممل ہوگا، حضرت عمرؓ نے قرآن کے اسی عموم کو سامنے رکھتے ہوئے فاطمہ بنت قیس کی روایت رد کر دی کیونکہ وہ آیات قرآنی کے خلاف پڑتی تھیں۔

حضرت عمرؓ کے اس طرد عمل سے ہمیں ایک اہم اصول ہاتھ آتا ہے ظاہر ہے فاطمہ صحابیہ تھیں، اصول حدیث کی رو سے ”الصحابۃ کلہم عدول“ سے خارج نہ تھیں لیکن اس کے باوجود جب قرآن کے متبادر مفہوم سے ان کی روایت ٹکرائی تو حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم نہیں کیا، معلوم ہوا کہ احادیث میں صرف سند ہی قابل لحاظ شے نہیں ہے بلکہ متن بھی دیکھا جاتا چاہیے، سند بالکل سلسلہ الذہب ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی حدیث میں نقیض کا امکان ہو سکتا ہے، سند کی صحت ہر حال میں صحت حدیث کو مستلزم نہیں، آخر فاطمہ بنت قیس کی روایت میں ضعف اسناد کا کون سا احتمال تھا؟

مجھ کو غسل کی حاجت ہوگئی، لیکن پانی نہ پاسکا، اس لیے (حتم کی خاطر) دھول میں لوٹ پوٹ لیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس کارروائی کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم کو صرف اتنا کر لینا کافی تھا (یہ کہتے ہوئے) آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں پر مل لیا، حضرت عمرؓ نے غار کے اس بیان کو قبول نہیں کیا اور کسی پوشیدہ ضعیف کی بنا پر جو ان کو اس روایت میں نظر آیا، ان کے نزدیک یہ روایت حجت نہیں ٹھہری اگرچہ آگے چل کر دوسرے طبقہ میں یہ حدیث اور بہت سے طریقوں سے مشہور ہوگئی اور اس کے ضعیف ہونے کا گمان ماند پڑ گیا اس لیے لوگ اس پر عمل پیرا ہو گئے۔

رابعا یہ کہ اجتہاد کرنے والے صحابی کو حدیث سرے سے پہنچی ہی نہیں مثلاً مسلم کی یہ روایت کہ ”حضرت ابن عمرؓ عورتوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ جب غسل کریں تو اپنے سر کے بال کھول لیں، حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو انھوں نے فرمایا تعجب ہے ابن عمرؓ پر کہ وہ عورتوں کو بال کھول ڈالنے کا حکم دیتے ہیں! اگر ایسا ہی ہے تو سیدھے سے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ عورتیں اپنے سر ہی منڈا ڈالیں حالانکہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور میں اپنے بالوں کے سلسلہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کرتی تھی کہ ان پر تین بار پانی بہا دیتی اور کبھی ان کو کھولتی نہیں تھی۔“

دوسری مثال امام زہریؒ کے بیان کردہ اس واقعہ میں ہے کہ ”ہندگو یہ اطلاع نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحاضہ کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، اس لیے وہ اس حالت میں نماز نہیں پڑھیں اور (ترک نماز کے غم سے) رویا کرتیں۔“

(۲) فعل رسولؐ کی تعیین نوعیت میں اختلاف

اختلاف صحابہؓ کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کام کرتے تو سب نے دیکھا، (مگر انکار بشری میں فطری تفاوت کی وجہ سے اس فعل کی نوعیت سمجھنے میں اختلاف ہو گیا) پھر کسی نے تو اس فعل رسولؐ کو عبادت سمجھا اور کسی نے اس کو صرف اباحت پر محمول کیا، مثلاً ”تھیب“ یعنی سفر حج کے دوران اٹح کی وادی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اترنا، جسے اصحاب رسولؐ نے روایت کیا ہے، اب آپ کا یہ اترنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمرؓ کے

نزدیک تو بحیثیت عبادت تھا، اس لیے یہ لوگ اس کوچ کی سنتوں میں شمار کرتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے خیال میں یہ اترنا محض ایک اتفاقی امر تھا نہ کہ کسی سنت کے طور پر۔

دوسری مثال

”جمہور کے نزدیک خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت ”رمل“ یعنی اکڑ کر چلنا سنت ہے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کا فرمانا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمل کیا تھا وہ محض اتفاقی طور پر اور ایک عارضی سبب سے تھا، یعنی مشرکین مکہ کا یہ طعن کہ ”مسلمانوں کو یثرب (مدینہ) کے بخار نے بالکل چور کر ڈالا ہے“ (اسی طعن کے جواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اکڑ کر چلنے کا وقتی حکم دیا تھا ورنہ) یہ فعل حج کی کوئی مستقل سنت نہیں ہے۔

(۳) وہم تعبیر کا اختلاف

اختلاف کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ افعال رسولؐ کے بیان کرنے میں لوگوں نے مختلف گمانوں سے کام لیا مثلاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا اور تمام صحابہؓ نے اس کا مشاہدہ کیا لیکن اس حج کی نوعیت بیان کرتے وقت کسی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع (۱) کیا تھا۔ کسی نے کہا آپؐ نے حج قرآن (۲) ادا کیا تھا اور کسی کو یہ خیال ہوا کہ آپؐ کا حج حج افراد (۳) تھا۔

اس کی دوسری مثال حضرت سعید بن جبیرؓ کی یہ روایت ہے جس کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ: ”میں نے (حضرت سعیدؓ) نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے ابو العباسؓ! یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام حج باندھ لینے کے بعد جو تکبیر فرمایا تھا اس کے متعلق اصحاب رسولؐ میں بیان اور رائے کا اتفاق موجود نہیں ہے، ابن عباسؓ

(۱) حج تمتع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ آدمی حج کے مہینوں میں جا کر عمرہ ادا کرے اور سر منڈا کر احرام کھول دے پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو از سر نو حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے۔

(۲) ”قرآن“ کی شکیں یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج دونوں کا احرام یک وقت باندھے اور دونوں کو ادا کر کے احرام کھولے۔

(۳) ”افراد“ صرف حج ادا کرنے کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے۔

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس واقعہ کی حقیقت سب سے بہتر جانتا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی حج ادا فرمایا اس لیے لوگوں میں اس کی (تفصیلات) کے متعلق (قدرتی طور پر) اختلاف ہو گیا، صورت واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کی خاطر مدینہ سے چلے اور جب مسجد ذی الحلیفہ میں آپؐ نے دو گنا اہرام ادا فرمایا تو اسی حج کا اہرام باندھا، اور فوراً تلبیہ (۱) کیا، اس تلبیہ کی آواز کچھ لوگوں کے کانوں تک پہنچی جنہوں نے اس کو یاد کر لیا، اس کے بعد آپؐ اونٹنی پر سوار ہو گئے، جب اونٹنی آپؐ کو لے کر اٹھی تو آپؐ نے پھر تلبیہ کیا اور اس تلبیہ کو بھی کچھ لوگوں نے سنا، بات یہ تھی کہ لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں خدمت رسالت میں چلے آتے تھے، پس جب ایک گروہ نے اونٹنی کے کھڑے ہونے کے وقت آپؐ کو تلبیہ کرتے سنا تو وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ صرف اس وقت کیا جو ناقہ آپؐ کو لے کر اٹھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے آگے بڑھے، جب بیدا (نامی مقام) کی بلندی پر چڑھے تو آپؐ نے پھر تلبیہ کیا، کچھ اور لوگوں نے آپؐ کو یہ تلبیہ کرتے ہوئے سنا اور وہ اپنی جگہ یہ خیال کر بیٹھے کہ آپؐ نے تلبیہ صرف اس وقت کیا جب بیدا کی بلندی پر چڑھ رہے تھے حالانکہ بخدا آپؐ نے اپنی جائے نماز ہی پر حج کی نیت کر لی تھی اور جب آپؐ کو لے کر اونٹنی کھڑی ہوئی اس وقت بھی آپؐ نے تلبیہ کیا اور جب بیدا کی بلندی پر چڑھے اس وقت بھی کیا۔

(۴) سہو و نسیان کا اختلاف

اختلاف صحابہ کی چوتھی بنیاد ان کی بھول چوک ہے (جو لازماً بشریت ہے)، اس کی مثال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق اس روایت میں موجود ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمرہ ماور جب میں کیا“ حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ”ابن عمر کو سہو ہو رہا ہے“ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا)

(۵) ضبط مدعائے حدیث کا اختلاف

پانچویں بنیاد اختلاف کی یہ ہے کہ بسا اوقات آپؐ جو کچھ فرماتے اس کے اصلی اور پورے

(۱) تلبیہ حج ہے تلبیک اللہم لیک لا شریک لک لیبیک، ان الحمد والنعمة لک

والملک لا شریک لک

منہجوم کو ہر شخص یکساں طور پر اپنی گرفت میں نہ لیتا، مثلاً جب حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی کہ ”میت کے پسماندگان کو نوچہ کرنے سے اس پر عذاب ہوتا ہے“ حضرت عائشہؓ نے ان کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد رسالت کو اس کے اپنے صحیح موقع و محل اور مدعا کے ساتھ محفوظ نہیں رکھا، اصل واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت کی قبر سے گزرے جس کے اعزہ رو دھورے تھے، آپؐ نے فرمایا یہ لوگ یہاں اس کا نوچہ دہا تم کر رہے ہیں اور وہ قبر میں مبتلائے عذاب ہے۔“ دیکھو کہ واقعہ کس طرح ایک خاص میت سے متعلق تھا لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مخصوص موقع بیان کو ذہن سے نکال دیا اور اعزہ کی گریہ و زاری ہی کو میت پر عذاب کی علت گمان کر بیٹھے، اس طرح اس بات کو انھوں نے ہر میت کے سلسلے میں ایک عام اصول کی حیثیت دے دی۔

(۶) تعین علت کا اختلاف

چھٹی بنیاد یہ ہے کہ احکام شرع کی علت معین کرنے میں حضرات صحابہؓ کی رائیں مختلف ہو گئیں، جیسے جنازہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا مسئلہ بعض صحابہؓ کا کہنا یہ ہے کہ ایسا فرشتوں کی تعظیم میں کیا جاتا ہے (کیونکہ ہر جنازہ کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں) تو اس خیال کے مطابق ہر جنازہ کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے، خواہ مومن کا جنازہ ہو یا کافر کا، لیکن بعض دوسرے حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ تمام قیام موت کے ہول کی وجہ سے ہے، تو اس صورت میں بھی اٹھ کھڑے ہونے کا یہ حکم ہر جنازہ کے لیے عام ہوگا لیکن کچھ صحابہؓ کا فرمانا یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی کا جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو آپؐ کو اس بات سے خنجر ہوا کہ ایک یہودی لاش میرے سر سے اونچی ہو کر گزرے، اس لیے آپؐ کھڑے ہو گئے اگر اس علت کو صحیح مانا جائے تو یہ قیام صرف جنازہ کفار کے لیے مخصوص ہوگا۔

(۷) طرز تطبیق کا اختلاف

ساتویں بنیاد صحابہؓ کا وہ اختلاف رائے ہے جو مختلف احکام شرع کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں پیش آیا، مثلاً یہ کہ جنگ خبیر کے موقع پر آنحضرتؐ نے متعہ کی اجازت دی، بعد میں

اس کی ممانعت کر دی، پھر جنگ اوطاس کے زمانہ میں دوبارہ یہ رخصت عطا فرمائی اس کے بعد پھر اس سے روک دیا، اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ہے کہ ضرورت کی بنا پر یہ اجازت دی گئی تھی اور جب ضرورت جاتی رہی تو اجازت بھی واپس لے لی گئی، مگر حکم اپنی جگہ باقی ہے لیکن جمہور کا یہ کہنا ہے کہ متعد کی رخصت بطور اباست تھی جس کو ممانعت نے ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا۔

دوسری مثال:-

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا کرتے وقت قبلہ رو ہونے سے منع فرمایا ہے، اس کے متعلق کچھ صحابہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم بالکل عام اور غیر منسوخ ہے لیکن حضرت جابرؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے ایک سال قبل قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرتے دیکھا، اس لیے ان کا خیال یہ ہے کہ آپؐ کے اس فعل نے اس پہلی ممانعت کو منسوخ کر دیا، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرتؐ کو قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت فرماتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے انھوں نے آنحضرتؐ کے اس فعل سے ان لوگوں کے قول کی تردید فرمائی (جو کہتے تھے کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے استنجا کرنا شرعاً منوع ہے) پھر کچھ لوگوں نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کی سعی کی، چنانچہ امام شعبیؒ وغیرہ نے یہ رائے قائم کی کہ یہ ممانعت صرف کھٹے میدانوں سے متعلق ہے ورنہ اگر آدمی پاخانوں کے اندر ہو تو اس کے لیے قبلہ کی طرف پشت یا رخ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بعض دوسرے حضرات اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ قول (جس میں ممانعت موجود ہے) اپنی جگہ بالکل قائم و ثابت ہے اور اس کا حکم عام ہے۔ رہ گیا آپؐ کا فعل سو ہو سکتا ہے کہ وہ آپؐ کے خصوصیات میں سے ہو، اس طرح وہ فعل رسول قول رسول کا نہ منسوخ کرنے والا ہو گا نہ اس کو بعض جگہوں کے ساتھ مخصوص کرنے والا۔

تاریخ اختلاف کا دوسرا دور (عہد تابعین)

تابعین کا اختلاف

اس طرح صحابہ کرام کے مذاہب مختلف ہو گئے۔ پھر یہی اختلافات در اثنا تابعین تک پہنچے۔ ہر تابعی کو جو کچھ مل سکا اسی کو اس نے اپنالیا اور آنحضرتؐ کی جو حدیثیں اور صحابہؓ کے جو مذاہب اس نے سنے ان کو محفوظ اور ذہن نشین کر لیا، نیز صحابہ کے جو مختلف اقوال اس کے سامنے آئے ان میں اس نے اپنی فہم کی حد تک مطابقت پیدا کی، اور کبھی بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی، حتیٰ کہ اس ضمن میں ایسا بھی ہوا کہ بعض اقوال ان کی نگاہوں میں بالکل ہی ناقابل اعتنا ہو کر رہ گئے، اگرچہ وہ صف اول کے صحابہ سے مروی تھے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ جنابت کے لیے تیمم نہیں ہے، تابعین تک پہنچا مگر ان احادیث کی بنا پر ان کے نزدیک وہ کوئی اہمیت نہ حاصل کر سکا جو عمارؓ اور عمرانؓ بن حصین وغیرہ اصحاب سے مروی ہو کر مشہور ہو چکی تھیں۔ پس اس حالت میں قدرتی طور پر علمائے تابعین میں سے ہر ایک کا علیحدہ مذہب ہو گیا اور مختلف شہروں میں مختلف ائمہ کی علیحدہ علیحدہ امامتیں قائم ہو گئیں، مثلاً مدینہ میں سعید بن مسیب اور سالمہ بن عبد اللہ عوام کے مرجع و امام بن گئے، پھر ان کے بعد زہریؒ اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمن نے یہ حیثیت حاصل کی، مکہ میں عطاء بن ابی رباح اور کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ

نے مسند امامت سنبھالی، اسی طرح حسن بصریؒ بصرہ میں، طاووسؒ بن کیسان یمن میں اور مکحولؒ شام میں پیشوائے دین اور ترجمان شرع تسلیم کیے گئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ دلوں میں ان حضرات کے علوم و معارف کی پیاس پیدا کی اور انہیں ان علوم کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ انھوں نے ان علمائے کبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں، صحابہ کے اقوال اور فتاویٰ اور خود ان کے اپنے مذاہب اور تحقیقات کو جمع کیں، پوچھنے والوں نے ان سے فتوے پوچھے، (زندگی کے بے شمار) مسائل ان کے سامنے آئے اور کتنے ہی معاملات ان کے رو برو پیش ہوئے (جن میں انہیں فتوے دینے پڑے)

تدوین فقہ کی ابتداء

سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی وغیرہ نے باقاعدہ فقہ کے تمام ابواب جمع کیے، ہر باب میں وہ اپنے کچھ اصول رکھتے تھے، جن کو انھوں نے سلف سے حاصل کیا تھا۔

سعید بن مسیب اور ان کے تلامذہ اس امر کے قائل تھے کہ حرمین کے باشندے تفقہ میں سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ اور احکام پر قائم ہے یا پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہؓ اور حضرت بن عباسؓ کے فتوؤں اور قضاۃ مدینہ کے فیصلوں پر، چنانچہ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی، انھوں نے ان احکام اور فتاویٰ کو جمع کیا، پھر ان پر بصیرت اور تحقیق کی نگاہ ڈال کر ان کا جائزہ لیا، جس پر علمائے مدینہ کا اتفاق نظر آیا اس پر تو پوری مضبوطی سے جم گئے اور جس چیز میں ان کا اختلاف دکھائی دیا اس کے بارے میں انھوں نے اس رائے کو اختیار کیا جو کسی بھی وجہ سے ان کے نزدیک زیادہ مضبوط اور قابل ترجیح تھی، خواہ اس وجہ سے کہ اکثر علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے یا اس بنا پر کہ وہ کسی مضبوط قیاس کے یا کتاب و سنت کے کسی صریح استنباط کے موافق پڑتی ہے یا کسی اور بنا پر پھر جب ان لوگوں کو علمائے مدینہ سے حاصل کیے ہوئے مجموعہ فتاویٰ میں کسی مسئلہ کا جواب نہ ملتا تو ان کے اقوال سے استنباط کرتے اور ان اقوال کے اشارات اور مختصریات کا سراغ لگاتے، اس طرح ان کے ہاں ہر باب کے متعلق مسائل کا انبار لگ گیا۔

ابراہیم نخعیؒ اور ان کے تلامذہ کا خیال تھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے فیض یافتگان فقہیت

میں سب سے ممتاز ہیں، چنانچہ علقمہؒ نے مسروقؒ سے کہا تھا کہ ”کیا کوئی صحابی عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی بڑا فقیہ ہے؟“ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے فرمایا کہ ”ابراہیم نخعیؒ، سالم بن عبداللہؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر عبداللہ بن عمرؓ کو صحابیت کا شرف حاصل نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ علقمہؒ ان سے زیادہ فقیہ ہیں، رہے عبداللہ بن مسعودؓ تو وہ عبداللہ بن مسعود ہی ہیں، ان کا کیا پوچھنا“ ان حضرات کے مسلک فقہی کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے فتوؤں اور فیصلوں پر، نیز قاضی شریحؒ وغیرہ قضاۃ کوفہ کے فیصلوں پر ہے، ابراہیم نخعیؒ نے اپنے مقدور بھران احکام و فتاویٰ کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کیا جو سعید بن مسیبؒ وغیرہ نے علمائے مدینہ کے آثار و اقوال کے متعلق اختیار کیا تھا، نیز اس ذخیرہ سے ان لوگوں نے مزید مسائل کی تخریج بھی اسی طرح کی جس طرح انھوں نے کی تھی، انجام کار ان کے پاس بھی فقہ کے ایک ایک باب میں بے شمار مسائل منضبط ہو گئے۔

سعید بن مسیبؒ فقہائے مدینہ کے ترجمان تھے اور ان کے درمیان، حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایتوں کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا، اسی طرح ابراہیم نخعیؒ فقہائے کوفہ کے ترجمان تھے، جب یہ دونوں حضرات کسی کی طرف منسوب کیے بغیر کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فی الواقع کسی کی طرف منسوب نہیں اور بہر حال ان کا اپنا ہی اجتہاد ہے، بلکہ ایسے مسائل بالعموم کسی نہ کسی سابق فقیہ سے اشارۃً یا صراحتاً ضرور منسوب ہوتے ہیں۔ بالآخر یہ دونوں اپنے اپنے قرب و جوار کے فقہاء کا مرکز بن گئے، جنھوں نے ان سے فقہ کا علم حاصل کیا، اس میں نظر کیا اور اس سے مزید مسائل اور جزئیات نکالے۔

تاریخ اختلاف کا تیسرا دور (عہد تبع تابعین)

علمائے تبع تابعین

عہد تابعین کے ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے علم دین کے خادموں کا ایک گروہ پیدا کر دیا، تاکہ وہ دعوہ پورا ہو جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس علم کے متعلق نکلا تھا کہ ”آنے والی نسلوں میں سے ہر نسل کے عادل لوگ اس علم کے امانت دار ہوں گے“ چنانچہ ان خدام دین نے ایسا ہی کیا، انھوں نے ان علمائے تابعین سے، جن سے وہ مل سکے، وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، لین دین، وغیرہ ان تمام مسائل کے، جو زندگی میں عام طور سے پیش آئے ہیں، شرعی طریقے اخذ کیے، رسول خدا کی حدیثیں نقل کیں، مختلف شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور مفتیوں کے فتوے جمع کیے، مسائل دریافت کیے اور پھر ان سارے امور میں بطور خود اجتہاد کیا حتیٰ کہ ایک گروہ نے انہیں اپنا پیشوا تسلیم کر لیا اور وہ امور شرعیہ میں مستند قرار پا گئے، یہ لوگ بھی اپنے اپنے شیوخ کے طریقے پر چلے اور انھوں نے سلف کے اقوال و فتاویٰ کے اشارات اور مقتضیات معلوم کرنے میں پوری دیدہ ریزی سے کام لیا، لوگوں کو فتوے دیئے، احکام سنائے، ردائیں بیان کیں اور علم سکھائے۔

ان علماء کا طرز فکر و عمل

اس طبقہ کے علماء کا طرز فکر و عمل بالکل ایک ہے جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ:-

(۱) ان کے نزدیک مسند اور مرسل دونوں ہی قسم کی حدیثیں لے لینے کے قابل تھیں۔

(۲) ان کا فیصلہ یہ تھا کہ صحابہؓ اور تابعین کے اقوال سے شرعی استدلال ہو سکتا ہے، کیونکہ ان

بزرگوں کے متعلق یہ معلوم ہے کہ ان کے اقوال کی دو ہی حیثیتیں ہو سکتی ہیں۔

یا تو وہ فی نفسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہوئی حدیثیں ہیں جن کو انھوں نے

(بعض مصالغ کا لحاظ کرتے ہوئے) مختصر کر کے موقوف (۲) بنالیا ہے چنانچہ جب ابراہیم نخعیؒ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ روایت بیان کی جس میں محافلہ (۳) اور مزانبہ (۴) کی ممانعت

ہے اور اس کے بعد ان سے کہا گیا ”کیا آپ کو اس کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی

حدیث (مرفوع) یاد نہیں؟“ تو انھوں نے فرمایا کہ ”یاد کیوں نہیں ہے، مگر میں حدیث مرفوع بیان

کرنے کے مقابلے میں یوں کہنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ”عبداللہ نے یہ فرمایا ہے“ یا ”علقمہ کا

یہ قول ہے“ اسی طرح امام شافعیؒ سے جب ایک حدیث کے متعلق استفسار کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اس

کی سند کو براہ راست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے تو انھوں نے جواب دیا ”ایسا کرنا

ٹھیک نہیں بلکہ ہم کو زیادہ مناسب (اور محتاط) طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سند روایت کو صحابہ تک پہنچا

کر چھوڑ دیا جائے، تاکہ اگر اس کے الفاظ میں کوئی کمی بیشی ہوگئی ہو تو وہ آنحضرتؐ کی طرف منسوب

نہ ہو سکے بلکہ صحابہ ہی تک رہ جائے۔

(۱) مسند وہ حدیث ہے جس کی سند بیان کی جائے اور مرسل وہ جس کی سند بیان کیے بغیر کوئی تابعی یا تابع تابعی یوں

کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا ایسا کیا ہے۔

(۲) موقوف مرفوع کے بالمقابل حدیث کی ایک قسم کا نام ہے، مرفوع وہ روایت ہے جس میں تصریح ہو کہ حضورؐ نے

ایسا فرمایا ہے اور موقوف وہ جس میں صحابی ایک بات کہے اور صراحت کے ساتھ اسے حضورؐ کی طرف منسوب نہ

کرے۔

(۳) محافلہ کے معنی ہیں خوشوں سمیت گندم کو صاف کی ہوئی گندم کے عوض بیچنا یا مکی بھتی بیچنا۔

(۴) مزانبہ کے معنی ہیں درخت پر لگی ہوئی تر سمجھوروں کو توڑی ہوئی خشک سمجھوروں کے عوض بیچنا۔

یا پھر وہ کتاب وسنت سے ان کے استنباط کیے ہوئے احکام، اور ان کی اپنی اجتہادی رائیں ہیں (لیکن ان کے استنباط اور اجتہاد کے سلسلہ میں یہ بھولنا نہ چاہیے کہ) یہ بزرگ ان امور میں طرز عمل کی جو خوبی اور فکر و رائے کی جو درستگی رکھتے تھے اس میں بعد کے آنے والے حضرات ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، نیز وہ ان سے باعتبار زمانہ مقدم اور باعتبار علم افضل بھی تھے، اس لیے ان کے اقوال پر عمل کرنا کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جس میں دورائیں ہوتیں، بجز اس صورت کے جب کہ ان میں خود اختلاف رائے ہو جائے، یا کوئی حدیث ان کے اقوال کے بالکل مخالف واقع ہو۔

(۳) اگر کسی مسئلہ میں انہیں احادیث باہم مختلف نظر آئیں تو وہ (اصل حکم شرع معلوم کرنے کے لیے) اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے اور وہاں یہ نظر آتا کہ صحابہ نے کسی حدیث کو منسوخ یا قابل تاویل قرار دیا ہے، یا نسخ و تاویل کی کسی تصریح کے بغیر ہی اس کے ترک کر دینے پر متفق الراء ہو گئے ہیں کہ اس کا مطلب بھی دراصل حدیث کو ضعیف یا منسوخ یا قابل تاویل ہی قرار دینا ہے، تو ان تمام صورتوں میں یہ علماء حضرات صحابہ ہی کی پیروی کرتے، یعنی اس حدیث کو وہی حیثیت اور وزن دیتے جو صحابہ کے یہاں پاتے، یہی وہ حقیقت ہے جو کہتے کہ جھوٹے برتن کا حکم بیان کرنے والی حدیث (۱) کے متعلق حضرت امام مالکؒ کے منہ سے نکلی تھی کہ ”یہ حدیث روایت تو ہوئی ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے“ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے اس پر فقہائے سلف کو عمل کرتے ہوئے نہیں پایا۔

(۴) اگر صحابہ اور تابعین کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف رائے نظر آتا تو ہر عالم اُس رائے اور مسلک کو اختیار کرتا جو اس کے اپنے شہر کے علماء اور اس کے اساتذہ کا مسلک ہوتا، کیونکہ وہ ان کے اقوال کی کمزوریوں اور مضبوطیوں سے زیادہ باخبر اور ان اقوال سے مناسبت رکھنے والے اصولوں کا بہتر راز داں ہوتا، پھر اس کا دل اپنے اساتذہ کے فضل و کمال اور بحر علمی سے زیادہ متاثر بھی ہوتا (اس لیے اس کا ایسا کرنا ایک قدرتی امر تھا) چنانچہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، ابن عمرؓ، عائشہ صدیقہؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ وغیرہ صحابہ عظام اور ان کے شاگردان جلیل مثلاً سعید بن

(۱) پوری حدیث یہ ہے کہ جب کتا کسی برتن میں منڈوا لے دے تو سات بار دھوؤ، اس کے بعد ایک بار منی سے مانجھ کر صرف کرو۔

مسیب، جو حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ اور عروہؓ، سالمؓ، عطاءؓ، عکرمہؓ اور عبید اللہ بن عبد اللہ وغیرہ کا مذہب اہل مدینہ کے لیے دوسرے مذاہب کی بہ نسبت زیادہ قابل قبول ٹھہرا، اس وجہ سے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ (۱) کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں، اور اس سبب سے بھی کہ مدینہ ہر زمانہ میں فقہاء اور علماء کا مرکز رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ علماء مدینہ کی شاہراہ سے ہٹ کر کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتے، اور ان کے متعلق یہاں تک مشہور ہے کہ وہ اہل مدینہ کے اجماع کو حجت شرعی مانتے تھے، اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس کا نام ہے ”باب فی الاخذ بما اتفق علیہ الحرمان“، یعنی جس بات پر اہل مکہ اور اہل مدینہ دونوں کا اتفاق ہو، اس کو اختیار کر لینا چاہیے اس کے بالمقابل حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے شاگردوں کے اقوال اور حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ اور شعبیؒ کے فیصلے، اور ابراہیم نخعیؒ کے فتاویٰ اہل کوفہ کی نگاہ میں دوسرے اقوال و مذاہب کی بہ نسبت زیادہ ترجیح اور پیروی کے لائق قرار پائے۔ چنانچہ یہی نقطہ نگاہ تھا جس کے باعث علامہؒ نے تشریک (۲) کے مسئلہ میں مسروقؒ کو زید بن ثابتؓ کے قول کی طرف مائل دیکھ کر یہ الفاظ کہے تھے کہ ”کیا کوئی صحابی عبداللہ بن مسعود سے زیادہ علم و تقہ رکھتا ہے؟“ مسروقؒ نے جواب دیا کہ ”نہیں، ایسا تو نہیں ہے، لیکن میں نے زید بن ثابتؓ اور دوسرے باشندگان مدینہ کو تشریک کرتے دیکھا ہے (اس لیے میرا خیال ہوا کہ یہ جائز ہے) الغرض اس دور کے ہر عالم کے نزدیک اس کے اپنے ہی شیوخ اور علماء شہر کے اقوال مرجع اور قابل اتباع ہوتے تھے، اہل شہر جس امر پر متفق ہوتے اس کو تو یہ علماء و دانشمندیوں سے پکڑ لیتے، چنانچہ امام مالکؒ ایسے ہی مسائل کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ”جس سنت میں (اہل مدینہ کا) کوئی اختلاف نہیں ہے وہ ہمارے نزدیک ایسی اور ایسی ہے“ یعنی (بالکل ثابت اور واجب العمل ہے) اور اگر یہ فقہائے شہر کسی مسئلہ میں مختلف الرائے دکھائی پڑتے تو ان مختلف رایوں میں سے یہ حضرات اس رائے کو اختیار کرتے جو ان

(۱) آپؐ نے فرمایا تھا کہ جلد ہی لوگ طلب علم کی خاطر سوار یاں دوڑائیں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کوئی صاحب علم و فضل نہ پائیں گے۔

(۲) تشریک کا مطلب یہ ہے کہ مالکؒ زمین اپنی زمین پر کاشت کرنے کے لیے دوسرے کو دیر سے۔

کے خیال میں زیادہ مضبوط اور رائج ہوتی، اس امر کا فیصلہ کہ کون سی رائے مضبوط اور رائج ہے، اس بات سے ہوتا کہ اکثریت کس طرف ہے یا یہ کہ کون سا قول مضبوط قیاس پر مبنی ہے، یا یہ کہ کون سا مذہب کتاب و سنت کی تخریجات سے زیادہ موافقت رکھتا ہے جہاں امام مالکؒ یوں فرماتے کہ ”یہ بات ان تمام باتوں میں سب سے بہتر ہے جو اس مسئلہ کے متعلق میرے علم میں آئی ہیں“ تو دراصل اسی طریق فکر و طرز عمل کا اظہار کرتے ہیں لیکن اگر تیسری صورت پیش آتی یعنی اگر یہ علماء اپنے شہر کے صحابہ اور تابعین کے مجموعہ اقوال میں کسی مسئلہ کا کوئی جواب سرے سے پاتے ہی نہ تو بھی ان سے صرف نظر کر کے اس مسئلہ کا حل نہ ڈھونڈتے بلکہ اس وقت بھی وہ ان ہی کے اقوال کو بنیاد قرار دے کر اس سے استنباط کرتے اور ان کے اشارات و مقتضیات کی پوری جستجو کر کے جواب مسئلہ کا سراغ لگاتے۔

علماء امت کا یہی وہ طبقہ ہے جس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی، کہ فقہ پر کتابیں مرتب کی جائیں، چنانچہ مدینہ میں امام مالکؒ اور محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب نے، مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے، کوفہ میں امام ثورثی نے اور بصرہ میں ربیع بن صبیح نے فقہ میں مستقل کتابیں لکھیں۔ ان تمام حضرات کا طریقہ تدوین وہی تھا جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

مشہور عام فقہی مذاہب

(۱) امام مالکؒ اور مذہب مالکی

خلیفہ منصور جب حج کے لیے گیا تو اس نے امام مالکؒ سے کہا ”میرا قصد یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کے متعدد نسخے نقل کراؤں اور مسلمانوں کے ہر شہر میں ایک ایک نسخہ بھجوا دوں، اور حکم دے دوں کہ سب لوگ بس ان ہی کتابوں کے مطابق عمل کریں اور ان کو چھوڑ کر کسی اور طرف نہ جائیں“ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ ”اے امیر المومنین! ایسا نہ کیجیے کیونکہ لوگوں میں (سلف کے مختلف) اقوال پھیل چکے ہیں اور (مختلف اقسام کی) حدیثیں ان تک پہنچ چکی ہیں، اب ان مختلف اقوال و احادیث میں سے ہر گروہ ان چیزوں پر عمل پیرا ہے جو اس کے کانوں میں پہلے پڑ گئیں، پس لوگوں کو آزاد چھوڑ دیجیے اور ہر بستی کے مسلمانوں کو اسی مسلک پر عمل کرنے دیجیے جو انھوں نے (خود احادیث رسول اور اقوال صحابہؓ ہی کی روشنی میں) اپنے لیے اختیار کر لیا ہے۔

بعض لوگوں نے اس قصہ کو منصور کے بجائے ہارون الرشید کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی روایت اس طرح کی ہے کہ ہارون نے امام مالکؒ سے بطور مشورہ پوچھا ”کیا آپ کی سوفا خانہ کعبہ میں آویزاں کر دی جائے اور لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ تمام اختلافات چھوڑ کر اسی کے مطابق عمل کریں؟“ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ”ایسا نہ کیجیے (یہ اختلاف تو اصحاب رسول کے زمانہ سے چلا آرہا ہے) فروع میں صحابہؓ خود مختلف الرائے تھے اور وہ (اپنے مختلف مذاہب لیے ہوئے) اطراف ملک میں بکھر گئے تھے اور اب یہ ان ہی کے مختلف طریقے ہیں جو مختلف علاقوں

میں چل پڑے ہیں“ یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا ”اے ابو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو (حکمت دین کی) اور زیادہ توفیق دے“۔ اس واقعہ کو امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے۔

امام مالکؒ ان احادیث کے سب سے بڑے عالم ہیں جو اہل مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، اور ان کی روایت کی ہوئی یہ حدیثیں لمحاظ اسناد سب سے زیادہ معتبر ہیں، نیز حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور عبد اللہ بن عمرؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور ان حضرات کے ساتوں شاگردوں (۱) کے اقوال کا ان سے بڑا کوئی عالم اور جامع نہیں، اسی ہستی اور اسی جیسی دوسری مبارک ہستیوں کے ہاتھوں علم روایت و افتاء کی بنیاد پڑی، مسند علم و ارشاد پر بیٹھنے کے بعد امام موصوف نے روایت حدیث، افتاء اور افادہ علمی کے وہ عظیم الشان کارنامے انجام دیئے جن کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کے مصداق سمجھے گئے کہ ”وہ زمانہ قریب ہے جب لوگ انہوں پر سوار ہو کر علم کی جستجو میں دوڑ دھوپ کریں گے اور اس وقت وہ مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو صاحب علم و فضل نہیں پائیں گے، اب عیینہؒ اور عبدالرزاقؒ جیسے صاحب الرائے علماء کا خیال ہے کہ یہ پیشین گوئی امام مالکؒ پر صادق آتی ہے، امام موصوف کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کی تمام روایات اور اقوال کو اکٹھا کیا، جن کی انھوں نے تلخیص اور تنقیح کی، شرحیں بیان کیں، ان کے اصول و دلائل پر بحثیں کیں، ان کی بنیاد پر مزید مسائل کی تخریج کی اور پھر ان تمام چیزوں کو لے کر یہ لوگ مختلف ممالک میں خصوصاً مغرب کی طرف پھیل گئے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی مخلوق کو نفع پہنچایا، ہم نے مذہب مالکی کی جو اصلیت بیان کی ہے اگر تم اس کی صداقت معلوم کرنی چاہتے ہو تو موطا امام مالکؒ کو نظر غائر سے دیکھو، تم پر یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔

(۲) امام ابو حنیفہؒ اور مسلک حنفی

امام ابو حنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم خیال علمائے تابعین کے مسلک پر مضبوطی سے جتنے

(۱) ان شاگردوں کو فقہائے سبعہ کہا جاتا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۲) سعید بن منبہ (۲) عروہ بن زبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (۴) ابو بکر بن عبد الرحمن بخاری (۵)

خارجہ بن زید بن ثابت (۶) عبید اللہ بن عبد اللہ بن حنبلہ مسعودی (۷) سلیمان بن یسار ہلالی۔

ہوئے تھے اور شاید ہی کبھی اس سے انحراف کرتے ہوں، اس مسلک کی بنیادوں پر مسائل کی تخریج کرنے میں ان کو بڑا اکمال حاصل تھا، تخریجات کے طریقوں میں وہ انتہائی دقت نظر سے کام لیتے تھے اور انھوں نے اپنی پوری توجہ جزئیات کی توضیح و استنباط میں لگا رکھی تھی اگر تم ہماری اس بات کی تصدیق چاہتے ہو تو امام محمدؒ کی کتاب الآثار، عبدالرزاقؒ کی جامع اور ابوبکرؒ بن ابی شیبہؒ کی مصنف میں سے ابراہیم نخعیؒ کے اقوال چن کر جمع کرلو، پھر امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ان کا مقابلہ کرو تو تم دیکھو گے کہ سوائے چند مقامات کے کہیں بھی ان کا قدم ابراہیم نخعیؒ کے جادہ فقیہی سے ہٹ کر نہیں پڑتا، اور چند مقامات بھی ایسے نہیں ہیں کہ امام مذکور نے ان میں کوئی اپنی الگ راہ نکالی ہو، بلکہ ان میں بھی دیگر فقہائے کوفہ میں سے کوئی نہ کوئی ان کے آگے موجود ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور ابو یوسفؒ ہیں جو ہارون الرشید کے عہد حکومت میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے تھے ان کا یہی منصب تھا جس کے باعث حنفی مذہب ہر چہار طرف پھیل نکلا اور عراق، خراساں اور توران کے حدود میں حکومت کا آئین قرار پائے۔

آپ کے دوسرے شاگرد، جو تصنیف و تالیف کے لحاظ سے آپ کے دوسرے تمام شاگردوں میں ممتاز اور حصول علم میں سب سے زیادہ اہمیاک رکھنے والے تھے، امام محمدؒ بن حسن ہیں، انھوں نے پہلے تو امام موصوف اور امام ابو یوسفؒ سے فقہ حاصل کی، پھر مدینہ جا کر امام مالکؒ سے موطا پڑھی۔ اس کے بعد بطور خود غور و فکر شروع کیا، اور اپنے شیوخ کے مذہب کے ایک ایک مسئلہ کو موطا سے مقابلہ کر کے دیکھا، اگر اس کے مطابق نظر آیا تو خیر، ورنہ (اختلاف کی شکل میں) صحابہ اور تابعین کے مختلف مذاہب و اقوال کی جستجو کی، اگر کسی کے ہاں اپنے مذہب کے موافق قول مل گیا تو اس صورت میں بھی وہ اپنے مذہب حنفی پر قائم رہے۔ لیکن اگر کوئی مسئلہ ایسا نکلا جس کی بنیاد کسی کمزور قیاس یا بے جان استنباط پر تھی اور اکثر علماء کے عمل سے یا کسی ایسی حدیث صحیح سے اس کی مخالفت بھی ہو رہی تھی جس پر فقہاء نے عام طور سے عمل کیا ہو تو ایسی حالت میں انھوں نے اپنی رائے بدل دی اور امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے مذہب سے ہٹ کر مذاہب سلف میں سے کسی ایسے مذہب کو اختیار کر لیا جو ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ فائق اور مرجع نظر آیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ان دونوں تلامذہ نے بھی ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی حتی الامکان اسی طرح پیروی کی جس طرح امام مدوحؒ نے کی تھی، صرف دو نقطہ ہائے اختلاف تھے جو استاذ امام اور ان کے ان تلامذہ کے مابین واقع ہوئے، کبھی تو ایسا ہوتا کہ امام ابوحنیفہؒ نے ابراہیم نخعیؒ کے مذہب پر کسی مسئلہ کی تخریج کی، لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس تخریج کو تسلیم نہیں کیا اور کبھی یہ صورت ہوتی کہ ابراہیم نخعیؒ فقہائے کوفہ کے کسی مسئلہ میں مختلف اقوال ہوتے جن میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا سوال ہوتا تو بسا اوقات اس معاملہ میں ان کی رائیں وہ نہ ہوتیں جو امام صاحب کی ہوتی۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، امام محمدؒ کی پوری توجہ تصنیف و تدوین کی طرف تھی، انہوں نے اپنے اور ان دونوں کے اقوال اکٹھے مرتب کیے، جس سے پیش رو لوگوں کو فائدہ پہنچا، پھر بعد کے حنفی علماء ان کی تصانیف کی طرف پوری بنجیدگی سے متوجہ ہوئے، جنہیں انہوں نے چھاننا اور صاف کیا، ان کے مطالب کی وضاحت کر کے ان کو باسانی سمجھ لینے کے قابل بنایا، ان کی بنیادی مسائل مستند کیے، ان کو دلائل سے آراستہ کیا، پھر یہ لوگ (ان تمام تصانیف کو لے کر خراسان اور توران کی طرف سے جانکے اور ان کے اندر کے سارے مسائل امام ابوحنیفہؒ کا مذہب کہے جانے لگے، اس طرح امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذہب بھی امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ مل گئے اور ان سب کو ایک ہی مذہب شمار کر لیا گیا، حالانکہ یہ دونوں حضرات بجائے خود مجتہد مطلق ہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے ان کے اختلافات کی فہرست کافی طویل ہے، نہ صرف فروع میں بلکہ اصول میں بھی۔ لیکن اس کے باوجود ایسا کیا گیا جس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا اصل ان تینوں اماموں میں مشترک ہے (یعنی یہ تینوں ہی حضرت ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کو اپنی بنیاد قرار دیتے ہیں) اور دوسری یہ کہ مسوط اور جامع کبیر میں ان تینوں مذہب کو ایک ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۳) امام شافعیؒ اور مسلک شافعی

ان دونوں مذہب، مذہب مالکی اور مذہب حنفی کی شہرت و اشاعت اور ان کے اصول و فروع کی ترتیب کا آغاز ہی تھا کہ اس بزم میں ایک تیسرے امام، امام شافعیؒ بھی تشریف لائے، آپ نے اگلے لوگوں کے طریق فکر و استنباط کا گہری نظر سے جائزہ لیا تو اس میں انہیں بعض قابل اعتراض باتیں نظر آئیں، جنہوں نے ان کو اس راہ پر گامزن ہونے سے روک دیا، ان باتوں کا ذکر

امام موصوف نے اپنی تصنیف ”کتاب الائم“ کے ابتدائی اوراق میں (بڑی وضاحت سے) کیا ہے۔ ان کے اعتراضات کا حاصل یہ ہے:

(۱) یہ لوگ (فقہائے مدینہ اور فقہائے کوفہ) مرسل اور منقطع احادیث کو بھی لے لیتے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے اقوال میں لغزشیں راہ پالیتی ہیں کیونکہ جب حدیث کے تمام طریقوں کو جمع کیا جاتا ہے (اور محدثانہ چھان بین کی جاتی ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ کتنی ہی مرسل حدیثیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور کتنی ہی ایسی ہیں جو مسند اور مرفوع احادیث کے خلاف پڑتی ہیں، اس لیے امام شافعیؒ نے فیصلہ کیا کہ مرسل روایتوں کو اس وقت تک قبول نہ کریں گے جب تک کہ ان میں چند خاص شرطیں نہ پائی جائیں، ان شرطوں کی تفصیل کتب اصول میں موجود ہے۔

(۲) ان حضرات کے ہاں مختلف نصوص میں مطابقت پیدا کرنے کے قواعد منضبط نہ تھے، جس کے باعث ان کے اجتہادات غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکتے تھے، اس لیے امام شافعیؒ نے پہلے یہ اصول و قواعد وضع کیے اور ان کو باقاعدہ ایک کتاب کی شکل میں مرتب کیا، اصول فقہ کی یہ پہلی کتاب ہے جو عالم وجود میں آئی۔

اس امر کی مثال میں (کہ امام شافعیؒ کے خیال کے مطابق پہلے فقہاء کے اجتہادات اصول تطبیق کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے راہ راست سے ہٹ جاتے تھے) ایک واقعہ کا بیان کر دینا کافی ہوگا، ایک دن امام شافعیؒ امام محمدؒ کے ہاں آئے۔ امام محمدؒ اپنی تقریر میں فقہائے مدینہ پر اعتراض کر رہے تھے کہ یہ لوگ فصل مقدمات کے لیے دو گواہوں کی شہادت ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ صرف ایک ہی گواہ کی گواہی، اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ کتاب اللہ پر اضافہ (۱) ہے امام شافعیؒ نے یہ سن کر کہا ”کیا آپ کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر اضافہ جائز نہیں؟“ انھوں نے فرمایا کہ ”ہاں“۔ امام شافعیؒ نے کہا ”تو پھر آپ

(۱) اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ اس سے قرآن کے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل نہیں ہو سکتا، بلکہ اس میں کسی نہ کسی طرح کی ترمیم یا تخصیص کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً یہی شہادت کا مسئلہ ہے جس کی بابت قرآن میں عام حکم ہے کہ فصل مقدمات کے لیے دو شاہد چاہئیں، مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو شاہد مہیا نہ ہو سکیں تو مدعی کی قسم اور ایک گواہ کی گواہی بھی کافی ہے۔ گویا حلف دوسرے گواہ کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔

حدیث لا وصیۃ لوارث کو لے کر، جو ایک خبر واحد ہے، یہ کیوں کہتے ہیں کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں، حالانکہ کتاب اللہ کہتی ہے کہ کُتِبَ عَلَیْکُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُکُمْ الْمَوْتُ (اِنْ فَرَکَ خَیْرًا الْوَصِیَّةُ لِلَّذِیْنَ وَالَافْرَیْقَیْنِ) (تم پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے تو وہ..... اگر اس نے مال چھوڑا ہو..... اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر دے) کیا یہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر اضافہ نہیں ہے؟ اس کے بعد انھوں نے اسی طرح کے اور بھی چند اعتراضات امام محمدؒ پر کیے جن کے جواب میں انہیں انجام کا رخاموش ہونا پڑا۔“

(۳) وہ علمائے تابعین، جن کو فتویٰ دینے کی خدمت سپرد تھی، بعض صحیح حدیثوں سے لاعلم تھے۔ اس لیے انھوں نے ان مسائل کے پیش آنے پر، جن کا ارشاد اتنبویؒ میں واضح حکم موجود تھا، لیکن جن سے وہ خود بے خبر تھے، یا تو وہ اپنی رائے سے اجتہاد کیا یا عام خیالات کو لے لیا، یا کسی صحابی کے طرز عمل کو اختیار کر لیا اور اسی کے مطابق فتوے دے دیا، پھر کبھی تو ایسا ہوا کہ آگے چل کر تیسرے طبقہ میں وہ حدیثیں منظر عام پر آئیں لیکن پھر بھی ان فقہانے ان کو نہیں لیا، نہ ان پر عمل کیا، صرف اسی خیال سے کہ یہ حدیثیں ہمارے علمائے شہر کے عمل اور مذہب کے مخالف ہیں، اور یہ مخالفت بتائی ہے کہ ان حدیثوں میں کوئی نہ کوئی کمزوری اور علت ضرور موجود ہے جس نے ان کو پایہ اعتبار سے گرا دیا ہے اور کبھی ایسا ہوا کہ یہ احادیث تیسرے طبقہ میں بھی شہرت عام حاصل نہ کر سکیں، بلکہ اس کے بعد کے زمانوں میں مشہور ہوئیں جب کہ علمائے حدیث نے حدیث کے مختلف طریقوں اور سندوں کو جمع کرنے میں پوری کاوش دکھائی اور اس کے لیے زمین کا ایک ایک گوشہ چھان کر دہ ارباب علم تک پہنچے، اس طویل گمناہی کی وجہ یہ تھی کہ بیشتر حدیثیں ایسی ہی جن کی روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد ایک یا دو سے اوپر نہیں، پھر ان صحابہ سے یہ حدیثیں سن کر دوسروں کو سنانے والے بھی دو ہی ایک آدمی ہیں، اور اسی طرح آگے تک راویوں کی یہ قلت تعداد چلی گئی ہے جس کے سبب سے یہ احادیث اس دور کے عام اہل فقہ کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ گئیں اور کہیں ان حفاظ حدیث کے زمانہ میں جا کر پردہ خفا سے باہر نکلیں جنھوں نے حدیثوں کو ان کے ایک ایک طریقے اور اسناد کے ساتھ جمع کیا، پھر ایک دوسری شکل یہ بھی تھی کہ کتنی ہی حدیثیں ایسی

ہیں جن کے روایت کرنے والے صرف ایک خاص خطہ ملک کے لوگ ہیں، مثلاً اہل بصرہ نے ایک حدیث روایت کی اور باقی تمام دیگر مقامات کے لوگ اس سے بالکل بے خبر رہ گئے۔

ان حقائق کے پیش نظر امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ ہمیں علمائے صحابہ و تابعین کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، جن کا برابر یہ دستور رہا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تلاش کرتے جب کوئی حدیث نہ ملتی تب جا کر کسی اور طریقہ استدلال سے کام لیتے، مگر اس کے بعد بھی قبول حدیث کا دروازہ اپنے اوپر بند نہیں کر لیتے تھے، بلکہ بعد میں جب بھی کوئی حدیث ان کو مل جاتی فوراً اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور حدیث کو اختیار کر لیتے۔ جب صورت واقعہ یہ ہے تو ان علمائے تابعین کا کسی حدیث کو نہ لینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حدیث ہی کمزور ہے، الا آنکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ اس کو کمزور اور ناقص ٹھہرا دیا ہو۔ حدیث ”قلین (۱)“ اس کی واضح مثال ہے۔ یہ ایک صحیح حدیث ہے جو بہت سی سندوں سے مروی ہے، جن میں سے اکثر کی ابتدائی کڑیاں یوں ہیں۔ ”یہ حدیث ولید بن کثیرؒ نے محمد بن جعفر بن زبیر سے یا محمد بن عباد بن جعفر سے روایت کی، اور انھوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے نقل کی۔ اور عبید اللہ نے ابن عمرؓ سے بیان کی۔“ پھر آگے چل کر اس سلسلہ اسناد سے شاخ در شاخ سند کے بہت سے سلسلے پیدا ہو گئے، یہ دونوں راوی (محمد بن جعفر اور محمد بن عباد) اگرچہ پوری طرح قابل اعتبار ہیں مگر چونکہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو فتوے دینے کے منصب پر سرفراز تھے اور اس لیے مرجع عوام بھی نہ تھے، اس وجہ سے یہ حدیث نہ تو سعید بن مسیب کے زمانہ میں مشہور ہو سکی نہ ہی امام زہریؒ کے زمانہ میں اور نہ تو مالکیہ نے اس پر عمل کیا نہ حنفیہ نے، مگر امام شافعیؒ کے زمانہ میں یہ حدیث مشہور ہو چکی تھی، اس لیے انھوں نے اس کو قابل عمل ٹھہرایا۔

ایک اور مثال ”خیار مجلس (۲)“ والی حدیث کی لے لو، جو ایک صحیح حدیث ہے اور بہت سے

(۱) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اِذَا كَانَ السَّمَاءُ قَلَيْنٍ لَمْ يَحْمِلْ حِطًّا۔ یعنی جب پانی ”دو قلد“ ہو تو وہ کسی نہجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ ”قلد“ اس بڑے سنگ کو کہتے ہیں جس میں پانچ سوسوٹل یعنی سواچھ من پانی آسکے یا بقول بعض دو سٹک پانی۔

(۲) وہ حدیث یہ ہے کہ جب تک خریدار اور فروخت کنندہ ہا ہم الگ نہ ہو جائیں اس وقت تک دونوں میں سے ہر ایک کو معاملہ بیع و بیع کر دینے کا اختیار ہے۔

طریقوں سے روایت ہوتی ہے اور صحابہ میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا ہے، لیکن چونکہ فقہائے سبعہ اور ان کے ہم عصر دوسرے علمائے تابعین تک نہ پہنچ سکی اس لیے انھوں نے اس کو اختیار نہیں کیا اور یہ چیز امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث کے مجروح ہونے کی علت بن گئی، لیکن امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

(۴) صحابہؓ کے اقوال امام شافعیؒ کے زمانہ میں کثرت سے اکٹھا ہوئے جن میں کافی اختلاف اور انتشار تھا، آپ نے ان پر تنقید و تحقیق کی نظر ڈالی تو ان کا ایک بڑا حصہ احادیث صحیحہ کا مخالف نظر آیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہؓ کو یہ حدیثیں پہنچی ہی نہ تھیں، پھر انھوں نے علمائے سلف کو دیکھا کہ ایسے حال میں وہ برابر اقوال صحابہؓ کو چھوڑ کر احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں، اس لیے انھوں نے ان اقوال کو تو قابل حجت و عمل مانا جن پر عام صحابہؓ کا اتفاق تھا، مگر باقی کو قابل قبول تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ صحابہؓ بھی انسان (۱) تھے اور ہم بھی (ان ہی کی طرح کے) انسان ہیں۔

(۵) امام شافعیؒ نے دیکھا کہ فقہاء کا ایک گروہ ”رائے“ کو گنڈ کر رہا ہے، اور ان میں فرق و امتیاز نہیں کرتا، حالانکہ شریعت نے رائے کو ناجائز اور قیاس کو جائز و مستحسن ٹھیرایا ہے، یہ لوگ اس ”رائے“ کو کبھی استحسان بھی کہتے ہیں، ”رائے“ سے میری مراد یہ ہے کہ کسی نقصان یا کسی مصلحت سے مظنہ (۲) کو کسی حکم کی علت ٹھیرا دیا جائے اور قیاس یہ ہے کہ ایک حکم منصوص کی علت دریافت کی جائے اور اس علت کی بنا پر اسی طرح کے دوسرے معاملات میں بھی وہی حکم لگایا جائے امام شافعیؒ نے فقہاء کے اس طرز عمل کا پوری قوت سے ابطال کیا اور کہا کہ جو ”استحسان“ یعنی رائے سے کام لیتا ہے وہ اصل شارع بننا چاہتا ہے، ان کے اس قول کو عضدؒ نے مختصر الاصول کی شرح میں

(۱) یعنی ہماری ہی طرح وہ بھی فہم و نظر کی نگری لغزشوں سے مامون نہ تھے کہ ان کے اقوال کو ایک نئی معصومہ کے کلام کی طرح آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے، نصوص کتاب و سنت سے جس طرح وہ مسائل کا استنباط کر سکتے تھے ہم بھی کر سکتے ہیں۔ ہم ہر حال میں ان کے استنباط کے پابند نہیں ہو سکتے۔

(۲) کسی شے کے ”مظنہ“ سے مراد وہ وقت یا جگہ یا بات یا حالت یا کوئی بھی چیز ہے جس کے اندر اس شے کے موجود ہونے کا غالب گمان ہو

درج کیا ہے، اس کی مثال رشد یتیم کا مسئلہ ہے، یتیم کا معاملہ فہم ہو جانا ایک مخفی امر ہے (جس کے لیے کوئی متعین تاریخ نہیں بتائی جاسکتی) لیکن بعض فقہانے یہ دیکھ کر کہ بالعموم حد سے حد پچیس سال کی عمر میں انسان کے اندر معاملہ فہمی آ جاتی ہے، اس مظنہ رشد (یعنی پچیس سالہ عمر) کو اس کا قائم مقام قرار دے کر یہ اصول بنادیا کہ ”جب یتیم کی عمر پچیس سال کی ہو جائے تو اس کا مال الا زما اس کے حوالہ کر دیا جائے“ اور کہا کہ یہ ”استحسان“ ہے اس کے بالمقابل اس مسئلہ میں قیاس یہ ہے کہ مال اس کو سپرد نہ کیا جائے (تا وقتیکہ وہ واقعتاً معاملہ فہم نہ ہو جائے)

مختصر یہ کہ جب امام شافعیؒ نے اپنے پیرووں میں اس قسم کی باتیں دیکھیں، تو (ان سے غیر مطمئن ہو کر) انھوں نے علم فقہ پر نئے سرے سے نظر ڈالی اور بطور خود اس کے اصول مرتب کیے پھر ان اصولوں کے مطابق جزئیات کا استنباط کیا اس فن پر مستقل اور بہترین کتابیں لکھیں، جو لوگوں کی فیض یابی کا ذریعہ بنیں، فقہائے وقت آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی تصنیفات کو لے کر انھوں نے ان کا اختصار کیا، ان کی شرحیں لکھیں، ان سے دلیل اخذ کیں اور ان کو سامنے رکھ کر مزید مسائل مستنبط کیے، پھر (ان سب چیزوں کو لے کر) وہ مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے۔ اس طرح یہ فقہ کا ایک الگ اسکول قرار پایا جس کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف تھی۔ (۱)

(۱) مصنف نے حنبلی مذہب کو یہاں ایک مستقل فقہی اسکول کی حیثیت سے بیان نہیں کیا ہے جس کی وجہ آگے چل کر ایک مقام پر وہ خود واضح کریں گے۔

اہل الحدیث

اتباع حدیث کا التزام

حضرت سعید بن مسیبؓ، ابراہیم نخعیؓ اور امام زہریؓ کے زمانہ میں، نیز امام مالکؓ اور سفیانؓ ثوریؓ کے عہد میں، اور اس کے بعد بھی، برابر علماء کا ایک گروہ ایسا رہا جو مسائل شرعیہ میں غور و فکر کرتے وقت رائے (۱) کے استعمال کو سخت ناپسند کرتا تھا، اور ناگزیر صورتوں کے ماسوا، فتوے دینے اور مسائل کا استنباط کرنے کی کبھی ہمت نہ کرتا تھا، ان کی توجہات کا سب سے بڑا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا بیان کرتا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، ”مجھے یہ گوارا نہیں کہ تمہارے لیے کوئی ایسی چیز حلال کر دوں جس کو اللہ نے تم پر حرام کیا ہے، یا کسی ایسی چیز کو حرام کر دوں جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال (۲) کیا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا ارشاد ہے ”لوگو! بلا کے نازل ہونے سے پہلے اس کے لیے جلدی (۳) نہ مچاؤ کیونکہ ہر زمانہ میں ایسے مسلمان موجود رہیں گے، جو (اپنے وقت کے پیش آمدہ مسائل میں)

(۱) ”رائے“ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تعریف اوپر متن کے مضمون میں گزر چکی ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ جب تک مجھ کو کسی آیت یا کسی حدیث سے ایک چیز کی علت یا حرمت معلوم نہ ہو جائے، محض اپنی رائے اس کو حلال یا حرام نہیں کہہ سکتا، ورنہ خدشہ ہے کہ کہیں ایسی چیز کو حلال نہ کہہ دوں جو فی الواقع خدا کے نزدیک حرام ہے، یا اس کے برعکس

(۳) یعنی جو معاملہ حقیقتاً پیش نہ آیا ہو اس کے متعلق سوال نہ کرو، قبل از مرگ داویلا سخت بے عقلی کی بات ہے۔

پوچھنے پر صحیح جواب دے دیا کریں گے“ اسی طرح کے اقوال حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی منقول ہیں، جن میں فرضی مسائل پر سوال و جواب کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، حضرت ابن عمرؓ نے حضرت جابر بن زیدؓ سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں سے ہو، دیکھو جو فتوے بھی دینا، قرآن مطلق یا سنت جاریہ ہی سے دینا، اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو خود بھی ہلاک ہو گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دو گے“ ابو نصر کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوسلمہ بصرہ تشریف لائے تو میں اور حسن بصریؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے حسن بصریؒ سے فرمایا: ”آپ ہی حسن ہیں؟ بصرہ میں آپ سے زیادہ کسی کی ملاقات کا مجھے شوق نہ تھا، مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں، ایسا نہ کیجیے۔ فتویٰ صرف سنت رسولؐ سے دیجیے یا اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے، ابن الکندر فرماتے ہیں کہ ”عالم، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان داخل ہوا کرتا ہے، اس کو چاہیے کہ اس (نازک اور پرخطر) مقام سے (صحیح سلامت) نکلنے کی راہ تلاش کر رکھے (۱)“؛ امام شعبیؒ سے سوال کیا گیا کہ ”جب آپ لوگوں سے مسائل پوچھتے جاتے تھے تو آپ کیا کیا کرتے تھے؟“ امام موصوف نے مسائل سے فرمایا ”(اچھا ہوا) تم نے بڑے ہی واقف کار سے بات پوچھی (ہم کرتے یہ تھے کہ جب ہم میں سے کسی شخص کو مخاطب کر کے فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ اپنے کسی صاحب علم رفیق سے کہتا کہ آپ اس کا جواب دے دیجیے، پھر وہ دوسرا، کسی تیسرے پر اس فرض کو ڈال دیتا، یہ سلسلہ یوں ہی آگے چلتا رہتا یہاں تک کہ وہ استثناء پھر گھوم کر پہلے ہی شخص کے پاس آ پہنچتا“، یہی امام شعبیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ ”یہ لوگ (یعنی فتویٰ دینے والے) جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تم کو سنائیں اس کو لے لو، اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اسے کوڑے پر پھینک دو“۔ ان تمام آثار کو امام دارمیؒ نے نقل کیا ہے۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ عالم شرع کی ذمہ داریاں سخت نازک ہیں، وہ اللہ اور بندوں کے درمیان کا واسطہ ہوا کرتا ہے، جس کے ذریعہ سے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا علم ہوتا ہے پس اگر کسی عالم نے اپنی اس گراں ذمہ داری کی ادائیگی میں سہل انگاری سے کام لیا اور احکام شرع کی تعمین و تبلیغ میں اپنے ذاتی رجحانات کو دخل دیا تو بدترین انجام سے دوچار ہوگا، اس کو پوری احتیاط اور خدا ترسی کے ساتھ اس نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہیے۔

تدوین حدیث کا دور

ان اسباب اور حالات کے ماتحت اسلامی ممالک میں احادیث رسولؐ اور اقوال صحابہ کے اکٹھا کرنے اور رسالوں اور کتابوں میں انہیں لکھ لینے کا رواج بہت عام ہو گیا، حتیٰ کہ شاید ہی کوئی عالم حدیث ایسا باقی بچا ہو جس نے احادیث کے کسی نہ کسی مجموعہ یا رسالے یا کتاب کا فراہم کر لینا اپنی اہم ترین ضرورت نہ سمجھا ہو (یہ ذوق والہانہ شہنشاہی کی اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ) علم حدیث کے جو اکابر اس زمانہ میں موجود تھے انھوں نے حجاز، شام، عراق، مصر، یمن اور خراسان کے باقاعدہ دورے کیے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر حدیث کی کتابوں کو جمع کیا اور اس کی تصنیفات کا کھوج لگا یا حتیٰ کہ ان احادیث اور آثار کو بھی ڈھونڈ نکالنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جو غریب (۱) اور نادر تھے، اس طرح ان لوگوں کی کوششوں سے احادیث اور آثار کا اتنا بڑا ذخیرہ اکٹھا ہو گیا جس کی مثال اب تک کی تاریخ علم حدیث میں ناپید تھی، اس طرح قدرتا ان لوگوں کو وہ بات حاصل ہو گئی جو پچھلوں کو نصیب نہ ہو سکی تھی، انہیں ایک ایک حدیث مختلف سندوں سے ملی، یہاں تک کہ بعض حدیثوں کی سندیں تو سو، بلکہ سو سے بھی اوپر جا پہنچیں (اس کثرت اسانید کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ) حدیث کے بعض وہ ٹکڑے، جو ایک سند کی روایت میں مخفی رہ گئے تھے، دوسری سند کے ذریعہ روشنی میں آ گئے، اور یہ متعین کرنا آسان ہو گیا کہ کون سی حدیث غریب ہے اور کون سی مشہور (۲)۔ پھر یہ بھی کہ ان علماء کے لیے مختلف حدیثوں کے شواہد (۳) اور متابعات (۴) میں غور و فکر کرنا ممکن ہو گیا، اور ان کے دائرہ معنومات میں بے شمار ایسی صحیح اور مستند حدیثیں آ گئیں جن سے اب تک کے اہل فتویٰ بے خبر تھے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ کا بیان ہے کہ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ

(۱) ”غریب“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو صرف ایک راوی بیان کرتا ہے۔

(۲) ”مشہور“ اس حدیث کو کہتے ہیں جو صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں تو زیادہ نہ پھیل سکی مگر بعد میں کسی خاص وجہ سے شہرت حاصل ہو گئی۔

(۳) ان حدیثوں کو یک دوسرے کا شاہد کہا جاتا ہے جن کا مضمون تو ایک ہی ہو مگر وہ مختلف راویوں کے ذریعہ بیان ہوں اور مختلف صحابہ سے روایت کی گئی ہوں، اور اگر راوی تو مختلف ہوں مگر سب کے سب ایک ہی صحابی سے روایت کرتے ہوں اور مضمون بھی سب رواہوں کا ایک ہی ہو تو اس طرح کی حدیثوں کو ایک دوسرے کا متابع کہا جاتا ہے۔

سے صاف فرمایا تھا کہ ”آپ لوگ احادیث صحیحہ کے ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں، اس لیے آپ کے پاس جو بھی حدیث صحیح ہو مجھ کو بتادیا کیجیے، تاکہ میں اس کی پیروی کا شرف حاصل کر سکوں (خواہ وہ حدیث کسی قسم کی ہو) کوئی ہو یا بصری، یا شامی“۔

احادیث سے ایک گروہ کی واقفیت اور دوسرے کی عدم واقفیت کی چند وجہیں تھیں۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ کتنی ہی صحیح حدیثیں ایسی ہیں جن کے روایت کرنے والے (اس وقت تک) صرف ایک ہی مقام کے لوگ تھے۔ مثلاً وہ غریب حدیثیں جن کو صرف اہل شام بیان کرتے ہیں یا صرف اہل عراق، اسی طرح بہتری حدیثیں ایسی ہیں جن کی روایت صرف ایک خاص خاندان میں محصور رہی ہے مثلاً وہ مجموعہ احادیث جس کو ”نسخہ برید“ کہا جاتا ہے، اور جس کے بیان کرنے والے صرف برید ہیں جو ابی بردہؓ سے اور ابی بردہ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں ایسے ہی وہ مجموعہ احادیث جو ”نسخہ“ عمر بن شعیب کے نام سے مشہور ہے اور جس کے راوی صرف عمر بن شعیبؓ ہیں، جو اپنے باپ سے، اور ان کے باپ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ بعض صحابہ گناہ تھے، انہیں حدیثیں بھی کم ہی معلوم تھیں اور اس لیے بیان بھی انھوں نے تھوڑی ہی کیس، ان صحابہ سے قدرتنا صرف چند لوگ ہی روایتیں لے سکے۔

اسی طرح کی حدیثیں تھیں جو عام اہل فتویٰ کی نظروں سے اوجھل رہ گئیں (لیکن ان کے بالقابل اصحاب حدیث کا حال یہ تھا کہ نہ صرف احادیث ہی کا پورا ذخیرہ ان کے سامنے آچکا تھا بلکہ) ایک ایک ہستی کے فقہائے صحابہ و تابعین کے آثار بھی ان کے پاس جمع ہو گئے تھے، درآنحالیکہ ان سے پہلے کوئی بھی شخص صرف ان روایتوں کو جمع کر سکتا تھا جو اس کے اپنے اہل شہر اور اپنے شیوخ کے توسط سے مل سکتی تھیں، (پھر ایک دوسرا فرق احوال یہ بھی تھا کہ اب تک راویوں کے نام اور ان کے مراتب عدالت (۱) سے واقفیت کا سارا دار و مدار حالات اور قرائن کے اس سرسری مشاہدہ پر تھا جو بالعموم نگاہ انسانی کو حاصل ہوا کرتا ہے، لیکن اب اس گروہ نے اس فن میں پوری طرح داد و تحقیق دے کر اس کو تصنیف و تالیف اور بحث و تمحیص کا ایک مستقل موضوع بنادیا،

(۱) ”عدالت“ اصول حدیث کی ایک اصطلاح ہے جس سے مراد یہ ہے کہ راوی عاقل، بالغ مسلمان ہو، فاسق اور بے حیائی وغیرہ عیوب سے پاک ہو، ثقاہت سے سُرّی ہوئی حرکتیں نہ کرتا ہو۔

اور پوری چھان بین کر کے اس کے ایک ایک عیب و صواب کا فیصلہ کیا، اس تصنیفی اور تحقیقی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ احادیث پر سے ابہام کے وہ پردے اٹھ گئے جن کے نیچے ان کے اتصال (۱) یا انقطاع کی کیفیتیں پوشیدہ تھیں (اور صریحی طور پر معلوم ہو گیا کہ کون سی حدیث متصل ہے اور کون سی منقطع) چنانچہ امام سفیان ثوریؒ اور کئی اور ان کی طرح کے دوسرے خادمانِ علم حدیث سے اگرچہ (جمع حدیث میں) سر توڑ کوششیں کیں، مگر اس کے باوجود وہ ایسی ایک بڑی احادیث بھی نہ جمع کر سکے جو متصل اور مرفوع ہوں، جیسا کہ ابوداؤد سجستانی کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا تھا، اس طبقہ کے لوگوں کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد مجموعی طور پر چالیس ہزار یا اس کے لگ بھگ پہنچتی ہے (باقی کو انھوں نے تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر مترک اور ناقابل قبول قرار دے دیا) امام بخاریؒ سے تو یہاں تک مروی ہے، اور بروایت صحیح مروی ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب ”صحیح بخاری“ کو چھ لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے مرتب کیا ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”سنن ابی داؤد“ کو پانچ لاکھ کے ذخیرہ سے چن کر مدون کیا ہے، امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب ”مسند احمد بن حنبل“ کو ایک ایسی میزان کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کے ذریعہ حدیث نبویؐ کی صحت کا وزن معلوم کیا جاسکتا ہو، یعنی جو حدیث اس کتاب کے اندر موجود ہو، وہ تو اپنی واقعی بنیاد رکھتی ہے اگرچہ صرف ایک ہی طریقہ سے مروی ہو، اور جو حدیث اس میں نہ پائی جاسکے اس کے متعلق سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بالکل بے اصل ہے۔

علمائے حدیث کی توجہ فقہ کی طرف

ان علمائے حدیث میں جن کا یہاں ذکر ہو رہا ہے (عبدالرحمن بن مہدی، یحییٰ بن سعید قطان، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، مسدد، ہنّاد، احمد بن حنبل، احمد بن راہویہ، فضل بن دکین اور علی بن مدینی اور ان ہی کے ہم پلہ کچھ اور بزرگوں کے اسمائے گرامی نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا طبقہ طبقات محدثین کا سرعنوان ہے، ان میں سے

(۱) اتصال کا مطلب یہ ہے کہ سند حدیث میں تمام راویوں کا نام مذکور ہو، اور ”انقطاع“ مطلب یہ ہے کہ کوئی روایت چھوٹ گئی ہو۔

وہ جو تحقیق و تدبر کی اونچی صلاحیتوں سے بھی سرفراز تھے، فنِ روایت کو جب باقاعدہ حاصل اور مستحکم کر چکے اور مراتبِ حدیث کی پوری واقفیت بھی انہوں نے بہم پہنچائی تو فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، یہاں ان کے لیے یہ قابل قبول نہ ہو سکا کہ فقہ کے پچھلے ائمہ میں سے کسی خاص شخص کی تقلید پر اتفاق کر لینا چاہیے، جب کہ وہ اپنی آنکھوں سے ایسی احادیث اور آثار دیکھ رہے تھے جو گرد و پیش پھیلے ہوئے تمام فتنی مذاہب کے (کتنے ہی مسائل میں) صریح مخالف تھے، اس لیے انہوں نے احادیثِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؓ اور اقوالِ مجتہدینؓ، سب پر تحقیق و تجسس کی نگاہ ڈالنی شروع کی (تا کہ ہر مسئلہ میں شرع کا صحیح حکم معلوم ہو سکے) اس کے لیے ان کے ذہنوں میں کچھ پختہ اصول متعین تھے، ہم اس موقع پر ان اصولوں کا ایک اجمالی تذکرہ کیے دیتے ہیں۔

نئے اصولِ فقہ

مسائل کے بارے میں ان کا دستور یہ تھا:-

(الف) اگر کسی مسئلہ میں قرآن کچھ (صراحت کے ساتھ) کہہ رہا ہے تو اس وقت کسی اور شے کی طرف متوجہ ہونا جائز نہیں۔

(ب) اگر فرمودہ قرآنی (اپنے مفہوم میں بالکل واضح اور صریح نہ ہو بلکہ مختلف پہلوؤں کا احتمال رکھتا ہو تو حدیثِ نبویؐ کو کسی ایک پہلو کی تعین کے لیے حکم بنایا جائے گا۔

(ج) جب کسی مسئلہ کے متعلق قرآن بالکل خاموش ہو تو اس وقت حدیثِ رسولؐ کو اختیار کرنا چاہیے، خواہ یہ حدیث مشہور ہو اور فقہاء کے درمیان قبول عام کا مقام رکھتی ہو یا اس کے برعکس اس کی شہرت اور اس سے واقفیت کا دائرہ کسی ایک شہر یا ایک خاندان یا ایک سلسلہٴ روایت تک محدود ہو، چاہے اس پر صحابہؓ اور فقہاء نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو، غرض جب کوئی حدیث موجود ہوتی تو اس کے سامنے اس کے مخالف کسی اثر یا کسی اجتہاد کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی۔

(د) پھر جب کسی مسئلہ کے متعلق یہ لوگ انتہائی جستجو کے باوجود کوئی حدیث بھی نہ پاتے تو صحابہؓ اور تابعینؓ کی کسی ایک جماعت کے اقوال کو لے لیتے (لیکن یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ) اس بارے میں ان لوگوں کا دستور پہلے کے ائمہ فقہ کا سا نہ تھا کہ دوسرے تمام صحابہؓ و تابعینؓ کو چھوڑ کر۔ حال میں اور ہر مسئلہ میں بس کسی ایک مخصوص جماعت یا کسی خاص شہر کے اہل

علم ہی کے اقوال کو لیا کریں، بخلاف اس کے ان کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں وہ جمہور فقہاء اور تمام خلفائے راشدین کو ایک رائے پر متفق پاتے تو اس رائے کو بلاچوں و چرا تسلیم کر لیتے، اور اگر ان میں باہم دیگر اختلاف نظر آتا تو اس صورت میں اس شخص کی رائے کو ترجیح دیتے جو علم، خدا ترسی اور ضبط احادیث کے لحاظ سے سب میں اونچا ہوتا، یا پھر ان اقوال میں سے اس قول کو اختیار کرتے جو زیادہ مشہور ہوتا، اور اگر کوئی مسئلہ ایسا پاتے جس میں ہر حیثیت سے دو برابر کے قول ہوتے تو وہ ان کے نزدیک دو قولوں والا مسئلہ کہلاتا (اور ہر قول یکساں قابل اتباع ہوتا)

(۵) لیکن جب اس طرف سے بھی ان کی نگاہ جستجو نا کام واپس ہوتی (اور صحابہ و تابعین کے اقوال میں بھی ان کو کسی مسئلہ کا جواب نہ ملتا) تو آیتوں اور صحیح حدیثوں کے عموم، ان کے اشارات اور ان کے مقصدیات میں غور کرتے اور مسئلہ کے نظائر کو سامنے رکھ کر اس کا جواب معلوم کرتے، بشرطیکہ مسئلہ اور نظیر مسئلہ میں واضح مشابہت نظر آتی، اس باب میں وہ کچھ گنگے بندھے اصولوں کی غلامی نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کا سارا انحصار اور اعتماؤ محض اپنی فہم اور طمانیت قلب پر ہوتا تھا، جس طرح کسی حدیث کے متواتر ہونے کا فیصلہ کرنے والی چیز راویوں کی کوئی تعداد اور ان کی عدالت کی نوعیت نہیں ہے بلکہ اس حدیث کو بالکل سچ مان لینے کا وہ یقین ہے جو سامعین کے دلوں میں اس حدیث (کو اس کے تمام سلسلوں کے مان لینے) کے بعد آپ سے آپ پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحابہ کے احوال بیان کرتے وقت ہم بتا چکے ہیں۔

ان اصولوں کا مآخذ

علمائے حدیث کے یہ اصول و قواعد، جن کا اوپر ذکر ہوا، سلف کے طریق فکر و عمل اور ان کی واضح تصریحات سے ماخوذ تھے، سلف کا یہ طریقہ کیا تھا؟ اسے میمون بن مہران کی زبانی سنئے:-
 ”جب کوئی شخص حضرت ابو بکرؓ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتا تو فیصلہ کے لیے قرآن کو بنظر مائر دیکھتے، اگر وہاں کوئی ہدایت موجود ملتی تو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر ایسا نہ ہوتا اور اس معاملہ کے متعلق کوئی حدیث ان کے اپنے علم میں ہوتی تو اس حدیث کو اپنے فیصلہ کی بنیاد قرار دیتے، لیکن جب اپنا ذخیرہ احادیث بھی اس معاملہ میں رہنمائی کرنے سے انکار کر دیتا تو اس وقت آپ باہر تشریف لاتے اور

عام مسلمانوں سے پوچھتے ”میرے سامنے فلاں معاملہ پیش ہوا ہے کیا تم میں سے کسی کو اس طرح کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟“ ایسے موقعوں پر بالعموم آپ کے ارد گرد لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو جاتی اور ہر شخص اپنے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بیان کر دیتا، جس کو سن کر حضرت صدیق اکبر فرماتے کہ ”خدا کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے ہمارے اندر ایسے افراد پیدا کیے ہیں جو ہمارے پیغمبر کے ارشادات محفوظ رکھے ہوئے ہیں“ لیکن اگر کبھی اپنی امکانی کوششیں صرف کرنے کے بعد بھی حضرت موصوف کو کوئی حدیث نہ ملتی تو پھر آپ سر بر آوردہ اور بہترین دل و دماغ رکھنے والے افراد ملت کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ سب کسی رائے پر اتفاق کر لیتے تو اسی کے مطابق اپنا فیصلہ صادر فرماتے۔“

اسی طرح حضرت عمرؓ کے متعلق قاضی شریح کی روایت ہے کہ:-

”انہوں نے (یعنی حضرت عمرؓ نے) ان کے پاس (یعنی قاضی شریح کے پاس) فرمان بھیجا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم اللہ کی کتاب میں موجود ہو تو اسی کے مطابق فیصلہ کرنا، خبردار! زید و بکر کی رائیں اس کی طرف سے تمہاری توجہ نہ ہٹائیں، اور اگر کوئی ایسا معاملہ تمہاری عدالت میں پیش ہو جس کے بارے میں کتاب الہی کوئی حکم نہ دے رہی ہو تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو اور اس کی رہنمائی میں فیصلہ کرو، لیکن اگر کسی معاملہ میں نہ کتاب الہی کا کوئی حکم موجود ہو، نہ ہی سنت کا، تو پھر یہ دیکھو کہ جمہور کا اتفاق اس قسم کے معاملہ میں کس چیز پر ہے۔ (اگر کوئی متفق علیہ رائے مل جائے تو) اسی کو اپنے فیصلہ کے لیے اختیار کر لو اور اگر یہ صورت پیش آجائے کہ کتاب الہی میں بھی معاملہ کا کوئی فیصلہ نہ ملے، سنت نبویؐ بھی خاموش ہو، اور اس بارے میں اپنے کسی پیشرو کا کوئی قول بھی تم کو نہ دستیاب ہو سکے تو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرو، اگر چاہو کہ اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فوراً معاملہ کا فیصلہ سنا دو تو ایسا بھی کر سکتے اور اگر چاہو کہ (اجتہاد کے بعد

فیصلہ نافذ کرنے میں) تاخیر اور مزید غور و فکر سے کام لو تو اس کی بھی اجازت ہے (لیکن جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے) میں دوسری ہی راہ کو تمہارے حق میں بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:-

ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے جب کہ ہم معاملات کا فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس کے اہل (۱) تھے، لیکن اب مشیت ایزدی نے ہم کو اس جگہ لا کھڑا کیا ہے جہاں ہم کو دیکھ رہے ہو، تو سنو! آج کے بعد جس کسی کے سامنے کوئی معاملہ پیش ہو اس کو چاہیے کہ اس کا فیصلہ کتاب الہی کے مطابق کرے، اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کے متعلق کتاب الہی میں حکم مذکور نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر نظر کرے اور ان ہی کے بموجب فیصلہ دے لیکن جب کوئی ایسا معاملہ سامنے آئے جس کے بارے میں نہ تو کتاب الہی کچھ کہہ رہی ہو نہ ہی رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد معلوم ہو تو علمائے صالحین کے فیصلے کو اختیار کرے اور اس سلسلہ میں یہ نہ کہے کہ ”میں ڈرتا (۲) ہوں، اور میری رائے یہ ہے“ کیونکہ حرام اپنی جگہ واضح ہے اور حلال بھی واضح ہے اور کچھ چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں جن کی حلت اور حرمت واضح نہیں، سو (ان چیزوں کے حلال یا حرام قرار دینے میں یہ اصول سامنے رکھو کہ) جو چیز دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو اور جو ایسی نہ ہو اس کو اختیار کر لو۔

حضرت ابن عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو حکم قرآنی کے مطابق اس کا جواب بتا دیتے، اور اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملتا اور سنت رسولؐ میں مل جاتا تو وہ سنا دیتے اور جب ان دونوں کو خاموش پاتے تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو سامنے رکھ کر جواب دیتے، لیکن جب یہاں سے بھی کوئی چیز نہ ملتی تو بطور خود اجتہاد کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کرتے، ان ہی حضرت ابن عباسؓ نے (ایک موقع پر) لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں تنبیہ کی:-

- (۱) اس زمانے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خلفائے راشدین کا زمانہ ہے۔
(۲) مطلب یہ ہے کہ جب قرآن یا سنت یا اجماع صالحین سے کسی مسئلہ کا حکم معلوم ہو جائے تو خواہ مخواہ اس کے بیان کرنے میں تنہج سے کام نہ لینا چاہیے۔

”کیا تمہیں یہ کہتے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا یہ ہے کہ فلاں شخص کا کہنا یہ ہے کہ اس امر کا خوف نہیں آتا کہ تم پر عذاب آدھسکے یا تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے؟“ (۱)

حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ ”ابن سیرینؒ نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائی تو اس نے کہا کہ ”اس مسئلہ کے متعلق فلاں شخص یہ کہتا ہے؟“ ابن سیرینؒ نے جواب دیا کہ ”میں تجھ کو رسول کریم ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ فلاں کا قول یہ ہے۔“

امام ابو زانیؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمان صادر کیا تھا کہ ”کتاب اللہ کے حکم کے سامنے کسی شخص کی رائے کا کوئی وزن نہیں، ائمہ مجتہدین کی رائے صرف اس مسئلہ میں قابل لحاظ ہے جس کے متعلق نہ تو خدا کی کتاب میں کوئی حکم نازل ہوا ہو اور نہ ہی کوئی ارشاد نبوی وارد ہوا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سنت مقرر فرمادی ہو، اس میں کسی شخص کی رائے بالکل گمراہی کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔“

ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ابراہیم نخعیؒ تنہا مقتدی کو امام کے ہائیں جانب کھڑے ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ میں نے ان کو سبع زیات کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت سنائی کہ (جب ایک بار نماز تہجد میں دو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہائیں طرف کھڑے ہو گئے تھے تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہاں سے ہٹا کر دائیں طرف کھڑا کر لیا، ابراہیم نخعیؒ نے یہ روایت سن کر اپنے خیال سے رجوع کر لیا۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ ”امام شعبیؒ کے پاس کوئی آدمی ایک مسئلہ پوچھنے آیا، امام موصوف نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے یہ ہے۔“ اس نے کہا ”آپ اپنی رائے بتائیے،“ یہ سن کر امام شعبیؒ نے فرمایا ”لوگو! کیا تمہیں اس شخص پر حیرت نہیں ہوتی؟ میں نے تو اس کو ابن مسعودؓ کا فتویٰ بتا دیا اور یہ ہے کہ میری رائے پوچھ رہا ہے! میں تو جواب کے اس طریقہ کو اپنی ذاتی رائے کے اظہار سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں، خدا کی قسم میری زبان سے کسی گیت (۲) کا نکلنا

(۱) یعنی قول رسول کے مقابلہ میں کسی اور کا قول پیش کرنا موجب بلاکت ہے۔

(۲) گیت نکلنے سے مراد یہ ہے کہ زبان سے کوئی گناہ کی بات نکل جائے۔

مجھے پسند ہے مگر یہ پسند نہیں کہ (ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے فتوے کے مقابلہ میں) اس سے اپنی کسی رائے کا اظہار کرو۔

ان تمام آٹھار کو دارمی نے نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام ترمذیؒ نے ابوسائب کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ”ہم لوگ وکیع کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے ایک شخص سے، جو رائے سے کام لینے کے حق میں تھا، فرمایا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار (۱) کیا ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اشعار مثلاً ہے۔“ اس شخص نے جواب دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے اشعار کو مثلاً قرار دیا ہے“ میں نے دیکھا کہ یہ الفاظ سننے ہی وکیع غصہ سے بیتاب ہو گئے اور فرمایا، میں تجھ سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ اور تو اس کے مقابلہ میں ابراہیم نخعیؒ کا قول سن رہا ہے، یقیناً تو اس قابل ہے کہ قید میں ڈال دیا جائے اور اس وقت تک باہر نہ نکالا جائے جب تک کہ اپنے اس قول سے رجوع نہ کر لے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس، عطاء، مجاہد اور مالک بن انس رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ ”کوئی شخص ایسا نہیں ہے (جس کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لی جائے اور) جس کی کچھ باتیں قابل تسلیم اور کچھ قابل رد نہ ہوں، بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔“

اس طریق فقہ کی کامیابی

(غرض سلف صالحین کے یہ اُسوے تھے جن کو سامنے رکھ کر علمائے حدیث نے استنباط مسائل کے مذکورہ بالا قواعد کا تعین کیا) پھر جب انہوں نے اصول فقہ کو ان جدید بنیادوں پر مرتب کر کے مسائل پر نظر ڈالی تو ان مسائل میں سے، جن پر پہلے گفتگو ہو چکی تھی یا جواب ان کے سامنے پیش آرہے تھے، کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی نہ کوئی حدیث انہیں نہ مل گئی ہو، خواہ وہ مرفوع اور متصل ہو، خواہ مرسل، خواہ موقوف، صحیح ہو، خواہ حسن (۲)، خواہ (کسی اور طرح کے) قابل اعتبار یا (اگر کوئی حدیث نہ مل سکی ہو تو) ”شعین (ابوبکر و عمرؓ) یا دوسرے خلفائے راشدین، یا

(۱) ”اشعار“ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے اونٹ کی کوہان دائیں طرف سے کسی ہاردار آلہ کے ذریعہ اس طرح زخمی کر دی جائے کہ وہ خون میں لٹ پٹ ہو جائے۔

(۲) ”حسن“ فقہ حدیث کی اصطلاح میں اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو، شذوذ اور علت سے محفوظ ہو، لیکن اس کے راوی اسی درجہ کے نہ ہو۔

فقہاء وقضاة اسلام کے اقوال میں سے کوئی نہ کوئی قول نہ مل گیا ہو، یا (کوئی حدیث اور اثر نہ ملنے کی شکل میں نصوص کتاب و سنت کے) عموم، اشادات اور مقتضیات سے انہوں نے خود استنباط نہ کر لیا ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حقیقی اتباع سنت کی شاہراہ باز کردی، ان علماء میں کمال کی بلندی، احادیث کی زیادتی، فقیہانہ بصیرت اور مراتب حدیث کی واقفیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ نمایاں امام احمد بن حنبل ہیں اور ان کے بعد اسحاق بن راہویہ۔

فقہ کا یہ طریقہ کوئی آسان طریقہ نہیں ہے بلکہ اس طرز پر مسائل شرعیہ میں رائے قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے پاس احادیث اور آثار کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا ہو، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے جب پوچھا گیا کہ کیا ایک لاکھ حدیثوں کا علم ایک شخص کے مفتی بننے کے لیے کافی ہے؟ تو آپ نے فرمایا ”نہیں“ (پوچھنے والا اس تعداد کو برابر بڑھاتا رہا) یہاں تک کہ جب پانچ لاکھ تک یہ تعداد پہنچ گئی تب جا کر امام موصوف نے کہا کہ ”ہاں اب توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ مفتی بن سکے گا“ (غایہ انتہی) یہاں مفتی بننے سے امام احمد بن حنبلؒ کی مراد اسی طرز پر فتویٰ دینے کی تھی جس کا ذکر ہم اس وقت کر رہے ہیں۔

تنقیح احادیث کا دور

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور گروہ پیدا کیا، اس گروہ نے جب دیکھا کہ پچھلوں نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے اور مذکورہ بالا اصل پر فقہ کی بنیادیں استوار کرنے کے فرض کی ادائیگی سے بے نیاز کر دیا ہے تو وہ فن حدیث سے تعلق رکھنے والے دوسرے کاموں کے لیے یک سو ہو گیا۔ مثلاً روایت کے ذخیرہ میں سے ان حدیثوں کو چھان پھٹک کر الگ کرنا جن کی صحت پر یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید قطان، احمد بن حنبل اور علی بن راہویہ وغیرہ اکابر اہل حدیث کا اتفاق ہو، یا ان احادیث فقہ کو جن کو جمع کرنا جن پر فقہاء اور علماء نے اپنے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے، یا ان شاذ (۱) اور غریب قسم کی روایتوں میں سے جو پچھلوں کے دائرہ نقل و زبان میں نہیں آسکی تھیں، ہر ایک حدیث کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ وہ کس پایہ کی ہے یا ان سندوں کا کھوج لگانا جن کے واسطے

(۱) ”شاذ“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند اگرچہ متصل ہو اور جسکے راوی معتبر ہوں مگر وہ صرف ایک طریقہ سے مروی ہو اور کسی نہ کسی صحیح اور مضبوط حدیث کے مخالف واقع ہو۔

سے پہلے جامعین حدیث نے حدیثیں نہ پائی ہوں لیکن ان میں کوئی نہ کوئی فنی اہمیت موجود ہو مثلاً یہ کہ اسناد متصل ہوں (جب کہ پہلے اس طرح کی کوئی سند نہ مل سکی ہو) یا یہ سند زیادہ عالی مرتبت ہو یا اس کے اندر فقیہ راوی، فقیہ راوی سے یا حافظ حدیث راوی، حافظ حدیث راوی سے روایت بیان کر رہا ہو۔

یہ مقدس گروہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبد بن حمید، دارمی، ابن ماجہ، ابویعلیٰ، ترمذی، نسائی، دارقطنی، حاکم، بیہقی، خطیب، دیلمی اور ابن عبد البر وغیرہ! اساطین علم پر مشتمل ہے جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے علم کی وسعت تصانیف کی افادیت اور عام شہرت کے لحاظ سے ان میں سے چار حضرات اس گروہ کے گل سرسبد ہیں، جو قریب قریب ہم عصر بھی ہیں (ہم یہاں ان کا اور ان کی بعض ممتاز خصوصیات کا مختصر تذکرہ کیے دیتے ہیں)

امام بخاریؒ

ان میں سب سے پہلے شخص ابو عبد اللہ بخاریؒ ہیں، احادیث کے بارے میں ان کا زاویہ نگاہ یہ تھا کہ جو حدیثیں متصل، مشہور اور صحیح ہوں ان کو دوسری احادیث سے چھانٹ کر الگ کر لیا جائے اور ان ہی کو فقہ، سیرت اور تفسیر کا اصل سرچشمہ قرار دے کر ان سے مسائل کا استنباط کیا جائے اس مقصد کو سامنے رکھ کر انھوں نے اپنی کتاب ”جامع صحیح بخاری“ مرتب کی، اور ان ہی شرائط کے مطابق مرتب کی جن کو پہلے سے انھوں نے متعین کیا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرد بزرگ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ میری کتاب کو چھوڑ کر محمد بن ادریسؒ (یعنی امام شافعیؒ) کی فقہ میں مشغول ہو! عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا ”صحیح بخاری“

بخاریؒ اس کتاب نے جو کمال شہرت اور حسن قبول حاصل کیا اس سے اوپر کسی شہرت اور مقبولیت کی آرزو بھی نہیں کی جاسکتی۔

امام مسلمؒ

دوسرے شخص مسلم نیشاپوریؒ ہیں، ان کا طبع نظر یہ تھا کہ ان متصل اور سرفوح حدیثوں کا

انتخاب کیا جائے جن کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہو اور جن سے سنت رسول کی صحیح نشاندہی ہوتی ہو، ساتھ ہی انھوں نے یہ عزم بھی کیا کہ ان احادیث کو اس انداز سے مرتب کیا جائے جس سے عام دماغوں کے لیے ان کا سمجھ لینا آسان ہو جائے اور ان سے مسائل نکالنے میں زحمت کم سے کم ہو، الحمد للہ کہ (ان عزائم میں وہ پوری طرح کامیاب رہے اور ان مقاصد کے لحاظ سے) انہوں نے اپنی کتاب کو بہترین ترتیب کے ساتھ مرتب کیا، یعنی ہر حدیث کی تمام سندیں ایک ہی جگہ جمع کر دیں تاکہ ایک ہی حدیث کے مختلف متنوں کا اختلاف پوری طرح روشنی میں آجائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کی مختلف سندیں کس طرح ایک ہی جڑ سے شاخ در شاخ ہوئی ہیں پھر جو حدیثیں بظاہر ایک دوسرے کی مخالف تھیں ان میں تطبیق بھی دیدی، اس طرح اپنی ان مبارک کوششوں کے ذریعہ امام مسلمؒ نے کسی ایسے شخص کے لیے جو زبان عربی سے واقفیت رکھتا ہو، سنت کی شاہراہ چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کا عذر باقی نہیں رہنے دیا۔

امام ابو داؤدؒ

تیسرے بزرگ امام ابو داؤد جہستانیؒ ہیں، جن کے سامنے یہ مقصد تھا کہ ان حدیثوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے جو فقہاء کا مدارِ حجت ہیں اور ان میں زیادہ مشہور ہیں، اور جن پر عام علماء نے احکام کی بنیاد رکھی ہے، اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے اپنی کتاب مرتب کی اور اس میں صحیح اور حسن حدیثوں کے ساتھ ساتھ ایسی ضعیف حدیثیں بھی جمع کی ہیں جو کمزور ہونے کے باوجود قابلِ عمل تھیں، چنانچہ امام مذکور خود فرماتے ہیں کہ ”میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی ہے جو تمام علماء حدیث کے نزدیک قابلِ ترک ہو“۔ پھر جمع حدیث کے ساتھ ساتھ، آپ نے ضعیف روایتوں کے ضعف کی تصریح بھی کر دی ہے، اور جن روایتوں میں کوئی علت (۱) تھی اس کے بیان میں ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ فن حدیث میں نظر رکھنے والا اس کو اپنی نگاہِ تعمق سے ضرور ہی بھانپ لے اور (سب سے بڑی بات یہ کہ) ہر حدیث بیان کرنے سے پہلے انہوں نے کسی ایک ایسے مسئلہ فقہی کو بطور عنوان ضرور درج کر دیا ہے جس کو کسی نہ کسی عالم نے اس حدیث سے

(۱) ”علت“ حدیث کے متن یا اس کی سند کے اس پوشیدہ نقص کو کہتے ہیں جو نگاہِ تحقیق کی گرفت میں بمشکل آئے۔

مستہبط کیا ہوا اور جو کسی نہ کسی کا مذہب ہو یہی وجہ ہے کہ امام غزالی وغیرہ کے اس خیال کی کہ ”ابوداؤد“ کی کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے۔“

امام ترمذی

چوتھے بزرگ ابویسی ترمذی ہیں، جن کے متعلق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک طرف تو روایتوں کی توضیح میں امام بخاری اور امام مسلم کے طریقہ کو پسند کیا تھا، دوسری طرف فقہاء اور علماء کے مذاہب جمع کرنے میں امام ابوداؤد کی روش کے گرویدہ تھے، اس لیے انہوں نے اپنی کتاب کی تالیف میں ان دونوں ہی خوبیوں کو سمیٹ لیا، مزید برآں یہ بھی کیا کہ صحابہ اور تابعین اور دوسرے علماء امت کے مذاہب بھی بیان کر دیے، اس طرح ایک ایسی جامع تصنیف تیار کی جس میں نہایت خوبی کے ساتھ حدیث کی مختلف سندوں کا اس طور پر اختصار کیا گیا ہے کہ ایک سند تو ذکر کر دی ہے اور باقی کی طرف اشارے کر دیے ہیں۔

ہر حدیث کے متعلق اس کے صحیح یا حسن، یا ضعیف، یا منکر (۱) ہونے کی نیز ضعیف روایتوں کے سبب ضعف کی وضاحت بھی کر دی ہے تاکہ طالب فن کو پوری بصیرت حاصل ہوتی رہے، اور وہ معتبر و غیر معتبر احادیث میں امتیاز کر سکے۔

ہر حدیث کے بارے میں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ وہ مشہور ہے یا غریب۔ صحابہ اور فقہائے اسلام کے مذاہب بھی نقل کرتے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں حسب ضرورت اگر کسی کا نام تحریر کیا ہے تو کسی کی کنیت بیان کی ہے۔

غرض فن حدیث کے طالبانِ باہمت کے لیے کوئی حجاب اس کتاب میں باقی نہیں رہنے پایا ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ”وہ مجتہد کے لیے کفایت اور مقلد کے لیے بس کرتی ہے۔“

(۱) ”منکر“ اس ضعیف حدیث کو کہتے ہیں جو کسی حدیث صحیح یا حسن کی مخالف ہو۔

اہل الرائے

اجتہاد رائے کا رجحان

ان لوگوں کے مقابلہ میں (جن کا ذکر اوپر گزرا اور جن کو اہل الحدیث کہا جاتا ہے) ایک دوسرا گروہ ہے جس کا تعلق امام مالکؒ اور سفیانؒ ثوری کے عہد، اور اس کے بعد کے زمانوں سے ہے۔ یہ لوگ نہ (فرضی) مسائل پر سوال و جواب کو برا سمجھتے تھے نہ فتویٰ دینے میں کوئی ڈر (اور بچپنچا ہٹ) محسوس کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ فقہ ہی پر دین کی بنیاد ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کو وسیع پیمانہ پر لوگوں تک پہنچایا جائے، لیکن حدیثیں بیان کرنے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے سے یہ لوگ بہت ڈرتے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

”کسی حدیث کا (بجائے رسول اللہ کے) صحابہ تک پہنچ کر رہ جانا ہمیں زیادہ پسند ہے، تا کہ اگر اس کے الفاظ میں کوئی کمی بیشی ہوگئی ہو تو وہ دوسروں ہی کی طرف منسوب ہو کر رہ جائے (اور ذات نبویؐ کی طرف اس کے منسوب کر دینے کے گناہ سے انسان بچ جائے)۔“

ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ:-

”مجھ کو (احادیث رسولؐ سنانے کے بجائے) یہ کہنا زیادہ پسند ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ فرمایا ہے، علقمہؓ نے یہ کہا ہے۔“

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو

ان کا چہرہ (روایت حدیث کی بھاری ذمہ داریوں کی ہیبت سے متغیر ہو جاتا اور (سہم سہم کر) فرماتے:-

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے) ایسا ہی (فرمایا ہے) یا اسی کے قریب قریب۔
ایسا ہی (فرمایا ہے) یا اسی کے قریب قریب۔“

حضرت عمرؓ نے جب انصار کا ایک وفد کو فہم بھجوا تو اسے ہدایت کی کہ:-

”تم کو فہم چاہے ہو، جہاں تم ایسے (با خدا) لوگوں سے ملو گے جو قرآن پڑھ کر رو پڑتے ہیں، یہ لوگ تمہارے پاس آ کر کہیں گے کہ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی آئے، محمدؐ کے ساتھی آئے!“ غرض وہ تمہارے پاس آ کر تم سے حدیثیں سننی چاہیں گے تو تم حتی الوسع کم سے کم حدیثیں بیان کرنا۔“

ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ”جب امام شافعیؒ کے پاس کوئی مسئلہ آتا تو وہ اس کا جواب دینے سے پہلو تہی کرتے، ان کے بالمقابل ابراہیم نخعیؒ کا دستور یہ تھا کہ مسائل کا جواب دینے میں ان کی زبان خاموش ہونا جاتی ہی نہ تھی۔“
ان تمام آثار کو امام دارمیؒ نے نقل کیا ہے۔

ظہور تخریج کے اسباب

(اس اختلاف نظر کی وجہ سے) حدیث اور فقہ اور مسائل کی وہ تدوین، (جو پہلے لوگوں کے ہاتھوں سرانجام پا چکی تھی) ان لوگوں کے جس طرح کام آئی اس کی نوعیت جدا گانہ تھی (اور یہ لوگ اس سے وہ فائدہ حاصل نہ کر سکے جو گروہ اوّل یعنی علمائے حدیث نے حاصل کیا تھا) جس کی تفصیل اور جس کی وجہ یہ ہیں:-

ان کے پاس احادیث و آثار کا وہ ذخیرہ عظیم نہ تھا جس کے ذریعہ وہ اہل الحدیث کے اختیار کیے ہوئے اصول پر مسائل فقہ کا استنباط کر سکتے۔

ان کے سینے اس بات کے لیے کھل نہ سکتے تھے کہ (مختلف الخیال) علمائے سلف کے اقوال کو گہری نگاہ سے دیکھتے، ان کو جمع کرتے اور ان پر بحثیں کرتے (اور اس کے بعد مسلک حق کا انتخاب کرتے، بلکہ اس کے برعکس) انھوں نے اس بارے میں وہ طریقہ اختیار کیا جس سے

اجہات کا ہدف بن گئے یعنی انہوں نے صرف اپنے ائمہ کو لے لیا اور ان کے متعلق دلوں میں یہ نقش عقیدت بٹھا لیا کہ انہیں تحقیق کا بلند ترین مقام حاصل تھا (مختصر یہ کہ) ان لوگوں کے دل اپنے شیوخ کی طرف اتنا کئی حد تک جھک گئے تھے، چنانچہ علقمہؒ نے کھلے بندوں فرمایا:-
 ”کیا کوئی صحابی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ پختہ نظر رکھتا ہے؟“

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ

”ابراہیم، سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحبت رسولؐ کی فضیلت کا سوال نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ (تابعی) ابن عمرؓ (صحابی) سے بڑے فقیہ ہیں۔“
 ان لوگوں کو قدرت کی طرف سے ایسی ذہانت اور زود فہمی عطا ہوئی تھی اور ان کا ذہن ایک بات سے دوسری بات کی طرف بسرعت منتقل ہونے کا اتنا ملکہ رکھتا تھا کہ وہ اپنے شیوخ کے اقوال پر جواب مسئلہ کی باسانی ”تخریج کر سکتے تھے۔“

حق یہ ہے کہ جس کام کے لیے جو پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اسی کام کی راہ آسان بھی کی جاتی ہے، اور ہر گروہ اپنے ہی سرمایہ فکر و نظر میں مگن رہتا ہے، الغرض یہ اسباب تھے جن کی بنا پر ان حضرات نے تخریج کو اپنی فقہ کی عمارت کا سنگ بنیاد قرار دے دیا۔
 تخریج کیا ہے؟

تخریج کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی اس صاحب علم کی تصنیف اپنے حافظہ میں منتقل کرے جو اس کے شیوخ و اساتذہ کی بہترین و کالت کرنے والا، ان کے اقوال سے سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والا اور ان کے مختلف اقوال میں سے (ایک کو دوسرے پر) ترجیح دینے میں سب سے بڑھ کر فکر صاحب رکھنے والا ہو، پھر ہر مسئلہ میں حکم کو بات پر غور کرے اور جب کوئی بات اس سے پوچھی جائے یا خود اس کو کسی امر میں حکم شریعت معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اپنے شیوخ کے اقوال کے اس ذخیرہ پر، جس کو اس نے اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا ہے، نگاہ ڈالے، اس سے مسئلہ جواب صریح طور پر مل جائے تو خیر، ورنہ ان اقوال صریحہ کے عموم کو دیکھے اور مسئلہ زیر بحث کو کہیں نہ کہیں اس عموم کے دائرے میں لے لے، یا ان کے کسی قول کے کسی ضمنی اشارہ پر اپنی نظریں جما دے اور اس سے مسئلہ کا جواب مستنبط کرے، چنانچہ یہ اپنی جگہ ایک حقیقت بھی ہے کہ بعض اوقات

ایک کلام اپنے اندر ایسا اشارہ یا اقتضار رکھتا ہے جس سے مسئلہ زیر غور کی گرہ کھل جاتی ہے، کبھی ایک شے اس مسئلہ کی جس کی تصریح اس کے اپنے شیوخ کے اقوال میں ہوتی ہے، نظیر ہوتی ہے، اس لیے اس کو اس پر محمول کر دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی علت کا سراغ لگاتے ہیں (جو اقوال شیوخ میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہوتا بلکہ) جس کی تصریح تخریج یا ”سبز“ (۱) یا حذف سے ہوئی ہوتی ہے اور (اشتراک علت کو دیکھتے ہوئے) اس مسئلہ پر بھی وہی حکم لگا دیتے ہیں جس کی تصریح (ابھی تک کے مجموعہ اقوال و فتاویٰ میں) نہیں ہوئی ہوتی (گویا تخریج در تخریج کی جاتی ہے) بعض اوقات اس مسئلہ مصرحہ کے متعلق اس طرح کی دو تقریریں ہوتی ہیں کہ اگر وہ دونوں قیاس (۲) اقترانی یا قیاس شرطی (۳) کے طور پر ایک مرکز پر جمع ہو جائیں تو اس سے جو نتیجہ برآمد ہو، وہی اس مسئلہ کا جواب ہو جائے۔ پھر کبھی صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ایک بات، شیوخ کے فرمودات میں، مثال کی حیثیت سے اور تصنیفی تقسیم کے اعتبار سے تو بالکل بے نقاب ہوتی ہے مگر بلحاظ تعریف ایسی تعریف جو جامع بھی ہو اور مانع بھی، وہ نامعلوم اور غیر متعین ہوتی ہے تو اس شکل میں وہ اہل زبان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پوری کاوش سے اس امر کی ذاتیات (۴) معلوم کرتے ہیں، اس کی جامع اور مانع تعریف معین کرتے ہیں، اس کے مبہم حصوں کو واضح اور اس کے متشابہ پہلوؤں کو تمیز کرتے ہیں، کبھی شیوخ کا کوئی قول دو صورتوں کا احتمال رکھتا ہے تو یہ اہل تخریج غور کر کے ایک صورت کو ترجیح دیتے ہیں، کبھی مسائل اور ان کے

(۱) ”سبز“ تخریج کی طرح ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل کے تمام اوصاف کو اس فرع کے سامنے جس پر اصل کو قیاس کیا جا رہا ہے، رکھ کر دیکھا جائے اور اس وصف کو لے کر جو اصل اور فرع میں مشترک طور پر موجود ہے، باقی سے صرف نظر کر لیا جائے تاکہ حکم کی علت متعین ہو جائے۔

(۲) ”قیاس اقترانی“ علم منطق کی اصطلاح میں اس قیاس کو کہتے ہیں جس کے مقدمات کے بیان کے بعد ان مقدمات کا نفس نتیجہ یا اس کا نتیض مذکور ہو۔

(۳) ”قیاس شرطی“ ”قیاس اقترانی“ ہی کی ایک مخصوص قسم ہے، جس کے دونوں مقدمے شرطی ہوں، مقدمہ شرطی سے مراد وہ مقدمہ ہے جس میں کسی چیز کے لیے کسی دوسری چیز کے ثبوت یا اس کی نفی کا حکم لگایا گیا ہو۔

(۴) ”ذاتیات“ سے مراد کسی امر کے وہ بنیادی اوصاف ہیں جو اس کی حقیقت اور جوہریت سے تعلق رکھتے ہوں۔

دلائل میں جو تعلق ہوتا ہے، اس پر پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے تو یہ لوگ اپنی انگشت بحث و فکر سے اس پردہ کو ہٹا دیتے ہیں، بعض اہل تخریج نے اپنے امزہ کے (اقوال و تصریحات کے علاوہ ان کے) کسی کام کے کرنے یا کسی کام پر سکوت اختیار کرنے سے بھی استدلال کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

مجتہد فی المذہب

غرض یہ ہیں استنباط مسائل کے وہ طریقے جن کو تخریج کہا جاتا ہے اور جو مسئلہ اس طرح مستنبط کیا جاتا ہے اس کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ ”فلاں شخص کا تخریج کیا ہوا مسئلہ یہ ہے“ یا اس طرح کہ ”فلاں امام کے مذہب پر، یا فلاں کی قائم کردہ بنیاد کے لحاظ سے، یا فلاں کے قول کے مطابق مسئلہ کا جواب یہ ہے“ اور وہ لوگ (جو یہ تخریج کرتے ہیں) مجتہد فی المذہب کہے جاتے ہیں، اور یہ جو کسی نے کہا ہے کہ ”جس نے مبسوط یاد کر لی وہ مجتہد ہے“ یعنی اگرچہ وہ علم روایت سے بالکل بے بہرہ ہی کیوں نہ ہو اور ایک حدیث بھی نہ جانتا ہو، تو اس قول سے اس کی مراد و اصل اس اجتہاد سے ہے جس کی بنیاد اسی قاعدہ تخریج پر ہو۔

بعض مذاہب کے پھیلنے اور بعض کے مٹنے کے اسباب

یہ تخریج ہر مذہب میں ہوئی اور پورے زور شور سے ہوئی لیکن پھر ہوا یہ کہ جس مذہب کے اہل علم شہرت عام کے مالک تھے، قدرتنا قضا اور افتاء کے مناصب ان ہی کو سپرد کر دیئے گئے، جس کی وجہ سے ان کی تصنیفات عوام الناس میں مشہور ہو گئیں، اور ہر طرف لوگ ان کو پڑھنے پڑھانے لگے، اس طرح وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل نکلا اور برابر پھیلتا رہا، اس کے برعکس جس مذہب کے علمبردار گوشہ گمنامی میں پڑے رہے، اور نہ ان کے ہاتھوں میں قضا و افتاء کے عہدے آئے نہ عام لوگوں نے ان سے کسی گہری وابستگی کا اظہار کیا، وہ مذہب چند ہی دنوں بعد صفر ہستی سے ناپید ہو گیا۔

مسلكِ حق و راہِ اعتدال

حق کا درمیانی راستہ

حقیقت یہ ہے کہ استنباط کے مذکورہ بالا دونوں طریقوں، طریقِ تخریج اور طریقِ تتبع احادیث، میں سے ہر طریقہ اپنے لیے ایک مضبوط دینی بنیاد رکھتا ہے، اور علمائے محققین ہر زمانہ میں بیک وقت ان دونوں طریقوں کو اختیار کرتے رہے ہیں (فرق صرف تناسب میں ہوتا تھا یعنی) بعض نے طریقِ تخریج سے زیادہ کام لیا اور الفاظِ حدیث کے اتباع کا کم لحاظ کیا، اور بعض کا رجحان اتباعِ روایات کی طرف زیادہ اور طریقِ تخریج کی طرف کم رہا، پس یہ مناسب نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک طریقہ کو بالکل چھوڑ دیا جائے، جیسا کہ (بدقسمتی سے اہل الحدیث اور اہل فقہ) دونوں جماعتوں کے عام لوگوں کا شیوہ ہے، حق خالص یہ ہے کہ (ان دونوں طریقوں کو جمع کیا جائے) ان میں باہم مطابقت پیدا کی جائے اور ایک کے اندر جو نقص ہے، دوسرے کی مدد سے اس کی تلافی کی جائے، یہی مدعا ہے حضرت حسن بصریؒ کے اس ارشاد کا کہ:-

”اس خدا کی قسم، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمہارا راستہ غالی (حد سے تجاوز کرنے والے) اور جانی (حد واجب تک پہنچنے میں کوتاہی کرنے والے) دونوں کے درمیان ہونا چاہیے۔“

پس جو اہل حدیث ہیں، ان کو چاہیے کہ اپنے اختیار کیے ہوئے مسائل اور مذاہب کو عہدِ تابعین اور اس کے بعد کے ائمہ مجتہدین کی رایوں پر پیش کریں (اور ان کے تفقہ سے فائدہ

انہائیں) اور جو اہل تخریج ہیں ان کا فرض یہ ہے کہ احادیث کے ذخیرہ سے فکر و نظر کا وہ لگاؤ پیدا کریں جس کے ذریعہ وہ کسی صریح اور ثابت شدہ (حدیث) کی مخالفت سے بچ سکیں اور کسی ایسے مسئلہ میں جس سے متعلق کوئی حدیث یا اثر موجود ہو، رائے زنی نہ کر جائیں۔

اہل الحدیث کی افراط و تفریط

کسی محدث کو ان اصول و قواعد کے استعمال میں، جن کو ائمہ حدیث نے گواہی پورے اطمینان کے ساتھ وضع کیا ہے لیکن بہر حال ان کی قطعیت پر شارع کی کوئی نص موجود نہیں ہے، اتنا نلو اور تشدد نہ کرنا چاہیے کہ اس سے کسی حدیث کو (جو ان قواعد پر پوری نہ اترتی ہو) یا کسی قیاس صحیح کو ٹھکرا بیٹھے، مثال کے طور پر ہر اس حدیث کا انکار کر دینا جس کے مرسل یا منقطع ہونے کا معمولی شبہ بھی موجود ہو، جیسا کہ علامہ ابن حزم نے امام بخاری کی روایت کی ہوئی ”تحریم معارف“ (گائے بجانے کو حرام قرار دینے) والی حدیث کو رد کر دیا ہے، صرف اس بناء پر کہ اس کی سند میں انقطاع کا شبہ موجود ہے، حالانکہ یہ حدیث فی الواقع متصل اور صحیح ہے (اس لیے ایک ایسے شبہ کو جس کی واقعیت پر کوئی ثبوت موجود نہیں، اتنی اہمیت دینا کسی طرح مناسب نہیں ہو سکتا کہ حدیث کو بالکل ناقابل قبول ٹھیرا دیا جائے) اس قسم کے شکوک کو صرف اسی وقت درخور اعتناء سمجھا جانا چاہی جب کہ کوئی دوسری صحیح حدیث اس کے مخالف پڑتی ہو۔

یا محدثین کا یہ کہنا کہ ”فلاں راوی فلاں شخص کی روایات کا سب سے بڑا حافظ ہے“۔ اس بات کا ان کے طرز فکر و عمل پر اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہ اس راوی کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو دوسروں کی بیان کردہ حدیثوں پر لازماً ترجیح دے دیا کرتے ہیں، اگرچہ دوسرے راویوں میں (دیگر اعتبارات سے) ترجیح کے ہزاروں وجوہ پائے جاتے ہوں اور جب کہ (یہ بات بھی معلوم و مسلم ہے کہ) روایت (۱) بالعمنی کرتے وقت عام راویان حدیث کی نگاہیں معانی پر مرکوز رہا کرتی تھیں نہ کہ ادب و زبان کے ان نقطوں پر جو صرف ہال کی کھال نکالنے والے عربی دانوں کے جاننے پہچاننے کی چیزیں ہیں پس (ایسی حالت میں اس سب سے بڑے ”حافظ“ راوی کے ایک

(۱) ”روایت بالعمنی“ کا مطلب یہ ہے کہ ارشادات رسول کے الفاظ سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کے اصل مقصود کو اپنے گفتگوں میں ادراک دیا جائے۔ اکثر و بیشتر راویوں کا طریقہ روایت یہی تھا۔

ایک لفظ کو مد اور حجت بنانا اور) ”ف“ یا ”و“ وغیرہ جیسے حروف تک سے، یا کسی لفظ کی تقدیم و تاخیر سے استدلال کا رخ متعین کرنا، اور اسی طرح کی دوسری باتیں ان کے تکلف بے جا اور تشدد و تاروا کی آئینہ دار ہیں، (جن کو اصل مقصد روایت سے کوئی تعلق نہیں) ورنہ تم دیکھتے ہو کہ عموماً جب کوئی دوسرا راوی اسی روایت کو بیان کرتا ہے تو اس حرف کو چھوڑ کر (جس کو راوی اول نے استعمال کیا تھا) اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف لاتا ہے۔

اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ راوی جو کچھ بیان کرتا ہے، اس کے متعلق بظاہر یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ہاں اگر کوئی دوسری حدیث یا کوئی اور دلیل (اس کے خلاف) منظر عام پر آجائے تو ضروری ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

اہل الرائے کی افراط و تفریط

اسی طرح اہل تخریج کے لیے بھی یہ مناسب نہیں کہ وہ (اپنے ائمہ کے کلام کو کریہ کرید کر) کسی ایسے قول کی تخریج کریں جو اس کلام کی روح اور مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو اور اہل زبان و علمائے لغت کا عام اسلوب سخن فہمی اس قول کو اس کلام کا نتیجہ قرار دینے سے انکار کر رہا ہو، یعنی اس قول کی بنیاد (اصل اور فرع کی) جس علت مشترک کی تخریج پر رکھی گئی ہو یا اس کو جس مسئلہ کی نظیر مان کر اس پر محمول کیا گیا ہو (وہ متفق علیہ نہ ہو بلکہ ان کے علت مشترک ہونے یا نظیر مسئلہ ہونے میں) اور باب نظر اختلاف رکھتے ہوں، اور اسکے بارے میں ایک سے زائد رائیں پائی جاتی ہوں۔ پھر (اس تخریج کی صحت کے غیر یقینی ہونے کی حد یہ ہو کہ) اگر بالفرض خود ان ائمہ مذہب سے (جن کے اقوال کو سامنے رکھ کر یہ تخریج کی گئی ہے) یہی مسئلہ پوچھا جاتا تو شاید وہ بھی کسی رکاوٹ کی وجہ سے اس معاملہ کو اس مسئلہ کی نظیر قرار دے کر اس پر محمول نہ کرتے، یا اپنے قول کی کوئی ایسی علت بتاتے جو ان حضرات کی معین کی ہوئی اور نکالی ہوئی علت کے ماسوا ہوئی، تخریج تو جائز صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ دراصل مجتہد کی تقلید کا دوسرا نام ہے، اس لیے وہ نقص سے پاک اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ کلام مجتہد کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر کی گئی ہو۔

اسی طرح ان لوگوں کے لیے یہ بات بھی زیرِ غور نہیں کہ صرف ایک ایسے اصول کی پیروی میں

(جو اپنی قطعیت پر کوئی نص نہیں رکھتا اور) جس کو خود انہوں نے یا ان کے شیوخ نے اپنی فہم سے مقرر کر رکھا ہے، کسی ایسی حدیث یا اثر کو رد کر دیں جس کو تمام علمائے حدیث صحیح کہتے اور مانتے آئے ہوں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے (اپنے قیاس اور اپنے اصول کی پیروی میں) حدیث مصراۃ (۱) کو ٹھنڈا دیا، یا جس طرح اموال غنیمت میں قرابت (۲) داران رسولؐ کے حصہ کو ساقط کر دیا۔ ایک خود ساختہ اصول کے مقابلہ میں حدیث رسولؐ کا پاس بہر صورت زیادہ ضروری ہے۔ یہی وہ راز حقیقت ہے جس کی طرف امام شافعیؒ کے یہ الفاظ اشارہ کر رہے ہیں:-

”میں نے جو رائے بھی دی ہو یا جو اصول بھی مقرر کیا ہو (حدیث رسولؐ کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد اس کے خلاف مل جائے تو لینے کے قابل وہی بات ہے جو رسولؐ کی طرف سے ملی ہو۔“

(اہل الحدیث اور اہل تخریج کی افراط و تفریط کے بارے میں) ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، قریب قریب بالکل وہی حقیقت ان الفاظ سے بھی ٹپک رہی ہے جو امام ابو سلیمان خطابؒ نے اپنی کتاب ”معالم السنن“ کے آغاز بحث میں تحریر کیے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

”میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ارباب علم دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔

(۱) ”مصرۃ“ اس دودھ والے جانور کو کہتے ہیں۔ جس کے بیچنے کے لیے اس کے قہن سے چند اوقات دودھ نہ نکالا گیا ہو تو خریدار اس کے قہن کی بڑائی دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جائے۔

حدیث مصراۃ کا مفہوم یہ ہے کہ ”جو شخص ایسا جانور خریدے اس کو دہنے اور حقیقت حال سے واقفیت ہو جانے کے بعد اسے اختیار ہے کہ چاہے جانور کو رکھے یا واپس کر دے، اگر واپس کرے تو نکالے ہوئے دودھ کے عوض اس کے مالک کو ایک صاع خرما دیے۔“

فقہائے حنفیہ نے اس حدیث پر عمل کرنے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ وہ کوئی عام قانون نہیں بن سکتی، یعنی وہ خلاف قیاس ہے، قیاس تو یہ کہتا ہے کہ نکالے ہوئے دودھ کا ضمان (بدلہ) اس کے برابر ہونا چاہیے، لیکن اس حدیث کا کہنا یہ ہے کہ چاہے دودھ کتنا ہی نکالا ہو، ایک صیر نکالا ہو یا دس صیر، بہر حال اس کا ضمان ایک ہی صاع خرما دیا کرنا چاہیے۔

(۲) ”قرابت داران رسولؐ“ سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو فتح خیبر کے بعد کل مالِ غنیمت کا چھ سوواں حصہ دیا تھا لیکن خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس پر عمل نہ ہونے کے باعث بعض فقہان ان لوگوں کے اس حصہ کو تسلیم نہیں کیا۔

ایک گروہ تو اہل حدیث و اثر حضرات کا ہے اور دوسرا اہل فقہ و نظر کا۔ ان کا حال واقعی یہ ہے کہ (دو مخالف گروہ ہونے کے باوجود) یہ دونوں ایک دوسرے کے برابر کے محتاج ہیں، اور اپنا مقصود حاصل کرنے میں ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے گروہ سے بے نیاز نہیں، کیونکہ حدیث کی حیثیت بنیاد کی سی ہے جس کا اصل کہنا چاہیے اور فقہ کی حیثیت عمارت کی سی ہے جو اصل کے لیے فرع کا مقام رکھتی ہے (سبھی جانتے ہیں کہ) جو عمارت کسی بنیاد کے اوپر نہ اٹھائی گئی ہو وہ کبھی ٹھہر نہیں سکتی، اسی طرح ہر وہ بنیاد جس کے اوپر کوئی عمارت نہ ہو، ایک چنیل میدان اور اجڑے ہوئے کھنڈر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اگرچہ ان دونوں گروہوں میں اپنے مقام و محل کے اعتبار سے چولی دامن کا ساتھ ہے، اور ہر ایک دوسرے کی (اعانت کی) عمومی احتیاج رکھتا ہے، اور کسی لمحہ بھی کوئی گروہ دوسرے کی محتاجی سے مستغنی نہیں ہو سکتا، مگر (ان تمام باتوں کے باوجود) میں ان کو باہم دگر بھنپا ہوا پارہا ہوں، حالانکہ راہ حق میں تعاون ان پر لازم ہے لیکن وہ ایک دوسرے کی پشت پناہی نہیں کرتے، ان میں سے جو طبقہ ”اہل حدیث“ کہلاتا ہے اس کے سوا اعلیٰ علم کی معراج سعی و عمل صرف یہ ہے کہ روایتوں کو بیان کرے، مسندوں کو جمع کرے اور ایسی ایسی غریب شاذ حدیثوں کو بھی جن کی عبارتوں کا بڑا حصہ موضوع یا مقلوب (۱) ہے، تلاش کرتا رہے یہ لوگ بس سند کے دلدادہ ہوتے ہیں) نہ تو متن روایت کا کوئی لحاظ کرتے نہ اپنی نگاہ کو مدعاے حدیث سے آشنا کرتے نہ اس کے اسرار کا سراغ لگاتے، نہ ان کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے خزانوں کو ڈھونڈنے کی سعی کرتے، بس اوقات فقہاء پر عیب لگانے اور انہیں مطعون کرنے اور ان پر سنت رسول کی مخالفت کا الزام لگانے سے بھی نہیں چوکتے حالانکہ انہیں یہ نہیں معلوم کہ فقہاء کو علم و فہم شریعت کی جو دولت بخشی گئی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو ان کے اپنے حصہ میں آئی ہے، ان کے خلاف اس قسم کے برے کلمات نکال کر وہ (مفت میں) گناہ گار ہوتے ہیں۔

(۱) ”مقلوب“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے الفاظ یا جملوں میں راوی نے اپنی غلطی سے تقدیم و تاخیر کر دی ہو۔

رہا دوسرا طبقہ، یعنی اہل فقہ و نظر حضرات کا طبقہ، تو اس کا حال یہ ہے کہ اس کے اکثر افراد حدیث کے ساتھ کچھ یوں ہی سا لگاؤ رکھنے میں نہ تو صحیح حدیثوں کو ضعیف حدیثوں سے علیحدہ کر پاتے ہیں، نہ کھری اور کھوٹی روایتوں کو پہچان کر دیتے ہیں (احادیث سے ان کی بے اعتنائی کا عالم یہ ہے کہ) اگر ان لوگوں کو اپنے اختیار کردہ مذہب اور اپنی محبوب رایوں کے موافق (بھی) کوئی حدیث مل جائے تو بھی وہ اس سے اپنے مخالفوں کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوئی پرواہ نہیں رکھتے۔ حدیث کے رد و قبول کے بارے میں ان لوگوں نے باہم یہ طے کر رکھا ہے کہ ضعیف اور منقطع روایتیں (بھی)، اگر وہ اپنے ائمہ اور شیوخ کے درمیان مشہور و مقبول رہی ہوں تو قبول کر لی جائیں، خواہ ان کی بنیاد کتنی ہی ناپائیدار اور ان کی صحت کتنی ہی مبہوم کیوں نہ ہو یہ ”رائی“ کی ایک (کھلی ہوئی) لغزش اور نارسائی ہے، پھر (ان لوگوں کی ایک عجیب و غریب ستم ظریفی یہ ہے کہ) اگر ان کے سامنے، ان کے مذہب کے کسی بڑے شخص اور ان کے اسکول کے کسی ممتاز فکر کا اجتہاد کیا ہوا کوئی قول بیان کیا جاتا ہے تو اس کو قبول کر لینے کے لیے ضرور دیکھتے ہیں کہ اس قول کے راویوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد راوی کون ہے؟ (بس اسی کی روایت کو لیتے ہیں، گویا اس قول کے قول امام ہونے کی بابت تحقیق کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی پوری کوشش کرتے ہیں، چنانچہ مائیکوں کو تم پاؤ گے کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں صرف ان ہی اقوال کو معتبر مانتے ہیں جو ابن قاسم، اہلب اور ان ہی کے ہم پایہ دوسرے مائکی علمائے عظام کے روایت کردہ ہوں، اور اگر عبداللہ بن عبدالحکیم جیسے (نسبتاً کم درجے کے) علماء کے ذریعہ (ان بڑے علماء کی روایتوں کی مخالف) کوئی روایت بہم پہنچی ہو تو اس کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے پیرو، امام موصوف کے صرف انہی اقوال کو قبول کرتے ہیں، جو ان کے تلامذہ میں سے امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسن اور ان ہی جیسے دوسرے بلند مرتبہ علماء کے نقل کیے ہوئے ہوں، ان اقوال کی روایت کو یہ شرف کبھی نہیں بخشتے جو حسن بن زیاد اور ان

سے کم تر درجہ کے لوگوں کے واسطے سے ملے ہوں اور مذکورہ بالا نامور علمائے احناف کی روایتوں کے خلاف پڑتے ہوں، شوافع کا بھی یہی حال ہے، یہ لوگ اقوال شافعی میں سے صرف ان ہی اقوال کو تسلیم کرتے ہیں جو مرثیٰ اور ربیع بن سلیمان مرادی کے روایت کیے ہوئے ہوں، اور اگر حرمۃ اور بکری وغیرہ (جیسے نسبتاً کم مرتبے کے شافعی علماء) نے امام ممدوح کا کوئی قول (ان اقوال کے خلاف) نقل کیا ہو تو اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے حتیٰ کہ اس کو اقوال شافعی میں شمار کرنے کے بھی روادار نہیں ہوتے، الغرض اپنے ائمہ اور اساتذہ کے اقوال (کے قبول و عدم قبول) میں ہر فرقہ کے اہل علم کا یہی دستور ہے، پھر ذرا غور تو کرو، اگر ان جزئیات میں، اور ان ائمہ کے اقوال کی روایتوں میں ان "اصحاب فقہ و نظر" (کی تحقیق و احتیاط) کا یہ عالم ہے کہ ان کو قبول کرنے کے لیے ان کی صحت کا پختہ اور قابل اعتماد ہونا ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے لیے یہ کس طرح جائز ہے کہ (نہ صرف اس سے اہم تر بلکہ) سب سے اہم معاملہ میں سہل نگاری سے کام لیں اور امام کے ارشادات کے نقل و بیان میں (روایات کی قوت اور ضعف) اور راویوں کی حیثیت کا لحاظ کیے بغیر کچھ لوگوں کے ذاتی رجحانات پر تکیہ کر لیں، جو تمام اماموں کا امام اور اللہ رب العزت کا نمائندہ ہے، جس کی تعمیل ارشاد ہر حال میں ہم پر فرض ہے، جس کے فرمان کے آگے سر تسلیم جھکا دینا ہمارے لیے ضروری ہے، ایسا ضروری کہ اس کے فیصلوں کے خلاف دلوں میں کوئی تنگی اور اس کے فرامین کی طرف سے اپنے سینوں میں کوئی جذبہ عناد محسوس کرنا بھی موجب ہلاکت ہے؟ اگر ایک آدمی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ اپنے نجی معاملہ میں غفلت اور بے پرواہی سے کام لے اور اپنے قرض خواہوں سے معاملہ کرنے میں اپنے حق کو مساحت کی نذر کر دے، مثلاً ان سے لے تو کھوئی چیز، غمراہے قرض میں دے انہیں کھری چیز تو کیا اس کو کسی دوسرے کے حق کے بارے میں بھی اس طرز عمل کا مجاز گردانا جاسکتا ہے، جب کہ وہ صرف اس کا نائب بنایا گیا ہو! مثلاً وہ کسی ضعیف کا ولی ہو، یا کسی یتیم کا وصی، یا کسی شخص ناموجود کا

وکیل، ظاہر ہے کہ اگر وہ اس وقت ایسا کرے گا تو اس کا یہ فعل صریح خیانت اور عہد شکنی قرار پائے گا، لیکن افسوس کہ بعینہ یہی طرز عمل ہے جو حدیث کے بارے میں اختیار کیا گیا، چشم سر یا چشم دل، جس طرح بھی تم چاہو، اس حقیقت کو بے نقاب دیکھ سکتے ہو، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کچھ گروہوں نے اس جادہ حق کے سٹے کرنے میں وقت محسوس کی اور دیکھا کہ اس طور پر (ادکا مشریت کے علم سے) بہرہ مند ہونے نے ایسے ایک مدت درکار ہے، درآنحالیکہ وہ چاہتے یہ تھے کہ منزل مقصود پر جلد پہنچیں، اس لیے انہوں نے تحصیل علم کے طریقے کو مختصر کریں، اور چند عمدہ باتوں اور اصول فقہ کی کتابوں سے نکلے ہوئی کچھ مخصوص چیزوں کو اپنے لیے کافی سمجھ لیا، جن کا نام انہوں نے ”غلل“ رکھا اور اس غرض سے کہ ہم بھی علم کے پانچوں سواروں میں گئے جائیں، ان ”حقائق عالیہ کو اپنی دستار فضیلت کا طرہ امتیاز بنالیا، اب یہ ”حقائق“ ان کے لیے ایک ڈھال ہیں جس کو اپنے مخالفین سے مقابلہ کرتے وقت وہ استعمال کرتے ہیں، ایک پردہ ہیں جس کی آڑ میں موشگافیوں اور ہنگامہ آرائیوں کا طوفان اٹھاتے ہیں، ان ہی کے ذریعہ مناظرے کے میدان گرم ہوتے ہیں اور ان ہی کے اوپر باہم ہاتھ پائی ہوتی ہے، اس کے بعد جب میدان مناظرہ سے باہر تشریف لائی جاتی ہے تو اس شخص کے سر پر دانائی اور بزرگی کا سہرا باندھ دیا جاتا ہے جو اس معرکہ میں بازی لے گیا ہو، اب وہی اپنے وقت کا نامور فقیہ ہے اور وہ ہی اپنے مقام کا عالمی مرتبہ امام۔

یہ تو باریک طرف، پھر (اس پر مزید ستم) یہ کہ شیطان نے چپکے سے ان کے دلوں میں ایک حیف حیلہ ڈال دیا اور ان کو ایک کاری فریب میں لاپھنسا لیا، یعنی انہیں یہ پنی پڑھانی کہ جو تمہارے پاس علم کا سرمایہ ہے وہ بہت ہی کم اور حقیر ہے، جس سے تمہاری ضرورت پوری نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ تمہارے لیے کافی ہو سکتا ہے، اس لیے علم کلام سے اس کو تقویہ دو اور ادھر ادھر کے کچھ کلامی مباحث کا اس میں بچہ بند لگاؤ اور متکلمین کے (پرچ) اصولوں کو اس کی پشت پناہ بناؤ تاکہ انسان کے آگے غور کی

شاہراہ باز، اور فکر کا میدان وسیع ہو سکے۔ (افسوس کہ) شیطان کا خیال پورا ہو کر رہا، اور مسلمانوں کے ایک مختصر گروہ کو چھوڑ کر باقی سب نے اس کی اطاعت اور پیروی اختیار کر لی، حیرت ہے لوگوں پر اور ان کی عقلوں پر! (کیا وہ نہیں دیکھتے کہ) شیطان لعین انہیں کہاں لیے جا رہا ہے؟ اور ان کے اصل مقصود اور مرکز ہدایت سے ہٹا کر انہیں کس کھنڈ میں ڈال گیا ہے؟ اللہ ہماری مدد کرے۔“

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ تقلید

عدم تقلید کا زمانہ

معلوم ہونا چاہیے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں کسی مخصوص فقہی مذہب کی تقلید کا دستور نہ تھا، چنانچہ ابو طالبؓ اپنی کتاب ”قوت القلوب“ میں فرماتے ہیں:-

”لوگوں کی یہ (فقہی) تصنیفات اور تالیفات تو بعد کی چیزیں ہیں، پہلی اور دوسری صدی ہجری میں لوگوں کے اقوال (بطور حجت شرعی) پیش کرنے کا رواج نہ تھا، اور نہ یہ قاعدہ تھا کہ کسی ایک ہی شخص کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے، ہر مسئلہ اور معاملہ میں اسی کی راہوں کو مانا اور بیان کیا جائے اور اسی کے مذہب کو مدار یقین قرار دے لیا جائے۔“

بلکہ لوگوں کا حال اس کے بالکل برعکس تھا، اس وقت لوگوں کے دو طبقے تھے، ایک طبقہ علماء دوسرا طبقہ عوام، عوام کا حال یہ تھا کہ وہ ان اجتماعی اور اصولی مسائل میں، جو تمام مسلمانوں یا عام ارباب اجتہاد کے درمیان متفق علیہ تھے، براہ راست شارع علیہ السلام ہی کی تقلید کرتے تھے، (نہ کسی امام و مجتہد کی) اور وضو و غسل کے طریقے اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے احکام یا تو اپنے ہزرگوں سے سیکھ لیتے یا اپنی بستیوں کے اصحاب درس و تدریس سے اور اسی کے مطابق خود عمل کرتے اور جب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آتا تو جس مفتی کو پاتے، بلا لحاظ مسلک و مذہب اس سے فتویٰ پوچھ لیتے، امام ابن حنابلہؒ اپنے رسالہ ”التحریر“ کے آخر میں لکھتے ہیں:-

”لوگ کبھی ایک عالم سے فتویٰ پوچھتے، کبھی دوسرے عالم سے، ایک ہی مفتی سے فتویٰ پوچھنے کا التزام نہ تھا۔“

رہے علماء توان کے دو گروہ تھے:

ایک گروہ ان علماء کا تھا جنہوں نے کتاب وسنت اور آثار صحابہ کی تلاش (وتحقیق) میں پوری کاوش فکر صرف کی اور بالقوۃ ایسی بالقوۃ جس کو بالفعل ہی کہنا چاہیے، اتنی استعداد بہم پہنچانی تھی کہ عوام کے سامنے ایک (صاحب علم و نظر) مفتی کی حیثیت سے آسکیں، ایسے صاحب فکر و نظر مفتی کی حیثیت سے جو مسائل کا جواب بالعموم دے سکے اور جس کو خاموشی اختیار کرنے کی مجبوری کم ہی پیش آئے، یہ لوگ مجتہد مطلق کہے جاتے ہیں۔

یہ (اجتہادی) استعداد دو طرح حاصل ہوتی ہے، کبھی تو اس طرح کہ ہر امام کا فی کوشش صرف کر کے روایات کو جمع کیا جائے، کیونکہ احکام کا ایک بڑا حصہ احادیث میں، اور ایک بڑا حصہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار و اقوال میں موجود ہے (اس لیے ایک مجتہد بڑی کامیابی کے ساتھ اس ذخیرہ روایات سے مسائل کا جواب معلوم کر سکتا ہے) اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک سوچ بوجھ رکھنے والا عالم زبان مواقع کلام کی معرفت سے بے بہرہ نہیں ہوتا اور نہ ایک عالم روایات مختلف روایتوں میں مطابقت دینے کے اصول اور ترتیب دلائل وغیرہ امور کی فہم و صلاحیت سے کبھی بیگانہ ہوتا، (اس لیے صاحب نظر انسان کے لیے روایات کے ذخیرے سے مسائل کا جواب معلوم کر لینا چند اہل مشکل نہیں) اس استعداد اجتہاد کی زندہ مثال امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ ہیں۔

کبھی یہ استعداد تخریج کے طریقوں کو پوری طرح ذہن میں جمالینے اور ان اصول، قواعد و ضوابط کو دماغ میں محفوظ کر لینے سے پیدا ہوتی ہے جو ہر باب کے متعلق ائمہ فقہاء سے منقول ہیں، بشرطیکہ اس کے ساتھ ہی احادیث اور آثار کا ایک معقول اندوختہ بھی انسان کے پاس موجود ہو۔ اس اجتہادی استعداد کی کامل مثال تم کو امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ کی ذات ہائے کرامی میں ملے گی۔

(۲) دوسرا گروہ ان علماء کا تھا جو قرآن وسنت پر اتنی نظر تو رکھتے تھے جس سے فقہ کے اصول

و مبادی اور اس کے بنیادی مسائل کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ معلوم کر سکیں، لیکن (جو جزئی مسائل ان کے سامنے آتے تھے) ان میں سے کچھ پر اگر وہ خود دلائل کی روشنی میں رائے قائم کر لیتے تھے تو باقی میں توقف اختیار کرنے پر مجبور بھی ہو جاتے اور بالآخر دوسرے ارباب علم و نظر کی راہوں کے محتاج ٹھہرتے کیونکہ وہ اپنے اندر اجتہاد کامل کی پوری شرائط نہیں رکھتے تھے جس طرح کہ ایک مجتہد مطلق رکھتا ہے، پس اس قسم کے علماء بعض مسائل کے لحاظ سے مجتہد اور بعض کے لحاظ سے غیر مجتہد تھے، صحابہؓ اور تابعینؓ کے متعلق یہ چیز تو اتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو کوئی حدیث پہنچتی تو وہ بغیر کسی شرط اور قید کے ان پر عمل کرنا شروع کر دیتے۔

شخصی تقلید کا آغاز

تیسری صدی ہجری تقلید شخصی کا پیام لے کر آئی اور لوگوں کے اندر کسی ایک ہی متعین مجتہد کے مذہب کی پابندی نے اپنے ظہور کا اعلان کیا، اب ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے جو اس شخصی تقلید کے دائرے سے باہر ہوں، اس وقت یہ چیز وجوب کا مرتبہ حاصل کر چکی تھی، جس کا ایک خاص سبب تھا، اس سبب کی تفصیل یہ ہے کہ فقہ کے کسی طالب علم کو وہی صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ یا تو اس کی تمام تر توجہ اس بات پر سمٹ آئے گی کہ وہ ان مسائل سے واقفیت بہم پہنچائے، ان پر نقد کرے، ان کے مآخذ کی تحقیق کرے اور ان میں باہم ترجیح دے، جن کا جواب ائمہ مجتہدین تفصیلی دلائل کے ساتھ پہلے دے چکے ہوں، یہ ایک بڑا بھاری کام ہے اور اس وقت تک کامیابی کے ساتھ سرانجام نہیں پاسکتا جب تک کہ اس فقیہ کو کسی ایسے امام مجتہد کی رہنمائی میسر نہ ہو جس نے فقہ کے ایک ایک باب میں مسائل کو پھیلا کر بیان کرنے اور ان کے دلائل مہیا کرنے کی زمتوں سے اس کو بے نیاز کر دیا ہو تا کہ وہ امام کی ان تصریحات سے مدد لے کر نقد و تحقیق اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کی مہم میں (یک سو ہو کر) مشغول ہو سکے، ورنہ اگر بالفرض کسی امام کی اقتداء اسے میسر نہ ہو تو ایک کامیاب فقیہ بننا یقیناً اس کے لیے دشوار ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ سہل راہ ہوتے ہوئے دشوار گزرا رہا اختیار کرنا کھلی ہوئی لغویت ہے۔

یہ ایک امر واقعی ہے کہ علم فقہ کا یہ طالب (جس امام کی پیروی میں دائرہ تحقیق دے رہا ہے) اس کے بعض اقوال کو پسندیدہ سمجھ کر ان سے اتفاق کرے گا تو بعض سے اختلاف بھی کرے گا

(۱) اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اتفاق، اور اختلاف کا تناسب کیا ہے) اگر اختلاف اتفاق سے کم ہے تو ایسی صورت میں یہ فقید اسی امام مجتہد کے مذہب کے اندر ”اصحاب (۱) وجود“ میں سے شمار کیا جائے گا۔ اور اگر صورت حالات اس کے برعکس ہو تو اس وقت (وہ اصحاب وجود میں سے نہ شمار کیا جائے گا یعنی) اس کی انفرادی رائیں مذہب مذکور کا ایک جز نہ قرار پائیں گی لیکن اس کے باوجود فقید فی الجملہ اسی امام مذہب کی طرف منسوب رہے گا اور (اسی نسبت کے ذریعہ) ان لوگوں سے تمیز رہے گا جو کسی اور امام کی، اس کے مذہب کے اکثر اصول و فروع میں اقتدار کر رہے ہوں (۱)۔

پھر اس قسم کے صاحب علم کے بعض اجتہادی مسائل لازماً ایسے بھی پائے جائیں گے جن کے جواب سے اب تک کی فقہی تصنیفات بالکل خاموش ہوں گی، کیونکہ انسانی زندگی میں نئے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں اور اجتہاد کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے (لہذا بعض مسائل میں اس صاحب علم کا اپنے نجی اجتہاد سے کام لینا ایک امر ناگزیر ہے) اس لیے وہ ان مسائل کا جواب اپنے امام مجتہد کی رہنمائی کا خیال ترک کر کے براہ راست کتاب و سنت اور اقوال سنت سے معلوم و مستنبط کرے گا، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے نئے مسائل کی تعداد ان مسائل کے مقابلہ میں بہت کم ہوئی جن کا (کوئی نہ کوئی) جواب پہلے کے علماء و ائمہ دے چکے ہیں، ایسے شخص کو ”مجتہد مطلق منتسب“ کہا جاتا ہے۔

(۲) یا پھر اس کی ساری توجہات کا مرکز یہ ہوگا کہ وہ ان مسائل پر دسترس حاصل کرے جن

(۱) ”اصحاب وجود“ سے مراد وہ علماء ہیں جو ہوں تو کسی امام مجتہد کے مقلد، اور اسی کے اصول و اقوال سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کرتے ہوں مگر جزئی مسائل میں سچا اپنے مخصوص دلائل کی بناء پر اپنے امام کی، اسے سے اختلاف بھی کر جاتے ہوں۔ اس قسم کی یہ اختلافی رائیں بھی اسی امام کے مذہب کا ایک جز بھی جاتی ہیں۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک عالم کسی ایک امام مجتہد کی اقتداء میں یہ روش اختیار کر سکتا ہے کہ اس کے اکثر و بیشتر اصولوں کو ماننے کے باوجود بے شمار مسائل میں اس سے اختلاف کرے، اسی طرح دوسرے امر کی اقتداء میں دوسرے علماء بھی یہی روش اختیار کر سکتے ہیں تو اگرچہ اس قسم کے علماء کو ان امر کا مقلد نہیں کہنا چاہیے مگر اس سے باوجود ہر عالم اپنے امام کی طرف اس وجہ سے منسوب کر دیا جاتا ہے تاکہ یہ انتساب اسی قسم کے دوسرے علماء کے مقابلہ میں باعث امتیاز بن سکے۔

کو فتویٰ پوچھنے والے اس سے دریافت کریں اور جن کے متعلق علمائے سلف کا کوئی جواب منقول نہ ہو، ایسا عالم فقہ ایک ایسے امام کی اقتداء کا مذکورہ بالا فقہ سے بھی زیادہ محتاج ہے جس کی مرتب شدہ فقہی اصولوں میں رہبری سے وہ فائدہ حاصل کر سکے، کیونکہ فقہ کے مسائل باہم گتھے ہوئے ہیں اور ان کی فروغ و جزئیات ان کے اصول سے گہری وابستگی رکھتی ہیں، ایسی حالت میں اگر کوئی شخص بطور خود تمام مذاہب فقہ کی جانچ پڑتال اور تمام مجتہدین کے اقوال کی چھان بین از سر نو شروع کرے تو وہ اپنے کو ایک ایسی گھاٹی میں لا ڈالے گا جس کو طے کرنے کی اس کے قدموں میں ہرگز سکت نہ ہوگی، اور جس سے غالباً وہ ساری عمر چل کر بھی باہر نہ نکل سکے گا، پس اپنا مقصد حاصل کرنے کی خاطر اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ جن مسائل کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے ان ہی جوابوں پر غور و فکر کی نگاہ ڈالے (اور ان کے سامنے رکھتے ہوئے مزید جزئیات کی) تفریع میں ہمد تن مشغول ہو جائے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایسا فقہ کبھی بھی اپنے امام مجتہد سے اختلاف نہیں کرتا، نہیں بلکہ (بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت اور اقوال سلف اور اپنے ذاتی قیاس کی بنا پر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرتا ہے، لیکن یہ اختلاف موافقت کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے، ایسا عالم ”مجتہد فی المذہب“ کہلاتا ہے (یہی دو صورتیں ہیں جن میں سے کوئی ایک علم فقہ کے کسی طالب کو عملاً اس وقت پیش آسکتی تھی) رہ گئی تیسری صورت، یعنی یہ کہ وہ پہلے تو اپنی ساری کوشش ان مسائل کی دلیلیں معلوم کرنے میں صرف کر ڈالتا جن کا جواب پہلے کے علماء دے چکے ہیں، پھر کہیں جا کر ان میں سے اپنے پسندیدہ اور منتخب مسائل کو سامنے رکھ کر مزید مسائل کی تفریع کی طرف قدم بڑھاتا تو یہ صورت عملاً ایک ناممکن اور غیر واقعی صورت تھی کیونکہ نزول وحی کا بابرکت زمانہ نزرے ہوئے ایک مدت بیت چکی تھی جس کے باعث ہر عالم کے لیے اُن امور میں سے، جن پر علم اور علمیت کا دار و مدار ہے، اکثر کے اندر علمائے سلف کا دست نگر ہونا ضروری ہو چکا تھا، مثلاً یہ بات کہ کون حدیث کتنے طریقوں سے، اور کن مختلف عبارتوں میں مروی ہے؟ کون راوی کس پایہ کا ہے؟ کون حدیث کس مرتبہ میں صحیح یا ضعیف ہے؟ مختلف احادیث و آثار میں مطابقت کیوں کر پیدا کی جائے؟ کون سی احادیث فقہ کا مآخذ ہیں؟ انہی طرح مشکل اور غریب الفاظ کے معنی کی تحقیق کرنا، فقہ کے اصولوں کا علم حاصل کرنا، ان تمام بے شمار مسائل کو پوری شرح

وسط اور توضیح اختلاف باہمی کے ساتھ بیان کرنا، جن میں علمائے سلف کلام کر چکے ہیں، پھر ان مختلف روایات (اور مسائل) کے اندر غور و فکر کے بعد راجع اور مرجوح کا فیصلہ کرنا اور ان کو دلائل کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھنا (یہ سب بے شمار کام ایسے تھے جن میں متقدمین کے افکار و تحقیقات پر اعتماد اور ان سے استفادہ کرنے کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ کار ہی نہ تھا) ورنہ اگر وہ بطور خود ان کاموں میں اپنی زندگی کے لمحات ختم کر دیتا تو پھر (مزید مسائل ضروریہ کی) تفریع کا حق کیونکر پورا ہو سکتا؟ جب کہ انسانی دماغ کے متعلق یہ ایک ناقابل انکار مسئلہ ہے کہ خواہ وہ کتنا ہی ذکی کیوں نہ ہو مگر اس کی ایک متعین حد ہے جس کے آگے وہ پرواز نہیں کر سکتا، ہاں فکر و نظر کا یہ کمال اُن علماء کو ضرور حاصل ہو سکتا تھا جو باعتبار زمانہ بزم اجتہاد کی صف اول میں تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وحی کا زمانہ گزرے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی علوم کی یہ گونا گونی اور مسائل کی یہ فراوانی تھی لیکن اس کے باوجود بھی یہ کمال چند نفوس سے زیادہ کو حاصل نہ ہو سکا، اور وہ چند نفوس بھی اپنے تمام اوصاف کمال کے باوصف (دوسروں کی علمی رہنمائی اور اعانت سے یکسر بے نیاز نہ تھے بلکہ) اپنے اساتذہ ہی کی پیروی اختیار کیے ہوئے تھے اور ان ہی کے سہارے راہ اجتہاد میں قدم اٹھاتے تھے، لیکن چونکہ اس علم میں انھوں نے کافی تصرفات کیے (اور اپنی ذاتی تحقیقات کا ایک بڑا ذخیرہ پیدا کر گئے) اس لیے وہ مستقل امام اور مجتہد ہو گئے۔

تقلید کا وجوب اور اس کے مفہوم کی وسعت

مختصر یہ کہ ائمہ و مجتہدین کے مذاہب کو اختیار کر لینا ایک قدرتی راز تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے (بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر) علماء کے دلوں میں ڈالا اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر متفق ہو گئے ہمارے اس خیال کی تائید (و دیگر علماء کے علاوہ) مشہور شافعی فقیہ ابن زیادؒ یمنی کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے، وہ ایسے دو مسئلوں کے متعلق استفسار کے جواب میں، جن کے اندر امام بلقیسیؒ نے امام شافعیؒ کے خلاف فتویٰ دیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:-

”تم بلقیسی کے کلام کی توجیہ نہیں سمجھ سکتے جب تک تمہیں یہ نہ معلوم ہو کہ ان کا علمی مقام کیا تھا۔ (پہلے جان لو کہ) وہ امام مجتہد مطلق منتسب، غیر مستقل، صاحب تخریج و ترجیح ہیں ”مجتہد مطلق منتسب“ میں اس شخص کو کہتا ہوں، جو اپنے اس امام کے

مذہب میں، جس کی طرف وہ منسوب ہے، ترجیح کا اختیار رکھتا ہو، حتیٰ کہ اس قول کی مخالفت بھی کر سکتا ہو جو (عام طور سے) رائج مانا جاتا ہو، اکابر علمائے شافعیہ میں سے، متقدمین میں سے بھی اور متاخرین میں سے بھی، اکثر کا یہی حال ہے جن کا تذکرہ اور جن کے درجات کی ترتیب کا بیان آگے آتا ہے، اچھا تو بلقییٰؒ کو جن ارباب نظر نے مجتہدین مطلق منتسب کے زمرہ میں شامل کیا ہے، ان میں سے ایک ان کے شاگرد ابو زرؒ بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے استاذ امام بلقییٰؒ سے پوچھا ”آخر یہ کیا بات ہے کہ شیخ نفی الدینؒ کی اجتہاد سے کتراتے ہیں، حالانکہ ان کے اندر اجتہاد کی تمام شرائط موجود ہیں؟ پھر وہ تقلید کیوں کرتے ہیں؟“ ابو زرؒ کہتے ہیں کہ ”اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور (الحاظ کی وجہ سے خود ان کا نام نہ لیا) حالانکہ یہی سوال خود ان کے متعلق بھی پیدا ہو رہا تھا) جس کی مصلحت میرے نزدیک یہ تھی کہ (اس طرح دوسروں کے نام پر) میں اس امر کے حقیقی (وجہ معلوم کر سکوں گا، لیکن امام بلقییٰؒ میرا یہ سوال سن کر خاموش ہو رہے، بالآخر میں خود ہی بولا کہ ”میرے نزدیک تو اس کی وجہ صرف وہ سرکاری ملازمتیں ہیں جو (حکومت کی طرف سے) چاروں فقہی مذاہب کے مقلد علماء کے لیے (مخصوص اور) مقرر ہیں، اور اگر کوئی شخص ان مذاہب کی تقلید سے آزاد ہو کر بطور خود اجتہاد کرنے لگے تو پھر وہ اس حق سے محروم ہو جائے گا قضاء کے عہدے اسے نہ مل سکیں گے، لوگ اس سے استفسار کرنا چھوڑ دیں گے اور وہ بدعتی مشہور ہو جائے گا۔“ میری یہ بات سن کر امام بلقییٰؒ مسکرائے اور اس سے اتفاق کا اظہار کیا“ (لیکن ابو زرؒ کی بات میرے دل کو نہیں لگتی) میرے لیے ایسا سمجھنا دشوار ہے کہ ان لوگوں نے اجتہاد سے اس (ذلیل) مصمت کی بناء پر اجتناب کیا جس کی طرف ابو زرؒ نے اشارہ کیا ہے، ان بزرگوں کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ اجتہاد کی مکمل صلاحیتیں رکھنے کے باوجود عہدہ قضاء اور ذرائع معاش کی خاطر اجتہاد سے رُکے رہتے، ان بزرگوں کے متعلق ایسا سوہن کسی طرح بھی مناسب نہیں کیونکہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اس بارے

میں جمہور کا مختار اور رائج مذہب یہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی حقیقی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے لیے اجتہاد کرنا واجب ہے (اس لیے یہ کس طرح باور کیا جائے کہ ملازمت اور مشاہرہ کے لالچ میں آکر انھوں نے ایک امر واجب کو زندگی بھر ترک کیے رکھا؟ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ) ابو زرہؓ کے لیے یہ کس طرح مناسب تھا کہ ان لوگوں کے بارے میں اتنی بھاری بات منہ سے نکالیں اور اس پر امام بلقیؒ کو اپنا موافق بھی ظاہر کریں؟ حالانکہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کتاب التبیہ کی شرح کے اندر باب الطلاق میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

”ائمہ کے خود اپنے اقوال میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں (۱) ان کی وجہ ان کے اجتہاد کا تغیر ہے، جس موقع پر وہ جس چیز کو صحیح قرار دیتے ہیں وہ وہی چیز ہوتی ہے جو ان کے اجتہاد کی نظر میں اس وقت صحیح معلوم ہوتی ہے (۲) اور اس کتاب کا مصنف وہ شخص ہے جس کے رتبہ اجتہاد کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ کتنے ہی علماء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مصنف مذکور، ابن الصبارؒ، امام الحرمین اور امام غزالیؒ اجتہاد مطلق کے مقام پر فائز تھے، اور یہ قویٰ ابن صلاح میں مرقوم ہے کہ یہ لوگ اجتہاد فی المذہب کا مرتبہ رکھتے تھے نہ کہ اجتہاد مطلق کا، تو اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اجتہاد مطلق ”مستقل“ کا درجہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا مقام ”اجتہاد مطلق منتسب“ کا تھا، کیونکہ ”اجتہاد مطلق“ کی دو قسمیں ہیں ایک تو مطلق مستقل، دوسرا مطلق منتسب، چنانچہ خود ابن صلاح نے اپنی کتاب ”آداب التفتا“ میں، اور امام نوویؒ نے شرح ”المذہب“ میں اس کی تصریح کی ہے ان میں سے پہلی قسم کے اجتہاد کا دروازہ تو چوتھی صدی ہجری کے اوائل ہی میں ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا، جس

(۱) یعنی ایک ہی امام نے ایک ہی مسئلہ میں کبھی ایک فتویٰ دیا ہے اور کبھی اپنی پہلی رائے کے خلاف دوسرا فتویٰ دیا ہے، مثلاً امام شافعیؒ کے اقوال میں یہ بات اکثر ملتی ہے کہ یہ ان کا پہلا قول ہے اور یہ دوسرا قول۔

(۲) یعنی ان ائمہ کے احساس ذمہ داری کا تو یہ حال تھا کہ جس وقت ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں ایک بات کو حق پاتا تھا وہ تکلف اس کا اظہار کر دیتے تھے اور اس کی بھی پروا نہ کرتے تھے کہ ہم خود پہلے دوسری رائے ظاہر کرتے ہیں۔

کے کھلنے کا اب کوئی امکان نہیں، باقی رہی دوسری قسم تو وہ اب باقی ہے اور آثار قیامت نمودار ہونے تک باقی رہے گی (کسی زمانہ میں بھی) اس کا موقوف ہو جانا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے، یعنی اگر کسی زمانہ کے مسلمان ایسا اجتہاد کرنے سے ہچکچانے لگیں یہاں تک کہ اسے یکفخت چھوڑ بیٹھیں تو سب کے سب گناہگار ہوں گے، جیسا کہ ہمارے علماء نے مثلاً امام ماوردیؒ نے اپنی کتاب ”الحادی“ میں، ردیائیؒ نے ”البحر“ میں، بغویؒ نے ”الہندیہ“ میں اور اسی طرح کے اور بہت سے اکا بر علماء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ یاد رہے کہ یہ فرض کفایہ اجتہاد مقید (یعنی اجتہاد فی المذہب) سے ادا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ابن صلاحؒ اور امام نوویؒ کی تصریحات بتلاتی ہیں، ہم نے بھی اپنی کتاب ”الروایۃ من احمد فی الارض وجہل ان الاجتہاد فی کل عصر فرض“ میں اس مسئلہ پر مفصل اور سیر حاصل بحث کی ہے، یہ اب باب علم (جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں) شخص اس وجہ سے کہ وہ اجتہاد مطلق منتسب کا درجہ رکھتے تھے، دائرۃ شافعیہ سے باہر نہ شمار کیے جائیں گے، امام نوویؒ اور ”طبقات“ میں ابن صلاحؒ نے واضح لفظوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے اور ابن سبکیؒ نے بھی ان کی ہمنوائی کی ہے، چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ ان حضرات نے مذہب شافعی کی کتابیں تصنیف کیں (اور ان کی فقہی تصنیفات فقہ شافعی کی کتابیں کہی اور مانی جاتی ہیں، پھر بحیثیت ایک شافعی فقیہ کے انھوں نے فتوے دیے اور شافعی مناصب پر مقرر کیے گئے، مثلاً اس کتاب کے مصنف اور ابن الصباغؒ کو بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تدریس کی خدمت سپرد کی گئی اور امام الحرمین اور امام غزالیؒ کو نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں اور ابن عبدالسلامؒ کو قاہرہ کے مدرسہ جابیہ اور مدرسہ ظاہریہ میں تعلیم کا انچارج بنایا گیا، اور ابن دینقہ العبدیؒ کو مدرسہ سلاویہ میں، جو ہمارے امام (امام شافعیؒ) کے مقبرہ سے متصل واقع ہے نیز مدرسہ فسطیہ اور مدرسہ کاہلیہ میں فرائض تعلیم حوالے کیے گئے، ہاں جو شخص اس مقام سے بھی اونچا ہو کر ”اجتہاد مطلق مستقل“ کے مقام بلند پر جا پہنچا ہو وہ البتہ حلقہ

شافعیہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اس کے اقوال فقہ شافعی کی کتابوں میں درج کیے جاسکتے ہیں لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اصحاب شافعی میں سے سوائے ابو جعفر بن جریر طبری کے کوئی شخص بھی اس مقام تک نہیں پہنچا۔ ابن جریر البتہ پہلے شافعی تھے، پھر ایک مستقل مذہب فقہی کے امام مجتہد ہو گئے، اسی وجہ سے علامہ رافعی وغیرہ نے فرمایا کہ ابن جریر کا ”تفرّد“ مذہب شافعی کے ”وجود“ میں سے کوئی وجہ نہیں شمار ہوتا۔ (۱)

سیوطی نے مذکورہ بالا الفاظ میں جو بات کہی ہے اور جس میں دیگر علماء کے ساتھ علامہ ابن سبکی کی حیثیت بھی واضح کر دی ہے وہ میرے نزدیک ابو زرہ کے خیال سے زیادہ اچھی ہے (اور اسی کو میں حقیقت کی ترجمانی سمجھتا ہوں) لیکن ان کے الفاظ سے جو یہ بات نکلتی ہے کہ ابن جریر طبری کو شافعی نہ شمار کرنا چاہیے، وہ قابل قبول نہیں، کیونکہ یہی علامہ رافعی (جن کی رائے کا سیوطی نے حوالہ دیا ہے) کتاب الزکوٰۃ کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ ”ابن جریر طبری کا تفرّد مذہب شافعی کے وجہ میں سے کوئی وجہ نہیں شمار ہوتا، اگرچہ وہ خود اصحاب شافعی کے طبقات میں شمار ہوتے ہیں۔“ اسی طرح امام نووی اپنی تصنیف ”المجہد“ میں لکھتے ہیں کہ ”ابو عاصم عبادی نے ابن جریر کا تذکرہ فقہائے شافعیہ کے سلسلہ میں کیا اور کہا ہے کہ وہ ہمارے صفِ اول کے علماء میں سے ہیں۔ انھوں نے فقہ شافعی علامہ ربیع مزادی اور حسن زعفرانی سے حاصل کی تھی“ (پس وہ بہر حال ایک شافعی عالم تھے اور ان کے شافعیہ کی طرف منسوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا طریقہ اجتہاد ان کا اسلوب استقراء اور ان کا طرز ترتیب دلائل قریب قریب بالکل وہی تھا جو امام شافعی کا تھا، اور ان کے اجتہادات بالعموم امام موصوف کے اجتہادات سے ہم آہنگ تھے۔ اور اگر کبھی مخالف (۱) ”تفرّد“ کا مطلب ہے کہ کسی مسئلہ میں تمام فقہائے مذہب کے خلاف رائے قائم کرنا، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح امام غزالی، علامہ ابن عبدالسلام اور امام الحرمین وغیرہ علمائے شافعی کے منفرد اقوال (جن میں وہ تھا ہوتے ہیں اور دوسرے تمام علمائے شافعی بلکہ خود امام شافعی کی رائے بھی ان کے خلاف ہوتی ہے) اپنے تفرّد کے وجود مذہب شافعی ہی کے اقوال مانے جاتے ہیں اور ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ”مذہب شافعی میں ایک قول یہ بھی ہے“ اس طرح ابن جریر طبری کے اختلافی اقوال کو (جن میں وہ تھا ہوتے ہیں) مذہب شافعی کے اقوال نہیں مانا جاتا، اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ اس مسئلہ میں مذہب شافعی کے اندر ایک قول یہ بھی ہے۔

پڑے بھی تو ایسے ہی کہ وہ کوئی خاص اہمیت حاصل نہ کر سکے۔ مختصر یہ کہ ایسے مسائل بہت کم ہیں جن میں انھوں نے امام شافعیؒ سے الگ کوئی راہ اختیار کی ہو (اور ظاہر ہے کہ) یہ چیز ان کے دائرہ شافعیہ میں داخل سمجھے جانے کے خلاف کوئی حجت نہیں بن سکتی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کا فقہی مقام بھی یہی نوعیت رکھتا ہے، اور ان کا شمار بھی طبقات شافعیہ میں ہے، ان لوگوں میں سے جنہوں نے امام بخاریؒ کو طبقات شافعیہ میں شامل کیا ہے۔ ایک علامہ تاج الدین سبکیؒ بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ”امام بخاریؒ نے فقہ حیدریؒ سے سیکھی اور حیدریؒ نے امام شافعیؒ سے۔“ ہمارے استاذ علامہ نے بھی امام بخاریؒ کے شافعی ہونے پر یہی دلیل دی ہے کہ تاج الدین سبکیؒ نے ان کا تذکرہ طبقات شافعیہ میں کیا ہے۔ نوویؒ کی جو عبارت ہم نے اوپر نقل کی ہے اس سے بھی اس (طرز استدلال کی صحت) کو پوری تائید ہوتی ہے شیخ تاج الدین سبکیؒ اپنی کتاب ”طبقات“ میں فرماتے ہیں:-

”کسی ایسے تحریرچی مسئلہ کے سلسلہ میں، جس کی تخریج بالکل اچھوتی ہو، دیکھنا چاہئے کہ تخریج کرنے والا کن لوگوں میں سے ہے؟ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر عموماً شافعیہ اور تقلید غالب رہتی ہے مثلاً شیخ ابو حامد غزالیؒ اور قتالؒ، تو اس کا شمار شوافع میں ہوگا، اور اگر اس کے برعکس وہ ان لوگوں میں سے ہے جو حد و شافعیہ سے اکثر باہر نکل جایا کرتے ہیں۔ مثلاً محمد بن جریر، محمد بن خزیمہ، محمد بن مرموزی اور محمد بن منذر، تو پیر و ان شافعیہ میں نہ گنا جائے گا، رہا مزنیؒ اور ان کے بعد ابن شریکؒ کا معاملہ تو ان کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ ان کا مقام بین بین سا ہے، نہ تو وہ مذکورہ بالا چاروں حضرات کی طرح عموماً مذہب شافعی سے باہر ہی رہتے ہیں اور نہ عراقیوں اور خراسانیوں کی طرح حد و شافعیہ کی پابندی ہی کرتے ہیں۔“

نیز سبکی علامہ سبکیؒ ”طبقات“ میں شیخ ابوالحسن المشعریؒ امام احل السنۃ والجماعۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ شافعی کہتے جاتے ہیں، کیونکہ فقہ انھوں نے شیخ ابوالفتح مردوزیؒ سے حاصل کی تھی (فتاویٰ ابن زیاد) تقلید کے باریمیں ہمارے نقطہ نظر کی تائید و شہادت کتاب الانوار کے صفحات میں بھی موجود ہے چنانچہ اس کا

مصنف کہتے ہیں:

”جو لوگ شافعیات یا حنفیت یا مالکیہ یا حنبلیہ کی طرف منسوب ہیں (اور ائمہ اربعہ کے پیرو کہے جاتے ہیں) ان کے چند طبقے ہیں:-

(۱) ایک تو طبقہ عوام ہے، جس کا (اپنے امام مثلاً) امام شافعیؒ کی تقلید کرنا، (براہ راست نہیں ہوتا بلکہ) ان مجتہدوں کے توسط سے ہوتا ہے جو امام مذکور کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں، اگرچہ ایسا شخص، جو خود مجتہد ہو، کسی دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کیا کرتا، مگر اس کے باوجود یہ لوگ ایک امام کی طرف اس بنا پر منسوب کر دیے جاتے ہیں کہ وہ طریق اجتہاد اور انداز استدلال اور اسلوب ترتیب دلائل وغیرہ اختیار کرتے ہیں جو اُس امام مجتہد مطلق کا ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا طبقہ متوسطین کا ہے، یعنی وہ لوگ جن کو اگرچہ اجتہاد کا مقام حاصل نہیں ہو سکا مگر اجتہاد کے وہ اصول ان کے سامنے روشن ہوتے ہیں جن کا امام نے اختیار کیا تھا۔ اور اس کی پوری قدرت رکھتے ہیں کہ جو مسئلہ (اقوال امام میں) تصریح کے ساتھ موجود نہیں، جس کو امام کے مصرح اقوال پر قیاس کر کے جواب دے سکیں، یہ لوگ بھی بہر حال امام کے مقلد (ہی) ہوتے ہیں، اور ان ہی کے ساتھ وہ عوام بھی، جو ان کے استنباط کیے ہوئے اقوال کو اختیار کریں (اب رہا یہ سوال کے عوام ان کے قیاس کردہ اقوال پر عمل کرتے ہیں اس لیے ان کو بھی امام و مقتدی کہا جائے یا نہ کہا جائے تو اس کے بارے میں) مشہور یہ ہے کہ ان کو یہ حیثیت حاصل نہیں، کیونکہ وہ تو خود ہی دوسرے کے مقلد ہیں۔“

ایک اعتراض اور اس کا جواب

(ان دلائل و شواہد کی روشنی میں اگر تم کسی متعین مذہب فقہی سے انتساب کے مفہوم اور حدود تقلید کی وسعت پر غور کرو گے تو تمہیں محسوس ہو جائے گا کہ دوسری صدی ہجری کے بعد تقلیدی رجحانات کے ہمہ گیر اور تقلید کے واجب ہونے کے متعلق ہمارا بیان واقعیت کی گچی ترجمانی ہے)

اور اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ”جب شریعت ایک ہی ہے تو جو چیز ایک وقت میں واجب نہ تھی وہ کسی دوسرے وقت میں بھی واجب نہیں ہو سکتی، اس لیے تمہارا یہ کہنا کہ ”مجہد مستقل کی پیروی پہلے واجب نہ تھی، پھر واجب ہو گئی۔“ ایک ایسی بات ہے (جو اپنی تغلیط آپ کر رہی ہے کیونکہ) اس کے اندر کھلا ہوا تناقض موجود ہے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اصل میں جو چیز واجب ہے وہ تو یہ ہے کہ امت کے اندر ایسا شخص یا اشخاص ضرور موجود رہنے چاہئیں جو فروغی احکام پر ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ عبور رکھتے ہوں، اس وجوب پر تمام اہل حق کا اجماع ہے (اسی طرح یہ اصول بھی بالکل مسلم اور بدیہی ہے کہ) جس چیز پر کسی امر واجب کے حصول کا دار و مدار ہوتا ہے وہ خود بھی واجب ہوتی ہے، پھر اگر کسی امر واجب کے حصول کے کئی ایک طریقے ہوں تو ان میں سے کسی ایک طریقہ کا حاصل کرنا واجب ہوگا، (کسی متعین طریقہ کی خصوصیت نہ ہوگی) لیکن اگر طریقہ ایک ہی ہو تو بالخاصہ اسی طریقہ کا حصول واجب ہوگا، مثلاً ایک شخص بھوک کی شدت سے جاں بلب ہو اور اس بھوک کے دور کرنے کے متعدد ذرائع اس کے بس میں ہوں، جیسے کھانا خرید سکتا ہو، جنگل سے میوے چن سکتا ہو، اور کھانے کے قابل جانوروں کا شکار کر سکتا ہو تو اس کے لیے ان تینوں ذرائع میں سے بلا تعین کسی ایک کو اختیار کرنا واجب ہوگا لیکن اگر وہ شخص ایسے مقام پر ہو جہاں نہ تو کوئی شکار مل سکتا ہو نہ ہی میوے دستیاب ہو سکتے ہوں (اور بھوک دور کرنے کا ایک ہی چارہ کار ہو) تو اس کے لیے واجب یہی ہے کہ پیسے خرچ کر کے کھانا خریدے، (اسی مثال پر مسئلہ زیر بحث کو بھی قیاس کر لو) اس واجب اصلی کے حاصل کرنے کے لیے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا، سلف کے پاس چند راستے تھے۔ سوان کے لیے واجب یہ تھا کہ ان راستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کر لیں، کسی خاص راستہ کی تعین نہ تھی۔ پھر (کچھ قدرتی اسباب کے ماتحت) یہ تمام راستے ماسوا ایک (۱) کے بند ہو گئے، اندریں حالات سب کے لیے خاص اسی ایک راستہ کا اختیار کرنا ضروری ہو گیا، مثال کے طور پر دیکھو کہ سلف حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے لیکن اب ہمارے زمانہ میں حدیثوں کی کتابت واجب ہو چکی ہے، کیونکہ (زبانی نقل و بیان کا دستور اور سلسلہ مدت ہوئی ختم ہو چکا اور) آج روایت احادیث کا اس کے سوا کوئی ممکن طریقہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ ان

(۱) اس ”ایک“ راستے سے مراد تھید کا راستہ ہے، مگر تھید اپنے اسی وسیع معنی میں جس کی تفصیل ابھی گزری۔

کی کتابوں کو سامنے رکھا جائے، یہی حال علوم نحو و لغت کا ہے، کہ یہ علوم بھی ایک لمحہ کے لیے سلف کی توجہ کو جذب نہ کر سکتے تھے کیونکہ عربی ان کی اپنی زبان تھی، ان علوم (میں سرکھپانے) کی ان کو حاجت ہی کیا تھی، لیکن اب اس زمانہ میں، زبان عربی سے باقاعدہ واقفیت بہم پہنچانا واجب ہو چکا ہے اس لیے کہ یہ زمانہ ابتدائی اہل عرب کے زمانہ سے (جو عربی زبان کے ماہر اور کثرت شناس تھے) کافی دور ہو چکا ہے۔ اسی طرح اس اصول کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

تقلید امام معین کب واجب ہے

اسی اصول پر تقلید (کی آخری صورت اور حد یعنی تقلید) شخصی کے وجوب کو بھی قیاس کرنا چاہیے، کہ اس کا بھی یہی حال ہے۔ کبھی وہ واجب ہوتی ہے اور کبھی نہیں (مثال کے طور پر فرض کرلو کہ) اگر ہندوستان یا ماوراء النہر کے کسی خطہ میں ایک جاہل مسلمان رہ رہا ہے اور اس کے قرب و جوار میں کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم موجود نہیں، نہ ہی ان تینوں مذاہب کی کوئی کتاب موجود ہے، تو ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ مذہب ابو حنیفہ کی تقلید کرے، اور حرام ہے کہ دائرہ حقیقت سے قدم باہر نکالے، کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو (دائرہ حقیقت کے ساتھ ہی) دائرہ اسلام سے بھی باہر جا پڑے گا اور اس کے دین و ایمان کا کوئی وزن باقی نہ رہ جائے گا بخلاف اس کے اگر ایسا حرمین میں ہو تو مخصوص طور پر کسی ایک ہی امام کی تقلید واجب نہ ہوگی، کیونکہ وہاں اس کے لیے ہر مذہب فقہی سے رہنمائی حاصل کرنا ہمہ دم ممکن ہے (پہلی صورت میں ایک ہی امام معین کی تقلید کے واجب ہونے کی وجہ بالکل کھلی ہوئی ہے، ظاہر بات ہے کہ جب کسی دوسرے مذہب فقہی کا کوئی عالم موجود ہی نہیں تو فتوے کس سے پوچھے گا؟ رہ گیا یہ امر کہ ظن و تخمین سے کام لے کر کسی دوسرے مذہب کی پیروی کرے، تو کسی مذہب کے احکام پر عمل کرنے اور اس کا حق تقلید ادا کرنے کے لیے) ظن و تخمین کفایت نہیں کر سکتا، اس کے لیے یقینی واقفیت ضروری ہے، اسی طرح اس کے لیے یہ بھی کافی نہیں کہ عوام کی سنی سنائی باتوں (کو کسی امام کے اقوال سمجھ کر ان) پر عمل کرے یا یہ کہ کسی غیر معروف کتاب (پر اعتماد کر لے اور اس) سے مسائل لے کر ان کی اقتداء کرنے لگے۔ چنانچہ نضر الفائق شرح کنز الدقائق میں یہ تمام تصریحات موجود ہیں۔

مسئلہ اجتہاد

اجتہاد مطلق

(اب مسئلہ اجتہاد کو لیجیے، اجتہاد دو طرح کا ہوتا ہے، مطلق اور مقید) مجتہد مطلق وہ شخص ہوتا ہے جو پانچ علوم پر دسترس رکھتا ہو، جن کی تفصیل امام نوویؒ کی کتاب ”منہاج“ کے اس فقرے میں موجود ہے۔

”قاضی ہونے کے شرائط یہ ہیں کہ آدمی مسلمان ہو، عاقل اور بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عادل ہو، سننے، دیکھنے اور گویائی کی قوتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہو اور (آخر میں یہ کہ) مجتہد ہو۔“

مجتہد وہ شخص ہو سکتا ہے جو:

(۱) کتاب اور سنت کے ان حصوں پر، جن کا تعلق احکام سے ہے، گہری نظر رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ ان کے اندر کون سے نصوص خاص ہیں اور کون سے عام؟ کون نص مجمل ہے اور کون مبین؟ کون حکم ناخ ہے اور کون منسوخ؟

(۲) (روایتی حیثیت سے) احادیث کے متعلق یہ علم رکھتا ہو کہ کون کون سی حدیثیں متواتر ہیں اور کون احاد؟ کون حدیث متصل ہے اور کون مرسل، نیز یہ کہ کون راوی کس درجہ میں قوی یا ضعیف ہے؟

(۳) زبان عربی پر لغوی اور نحوی دونوں حیثیتوں سے پورا عبور رکھتا ہو۔

(۴) علمائے صحابہ و تابعین وغیرہم کے اقوال کے بارے میں یہ خبر رکھتا ہو کہ کون مسئلہ اجماعی ہے اور کون اختلافی؟

(۵) قیاس کی حقیقت اور اس کی تمام اقسام کو جانتا ہو۔

مجتہد مطلق کی اقسام

اجتہاد مطلق کی شرائط جان لینے کے بعد دوسری چیز معلوم کرنے کی یہ ہے کہ مجتہد مطلق دو طرح کے ہوتے ہیں، ”مجتہد مطلق مستقل“ اور ”مجتہد مطلق منتسب“

مجتہد مطلق مستقل اور اس کی خصوصیات

مستقل مجتہد وہ ہوتا ہے جس کے اندر تین باتیں پائی جائیں، اور ایسی مخصوص شان پائی جائیں کہ وہ اس کے باعث باقی تمام ارباب اجتہاد سے الگ نظر آنے لگے، مثلاً امام شافعیؒ، جن کے اندر تم ان صفات کو نمایاں طور پر محسوس کر سکتے ہو، یہ تین باتیں یا صفات یہ ہیں۔

(۱) پہلی بات یہ کہ ان اصول و قواعد میں، جن کے مطابق فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے، وہ بطور خود تصرف (۱) کرے، امام شافعیؒ کی مشہور تصنیف ”الام“ کے ابتدائی صفحات میں اس حقیقت کو اچھی طرح بے حجاب دیکھا جاسکتا ہے جہاں انھوں نے اپنے پیشرو علماء کے کارنامہ استنباط (و طریق اجتہاد) کو ذکر کرتے ہوئے ان کے بعض اصولوں پر مخالفانہ تنقید کی ہے، نیز اس حقیقت کی شہادت امام موصوف کے اس قول سے بھی ملتی ہے جس کو مجھ سے میرے استاد شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم مدنیؒ نے نقل فرمایا ہے، استاد معدوح نے امام شافعیؒ سے جن درمیانی واسطوں کے ذریعہ ان کا یہ قول سنا اور پھر مجھ سے بیان کیا ہے وہ ترتیب وار یہ ہیں۔

شیخ حسن بن علیؒ عجمیؒ کی اور شیخ احمد غزالیؒ کی، شیخ محمد علاء بابلیؒ، شیخ ابراہیم بن ابراہیم القفانی اور عبدالرؤف طہاویؒ، جلال ابو الفضل سیوطیؒ۔ ابو الفضلؒ مرجانیؒ (بطور اجازت) (۲) ابو الفرجؒ

(۱) ”تصرف“ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مجتہدین نے اجتہاد و استنباط کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کو جوں کا توں قبول نہ کرے، بلکہ غور و فکر کے بعد اپنے طور پر ان میں آزادانہ ترمیم و تغیر کرنے اور اپنا ایک مستقل دستور اجتہاد ترتیب دے لے۔

(۲) اصول حدیث کی اصطلاح میں ”اجازت“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ اپنے شاگرد کو کسی لکھی ہوئی حدیث کے روایت کرنے کی اجازت دیدے، خواہ زبانی طور پر یا تحریری طور پر۔

غزنی، یونس بن ابراہیم ربوی، ابوالحسن بن مقیر، فضل بن سہل اسفرائینی، حافظ حجت (۱) ابوبکر احمد بن علی خطیب، حافظ ابونعیم، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن مدان، عبداللہ بن محمد بن یعقوب ابوحاتم یعنی رازی، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن ادریس یعنی خود امام شافعی، امام موصوف کے اس قول کے الفاظ یہ ہیں:-

”اصل (سرچشمہ ہدایت) قرآن اور سنت ہیں، لیکن اگر کسی مسئلہ کا صریح جواب ان میں نہ ملے تو ان (کے اصول اور نصوص صریحہ) کو سامنے رکھ کر قیاس کرنا چاہیے اور (سنت کے متعلق اصول یہ ہے کہ) اگر کسی روایت کی سند اتصال کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور صحیح بھی ہو تو وہ سنت ہے لیکن خبر مفرد کے مقابلہ میں اجماع زیادہ وزنی شے ہے، پھر (حدیث کا مطلب بیان کرنے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ تاحداً امکان) اس کا ظاہری (اور متبادر) مفہوم لیا جائے اور اگر ایک حدیث بہت سے معانی کا احتمال رکھتی ہو، تو وہی معنی لینا زیادہ مناسب ہے جو حدیث کے ظاہری پہلو سے قریب تر ہو، اور اگر بہت سی حدیثیں ہم پلہ (اور باہم متعارض) ہوں تو سزاوارتر ترجیح وہ حدیث ہوگی جس کی سند سب سے زیادہ مضبوط ہو (حجت شرعی کی ترازو میں) منقطع حدیث کوئی وزن نہیں رکھتی، سوائے سعید بن مسیب کی منقطع حدیثوں کے، کسی اصل (شرعی) کو کسی دوسری اصل پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، نہ کسی اصل کے بارے میں ”کیوں“ اور ”کس طرح“ کا سوال اٹھانا چاہیے، اس طرح کے سوالات صرف فروع میں اٹھائے جاسکتے ہیں اور قیاس کی ضرورت بھی فروع ہی کو ہوتی ہے سوا اگر (تحقیق کی نگاہ میں) کسی اصل پر کسی فرع کا قیاس صحیح اترتا ہو تو وہ فرع صحیح اور قابل حجت تسلیم ہوگی۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ وہ مجتہد (مکن حد تک) احادیث اور آثار کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لے، ان کے احکام اپنے دائرہ معلومات میں اچھی طرح سمیٹ لے اور اس امر سے پوری

(۱) ”حافظ“ سے مراد حافظ حدیث ہے اسی طرح ”حجت“ الفاظ تعدیل میں سے ایک لفظ ہے، جو بہت اونچے درجے کے راوی کے لیے بولا جاتا ہے۔

طرح باخبر ہو کہ کون کون سی حدیثیں فقہ کا مآخذ ہیں، پھر یہ کہ وہ مختلف روایات میں باہم تطبیق، اور ایک حدیث کو دوسری پر (دلائل کے ساتھ) ترجیح دے سکے، اور (اگر کسی حدیث کے کئی ایک معانی ہو سکتے ہوں تو) ایک مفہوم کی تعیین کر سکے (علمی نقطہ نظر سے یہ استعداد بڑی اہم اور بلند پایہ ہے، حتیٰ کہ) ہمارے خیال میں یہ شے امام شافعی (جیسے جلیل القدر امام و مجتہد) کے قریباً دو تہائی سرمایہ علمی کے برابر ہے۔

(۲) تیسری چیز یہ ہے کہ وہ ان فروغی مسائل کا اپنے اجتہاد اور استنباط سے جواب دیتا جائے جو اس کے سامنے لائے جائیں اور جن کا اس سے پہلے یعنی ان تینوں زمانوں میں جن کے سراپا خیر و برکت ہونے پر زبان رسالت گواہی دے چکی ہے، جواب نہ دیا گیا ہو۔
الغرض مجتہد مطلق وہی شخص ہو سکتا ہے جو ان تینوں امور میں نمایاں حد تک تصرف رکھتا ہو اور اس معاملہ میں اپنے ہم سروں سے فائق ہو، اور میدان مسابقت میں پیچھے چھوڑ کر کافی آگے نکل گیا ہو۔

ان سہ گانہ صفات کے بعد، ان ہی سے لگی ہوئی، ایک خاص صفت اور بھی ہے (جس سے ایک مجتہد مستقل سرفراز ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ عالم بالا سے اس مجتہد کے لیے قبول عام کا نزول ہو) (اور وہ اس شکل میں) کہ مفسرین، محدثین، علمائے اصول اور حفاظ کتب فقہ (گروہ کے گروہ، اس کے علم کی طرف جھک پڑیں، اور اس قبول عام اور مرجعیت انام پر مدتوں کی مدتیں گزر جائیں، یہاں تک کہ دلوں کے عمیق ترین گوشوں میں یہ حسن عقیدت مضبوطی سے اپنی جڑیں پھیلا لے) (۱)

مجتہد مطلق منتسب

مجتہد منتسب اس مجتہد کو کہتے ہیں جو (مذکورہ بالا تینوں صفات میں سے) پہلی صفت میں بجائے خود کوئی مستقل مقام نہ رکھتا ہو بلکہ کسی مجتہد مستقل کا پیرو ہو اور (اصول اجتہاد میں تصرف کرنے اور اپنی صوابدید سے مستقل اصول و ضوابط مرتب کرنے کے بجائے) اسی کے مقرر کیے

(۱) یہ چوتھی بات جس کا شاہ صاحب نے ذکر فرمایا ہے ظاہر ہے کہ ایک مجتہد مطلق مستقل کی ایک صفت تو ہو سکتی ہے لیکن مجتہد مستقل ہونے کی شرط ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بخلاف پہلی تین باتوں کے یہ فرق خود شاہ صاحب کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس بات کا انہوں نے الگ سے ذکر کیا ہے۔

ہوئے اصولوں کو اس نے جوں کا توں مان لیا ہو، مگر دوسری اور تیسری صرف سے خود متصف ہو اور (ان امور میں اس کی تقلید اختیار کرنے کے بجائے) اسی کی طرح خود بھی اپنے مستقل کارنامے رکھتا ہو۔

اجتہاد مقید اور مجتہد فی المذہب

(اجتہاد مطلق کے مقابلہ میں اجتہاد مقید ہوتا ہے اور اس شخص کو جس نے اس قسم کے اجتہاد کی صلاحیت ہوتی ہے مجتہد فی المذہب کہتے ہیں یہ ایسا مجتہد ہوتا ہے جو مذکورہ بالا پہلے اور دوسرے دونوں امور میں امام مجتہد مستقل (کے اقوال و نظریات اور اس کی تحقیقات) کا پابند رہتا ہے اور صرف تیسرے امر میں اپنے کچھ جدید کارنامہ پیش کرتا ہے، یعنی امام مجتہد کے طریق تفریع پر خود بھی مسائل کا استنباط کرتا ہے۔

آؤ ہم ایک مثال دیں (تا کہ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے)

آج کل جو شخص طبابت کے میدان میں قدم رکھتا ہے وہ یا تو قدیم اطباء یونان کی رہنمائی میں فرائض طبابت انجام دیتا ہے یا پھر قدیم اطباء ہند (پرانے ویدوں) کی رہنمائی میں، تو ان پرانے اطباء یونان و ہند کو بمنزلہ مجتہد مستقل کے سمجھو، (ربا یہ شخص، تو اس کی دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں)

(۱) ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ دواؤں کے خواص اور بیماریوں کی اقسام اور شریعتوں اور معجونوں کے بنانے کی ترکیبوں سے پوری واقفیت رکھتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس سلسلہ میں اطباء قدیم نے جو کچھ ہدایتیں دی ہیں ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس فن کا خود رمز شناس ہو چکا ہے، یہاں تک کہ (اس کے اصول و نظریات اور اسرار و حقائق کا) تقلیدی طور پر نہیں بلکہ براہ راست علم حاصل کر چکا ہے، نیز ان ہی اطباء کی طرح خود بھی جدید فنی کارنامے سرانجام دینے پر قدرت رکھتا ہے، یعنی یہ کہ ایسی دواؤں کے خواص معلوم کر سکتا اور کرتا رہتا ہے جن کے تذکرے سے اب تک کا پورا طبی لٹریچر خالی ہے، اور امراض کے ایسے اسباب اور علامات اور معالجات کا انکشاف کرتا ہے جن کی اب تک کسی طبیب نے نشان دہی نہیں کی ہے، حتیٰ کہ وہ پرانے اطباء کی رایوں سے اختلاف بھی کرتا ہے (اور ان کو غلط ثابت کر کے ان کے مقابلہ میں اپنی رائیں پیش کرتا

ہے) خواہ وہ مخالفت چند ہی ایک رایوں تک محدود ہو یا وسیع پیمانے پر ہو، تو ایسا طیب بمنزلہ ”مجتہد مطلق منتسب“ کے ہے۔

(۲) اس کے برخلاف اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ان تمام امور متعلقہ علم طب کو بغیر ذاتی یقین کے محض پچھلے اطباء کے کہنے کی وجہ سے مان لیتا ہے، اور اس کے فکر و عمل کی سب سے اونچی معراج یہ ہے کہ ان ہی کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق شربت اور معجون بنایا کرتا ہے، جیسا کہ آج کل کے اکثر طبابت پیشہ حضرات کا حال ہے، تو ایسے طیب کی حیثیت ”مجتہد فی المذہب“ کی سی ہے۔

اسی طرح (ایک دوسری مثال لو) آج کل جو شخص بھی شعر کہتا ہے وہ شعر گوئی کے فن میں یا تو شعرائے عرب کی اقتدا کرتا اور ان ہی کے اوزان و قوافی اور اسالیب کو اختیار کرتا ہے یا پھر شعرائے عجم کی پیروی کرتا ہے تو یہ شعرائے عرب و عجم بمنزلہ ”مجتہد مستقل“ کے ہیں، رہا یہ شاعر، تو اگر وہ ان کی قائم کی ہوئی حدود میں ہی اپنی جولانی فکر کو مقید نہیں رکھتا بلکہ خود بھی (غزل، تشبیب، مدح، ہجو اور نصیحت) وغیرہ اصناف شعر کی نئی نئی قسمیں ایجاد کرتا ہو، اور بدائع و استعارات ایسے اچھوتے انداز سے لاتا ہو جس کی طرف ابھی تک کسی کا مرغ تخیل پرواز نہ کر سکا ہو، بلکہ شعرائے قدیم کی بعض شعری صنعتوں کو دیکھ کر اس کا ذہن خود بخود اس طرف منتقل ہوا ہو اور اس نے ایک چیز کو اس کی مشابہ چیز پر ڈھال لیا ہو، یا ایک شے کو دوسری شے پر قیاس کر لیا ہو، پھر اسی طرح یہ کہ وہ کوئی ایسی بحر ایجاد کر سکا ہو جس میں اب تک کوئی نظم نہ کہی گئی ہو یا دنیا کے شعرو شاعری میں سخن گوئی کی کوئی نئی طرح ڈال گیا ہو مثلاً مثنوی، یا رباعی کا لکھنا یا ردیف کا التزام کرنا، یعنی کسی ایک ہی لفظ یا ایک سے زائد الفاظ کو ہر شعر میں قافیہ کے بعد لاتے رہنا تو بشرطیکہ یہ باتیں عربی شاعری میں کی گئی ہوں۔ ایسا شاعر (گویا عربی شاعری کا) ”مجتہد مطلق منتسب“ ہوگا، لیکن اگر یہ شاعر ایجاد و اختراع کے کارنامے نہیں رکھتا اور صرف ان پرانے شعراء کی بنائی ہوئی روشوں ہی پر چلا جا رہا ہے تو اس کا مقام ”مجتہد فی المذہب“ کا سا ہوگا، ان ہی مثالوں پر علم تفسیر اور علم تصوف وغیرہ علوم (کے ماہرین) کو بھی قیاس کر لو۔

سلف نے اصول فقہ کی تدوین کیوں نہ کی؟

اس جگہ اگر ہم یہ سوال کر دو کہ ابتدائی دور کے علماء نے اصول فقہ کے متعلق کوئی خاص اور تفصیلی گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ جب امام شافعی عالم ظہور میں آئے تو ان کے ذریعہ پہلے پہل اس فن پر سیر حاصل، مفید اور پر مغز بحثوں کا وجود ہوا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے سلف میں سے ہر ایک کے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ سب کا سب صرف اس کے اپنے ہی شہر والوں کی بیان کردہ احادیث و آثار پر مشتمل تھا، تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی روایتیں کسی کے پاس انکسی جمع نہ تھیں (اس لیے ان کو کسی بڑے پیمانہ پر مختلف اور متعارض روایات کی الجھنیں دور کرنے کی زمتیں نہیں اٹھانی پڑتی تھیں اور) اگر کبھی ایسا ہوتا کہ اس کے شہر کی روایتیں ہی باہم ٹکراتیں جس کے باعث ایک مسئلہ کی دلیلوں میں تعارض واقع ہو جاتا تو (کسی مرتب اور متعین ضابطہ کے بجائے) وہ صرف اپنی عام فراست سے کام لیتا اور اس طرح اس تعارض کا جو فیصلہ بن پڑتا کر لیتا تھا، اس کے بعد امام شافعی کے زمانہ میں (جب صورت حالات بدل گئی اور) تمام اطراف کی حدیثیں انکسی جمع ہو گئیں تو ان حدیثوں کے اندر (بھی) اور پھر ان کے ساتھ ساتھ وہاں کے فقہاء کی راہوں میں (بھی شدید قسم کا) تعارض رونما ہو گیا، (اور تعارض بھی ایسا) جو دو گونہ تھا، ایک تو وہ تعارض دو مختلف مقام کی روایتوں میں تھا اور (اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ) بلا استثناء تمام لوگوں نے اپنے اپنے شیوخ کی راہوں کی، جن کو ان بزرگوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق اختیار کیا تھا، حمایت شروع کر دی، انجام کار اختلاف کا رخ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا، ملت کی پراگندگی حد سے تجاوز کر گئی، اور اس کو اتنے اختلافات کے طوفان نے آن گھیرا جن کا کوئی شمار نہ تھا۔ لوگ اس طوفان کے نرغہ میں حیران و ششدر کھڑے تھے اور اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے، یہاں تک کہ نصرت الہی نے ان کی دست گیری کی اور امام شافعی کے دل میں کچھ ایسے اصول و قواعد الہام فرمائے گئے جن کے ذریعہ انھوں نے مختلف اور متعارض حدیثوں میں تطبیق دے کر (اس طوفان اختلاف کو روک دیا اور) اپنے بعد والوں کے سامنے ایک عجیب و غریب راہ کھول دی۔

مذہب چہارگانہ کی تاریخ اجتہاد

(۱) تیسری صدی ہجری کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں ”مجتہدین مطلق منتسب“ کے

ظہور کا سلسلہ ختم ہو گیا جس کی وجہ یہ تھی کہ علمائے احناف ہمیشہ سے علم حدیث کے ساتھ وابستگی کم رکھتے رہے ہیں اور کوئی شخص مجتہد مطلق منتسب ہو نہیں سکتا تا وقتیکہ وہ ایک متبحر عالم حدیث بھی نہ ہو، یوں (تیسری صدی کے بعد) اس مذہب میں صرف مجتہد فی المذہب ہی ہوا کیے ہیں، اور اسی اجتہاد فی المذہب ہی کی طرف اشارہ تھا اس شخص کا جس نے یہ کہا تھا کہ مجتہد ہونے کی کم سے کم شرط یہ ہے کہ مبسوط یاد ہو۔

(۲) مذہب مالکی میں بھی ”مجتہد مطلق منتسب“ بہت کم ہوئے ہیں اور جو لوگ اس مقام کو پہنچے بھی ان کی جداگانہ اجتہادی رائیں مذہب مالکی کے اقوال شمار نہیں ہوتیں۔ مثلاً قاضی ابوبکر ابن عربی اور علامہ ابو عمر، ابن عبد البر کے نام سے مشہور ہیں۔

(۳) ربانہ مذہب حنبلی، تو اس کا پھیلاؤ پہلے بھی کچھ زیادہ نہ تھا اور نہ اب اس سے زیادہ ہے (لیکن اس کے باوجود یہ ایک امر واقعی ہے کہ) اس مذہب کے اندر برابر ہر دور میں مجتہد (مطلق منتسب) پیدا ہوتے رہے اور یہ سلسلہ نویں صدی ہجری تک پہنچ کر ختم ہوا، اور (پھر اس کے بعد) اکثر مقامات میں اس کے اقتدار کی جڑیں ہل گئیں، (اور انجام کار وہ وہاں سے ناپید ہو گیا) ہاں مصر و بغداد میں ابھی کچھ پیر و اس کے ضرور موجود ہیں، مگر بہت تھوڑے۔

(ویسے حقیقت یہ ہے کہ) حنبلی مذہب کو مذہب شافعی (ہی میں شامل سمجھنا چاہیے کیونکہ اس کی اگر اس کے مقابلہ میں اپنی کوئی مستقل حیثیت ہے تو بس اسی قدر جس قدر مستقل حیثیت کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذاہب کو امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مقابلہ میں حاصل ہے، ہاں ایک فرق ضرور ہے، اور وہ یہ کہ مذہب حنبلی مذہب شافعی کے ساتھ ضم کر کے مدون نہیں کیا گیا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذاہب کو باہم پاتے ہیں کہ ان کی تدوین امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی تدوین ہی میں ضم ہے، ہمارے خیال میں یہی وہ بات ہے جس کے باعث مذہب شافعی اور مذہب حنبلی دونوں کو ایک مذہب نہیں شمار کیا گیا، ورنہ ایک ایسے شخص کے لیے، جس نے ان دونوں مذاہب کی گہرائیوں میں اتر کر ان کو اپنی حقیقی شکل میں دیکھا ہو، انہیں ایک ہی مذہب کی حیثیت سے (ماننا اور) مدون کر دینا چنداں دشوار نہیں۔

(۴) اب مذہب شافعی کو لو (یہ مذہب اس حیثیت سے تمام مذاہب میں ممتاز ہے کہ)

اوروں کی بہ نسبت اس میں مجتہد مطلق منتسب اور مجتہد فی المذہب زیادہ ہوئے ہیں، اسی طرح علمائے اصول و ارباب علم کلام اور مفسرین قرآن و شارحین حدیث کی کثرت میں بھی کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، پھر اس لحاظ سے بھی وہ نمایاں خصوصیت کا مالک ہے کہ اس کی روایتیں اور سندیں دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں، اس کے امام کے اقوال زیادہ صحت کے ساتھ منضبط ہیں، امام مذہب کے اقوال کو اصحاب و جوہ کے اقوال سے ممتاز کر کے بیان کرنے کا خاصا اہتمام کیا گیا ہے، اور مختلف اقوال و آراء میں سے (ایک قول اور رائے کو دوسرے پر ترجیح دینے میں زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے، ان حقائق سے کوئی بھی ایسا شخص بے خبر نہیں جس نے ان تمام مذاہب کا تحقیقی مطالعہ کیا ہو اور ان کے پیچھے اپنی عمر کا معتد بہ حصہ گزارا ہو۔

امام شافعیؒ کے ابتدائی تلامذہ سب کے سب مجتہد مطلق (منتسب) تھے ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے امام مذکور کے تمام مجتہدات میں ان کی تقلید کی ہو، یہاں تک کہ ابن سرتج کا زمانہ آیا اور انہوں نے تقلید اور مخزج کے قواعد مرتب کیے، پھر ان کے شاگرد آئے اور وہ اسی راہ پر چلتے رہے جو ابن سرتج تیار کر گئے تھے، اسی بناء پر ان کو ان مجددین میں شمار کیا جاتا ہے، جن کی ہر صدی کے آغاز میں پیدا ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

پھر اس شخص سے (جس نے تمام مذاہب کا مسلسل تحقیقی مطالعہ کیا ہو) یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جن احادیث اور آثار پر مذہب شافعی کی یہ بنیاد ہے وہ باقاعدہ مدون ہیں، سارے اہل علم ان سے بخوبی واقف ہیں اور انہوں نے ان کی خدمتیں کی ہیں۔ یہ ایک ایسا خصوصی شرف ہے جو کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں، ان مدون کتابوں میں سے جن پر مذہب شافعی کی بنیاد ہے، ایک تو مؤطا شریف ہے، جو امام شافعیؒ سے پہلے کی ہے اور جسے امام موصوف نے اپنے مذہب کے لیے اساس قرار دیا ہے، باقی کتابیں یہ ہیں۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، اور سنن دارمی، پھر مسند شافعی، سنن نسائی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، اور امام بغویؒ کی شرح السنہ، ان میں سے (صحیح بخاری کے مؤلف) امام بخاریؒ اگرچہ شافعیت کی طرف منسوب ہیں اور اکثر فقہی مسائل میں امام شافعیؒ کے ہم نوا ہیں، مگر اس کے باوجود بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی رکھتے ہیں، چنانچہ اسی

وجہ سے ان کے وہ اقوال و مسائل، جن میں وہ تنہا ہیں (اور تمام شوافع کے خلاف رائے رکھتے ہیں) مذہب شافعی میں شمار نہیں ہوتے اور امام ابو داؤد اور امام ترمذی مجتہد منسوب ہیں، جن کا انتساب امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق کی طرف ہے، ابن ماجہ اور امام دارمی بھی، ہمارے خیال میں یہی حیثیت رکھتے ہیں، باقی رہے امام مسلم اور امام ابوالعباس احمد جنہوں نے مسند شافعی اور کتاب ”الام“ کے جمع و ترتیب کی خدمت انجام دی ہے، نیز وہ حضرات، جن کی کتابوں کا اوپر مسند شافعی کے ذکر کے بعد نام آیا ہے، تو یہ سب لوگ اپنا جداگانہ مسلک رکھتے ہیں اور شافعییت سے آزاد راہ رکھنے والے ہیں، جن کے اپنے مستقل فقہی اصول ہیں (جو مذہب شافعی کے اصولوں سے کافی تفاوت رکھتے ہیں)۔

اگر ہماری اس تقریر کا ٹھیک ٹھیک مدعا تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا تو تم پر یہ حقیقت روشن ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اجتہاد مطلق کی سعادت سے بے بہرہ ہے وہ شخص جو مذہب شافعی کا دشمن ہو، اور حدیث کا علم انکاری ہے اس بد نصیب کی خیر سگالی سے جو امام شافعی اور اصحاب شافعی (کے فیض علمی) سے بے نیاز ہو۔

وکن طفیلیتہم علی ادب

فلاری شافعا سوی لادب

(ادب کے ساتھ ان کا دامن پکڑ لو، ادب ہی اس مقصد میں تمہارا سفارشی ہو سکتا ہے۔

فقہی اختلافات کا رُخ

چوتھی صدی ہجری کے بعد

فتنوں کا ہجوم

اب اس کے بعد وہ دور آتا ہے جب مسلمانوں کی ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے، اس مثل کے افراد ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں (اور ان کے علمی ذوق میں ایک تباہ کن انقلاب برپا ہو جاتا ہے) اس دور میں اور دور مابعد میں جو خاص بیماریاں ان کے ذہنوں میں گھر کر لیتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) فقہی مجادلے

پہلی بیماری فقہ اور اس کی تفصیلات سے متعلق اہل علم کی باہمی نزاع اور ہنگامہ آرائی کی تھی جس کی تفصیل امام غزالی کے لفظوں میں یہ ہے:-

”خلفائے راشدین کا مبارک دور جب ختم ہو گیا تو زمام خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جو نہ اس امانت کے اٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور نہ علم فتاویٰ اور احکام شریعت سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے، اس لیے وہ مقدمات فیصلہ کرنے اور قضائے شرعی جاری کرنے کے لیے مجبور ہوئے کہ فقہاء سے مدد لیں اور ہر وقت انہیں اپنے ساتھ رکھیں، (گو خیر القرون کا دور ختم ہو چکا تھا مگر پھر بھی) ایسے علماء سے دنیا خالی

نہ تھی جو قدیم رنگ پر مضبوطی سے قائم تھے اور جو اخلاص دینی کو اپنی عزیز ترین متاع سمجھتے تھے، حکومتیں (ان کی طرف پلکیں مگروہ) انہیں جتنا ہی اپنی طرف کھینچیں وہ ان سے اتنا ہی زیادہ کھینچتے جاتے۔

جاہ پسند لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کی بڑی عزت ہے اور وہ اپنے اعراض اور استغنا کے باوجود ارباب حکومت کے مطلوب خاطر بنے ہوئے ہیں تو ان کے دلوں میں اس (ذریعہ عزت و اقبال یعنی) علم دین کے حاصل کرنے کا انتہائی شوق پیدا ہو گیا تا کہ اسے بازار میں لا کر عزت و شرف کا سودا کریں، نتیجہ یہ ہوا کہ اب علماء و فقہاء و صوفیائے نہ جاتے تھے، اگر کل تک وہ سلاطین سے منہ موڑنے کی بدولت باعزت تھے تو اب جب کہ انہوں نے خود سلاطین کا رخ کیا، ان کی عزت ذلت سے بدل گئی، الا ماشاء اللہ

ان سے پہلے کچھ لوگ علم کلام کی داغ بیل ڈال چکے تھے اور اس فن میں کتابیں تیار کر گئے تھے، قیل و قال اور اعتراض و جواب کا بازار گرم ہو چکا تھا اور بحث و مناظرے کی راہیں ہموار کی جا چکی تھیں، ان فقہاء کے لیے یہ چیزیں خاص توجہ اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں اور ایک مدت تک بنی رہیں، یہاں تک کہ بعض ایسے خفہاء اور سلاطین پیدا ہوئے جو فقیہی مناظروں کے بڑے دلدادہ تھے جنہیں اس وضاحت کے سننے کا بڑا شوق تھا کہ فلاں مسئلہ میں اولیٰ مسلک مسلک حنفی ہے یا مسلک شافعی؟ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ارباب فن، کلام اور دیگر علوم کے میدان تحقیق و جستجو سے نکل کر اختلافی مسائل فقیہ کے معرکے میں اتر آئے جہاں خاص طور سے حنفی اور شافعی مذاہب کو مناظروں کے لیے منتخب کر لیا گیا، امام مالکؒ، احمد بن حنبلؒ، سفیانؒ اور دوسرے ائمہ کے مذاہب سے یہ دلچسپی نہیں لی گئی (جس کی وجہ کھلی ہوئی ہے کہ امراء و خلفاء کو صرف حنفیت اور شافعییت ہی کے مناظروں سے دلچسپی تھی)

ستم یہ کہ (وہ انہی ان مساعی پر ہماراں بھی تھے) ان کا خیال تھا کہ وہ اس طرح شریعت کے اسرار و دقائق کا استنباط کر رہے ہیں، ہر مذہب کے علل اور مصالح بیان

کر رہے ہیں اور اصول فتویٰ کی راہ کو ہموار کر رہے ہیں اس خیال کے ماتحت انہوں نے تفسیفات اور استنباطات کا ڈھیر لگا دیا اور بحث و جدال کے گونا گوں اسلحہ ایجاد کر ڈالے، انہوں نے یہاں تک اسی روش پر چلے جا رہے ہیں، نہیں معلوم اب مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔“

(۲) ائمہ مجتہدین کی حقیقی بنائے اختلاف سے عدم آگہی

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو امام بزدوی وغیرہ علماء کی کتابوں میں درج ہیں، حالانکہ ان میں سے بیشتر اصول ایسے ہیں جو ان ائمہ کے اقوال و فتاویٰ کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں، مثلاً میرے نزدیک فقہ کے حسب ذیل اصول (حنفی ائمہ کے کلام سے بعد والوں نے نکالے ہیں۔

”خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے، اس کے ساتھ کوئی تشریحی بیان ملحق نہ کیا جائے گا۔“

”کسی حکم (قرآنی) پر اضافہ اس حکم کا نسخ ہے۔“

”خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے۔“

”راویوں کی کثرت لازمہ ترجیح نہیں۔“

”غیر فقیہ راوی کی روایت اگر قیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں۔“

”مقبول شرط اور مفہوم وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔“

”امر کا صیغہ حکم کے واجب ہونے کا متقاضی ہے۔“

یہ اور اس قسم کے بہت سے اصول فقہ ایسے ہیں جو حنفی ائمہ کے معین کیے ہوئے نہیں بلکہ ان کے فتوؤں کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں، امام ابوحنیفہؒ یا صاحبین سے ان اصولوں کی کوئی صحیح روایت منقول نہیں، پس امام بزدوی وغیرہ کی طرح ان کی محافظت کرنا اور ان پر وارد ہونے والے ان اعتراضات کا یہ تکلف جواب دینا جو خود ان ہی ائمہ متقدمین کے اپنے اجتہادات کے پیش نظر ان پر وارد ہوتے ہیں، کسی طرح بھی ان کے مخالف اصولوں کی مخالفت اور مدافعت سے زیادہ سزاوارا اتفاقات نہیں۔

اب ہم چند مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) ان حضرات (متاخرین علمائے احناف) نے فقہ حنفی کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ ”لفظ خاص اپنے حکم میں خود واضح ہے۔ کسی تشریحی بیان کو اس کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے گا“ یہ قاعدہ دراصل ائمہ متقدمین کے اس رویہ سے نکالا گیا ہے جو انہوں نے آیت **وَاسْجُدُوا وَارْكَعُوا** (سجدہ کرو اور رکوع کرو) اور حدیث ”آدمی کی نماز نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو پوری طرح ٹھیرائے نہیں“ کے باب میں اختیار کیا ہے، یعنی یہ کہ انہوں نے (الفاظ آیت کے پیش نظر) صرف مطلق رکوع اور سجدے کو فرض مانا (رکوع و سجود میں اطمینان کو فرض نہیں ٹھیرایا اور حدیث کو آیت کا وضاحتی بیان نہیں قرار دیا، متاخرین نے اس سے مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ وضع کر لیا، مگر دیکھو کہ متعدد مسائل میں ائمہ متقدمین نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے ان کا یہ اصول کس طرح ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔

آیت **وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ** میں محض سر پر مسح کرنے کا حکم ہے (اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے) مگر حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ کا مسح فرمایا، متقدمین نے اس حدیث کو آیت مذکورہ کا بیان تسلیم کرتے ہوئے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت کا فتویٰ دیا، اسی طرح آیت **الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا** الخ (زنا کار عورت اور زنا کار مرد کو سو کوڑے مارو) اور آیت **السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا** الخ (چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو) اور آیت **حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ** (یہاں تک وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے) وغیرہ میں خاص الفاظ موجود ہیں (اگر ان الخاص مبین فلا يلحقه البيان کا اصول امام اعظمؒ وغیرہ کے سامنے تھا تو لازماً انہیں کسی حدیث کی بنا پر ان خاص لفظوں کی مزید وضاحت قبول نہیں کرنی چاہیے تھی) مگر انہوں نے ان احادیث کو ان الفاظ خاص کی توضیح کی حیثیت سے قبول کیا ہے جو ان مسائل سے متعلق تھیں (۱) اب جب متاخرین کے بنائے ہوئے مذکورہ فقہی ضابطہ پر اس بنیاد پر اعتراض

(۱) تینوں آیتوں میں جو خاص الفاظ ہیں وہ یہ ہیں: ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي“ ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ“ ”تَنْكِحَ“ ان میں مطلق زنا، چوری اور نکاح کا حکم ہے اس امر کی کوئی قید نہیں کہ زنا کرنے والا شادی شدہ نہ ہو، چوری کا مال دس درہم سے کم نہ ہو، نکاح کے بعد ملاقات بھی ہو چکی ہو، ان قیود کا چھ صرف احادیث سے ملتا ہے۔

وارد ہوا تو انہوں نے اس کے جواب میں عجیب عجیب سخن سازیاں کیں جن کی تفصیل ان کی تصنیفات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(ب) قرأت نماز کے متعلق نص قرآنی ”فَاقْرَءْ وَامَّا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو) میں ”ماتیسر“ کا عموم چاہتا ہے کہ جتنا بھی اور جہاں بھی قرآن پڑھ لیا گیا نماز ہو جائے گی اور حدیث ”لا صلوة الا بفتح الکتاب“ کا ظاہری مفہوم چاہتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت ہر رکعت میں فرض ہے، لیکن قدماء نے آیت کے عموم کو اپنی جگہ رکھا اور حدیث کو اس کا تفسیر نہ مانتے ہوئے فتویٰ دیا کہ قرأت فاتحہ فرض نہیں ہے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ”جن کھیتوں کو دریا اور چشمے سیراب کریں ان کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالا جائے“ دوسری حدیث میں ہے کہ ”پانچ وسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں، قدماء نے پہلی صورت کے عموم کو سامنے رکھتے ہوئے فتویٰ دیا کہ ہر مقدار کی پیداوار میں عشر واجب ہے گویا انھوں نے دوسری حدیث سے مقدار کی تحدید و تخصیص نہیں کی، ائمہ کے اسی طرح کے چند واقعات اور اقوال سے متاخرین نے یہ ایک کلی اصولی مستطیل کر لیا کہ ”العام قطعی کا الخاص“ یعنی لفظ عام بھی اپنے حکم اور مفہوم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے، اس کے عموم کو محدود نہیں کیا جائے گا۔

لیکن جب اس پر اعتراض وارد ہوا کہ آیت ”فَمَا اسْتيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“ کے عموم کو تو قدما نے قطعی نہیں مانا ہے (کیونکہ ”فَمَا اسْتيسَّرَ“ کا لفظ عام ہے جس کو اگر وہ اپنے عموم پر قائم رکھتے تو انہیں فتویٰ دینا چاہیے تھا کہ جو چھوٹی بڑی ہدی (قربانی کا جانور) بھی میسر آجائے اس کی قربانی کی جاسکتی ہے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ ارشاد نبوی کی بنا پر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ہدی کے لیے بکرایا بکرے سے بڑا کوئی جانور ہونا چاہیے تو اس اعتراض کے جواب میں انھوں نے زبردستی کئی باتیں کہنی شروع کر دیں۔

(س) یہاں حال ان کے اس اصول کا بھی ہے کہ لا عبرة بمفہوم الشرط والوصف یعنی اگر کوئی حکم شرعی خاص موقع پر دیا گیا ہو تو اس حکم کے اطلاق میں اس خاص موقع کی خصوصیات اور شرائط کا اعتبار نہ کیا جائے گا یہ قاعدہ دراصل متقدمین کے اس مسلک سے نکالا گیا ہے جو انھوں نے آیت ”فَمَا اسْتيسَّرَ“ کے بارے میں اختیار کیا ہے (اس آیت کا ظاہری

مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بیچہ ناداری اس کے اخراجات کے متکفل نہیں ہو سکتے وہ لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن متقدمین نے عدم استطاعت کی اس شرط کو قید جواز نہ مانتے ہوئے استطاعت والوں کو بھی لونڈی سے نکاح کی اجازت دے دی۔

لیکن اب ان ہی متقدمین کے دوسرے اقوال و فتاویٰ حضرات متاخرین کے اس اصول سے ٹکراتے ہیں، مثلاً ایک حدیث ہے کہ ”فسی الابل السائمة زکوة“ (چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ ہے) اس حدیث میں ”چرنے والے“ کی شرط مذکور ہے جس کا ائمہ متقدمین نے لحاظ فرمایا ہے اور صرف چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ کی فرضیت کا فتویٰ دیا ہے۔ (اور اس شرط کو کالعدم قرار دے کر جنگل میں چرنے والے اور باندھ کر کھلانے جانے والے ہر قسم کے اونٹوں پر زکوٰۃ کو واجب نہیں ٹھہرایا ہے) متاخرین کے سامنے جب ان کے اصول مذکورہ بالا پر یہ اعتراض ہوا تو وہ زبردستی کی تاویلیں کرنے کے سوا کچھ نہ کہہ سکے۔

(د) اسی طرح حدیث مصراۃ (۱) میں ائمہ سلف نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس کے پیش نظر متاخرین نے یہ کبھی اصول بنالیا کہ جب کوئی غیر فقیہ راوی کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو قیاس سے متضاد ہوتی ہو تو وہ واجب العمل نہ ہوگی، مگر جب ان پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر یہ اصول صحیح ہے تو قدما نے حدیث قبہ (۲) کو نیز بھول کر کھالینے سے روزے کے نہ ٹوٹنے والی حدیث کو کیوں واجب العمل مانا (حالانکہ یہ حدیثیں خلاف قیاس بھی ہیں اور غیر فقیہ راوی کی روایت بھی) تو اس کا وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔

اسی طرح کی ایک دوئیں کتنی ہی مثالیں موجود ہیں جو کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں، البتہ جو یہ نظر نہ رکھتا ہو اور فقہی ذخیروں کی چھان بین نہ کر سکتا ہو اس کے لیے تو یہ چند اشارات درکنار

(۱) ”مصراۃ“ اس جانور کو کہتے ہیں جس کا تھن بن دوہا ہوا چھوڑ دیا جائے تاکہ خریدار کو وہ بڑا نظر آ سکے اور وہ دھوکا کھا کر زیادہ دام لگا دے، حدیث مصراۃ یہ ہے: جس نے کوئی بکری خریدی جس کے تھن میں دودھ روک کر اسے بیچا گیا ہو، اس کو تین دن تک یہ اختیار ہے کہ چاہے تو بکری لے لے، چاہے ایک صاع غلہ کے ساتھ واپس کر دے۔

(۲) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز میں زور سے فس دے تو اس کی نماز عی نہیں بلکہ وضو بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

طویل تحریریں بھی کافی نہیں۔

مسئلہ کی اصل حقیقت بالکل ہی بے نقاب ہو سکتی ہے اگر تم صرف ایک ہی اصول کے متعلق علماء محققین کی رائیں سن لو، فقہ حنفی کا مشہور اصول ہے کہ کسی ایسے راوی کی خلاف قیاس روایت قبول نہ کی جائے گی جو ضابطہ اور عادل تو ہو مگر فقیہ نہ ہو، مثلاً ”حدیث مصراۃ“، محققین فرماتے ہیں کہ (یہ اصول متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اس میں دو مذہب ہیں، ایک عینی بن ابان کا مذہب ہے اور وہ وہی ہے جس کی اصول مذکور ترجمانی کرتا ہے اور اکثر متاخرین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، دوسرا مذہب امام کرخی کا ہے، جن کے نزدیک خبر واحد کے مقبول ہونے کے لیے راوی کا فقیہ ہونا شرط نہیں کیونکہ حدیث بہر حال قیاس کے مقابلہ میں واجب الاتباع ہے، بہت سے علماء نے اسی دوسری رائے کو مانا ہے، اس تشریح کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

”یہ قول (یعنی قول اول) ہمارے ائمہ سے منقول نہیں، ان سے تو یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ انھوں نے بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو واجب العمل تسلیم کیا ہے، حالانکہ روایت قیاس کے خلاف تھی، یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ نے صریحاً فرمایا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں قیاس کو اختیار کرتا۔ پھر یہ واقعہ بھی حقیقت کی طرف تمہاری رہنمائی کر سکتا ہے کہ ائمہ متقدمین کے افکار و اقوال کو سامنے رکھ کر متاخرین نے جو تخریجات کی ہیں ان میں اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی جی کھول کر تردید کرتے ہیں (ظاہر ہے کہ اگر یہ اصول تخریج و استنباط ائمہ کے ہوتے تو ان تخریجات میں یہ اختلاف نہ ہوتا، نہ باہم رد و قدح ہوتا)

(۳) فقہی اقوال کی حقیقت سے بے خبری

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام جزئیات جو ان لمبی لمبی شرحوں اور فتاویٰ کی موٹی موٹی کتابوں میں موجود ہیں، سب کی سب امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال ہیں، وہ ان فتوؤں میں یہ تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا واقعی قول ہے اور فلاں قول ان کی راویوں اور فتوؤں کو سامنے رکھ کر بعد میں مستہطل کیا گیا ہے، اور یہ جو ان کتابوں میں ”علی تخریج الکرخی کذا“ (امام کرخیؒ کی تخریج کے مطابق یوں) اور ”علی تخریج الطحاوی کذا“

(امام طحاوی کی تخریج کے مطابق یوں) کے الفاظ آیا کرتے ہیں ان کو وہ گویا بے معنی سمجھتے ہیں، اسی طرح ”قال ابو حنیفہ کذا“ (امام ابو حنیفہؒ نے یوں فرمایا ہے) اور جواب المسئلۃ علی مذهب اسی حنیفہ کذا (امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے موافق مسئلہ کا جواب یوں ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے، اور امام ابن الہمامؒ وابن النجیمؒ وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ وہ درودہ (۱) اور مسئلہ شرط تیمم (۲) اور ایسے ہی دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا کہ ”در اصل یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں“ ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتناء ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں اس وہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد ان ہی جدی بحثوں پر قائم ہے جو اہل سوط، الہدایہ اور التہمین وغیرہ کتابوں کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کی بنیاد منطقی بحثوں پر نہیں ہے اور ان کے اندر بحث و جدال کے اس طرز کی ابتداء تو دراصل معتزلہ سے ہوئی ہے جسے متاخرین نے اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ فقہی مباحث میں اس قسم کی باتوں کی بھی گنجائش ہے، نیز یہ کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ہم اس جگہ ان اوہام اور شکوک کی تردید میں لمبی گفتگو نہیں کرنی چاہتے، کیونکہ اس باب کی تمہید میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کی روشنی ان میں سے اکثر کا خود بخود ازالہ کر دیتی ہے۔

(۴) ”رائے“ اور ”ظاہریت“ کے مفہوم سے ناواقفی

ایک غلط فہمی یہ ہے کہ ”فقاہت کے لحاظ سے محض دو گروہ ہیں: ایک اہل الظاہر دوسرے اہل الرائے، اور جو شخص بھی قیاس اور استنباط سے کام لے وہ اہل الرائے میں سے ہے۔“ حاشا کہ حقیقت سے یہ انتہائی بے خبری ہے، لفظ ”رائی“ کا مفہوم نہ تو نفس عقل و فہم ہے کیونکہ کوئی بھی عالم اس صفت سے عاری نہیں ہو سکتا، نہ ہی وہ رائے محض ہے جس کا رشتہ سنت سے یکسر منقطع ہو۔

(۱) یعنی ”ماہ کثیر“ جو ناپاکی مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اس کی حد حنفی علماء نے یہ بیان کی ہے کہ وہ کم از کم دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو۔

(۲) حنفیہ کے یہاں ”تیمم“ کی اجازت اس وقت مل سکتی ہے جب کہ آدھی پانی سے ایک میل دور ہو۔

کیونکہ ایسی رائے کوئی متبع اسلام اختیار نہیں کر سکتا، اور نہ اس سے مراد قیاس و استنباط کی صلاحیت ہے، کیونکہ امام احمدؒ اور اسحاقؒ بلکہ امام شافعیؒ کا بھی بالاتفاق اہل الرائے میں شمار نہیں، حالانکہ وہ قیاس سے بھی کام لیتے ہیں اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں، دراصل رائی اور اہل الرائے کا مفہوم ان تمام سے جداگانہ ہے، اہل الرائے ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے جمہور مسلمین کے متفق علیہا مسائل کے بعد فردی اور اختلافی مسائل میں کسی امام کے اقوال و اصول کو سامنے رکھ کر تخریج و استنباط پر اکتفا کر لیا اور احادیث و آثار کی تلاش و تحقیق سے تقریباً بے نیاز ہو کر حل مسائل کے لیے عموماً یہ دیکھتے رہے کہ یہ مسئلہ فقہاء کے کھیرائے ہوئے اصول میں سے کس اصل کے تحت آتا ہے؟ اور اقوال امام کے ذخیرے میں اس کے اشیاء و نظائر کیا ہیں؟ ان کے مقابلہ میں اہل الظاہر و لوگ ہیں جو نہ قیاس سے کام لیتے ہیں اور نہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے، جیسے امام داؤدؒ اور علامہ ابن حزمؒ ان دونوں گروہوں کے درمیان محققین، اہل سنت کا گروہ ہے، جیسے امام احمدؒ و امام اسحاقؒ۔

(۵) اندھی تقلید کا زور

پانچویں مہلک بیماری اس زمانہ میں یہ پیدا ہوئی کہ تقلید جابد پر لوگ مضبوطی سے جم گئے، اور وہ غیر شعوری طور پر ان کے ایک ایک رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی، جس کے چند اسباب تھے۔

پہلا سبب فقہاء کی باہمی جنگ و جدل ہے، کیونکہ فتوؤں میں جب ان کے مابین آپس کی مناظرانہ چپقلش اور رد و قدح شروع ہوئی تو نوبت یہ آگئی کہ جہاں کسی فقیہ نے کوئی فتویٰ دیا دوسرے نے فوراً اس کی تردید کر دی، اور اپنی رائے الگ پیش فرمادی، اس نزاع میں جب تک کسی قدیم امام مجتہد کا قول بطور حجت نہ پیش کیا جاتا، جھڑپے کا تصفیہ ہی نہ ہو پاتا (اس طرح اب باب علم و افتاء کے لیے ناگزیر ہو گیا کہ کسی نہ کسی امام کی تقلید محض کے حصار میں پناہ لیں)۔

دوسرا سبب اس زمانے کے قاضیوں کا ظلم و جور ہے چونکہ ان کے فیصلے (اکثر سنہ عادلہ سے بے پروا ہو کر) جو رستم پر مبنی ہوا کرتے تھے اور ان پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا اس لیے ان کی کوئی بات اس وقت تک قبل قبول نہ ہوتی جب تک عام لوگوں کے نزدیک وہ شک و شبہ سے بالاتر نہ ہو جائے، یعنی وہ ایسی رائے ہو جو ائمہ سلف سے بھی منقول ہو۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں خواص علم و دین سے کورے ہو چکے تھے اور ایسے لوگوں کی طرف فتوے حاصل کرنے کی خاطر رجوع ہونا پڑ رہا تھا جو نہ علم حدیث سے کوئی بہرہ رکھتے تھے اور نہ تخریج و استنباط کی اہلیت رکھتے تھے، جیسا کہ تم اکثر متاخرین کے اندر یہ نقص پامانی دیکھ سکتے ہو، علامہ ابن ہمام وغیرہ نے اس علمی و فقہی زوال پر شدید احتجاج کیا ہے (ایک وقت وہ تھا جب فقیہ اور مجتہد کے الفاظ ایک ہی معنی میں بولے اور سمجھے جاتے تھے مگر اب فقہاء کا معیار بدل چکا تھا) اس زمانے میں غیر مجتہد بھی فقیہ ہونے لگا تھا (۱)۔ اور پھر یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی تعصبات لوگوں کے دماغوں پر بری طرح چھا گئے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان فقہی اختلافات میں سے اکثر، خصوصاً جن مسائل میں صحابہؓ بھی مختلف تھے، اور دونوں طرح کی رائیں ان سے منقول ہیں، مثلاً تشریق کی تکبیروں اور میدین کی تکبیروں کے اختلاف، نکاح محرم کے جواز کا اختلاف، ابن عباسؓ کے تشہد اور ابن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف، آمین اور بسم اللہ کو نماز میں آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنے کا اختلاف، اقامت میں کلمات اذان کو ایک بار یا دو بار کہنے کا اختلاف وغیرہ، ایسے اختلاف ہیں جن کی نوعیت بس ایک رائے اور مسلک کو دوسرے مسلک پر ترجیح دینے کی ہے، ورنہ ان کی اصل مشروعیت میں ائمہ سلف کا کوئی اختلاف نہیں (یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کتاب و سنت سے مستحیط ہیں اور جائز و مشروع ہیں) ان کا آپس کا اختلاف جو کچھ تھا صرف اس امر میں تھا کہ فلاں مسئلہ میں جو دو پہلو ہیں ان میں اولیٰ کون ہے؟ ان کے اس اختلاف کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ قرأت قرآن کے اختلافات کی ہے، چنانچہ وہ اپنے اکثر اختلافات کی تعلیل بھی یہی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام آپس میں اختلاف رائے رکھتے تھے (اور اس مسئلہ میں فلاں صحابی نے یہ فرمایا ہے) جب کہ صحابہ سب کے سب ہدایت کی روشن شاہراہ پر تھے (یعنی کسی صحابی کا اختیار کیا ہوا مسلک خلاف شرع نہیں ہو سکتا) یہی وجہ ہے کہ علمائے حق مسائل اجتہادیہ میں تمام ارباب افتاء کے فتوؤں کو جائز سمجھتے اور قضاۃ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے آئے ہیں، اور بسا اوقات اپنے مذاہب کے خلاف بھی عمل کرتے رہے ہیں، چنانچہ تم اس قسم کے مواقع پر تمام ائمہ مذاہب کو دیکھو گے کہ وہ

(۱) لیکن شاید یہ دور پھر بھی غنیمت تھا، اب تو وہ دور آیا ہے جس میں فقیہ بننے کے لئے قوت اجتہاد ہی نہ صرف یہ کہ ضرورت نہیں بلکہ جیسے وہ کچھ ممنوع بھی ہے۔

مسئلہ کو پھیلا کر بیان کرتے اور مخالف مسلک کو بھی ذکر کر دیتے ہیں، پھر بعد میں اپنے مسلک کے بارے میں یہ بھی فرمادیتے ہیں کہ ”یہ میرے خیال میں زیادہ محتاط مسلک ہے“ ”یہ رائے زیادہ قابل اختیار ہے“ ”یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے“ اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ ”ہم تک صرف یہی حکم پہنچا ہے“ المیسوطہ، آثار محمدؐ اور اقوال شافعیؒ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، اس مبارک دور کے بعد ان وسیع النظر ائمہ دین کے پیروں کا زمانہ آیا تو انہوں نے اختصار کی راہ اختیار کر کے صرف اپنے ہی مسلک و مذہب کے ذکر و بیان پر اکتفا کر لی (اور دوسرے مجتہدین کی رایوں کو یکسر نظر انداز کر دیا) اس طرح اختلاف کی جڑوں کو مضبوط کر کے وہ محض اپنے ہی ائمہ کے اقوال پر سختی سے جم گئے۔

اور یہ جو بعض علمائے سلف سے ان کے اپنے ہی امام کے مذہب پر ہمیشہ قائم رہنے کی تاکید منقول ہے، سو یہ یا تو ایک طبعی رجحان کی بنا پر ہے، کیونکہ ہر انسان اپنے پیشواؤں اور بزرگوں کی پسندیدہ چیزوں کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ غذا اور لباس بھی اسے وہی مرغوب ہوتے ہیں جو اس کے بزرگوں کے مرغوب خاطر رہے ہوتے ہیں، یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے دلائل کی عظمت اور قوت سے مرعوب تھے، یا پھر اسی طرح کی کوئی اور وجہ ہوگی جسے بعض لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہ دراصل ان کے گروہی تعصب کا نتیجہ ہے، مگر حاشا وکلا انھوں نے تعصب کی بنا پر ہر گز یہ بات نہیں کہی۔

(اب ذرا ان اختلافات کی اصلیت پر غور کرو جن پر فرقہ بندیوں کا محاذ جنگ قائم ہو رہا ہے اور دیکھو کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ سلف نے ہمارے لیے کون سا اسوہ چھوڑا ہے؟) ان تمام کا حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ (نماز میں قرأت سے پہلے) بسم اللہ پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے، کچھ لوگ زور سے پڑھتے تھے کچھ آہستہ سے، بعض لوگ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے، اگر ان میں ایک جماعت ایسی تھی، جو قے کرنے یا پھینچنے لگوانے، یا تکسیر ٹونے کے بعد تجدید وضو کو ضروری خیال کرتی تھی تو ایک جماعت ایسی بھی تھی جس اس کی مطلقاً ضرورت نہ سمجھتی تھی، کچھ لوگ شرم گاہ کے چھودینے یا عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگا دینے کو ناقض وضو سمجھتے تھے تو کچھ کا مسلک اس کے خلاف بھی تھا، بعض لوگ اگر آگ سے پکی

ہوئی چیز کھانے کے بعد از سر نو وضو کرنا ضروری خیال کرتے تھے تو بعض ایسا خیال نہیں رکھتے تھے، اونٹ کا گوشت کھانا اگر کسی کے نزدیک وضو کا ناقض تھا تو دوسروں کے نزدیک ناقض نہیں تھا، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں اختلافات موجود تھے، لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ (کسی نے کسی کی اقتداء سے کبھی انکار نہیں کیا) مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور امام شافعیؒ وغیرہ اہل مدینہ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے، حالانکہ اہل مدینہ (نماز میں) سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے، نہ آہستہ اور نہ زور سے، امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر دہرائی نہیں حالانکہ اس نے پیچھے لگوانے کے بعد وضو کی تجدید نہیں کی تھی، جس کا فتویٰ اسے امام مالکؒ نے دیا تھا۔ (اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پیچھے لگوانے سے وضو نوت جاتا ہے) اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ پیچھے اور تکبیر کو ناقض وضو مانتے تھے لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد پھر سے وضو نہ کیا ہو؟ تو آپ نے جواب دیا ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ اور سعید بن المسیب کے پیچھے میں نماز نہ پڑھوں؟“ (جن کے نزدیک یہ چیزیں ناقض وضو میں سے نہیں ہیں)۔

روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن عابدینؒ میں حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کے مطابق تکبیریں کہا کرتے تھے (حالانکہ ان دونوں اماموں کا مذہب اس کے خلاف تھا) وچہ صرف یہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کو اپنے دادا حضرت ابن عباسؓ ہی کی تکبیر پسند تھی۔

امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے مقبرے کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو محض ان کے لحاظ اور اوب سے دعائے قنوت کو ترک کر دیا، اور فرمایا کہ ”بسا اوقات ہم اہل عراق کے مسلک پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔“

خلیفہ ہارون یا منصور کو امام مالکؒ نے مؤطا کے سلسلے میں جو جواب دیا تھا، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

امام ثانیؒ (امام ابو یوسفؒ) کے متعلق المزازیہ میں ہے کہ آپ نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز پڑھ کر جب لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ حمام کے کوئیں میں ایک مراہو اچو ہا موجود ہے امام موصوف نے یہ سن کر فرمایا کہ ”تو پھر اس

وقت ہم اپنے مدنی بھائیوں (یعنی مائیکوں) کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلعہ کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا، اس کا حکم ماء کثیر کا ہو جاتا ہے (۱)۔

(۶) غیر ضروری فنی کاوشوں کا زور

اس دور میں ایک اور چیز پیدا ہو گئی جس نے اکثر لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی، وہ (علوم شریعت کے اصل سرچشمہ سے اک گونہ بے پردا ہوتے گئے اور) مختلف فنوں میں موٹنگافیاں کرنے لگے، کچھ لوگوں نے اپنی کاوشوں کے متعلق یہ گمان کیا کہ ہم علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کی بنیادیں بھر رہے ہیں، پھر وہ جدید و قدیم تاریخ کی تدوین میں منہمک ہو رہے، کچھ لوگ غریب اور نادار حتیٰ کہ موضوع احادیث و اخبار کی چھان بین میں مصروف ہو گئے، ایک گروہ نے اصول فقہ کے مباحث کو پھیلا نا شروع کیا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے امام و اصحاب کی تائید کے لیے بے شمار جدلی قواعد ایجاد کر ڈالے، دوسروں پر جی کھول کر اعتراض کیے، دوسروں کے اعتراضات کے خوب جواب دیئے ایک ایک چیز کی تعریف بیان کی، مسائل و مباحث کی تقسیم کی، اور اس طرح اس فن پر ان کے قلم سے کبھی طویل اور کبھی مختصر کتابیں تحریر ہوتی رہیں، پھر ان میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے یہ ساری و ماغی کاوشیں یا تو ایسی فرضی صورتوں کو سامنے رکھ کر کیں جو حد درجہ مستبعد اور بے اصل تھیں، اور جو اس قابل نہیں کہ ان کی طرف کوئی معقول آدمی نظر بھی ڈالے یا پھر ائمہ تخریج کے بلکہ ان سے کم مرتبہ علماء کے عموم عبارت اور اشارات کو کرید کرید کر کیں، جن کا سننا نہ کسی عالم کو پسند ہو سکتا ہے نہ کسی عامی کو۔

(یہ دور اتنے فتنوں کو ساتھ لے کر آیا تھا) اختلاف و نزاع اور لاطال تعلق و تدقیق کا یہ فتنہ قریب قریب ویسا ہی (خطرناک اور مہلک) تھا جیسا کہ تاریخ اسلام کا پہلا (سیاسی) فتنہ، جو اس وقت اٹھا تھا جب اقتدار حکومت کے لیے لوگوں میں کش مکش شروع ہو گئی تھی اور ہر شخص اپنے ساتھی (لیڈر) کو ہر سخت لانے کی (جاو بے جا) سر توڑ کوششوں میں مصروف تھا، جس طرح اس فتنہ کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ”ملک عضو“ (جابر و ظالم بادشاہ) امت کے سر پر مسلط ہو گئے اور تاریخ اسلام

(۱) ائمہ دین کے اس اسوہ کو دیکھئے اور پھر اس زمانے کے ان حنفیوں اور غیر حنفیوں کے طرز عمل پر نگاہ ڈالئے جنہیں ان ائمہ کی پیروی کا دعویٰ ہے۔

میں نہایت سخت اور ہولناک واقعات پیش آئے، اسی طرح یہ جدید فتنہ بھی جہل تاریکی، شکوک اور اوہام کا ایک ایسا طوفان بپا کر گیا جس کی پہنائیوں کا کوئی حساب نہیں۔

پھر ان کے بعد ان کی جو نسلیں آئیں وہ اسی اندھی تقلید کی تاریک فضا میں پروان چڑھیں، اس لیے انہیں حق و باطل میں تمیز کرنے اور جدل محض اور استنباط صحیح کی حدود الگ کرنے کا مطلق شعور نہ رہا، اب فقیہ نام ہونے لگا اس شخص کا جو ابھی ہوئی بکواس کر سکتا ہو، جو کسی بات پر چپ رہنا اور حق و ناحق کا لحاظ کرنا جانتا ہی نہ ہو، جس نے بلا امتیاز رطب و یابس، فقہاء کے تمام اقوال رٹ رکھتے ہوں اور اپنے جڑے چیرے ان کی دھواں دھار تلاوت کر سکتا ہو، اسی طرح اصطلاحی محدث نام تھا اس شخص کا جس نے غلط اور صحیح ہر قسم کی روایتوں کو شمار کر رکھا ہو اور زبان کی پوری طاقت سے جس طرح قصے سنائے جاتے ہیں، ان کو فر فرنا سکتا ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہی حال سب کا تھا، نہیں اس نقطہ کے باوجود اللہ کے کچھ (نیک نہاد) بندے باقی تھے جن کا کوئی دشمن حق کچھ نہ بگاڑ سکا، اگرچہ بہت کم تھے، ایسے ہی لوگ اللہ کی زمین پر اس کی حجت ہیں۔

اس دور کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا فتنہ آرائی اور متعصبانہ تقلید پرستی کا طوفان بڑھتا ہی گیا اور دلوں سے علم و بصیرت کی امانتیں نکلتی گئیں، حتیٰ کہ لوگ اب امور دین میں غور و تدبیر کی ”بدعت“ کو مٹا کر اطمینان کا سانس لے رہے ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ

ہم نے اپنے آباء کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقوش قدم کی پیروی کرتے رہیں گے۔

اب سوائے اللہ کے، اور کس سے اس کا گلہ کیا جائے، وہی ہمارا مددگار ہے اور صرف اسی کی ذات کا بھروسہ ہے۔

اختلافی مسائل اور ان کا نقطہ عدل

اسلام وحدت کا پیام لے کر آیا تھا مگر اس وقت جہل و تعصب کے ہاتھوں میں پڑ کر وہ اختلاف و نزاع کی خدمت سرانجام دے رہا ہے، مذہب کے چند جزئی مسائل نے باہمی ہنگامہ آرائیوں کا جو طوفان عظیم بپا کر رکھا ہے ان کی حقیقت پر جب میں نے پوری طرح غور کیا تو یہ پایا کہ ہر گروہ حق و اعتدال کے مرکز سے کچھ نہ کچھ ہٹا ہوا ہے اور بے جا تعصب اور غلو سے کام لے رہا ہے، ہر ایک اتباع حق کا مدعی ہے، مگر سچائی کی اخلاص طلب شاہراہ پر چلنے کے بجائے جذبات کی لہروں میں بہہ رہا ہے، مجھے رحمت الہی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے مجھے عدل کی میزان بھی بخش دی ہے جس پر حق اور باطل کو تول کر نہیں اندازہ کر رہا ہوں کہ حق کی سیدھی اور صاف راہ کون سی ہے اور وہ اس وقت کس طرح اختلافات کی خارزار بن گئی ہے اور ان نزاعات و اختلافات کی بنیاد کیا ہے۔

اہل زمانہ کی اس افسوسناک حالت کو دیکھ کر ضروری معلوم ہوا کہ ان مسائل کی اصل نوعیت انہیں سمجھا دی جائے جن کے اندر ان کے افکار الجھ کر رہ گئے ہیں، اور جن کی تائید و تردید میں ان کے قلم بغیر کسی سچی بصیرت کے بیجا جوش و خروش کا اظہار کر رہے ہیں۔

ان میں سب سے اہم مسئلہ تقلید کا ہے، ائمہ اربعہ کی تقلید کا جواز قریب قریب ساری امت کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس کے اندر جو مصالح ہیں انہیں ہر دیکھنے والی آنکھ دیکھ سکتی ہے، خصوصاً اس پر آشوب زمانہ میں جب کہ عام قوائے فکریہ پر جمود اور دوں ہمتی کی موت سی طاری ہے، دلوں میں

طلب حق کا کوئی جوش اور ولولہ باقی نہیں، شریعت کے قوانین انسانی آراء پر قربان کیے جا رہے ہیں، اور ہر کس و نا کس خود پرستی اور خود رائی کے نش میں چور ہے۔

تقلید کے بارے میں ابن حزمؒ کے اس قول نے کہ ”آیات قرآنی اور اجماع سلف کی رو سے تقلید حرام ہے اور خودائمر مجتہدین نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے“ لوگوں کو عجیب غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے اور ہر عامی و جاہل پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، حالانکہ یہ قول بجائے خود بالکل برحق ہے۔ اپنا ایک خاص محل اور معنی رکھتا ہے اور اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے:-

(۱) جو اپنے اندر اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ میں سہی۔

(۲) جو اچھی طرح جانتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کا حکم دیا ہے، یا فلاں بات سے روکا ہے، اور یہ حکم منسوخ نہیں ہے، اس بات کا علم خواہ اسے احادیث کے تتبع اور مخالف و موافق دلائل کے استقراء سے حاصل ہو، یا یہ دیکھ کر کہ ارباب علم و بصیرت کا سوا و اعظم اس طرف جا رہا ہے اور مخالف کے پاس قیاس آرائیوں اور منطقی و قیقدہ سنجیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، وہ اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ ایسی صورت میں حدیث نبوی کی مخالفت کا سبب یا تو کھلا ہوا جہتق ہو سکتا ہے یا کوئی چھپا ہوا نفاق۔

شیخ عبدالدین بن عبدالسلامؒ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ”حیرت ہوتی ہے ان تقلید پرست فقہاء پر جو اپنے امام کی اجتہادی غلطی سے واقف ہونے کے بعد اس کے قول پر سختی سے جبر رہتے ہیں اور اسے ترک کر کے کسی ایسے قول کو اختیار نہیں کرتے جو اپنی صحت پر کتاب و سنت اور قیاس صحیح کے بے شمار شواہد رکھتا ہو، بلکہ بعض اوقات تو یہ نادان اس اندھی تقلید کے اندھے جوش میں عملاً خواہر کتاب و سنت کی بھی مخالفت پر تل جاتے ہیں اور اپنے امام کی اصابت رائے بلکہ ”معصومیت“ ثابت کرنے کے لیے نصوص شرعیہ کی ایسی رکیک، مہمل اور فاسد تاویلین کرتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر تحریف کلام کی مکروہ اور حیرت انگیز مثال شاید ہی مل سکے۔“

پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

صدر اڈل میں جس سے بڑھ کر مبارک اور حق شناس دور شاید قیامت تک نہ آئے، لوگوں کا حال یہ تھا کہ جس عالم دین کو پا جاتے اسی سے فتویٰ چھ لیا کرتے تھے، بغیر اس تحقیق و تجسس کے کہ یہ عالم کس خیال اور مسلک کا پیرو ہے لیکن اس دور کے بعد حالت میں ایک عظیم الشان فرق پیدا ہو جاتا ہے، چار مذاہب اور ان کے جامد مقلدین کا ظہور ہوتا ہے اور ہدایت کے اصل مرکز سے بالکل بے پرواہ ہو کر صرف ائمہ کے اقوال پر اعتماد کر لیا جاتا ہے خواہ ان کا کوئی قول کتنا ہی کمزور اور بے دلیل و دجھت ہو، گویا مجتہد، مجتہد نہ رہا، اللہ کا رسول بنا لیا گیا، جو خود معصوم ہے اور اس کی ہر بات وحی الہی ہے، یہ راستہ حق کا راستہ نہیں ہے بلکہ سراسر جہل اور باطل کا راستہ ہے“ امام ابو شامہ کا فیصلہ بھی سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:-

”جو شخص فقہ سے دلچسپی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایک ہی امام کے مذہب پر اکتفا نہ کرے بلکہ ہر مجتہد کے اقوال پر نظر ڈالے، تمام کے اندر ڈوب کر حق کا سراغ لگائے اور اس غواصی میں اسے جو قول قرآن و سنت سے زیادہ اقرب ملے اسی کو اختیار کرے، اگر علوم و اہل کے ضروری حصوں پر اس کی نگاہ ہوگی تو انشاء اللہ یہ قوت تیز اسے بآسانی حاصل ہو جائے گی اور کسی وقت اور نا کامی سے دوچار ہوئے بغیر وہ شریعت کی اصل شاہراہ پالے گا، ایسے شخص کو چاہیے کہ تعصب کے مہلک جراثیم سے اپنے دماغ کو پاک رکھے اور اختلاف و نزاع کی ان پرخطر وادیوں میں ہرگز قدم نہ رکھے، جسے متاخرین نے تیار کر رکھا ہے، کیونکہ وہاں تضییع اوقات اور انتشار طبع کے ماسوا کچھ نہیں مل سکتا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی اور ہر دوسرے امام کی تقلید سے منع فرمایا ہے، جس کا ذکر مزنی نے اپنی کتاب میں بہت تفصیل سے کیا ہے۔“

(۳) ابن حزم کا فتویٰ اس شخص پر بھی منطبق ہوتا ہے جو عامی اور علم دین سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر تقلید کرنے میں توحق بجانب ہو، مگر وہ کسی خاص امام کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرتا ہو کہ اس سے خطاب کا اعتقاد کا ارتکاب غیر ممکن ہے اور اس کا امام جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے،

نیز اس اعتقاد کے ساتھ وہ اپنی جگہ یہ فیصلہ بھی کر لے کہ اس خاص امام کی تقلید پر وہ ہر حال میں قائم رہے گا، خواہ کسی مسئلہ میں اس کے قول کا خلاف قرآن و حدیث ہونا ثابت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہی وہ یہودیت ہے جس نے بنی اسرائیل کی توحید کو بالکل شرک سے بدل دیا تھا جیسا کہ امام ترمذیؒ نے عدی بن حاتمؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

”آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِتَّخَذُوا اٰخْيَارَهُمْ وُزُرًا لَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ پڑھ کر فرمایا کہ یہود اپنے احبار (علماء) اور رہبان (مشاخ) کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ جس چیز کو ان کے علماء اور مشاخ حلال کہہ دیتے اسے وہ (بغیر کسی شرعی دلیل کے) حلال مان لیتے تھے اور جس شے کو وہ حرام قرار دے دیتے تھے اسے وہ حرام سمجھ لیتے تھے۔“

پس کسی امام کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرنا کہ اس کی زبان عین شریعت کی زبان ہے یقیناً غیر اللہ کی پرستش ہے۔

(۴) جو شخص اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ ایک حنفی کسی شافعی فقیہ یا شافعی کسی حنفی فقیہ سے فتویٰ پوچھے یا اس کے پیچھے نماز پڑھے، وہ بھی ابن حزمؒ کے فتوے کی زد میں آ جاتا ہے، اس لیے کہ یہ اجماع سلف اور صحابہ و تابعین کرام کے عمل کی کھلی ہوئی مخالفت ہے جو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے ابن حزمؒ کے قول کا منشا ان قیود اور شرائط کو ملحوظ رکھ کر اس کا اطلاق کیا جائے گا، اور جہاں صورت حال یہ نہ ہو وہاں تک اس کا دائرہ وسیع نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک شخص ہے جو محض اقوال رسولؐ ہی کو دین سمجھتا ہے، صرف اسی چیز کی حلت کا اعتقاد رکھتا ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا ہو، اور صرف اسی شے کو حرام سمجھتا ہے جسے اللہ اور رسولؐ نے حرام قرار دیا ہو، یعنی تحریم و تحلیل کا حق وہ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی اور کو نہیں دیتا، لیکن اس ایمان اور اعتقاد کے باوجود چونکہ وہ اقوال رسولؐ پر وسیع نظر نہیں رکھتا، نہ متعارض نصوص کو تطبیق دینے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نصوص شرعیہ سے احکام کو استنباط کر سکتا ہے، اس لیے اگر وہ ایک ایسے ثقہ اور صحیح النظر عالم دین کا اتباع کرتا ہے جو اس کے نزدیک سنت رسولؐ کے مطابق فتویٰ دینے والا ہے، اور یہ اتباع بھی وہ اس نظریہ کے ساتھ کرتا ہے کہ جب کبھی کوئی نص شرعی اس کے خلاف ملے گی تو بغیر کسی تعصب اور

اصرار کے وہ اس قول کو ترک کر دے گا، تو پھر نہیں معلوم کہ کوئی شخص کیونکر ایسی تقلید یا اتباع کو ناجائز کہہ سکتا ہے، جب کہ عہد نبوی سے لے کر اب تک تمام مسلمانوں میں افتاء اور استفتا کی یہی سنت متواترہ چلی آرہی ہے، اب خواہ کوئی انسان کسی ایک ہی فقیہ سے ہمیشہ فتویٰ پوچھا کرتا ہو یا کبھی ایک فقیہ سے اور کبھی دوسرے سے، دونوں فعل جائز ہیں، بشرطیکہ مستفتی، فقیہ اور رسولؐ کے فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔

پس ہماری تقلید پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے جب کہ ہم کسی امام کے متعلق یہ ایمان نہیں رکھتے کہ وہ معصوم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر علم فقہ کی وحی نازل فرمائی ہے اور اس کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے، ہم تو اگر کسی امام کا اتباع کرتے ہیں تو یہ جان کر کرتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کا عالم اور روح شریعت کا مزاج شناس ہے، اس لیے اس کا قول یا تو آیات و احادیث کے صریح دلائل پر مبنی، یا ان سے ماخوذ اور مستنبط ہے، یا پھر قرآن سے اس نے یہ بات تحقیق کر لی ہے کہ یہ حکم فلاں علت کی بناء پر ہے اور جب اسے اپنی فہم کی صحت پر پورا اطمینان ہو گیا ہے تب ہی اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کر کے فتویٰ دیا ہے، گویا وہ دراصل زبان حال سے اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے کہ میرے خیال میں شارع علیہ السلام نے ایسا فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہی حکم جاری ہوگا اور ایسے تمام قیاسی احکام اسی عموم میں داخل ہوں گے، یا بالفاظ دیگر یہ اقوال بھی شارع علیہ السلام کی طرف منسوب شمار کیے جائیں گے اگرچہ ان کی قطعیت یقینی اور شکوک سے بالکل پاک نہیں کہی جاسکتی۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی مسلمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، پس اگر رسولؐ معصوم، کہ صرف آپ ہی کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے، ہمیں کوئی ایسی صحیح روایت مل جائے جو قول امام کی مخالفت کرتی ہو، اور پھر بھی ہم اس کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے نص قطعی کو چھوڑ کر ظن انسانی کی تقلید پر جے رہیں، تو ہم سے بڑھ کر شقی اور نامراد کون ہوگا اور کل خدا کے قہار کے سامنے ہم کیا جواب دیں گے؟ جائز تقلید کی صحیح تصویر یہی ہے جو ان چند لفظوں میں کھینچی گئی ہے، اگر امت مسلمہ غلو سے اپنے قوائے فکر یہ کو آزاد کر لے اور اپنی آنکھوں پر سے تعصب کے پردے ہٹا کر اصل تصویر دیکھنے لگے تو بہت سے لفظی نزاعات ختم ہو جائیں اور مذہبی اختلافات کی شواہد گزیر فضا کسی قدر امن و سکون

کی خوش گوار یوں سے بدل جائے۔

مسئلہ تقلید کے بعد دوسرا ہم مسئلہ استخراج مسائل کا ہے، جس کے دو اصول ہیں:

ایک تو یہ کہ الفاظ حدیث کا تتبع کیا جائے، دوسرا یہ کہ فقہاء کے اصول کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کیا جائے، شرعاً ان دونوں اصولوں کی اہمیت مسلم ہے، ہر دور کے فقہائے محققین کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ ان دونوں اصولوں کا لحاظ رکھتے تھے، کوئی ایک کی رعایت زیادہ کرتا کوئی دوسرے کی، لیکن ایسا کبھی نہ کرتے کہ کسی اصل کو بالکل ترک کر دیں، پس کسی جو یائے حق کے لیے سزاوار نہیں ہے کہ وہ بالکل ایک ہی طرف جھک جائے جیسا کہ آج دونوں فریق کا عام شیوہ ہے، اور یقین کرو کہ ان کا یہی ”شیوہ“ ان کی ساری ضلالتوں کا ذمہ دار ہے ان دونوں اصولوں کو الگ الگ کر کے ہدایت کی سیدھی راہ پانا بہت مشکل ہے، حق کا راستہ یہ ہے کہ ان میں تفریق کرنے کے بجائے دونوں میں مطابقت پیدا کی جائے، اور ایک سے دوسرے کی غمارت ڈھانے کے بجائے اس کے کمزور مقامات کی اصلاح اور تشدید کا کام لیا جائے، اس طرح احکام دین کا جو قصر تعمیر ہوگا، نہایت مستحکم اور حق کی شہسوں بنیادوں پر قائم ہوگا، اور اس میں باطل کے راہ پانے کی کوشش قریب قریب بیکار ثابت ہوگی، اسی محاط اور حکیمانہ نکتہ کی طرف امام حسن بصریؒ ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سنتکم واللہ الذی لا الہ الا ہو بینہما بین الغالی والحانی

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تمہارا راستہ حد سے بڑھنے والے اور

حد تک (بوجہ سہل انگاری کے) نہ پہنچنے والے دونوں کے بیچ میں ہے۔

یعنی حق کا مرکز افراط و تفریط کے بیچ میں ہے، جو اہل حدیث ہیں انھیں چاہیے کہ اپنے اختیار کردہ مسلک کو مجتہدین سلف کی رایوں پر پیش کر لیا کریں، اسی طرح جو اہل تخریج ہیں اور مجتہدین کے اصولوں پر مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں، انھیں بھی چاہیے کہ حتی الوسع صحیح اور صریح نصوص کو اپنے اصول اور رائے پر قربان نہ کریں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ فرمودہ نبوی کی صریح مخالفت کا انہیں بار اٹھانا پڑے۔

کسی محدث کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ان اصول حدیث کے اتباع میں بے جا تعلق

اور تو عمل سے کام لے، جنہیں پرانے محدثین نے وضع کیا ہے، کیونکہ بہر حال وہ بھی انسان ہی تھے، فکر و نظر کی لغزشوں سے ان کے بنائے ہوئے قواعد محفوظ نہیں کہے جاسکتے، اور نہ شارع کی طرف سے ان کی صحت اور قطعیت پر کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے۔ اس اصول پرستی کے تشدد آمیز رویہ سے بسا اوقات حدیث اور قیاس صحیح، دونوں کو رد کر دینا پڑتا ہے مثلاً انقطاع یا ارسال کے ایک ذرا سے ٹھک کی بنا پر کتنی ہی حدیثیں متروک اور ناقابل استناد ٹھیرادی جاتی ہیں حالانکہ فی نفسہ وہ قول رسول ہوا کرتی ہیں، چنانچہ ابن حزم نے اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے تحریم معارف (باجوں کو حرام قرار دینے) والی حدیث کو ناقابل حجت قرار دے دیا، صرف اس وجہ سے کہ امام بخاریؒ کی روایت میں انقطاع کا شبہ پایا جاتا ہے، حالانکہ حدیث فی نفسہ صحیح اور اس کا سلسلہ اسناد متصل ہے، ہاں اگر کوئی قوی نص سے تعارض ہو تو البتہ انقطاع کے شبہ کی بنا پر اسے مرجوع قرار دیا جاسکتا ہے لیکن حدیث کو سرے سے متروک ٹھیرادینا یقیناً زیادتی ہے۔

اسی طرح ارباب حدیث کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی محدث کی روایتوں کو عموماً زیادہ صحت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور دوسری ظاہری صحت کی حفاظت سے اتنا اعتناء نہیں کرتا، تو کھینچ پہلے شخص کی ہر روایت (جو اس محدث سے کی گئی ہو) دوسرے راوی کی روایت پر مقدم اور مرجع مانی جائے گی، خواہ اس دوسرے راوی کے اندر ترجیح اور برتری کے کتنے ہی واضح دواعی کیوں نہ موجود ہوں، لوگوں کی یہ ظاہر پرستی سخت تنقید کے قابل ہے، کون نہیں جانتا کہ عام رواۃ، حدیثوں کو بالمعنی بیان کرتے تھے، الفاظ و حروف کے محفوظ رکھنے کا چنداں رواج نہ تھا۔ پس ادبی تصانیف میں جس طرح اہل ادب و بلاغت ایک ایک حرف کے تقدیم و تاخیر اور اس کی وضع و ترتیب سے نکتہ آفرینیاں کیا کرتے ہیں، ویسا ہی تعمق متن حدیث میں برتا، حتیٰ کہ ایک کلمہ کی تقدیم یا تاخیر، الفاظ کی نشست اور ناء اور واؤ جیسے حروف کے دقیق معنوی خصائص سے استدلال کا رخ متعین کرتا، جب کہ عام روایتیں بالمعنی بیان کی گئی ہیں، ایک طرح کی لغویت اور الفاظ کی ناروا غلامی ہے۔ ورنہ تم دیکھتے ہو کہ ایک ہی روایت میں ایک راوی ایک لفظ استعمال کرتا ہے، اور بعینہ اسی روایت میں اُسی سند کے ساتھ دوسرا راوی ایک دوسرے ہی لفظ کے ذریعہ حدیث کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

متن احادیث کے بارے میں صحیح مسلک یہی ہونا چاہیے کہ راوی جو کچھ بھی اپنی زبان سے

کہے، اسے کلام نبوی کی حیثیت سے مان لیا جائے، ہاں اگر کوئی اور قوی حدیث یا شرعی دلیل اس کے خلاف مل جائے تو مقدم الذکر کو ترک کر کے اسے اختیار کرنا ضروری ہے۔

ایسی ہی ذمہ داری اور احتیاط اُن فقہاء پر بھی عائد ہوتی ہے، جو ائمہ مجتہدین کے اصول اور فتاویٰ کو سامنے رکھ کر مسائل کا استخراج کرتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ دنیا جہان کے سارے مسائل کا حل انہیں اصولوں میں تلاش کیا کریں، اور ان میں سے کرید کرید کر ایسے اقوال نکالیں جن سے نہ تو خود ان کے ائمہ کے اصول اور ان کی تصریحات سے کوئی دور کا تعلق ہو، نہ علمائے لغت ان سے یہ معافی سمجھ سکیں اور نہ عرف عام میں ایسا طریقہ سخن فہمی رائج ہو، بلکہ محض اپنے ذہن سے ایک علت متعین کر لی جائے، یا ایک ادنیٰ مشابہت تلاش کر لی جائے اور اسے قول مجتہد مان کر صداہا مسائل میں اس خود آفریدہ علت یا مشابہت کو معیار حکم ظہر ادا یا جائے، ستم پر ستم یہ ہے کہ ان تمام تدقیقات کو نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ امام کبیر فہم منسوب کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اگر وہ امام جس کے قول سے یہ تصریحات کی گئی ہیں، آج زندہ ہو کر آجائے اور یہ مسائل براہ راست اس سے پوچھے جائیں، تو باوجود اپنی تمام فہم و بصیرت اور مجتہدانہ ظرف نگاہی کے، ان بلند دقائق تک اس کا تخیل پرواز نہ کر سکے گا، جنہیں اس کے پیچھے چلنے والوں نے اسی کے اقوال سے مستنبط کر رکھا ہے۔

تخریج کا یہ طریقہ نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے، تخریج تو محض اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ درحقیقت مجتہد کی تقلید اور پیروی ہے، نہ کہ اس کی غلط ترہانی اور اس کے اشارات پر جا بجا حاشیہ آرائی، اور وہیں تک اس کا تحقیق ہو سکتا ہے جہاں تک امام کے اقوال عام اصول فہم و تدبر کے مطابق اجازت دے سکیں ورنہ اگر قائل کے کلام کا رخ کسی طرف ہو اور اس کا ترجمان و مفسر کوئی اور رخ متعین کرے تو یہ تفسیر اور ترجمانی یا مقلدانہ تخریج نہ ہوگی بلکہ کوئی اور ہی چیز ہوگی۔

اس کے علاوہ ایسے فقہاء کو اس بات کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اصول کی پیروی کے جوش میں ایسی مستند احادیث یا آثار کو نہ رد کر دیا کریں جنہیں عام امت میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہو، مثال کے طور پر حدیث مصراۃ کو لو، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:-

”جو شخص ایسی بکری خریدتا ہے جس کا دودھ تھن میں پہلے سے روک لیا گیا تھا (تا کہ

خریدار دھوکہ میں آکر زیادہ دام لگائے) تو اسے تین روز تک اختیار رہتا ہے، خواہ بکری رکھ لے یا ایک صاع گندم کے ساتھ واپس کر دے۔“

یہ حدیث متعدد طرق سے ثابت ہے اور ثقات نے اس کی روایت کی ہے، لیکن احناف نے چونکہ یہ اصول وضع کر رکھا ہے کہ اگر راوی غیر فقیہ ہو اور اس کی روایت عام اصول کے مخالف ہو، اور کوئی عام قاعدہ نہ بنا سکتی ہو تو سرے سے وہ حدیث متروک العمل ہوگی، اس لیے باوجود صحیح اور مستند ہونے کے یہ حدیث ان کے نزدیک، متروک العمل ہے کیونکہ وہ کوئی عام قانون نہیں بن سکتی اور راوی غیر فقیہ ہے۔

یہ طریقہ ارباب حق کا طریقہ نہ ہونا چاہیے، اس میں شریعت پر ایک طرح کی جسارت پائی جاتی ہے، فرمان رسالت کا احترام بہر حال انسانوں کے بنائے ہوئے اصول و قواعد کی رعایت سے بالاتر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی غلط روی سے بچانے کے لیے فرمایا ہے:

”جب میں کسی مسئلہ میں کوئی رائے دوں یا کوئی اصول مقرر کروں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان اس کے خلاف مل جائے تو میری رائے کا عدم سمجھو۔ رسول اللہ کا فرمان ہی اصل اصول ہے بقیہ سب ہیچ۔“

اب ہم موجودہ مسائل مہمہ میں سے تیسرے مسئلہ پر جو قرآن و سنت کے تتبع سے متعلق ہے بحث کرنی چاہتے ہیں۔

احکام شرعیہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کتاب و سنت کا جو تتبع کیا جاتا ہے اس کے مختلف مدارج ہیں، سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو بالفعل احکام شرعیہ کی معرفت پر اتنا عبور ہو جائے کہ وہ مستثنیوں کے اکثر سوالوں کا جواب بآسانی دے سکے، اور انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام واقعات کا شرعی حل معلوم کرنے میں اسے توقف اور خاموشی سے بہت کم کام لینا پڑے، یہی مقام اجتہاد ہے، اس استعداد اور قابلیت کے حصول کے چند طریقے ہیں۔

۱۔ کبھی یہ استعداد احادیث میں غائر تفکر اور شاذ و غریب روایتوں کے تتبع سے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل کا خیال ہے، لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ اس ملکہ کے حاصل کرنے کے لیے بس یہی تفکر اور تتبع کافی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انسان کے لیے ضروری ہے کہ ایک ماہر لغت

و ادب کی طرح مواقع کلام اور اسالیب بیان سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور ایک وسیع انظر عالم کی طرح یہ بھی جانتا ہو کہ ائمہ سلف متعارض نصوص میں جمع و تطبیق کی صورت کس طرح پیدا کرتے تھے اور ان کے استدلال کا طریقہ کیا ہوا کرتا تھا۔

۲۔ کبھی یہ قابلیت اصول تخریج کو پوری طرح ضبط کرنے سے حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ انسان کسی امام کے اصول کو سامنے رکھ کر استنباط مسائل کا طریقہ جان جائے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ احادیث اور آثار کے ایک معتد بہ حصہ پر اس کی نظر ہو، تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ کہیں اس کا قول اجماع سے ٹکراتا نہیں رہا ہے، یہ طریقہ اہل تخریج کا ہے۔

۳۔ تیسرا راستہ جو مذکورہ بالا دونوں راستوں کی بہ نسبت اعتدال کا راستہ کہا جاتا ہے یہ ہے کہ ایک طرف آدمی قرآن و سنت سے اتنی آگاہی رکھتا ہو کہ فقہ کے اصولی اور اجماعی مسائل اور ان کے تفصیلی دلائل کا علم اسے باسانی حاصل ہو سکے، دوسری طرف بعض اجتہادی مسائل پر کامل دسترس رکھتا ہو ان کے تمام گوشوں پر اس کی نگاہ ہو، ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دے سکتا ہو، لوگوں کے طریقہ تخریج پر نقد اور کھرے کھونے کی تمیز کر سکتا ہو، خواہ اس کے اندر وسعت نظر اور تجربہ کے وہ شرائط اور لوازم نہ پائے جائیں جو ایک مجتہد مطلق کے لیے ضروری ہوا کرتے ہیں، اس مقام پر پہنچ کر اس کے لیے جائز ہے کہ مختلف رایوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھے، اور دو مختلف مذہبوں کے دلائل سے واقف ہو کر کچھ باتیں ایک مذہب کی اور کچھ دوسرے مذہب کی لے لے (یعنی تلفیق کرے) اور بعض ایسی تخریجات کو ترک کر دے، جو اگرچہ متقدمین کے نزدیک قابل قبول رہی ہوں، لیکن وہ اپنی تنقید اور تحقیق کی روشنی میں انہیں غلط پائے۔ اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ جن علما کو مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ نہ تھا، وہ اپنی فقہی تصانیف میں خود مسائل کی تخریج کرتے ہیں اور اکابر سلف کی آراء میں موازنہ کر کے ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دیتے ہیں۔ جب اجتہاد اور تخریج دونوں قابل تجزیہ و تقسیم ہیں، اور کسی جزئی مسئلہ میں اجتہاد کرنے کے لیے آدمی کا مجتہد مطلق ہونا شرط لازم نہیں ہے تو پھر مسائل کی تحقیق میں اس طریقہ کا اختیار کرنا لوگوں کی نگاہ میں کیوں مستجد اور ناقابل قبول دکھائی دیتا ہے؟ تحقیق کا مقصود تو محض ظن غالب کے حصول تک ہے اور اسی پر تکلیف کا دار و مدار ہے۔

رہ گئے وہ لوگ جو اتنی گہری نظر نہیں رکھتے اور جنہیں اللہ نے اتنی فہم و بصیرت عطا نہیں کی ہے کہ قرآن و سنت پر غور کر کے بطور خود مسائل کی چھان بین کر سکیں، انہیں چاہیے کہ اپنی زندگی کے عام معاملات میں مذاہب مروجہ کے اُن طریقوں اور فیصلوں کو اپنا مذہب سمجھیں جنہیں انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے سے اخذ کیا ہے لیکن جو واقعات معمولی نہ ہوں بلکہ اہم اور نادرا لو جو ہوں ان میں اپنے کسی قریب کے مفتی کا اتباع کریں اور قضایا میں قاضی کے حکم کی تعمیل کریں، بس یہی ان کے لیے سب سے مصون راہ ہے۔

اسی خیال پر ہم نے ہر مذہب کے قدیم اور جدید علماء محققین کو پایا ہے اور تمام ائمہ مذاہب نے اپنے پیروؤں کو اسی کی وصیت بھی کی ہے الیواقیت والجوہر میں ہے:

”ابوضیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میری دلیل سے واقف نہ ہو اسے میرے قول پر فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں۔ خود امام موصوف جب کوئی فتویٰ دیا کرتے تو کہتے یہ نعمان بن ثابت کی (یعنی میری) رائے ہے جسے ہم نے اپنے علم و فہم میں بہتر سمجھ کر اختیار کیا ہے، اگر کوئی اس سے بہتر اور احسن رائے پیش کرے تو پھر ہماری رائے کے مقابلہ میں اس کی رائے صائب اور حق سے زیادہ قریب ہوگی۔“

”امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کے اقوال دو قسم کے ہوتے ہیں کچھ لے لینے کے قابل اور کچھ رد کر دینے کے قابل، صرف ایک ذات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معصومہ ہے۔“

”حاکم اور بیہقی نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جب کوئی حدیث پایہ صحت کو پہنچ جائے تو اسی کو میرا مذہب سمجھو، ایک دوسری روایت میں امام صاحب کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ میرا قول حدیث نبویؐ کی مخالفت کر رہا ہے تو احادیث پر عمل کرو اور میرا قول و یواری پر دے مارو، ایک روز امام عزیزیؒ سے آپ نے فرمایا کہ ابراہیمؒ میری ہر بات کی کورائہ تھکید نہ کرو بلکہ بذات خود اس میں غور کر لیا کرو کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔“

”امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے مقابلہ میں کسی کی

رائے کو کوئی وقعت حاصل نہیں، تم نہ میری تقلید کرو اور نہ کسی اور امام کی جس طرح انھوں نے کتاب و سنت سے احکام وین کی معرفت حاصل کی، تم بھی حاصل کرو، کسی شخص کو فتویٰ دینے کا استحقاق نہیں تا وقتیکہ وہ تمام ائمہ کے مذاہب اور اقوال سے پوری طرح واقف نہ ہو، اگر اس سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا گیا جس کے متعلق اسے معلوم ہے کہ اس میں وہ تمام ائمہ جن کی عموماً پیروی کی جاتی ہے، متفق ہیں تو وہ یوں کہہ سکتا ہے کہ یہ جائز ہے اور وہ ناجائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا اپنا قول اور فتویٰ نہ ہوگا بلکہ ائمہ مجتہدین کے قول کی ترجمانی ہوگی، لیکن اگر مسئلہ ایسا ہے جس میں علماء کی رائیں مختلف ہیں تو وہ اس کے جواب میں یہ تو کہہ سکتا ہے کہ فلاں امام کے نزدیک یہ جائز ہے اور فلاں کے نزدیک ناجائز مگر اسے یہ حق نہیں ہے کہ بقیہ اقوال کو چھوڑ کر کسی ایک رائے کو اختیار کر کے فتویٰ یوں دے دے، الا آنکہ اس رائے اور مذہب کے دلائل سے بخوبی باخبر ہو۔

”امام ابو یوسفؒ اور زفر وغیرہ علماء سے منقول ہے کہ جب تک کوئی شخص یہ معلوم نہ کرے کہ ہم نے یہ رائے کہاں سے اخذ کی ہے اس وقت تک وہ ہمارے اقوال پر فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔“

”عصام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا کہ آپ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رایوں سے اکثر اختلاف کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ کھلی ہوئی ہے۔ انہیں جو فہم اور دقت نظر حاصل تھی وہ ہمیں حاصل نہیں، وہ ڈوب کر جن گہرائیوں سے حقائق نکال لاتے ہیں وہاں تک ہماری کمزور نگاہوں کی رسائی نہیں ہو سکتی اور ہمارے لیے جائز نہیں کہ بغیر سمجھے ہو مجھے ان کے اقوال پر فتویٰ دیں۔“

”ابو بکر الاسکافؒ لکھی سے پوچھا گیا کہ ”کیا ایسے شخص کے لیے جو اپنے شہر کا سب سے بڑا عالم ہو، جائز ہے کہ فتویٰ دینے سے رُکا رہے؟“ انھوں نے جواب دیا کہ اگر وہ عالم درجہ اجتہاد رکھتا ہو تو جائز نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ درجہ اجتہاد کب حاصل ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ جب ایک شخص مسائل کے تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھتا ہو اور

معتزین کو معقول اور تسلی بخش دلیلوں سے خاموش کر سکے تو وہ مجتہد ہے۔“

ابن الصلاح کا قول ہے کہ ”اگر کوئی شافعی ایسی حدیث پائے جو اس کے مذہب کے خلاف ہو تو اسے اپنے علم اور تفقہ کا جائزہ لینا چاہیے اگر وہ اپنے اندر اجتہاد مطلق کی یا خاص اسی ایک مسئلہ میں اجتہاد کرنے کی پوری استعداد پائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ غور کرنے کے بعد اس حدیث پر عمل کرے اور تقلید کا خیال ترک کر دے، لیکن اگر وہ اپنے کو اس مقام سے فروتر محسوس کر رہا ہے اور اجتہاد کی طاقت سے بے بہرہ ہے مگر غور و فکر کرنے کے بعد کوئی معقول دلیل نہ پانے کی وجہ سے حدیث کی مخالفت بھی اس پر شاق گزر رہی ہے تو بھی حدیث ہی کا اتباع کرنا چاہیے بشرطیکہ امام شافعیؒ کے بجائے کسی اور امام نے اس پر عمل کیا ہو، کیونکہ اس صورت میں دوسرے امام کا اتباع امام شافعیؒ کے اتباع کا قائم مقام ہو جائے گا۔“ یہ ابن الصلاحؒ کی رائے ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو مستحسن اور مختار قرار دیا ہے۔

چوتھا مسئلہ جسے ہماری جاہلانہ اور متعصبانہ ذہنیاتوں نے اختلاف اور شقاق کی رزمگاہ بنالیا ہے، وہ فقہاء کا باہمی اختلاف ہے، حالانکہ ان اختلافات میں سے اکثر (خصوصاً جن میں صحابہ بھی مختلف تھے اور دونوں طرح کی رائیں ان سے منقول ہیں مثلاً تشریق اور عیدین کی تکبیروں کا اختلاف، نکاح محرم (حج کے لیے احرام باندھ لینے والے) کے جواز کا اختلاف، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد اور ابن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف، بسم اللہ اور آمین کو آہستہ یا بلند آواز سے کہنے کا اختلاف وغیرہ) انفس آپس میں نہ کوئی اساسی تباہ کن رکھتے ہیں اور نہ ان کی اصل مشروعیت میں ائمہ سلف کا کوئی اختلاف ہے، بلکہ اختلاف جو کچھ ہے وہ محض ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں ہے، یہ سبھی مانتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کتاب و سنت سے مستنبط ہیں لیکن چونکہ ہر شخص کی نظر تحقیق اور قوت اجتہاد دو جدا جدا گانہ ہوا کرتی ہے، اس وجہ سے جو مذہب دوسرے کے نزدیک مرجوح تھا اس کے نزدیک رائج اور اولیٰ ثابت ہوا اور اس نے اسے اختیار کر لیا، مثال کے طور پر قرأت کو لو اور دیکھو کہ قراء ایک ہی لفظ اور آیت کی قرأت میں کس قدر مختلف ہیں، یہی حال علمائے ائمہ کے اختلاف کا ہے، چنانچہ وہ اکثر اپنے اختلاف کی تعلیل بھی یہی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی یہ رائے بھی تھی اور وہ بھی، یعنی وہ بھی آپس میں اختلاف رائے رکھتے تھے، حالانکہ وہ سب کے سب

ہدایت کی روشن شاہراہ پر تھے، کون ہے جو ان کے کسی فرد پر بکجروی اور سنت نبوی کی مخالفت کا الزام عاید کر سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق مسائل اجتہادیہ میں تمام ارباب افتاء کے فتوؤں کو جائز سمجھتے اور قضاۃ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے آئے ہیں اور بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے رہے ہیں، چنانچہ تم اس قسم کے اختلافی مسائل کے بارہ میں تمام ائمہ مذہب کو دیکھو گے کہ وہ مسئلہ کو پھیلایا کر بیان کرنے اور تمام اختلافی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد یہ بھی فرمادیتے ہیں کہ ”یہ میرے خیال میں احوط طریقہ ہے۔ یہ رائے مختار ہے۔“ یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔“ اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ ”ہم تک صرف یہی حکم پہنچا ہے۔“ اس کے شواہد المسموط، آثار محمد اور اقوال شافعی میں بے شمار موجود ہیں، یہ وہ مبارک دور تھا جب دین کا چشمہ صافی شقائق و نزاع کے مہلک جراثیم سے قریب قریب پاک تھا اور اجتہادی اختلافات جامہ ملت کے لیے مقرض کا کام نہیں دے رہے تھے لیکن اس کے بعد تعصب کا طوفانی سیلاب آیا۔ نگاہوں کی وسعت کم ہونے لگی، لوگوں نے بقیہ اختلافی پہلوؤں سے صرف نظر کر کے صرف ایک پہلو کو لے لیا، اب اختلافات کی نوعیت پہلی سی نہ رہی انہیں بے حد اہمیت دے دی گئی، ان کی آڑ میں فرقہ پرستی وجود میں آگئی، لوگوں کا ذوق تحقیق، محمود سے بدل گیا اور وہ اپنے ائمہ کے اختیار کردہ مسلک پر سختی سے جم گئے۔

اور یہ جو بعض علمائے سلف سے اپنے ائمہ کے مذاہب پر ہمیشہ قائم رہنے کی تاکید منقول ہے، سو یہ یا تو ایک رجحان فطری کی بنا پر ہے کیونکہ ہر انسان اپنے پیشواؤں اور بزرگوں کی مختار اور پسندیدہ چیزوں کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ ہم عام رسوم و رواج کے اندر بھی اس رجحان فطری کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے دلائل کی عظمت اور قوت سے مرعوب تھے اور ان کے خیال میں یہ دلائل بہت ہی مضبوط اور ناقابل تردید تھے، یہ اور اسی قسم کی اور وجہیں ہو سکتی ہیں، لیکن بعض لوگوں کا یہ خیال کہ تعصب کی سرشاری میں انھوں نے یہ کلمات کہے، محض وہم بلکہ سراسر بہتان ہے۔

اب ذرا ان اختلافات کی اصلیت پر غور کرو جن پر فرقہ بندیوں کا محاذ جنگ قائم ہو رہا ہے، اور دیکھو کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ سلف نے ہمارے لیے کون سا اسوہ چھوڑا ہے؟ ان تمام کا حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے بعض لوگ نہیں پڑھتے تھے، اگر ان

میں ایک جماعت ایسی تھی جو قے کرنے اور پچھنے لگوانے کے بعد تجدید وضو کو ضروری خیال کرتی تھی تو ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس کی مطلقاً ضرورت نہ سمجھتی تھی، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں اختلافات موجود تھے لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، کسی نے کسی کی اقتداء سے کبھی انکار نہیں کیا، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور امام شافعیؒ وغیرہ مدینہ والوں کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ اہل مدینہ سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے، نہ آہستہ اور نہ زور سے، امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ اس نے حجامت (پچھنے لگوانے) کے بعد وضو کی تجدید نہیں کی تھی، امام ابو یوسفؒ کے مذہب میں پچھنے کے بعد تجدید وضو لازم ہے، مگر امام مالکؒ کے مذہب میں لازم نہیں ہے، اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ جماعت اور تکسیر کو ناقض وضو مانتے ہیں لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد وضو نہ کیا ہو تو آپ نے جواب دیا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے میں نماز نہ پڑھوں؟ (جن کے نزدیک یہ چیزیں نواقض وضو میں سے نہیں ہیں)

روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن عیسیٰؒ میں خلیفہ ہارون کی رعایت سے حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کے مطابق تکبیریں کہا کرتے تھے حالانکہ ان دونوں اماموں کا مذہب اس کے خلاف تھا۔

امام شافعیؒ نے مقبرہ امام ابو حنیفہؒ کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو محض ان کے لحاظ اور ادب سے دعائے قنوت کو ترک کر دیا، اور فرمایا کہ بسا اوقات ہم اہل عراق کے مسلک پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔ امام ثانی (امام ابو یوسفؒ) کے متعلق الہذا یہ میں ہے کہ آپ نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز پڑھ کر جب لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ حمام کے کونے میں ایک مراہوچو ہا موجود ہے، امام موصوف نے یہ سن کر فرمایا کہ ”تو پھر اس وقت ہم اپنے مدنی بھائیوں کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلعہ کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا اس کا حکم ماہ کبیر کا ہو جاتا ہے۔“

امام فہمدیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک شافعی المذہب آدمی نے دو ایک برس کی نماز چھوڑ دی

ہو اور اس کے بعد وہ حنفی مذہب اختیار کر لے تو پھر وہ کس طرح نماز کی قضا کرے؟ آیا امام شافعی کے مذہب کے مطابق یا حنفی مذہب کے مطابق؟ جواب دیا کہ جس مذہب کے مطابق اس نے قضا کر لیا جائز ہے، بشرطیکہ اس کے جواز کا اعتقاد رکھتا ہو۔

جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے یہ کہا کہ ”اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق، اس پر طلاق“ (یعنی تین طلاقیں دیں) پھر اس نے کسی شافعی امام مذہب فقیہ سے فتویٰ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ ”اس پر طلاق نہ پڑے گی اور تمہاری یہ قسم لغو مانی جائے گی“۔ تو اس مسئلہ میں امام شافعی کی اقتداء کرنے میں اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اکثر صحابہ کرام کی تائید اسی مسلک کو حاصل ہے۔

امام محمدؒ نے اپنی امالیٰ میں فرمایا ہے کہ ”اگر کوئی فقیہ اپنی بیوی کو ان لفظوں میں طلاق دے کہ انت طالق، البتة اور وہ اپنے مذہب کے مطابق ایسی طلاق کو تین طلاق یعنی طلاق بائن سمجھتا ہو، لیکن قاضی وقت فیصلہ کر دے کہ یہ طلاق رجعی ہے تو اس کے لیے رجعت کرنے کی گنجائش ہے۔ اسی طرح تحریم و تحلیل اور معاشرۃ اور لیلین وین کے ان تمام معاملات میں جن کے اندر فقہاء اور ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، ہر فقیہ پر لازم ہے کہ اگر دارالقضاء سے اس کے مذہب فقہی کے خلاف فیصلہ ہو تو وہ اپنی رائے اور اپنے مسلک کو چھوڑ کر قاضی کے فیصلہ پر عمل کرے۔

چند مسائل اور ہیں جن کی اصلیت کے بارے میں ایک عام اور عجیب غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اور درحقیقت یہی غلط فہمی موجودہ اختلاف کا سرچشمہ ہے، ہم انہیں یہاں مجملہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام تفریعات جو ان لمبی لمبی شرحوں اور فتاویٰ کی موٹی موٹی کتابوں میں موجود ہیں، سب کی سب امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال ہیں، وہ ان اقوال میں یہ تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا واقعی قول ہے اور فلاں قول ان کی رائیوں اور فتوؤں کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے، اور یہ جو ان کتابوں میں تخریج الکواخی کذا اور علی تحویج الطحاوی کذا کے الفاظ آیا کرتے ہیں ان کو وہ گویا بے معنی سمجھتے ہیں، اسی طرح قتال ابو حنیفہ کذا (امام ابوحنیفہؒ نے یوں فرمایا ہے) اور جواب المسئلة علی مذہب ابی حنیفہ کذا (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق مسئلہ کا جواب یوں

ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے اور ابن الہمام و ابن النجیم وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ درودہ اور مسئلہ شرط تہیم اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا کہ ”در اصل یہ امام ابوحنیفہ کا قول نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں“۔ ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتنا ہے۔ اسی طرح بعض ارباب علم و مشیخت اس وہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بنا انہی جدی بحثوں پر قائم ہے جو المہسط، الہدایہ اور التہیین کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کی بنا ان بحثوں پر نہیں ہے بلکہ اس طریق بحث و جدل کے بانی دراصل معتزلہ ہیں، جسے متاخرین نے اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگی، اگرچہ ان کی تمنا بار آور نہ ہوئی اور ان کے اس طرز عمل نے دماغوں کو جلا اور وسعت دینے کے بجائے انہیں بے بصیرتی اور تعصب کی تنگنائیوں میں گھیر کرنا کارہ بنادیا۔

ہم اس جہان اوہام اور شکوک کی تردید میں لمبی گفتگو نہیں کرنی چاہتے، کیونکہ اس باب کی تمہید میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کی روشنی ان میں سے اکثر کا خود بخود ازالہ کر دیتی ہے۔

۲۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو اصول بزدلی وغیرہ کتابوں میں درج ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر اصول ایسے ہیں جن کا ذکر ان بزرگوں نے کبھی نہیں کیا، بلکہ وہ ان کے اقوال و فتاویٰ کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں، مثلاً میرے نزدیک فقہ کے حسب ذیل اصول ائمہ کے کلام سے بعد والوں نے نکالے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ یا صاحبینؒ سے کوئی صحیح روایت ایسی منقول نہیں جس میں یہ اصول مذکور ہوں:

”خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے اس کے ساتھ کوئی تخریجی بیان ملحق نہ کیا جائے گا۔“

”کسی حکم پر اضافہ اس حکم کا نسخ ہے۔“

”خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے۔“

”کثرت رواۃ لازمہ ترجیح نہیں۔“

”غیر فقیہ راوی کی روایت اگر اصول و قیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں۔“

”منہم شرط اور منہم وصف کا کوئی اعتبار نہیں۔“

اس قسم کے بہت سے اصول فقہ ایسے ہیں جن کی تعیین و تفریع سے ائمہ کو کوئی تعلق نہیں، اور ایسے اصولوں کی محافظت کرنا اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کو بڑے تکلفات کے ساتھ رفع کرنا متقدمین کا طریقہ نہ تھا، ان کی محافظت و مدافعت ہماری توجہ کی صرف اسی قدر مستحق ہے جس قدر ان کے خلاف اصول و قواعد فقہ کی، اگر ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے میں تکلف سے کام لیا جائے جیسا کہ عام لوگوں کا شیوہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اصول کو اس جوش حمایت سے محروم رکھا جائے۔

اب ہم چند مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

(الف) ان حضرات نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ ”لفظ خاص اپنے حکم میں خود واضح ہے، کسی تشریحی بیان کو اس کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے گا“ یہ قاعدہ دراصل متقدمین کے اس فعل سے نکالا گیا ہے کہ انہوں نے آیت و اسجد و رکوع و سجود کی بنا پر نماز میں صرف رکوع و سجود کو فرض قرار دیا اور اطمینان کو فرض نہیں ٹھہرایا درآئیکہ حدیث میں یہ ارشاد موجود تھا کہ ”آدمی کی نماز نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو پوری طرح ٹھیرائے نہیں“ اس ایک معاملہ میں متقدمین نے جو مسلک اختیار کیا، متخرین نے اس سے ایک قاعدہ کلیہ وضع کر لیا، مگر دیکھو کہ متعدد معاملات میں وہ خود اپنے مقرر کیے ہوئے اس قاعدے کو کس طرح توڑتے ہیں۔

آیت و امسحوا بروسکم میں محض سر پر مسح کرنے کا حکم ہے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ ”وامسحوا“ کا لفظ خاص ہے، قاعدہ مذکور کی رو سے چاہیے تھا کہ سر کے مسح کی مطلق فرضیت کا فتویٰ دیا جاتا، لیکن حنفیہ یہاں اپنے اس قاعدہ کی پابندی نہیں کرتے اور اس حدیث کی بنا پر جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ کا مسح فرمایا، مسح کے لیے سر کے چوتھائی حصہ کی حد مقرر کر دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ یہاں حکم خاص کے ساتھ اس کی تشریح کو کیوں ملحق کیا گیا؟

قرآن کا حکم ہے اور لفظ خاص کے ساتھ ہے کہ ”زانی اور زانیہ کو کوڑے مارو“ مذکورہ بالا قاعدہ کا اقتضاء تھا کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کو کوڑے ہی مارنے کی سزا دی جاتی، مگر یہی

احناف حدیثوں کو اس آیت کا بیان ماننے ہوئے فرماتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو تو کوڑے مارے جائیں، لیکن شادی شدہ مجرم کو سنگسار کیا جائے، کیا یہ لفظ خاص کے ساتھ تشریح کا الحاق نہیں؟

آیت السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما میں مطلقاً چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے، قاعدہ مذکورہ کے مطابق چاہئے تھا کہ ایک پیرہ کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا، لیکن اپنے مقرر کیے ہوئے اصول کو بالائے طاق رکھ کر انہی حضرات نے دس درہم کی شرط لگائی اور حدیث کو آیت کا بیان قرار دیا۔

طلاق مغلظ دینے کے بعد شوہر اُسر نو مطلقہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہے تو قرآن ”حتی تنكح زوجا غيره“ کے الفاظ کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے طلاق دینے کے بعد کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کر چکا ہو، اس حکم کا لفظ یعنی ”تنكح“ خاص ہے جو اپنے متعارف مفہوم میں ایجاب و قبول تک محدود ہے، پس آیت سے صرف اتنی شرط نکلتی ہے کہ دوسرے کسی دوسرے مرد سے نکاح یعنی ایجاب و قبول کر لے لیکن فقہائے احناف نے حدیث ”حتی تذوق عسيلة ويدوق عسيلة“ کو اس حکم کا بیان تسلیم کر کے نکاح کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ وہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع بھی کرے۔

تاؤان مثالوں میں اصول الخاص مبین لا يلحقه البيان کا کنٹالناظ کیا گیا ہے۔

(ب) قرأت نماز کے متعلق نص قرآنی ”فاقرءوا ما تيسر من القرآن“ میں ”ما تيسر کا عموم چاہتا ہے کہ جتنا بھی اور جہاں سے بھی قرآن پڑھ لیا گیا نماز ہو جائے گی، اور حدیث ”لا صلوة الا بفاتحة الكتاب“ کا ظاہری مفہوم چاہتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت ہر رکعت میں فرض ہے، لیکن قدامت نے آیت کے عموم کو اپنی جگہ رکھا اور حدیث کو اس کی تخصیص نہ ماننے ہوئے فتویٰ دیا کہ قرأت فاتحہ فرض نہیں ہے، اسی طرح کے بعض اور اقوال سے متاخرین نے ایک کلی اصول یہ مستنبط کر لیا کہ ”العام قطعی کا الخاص“ یعنی لفظ عام بھی اپنے حکم اور مفہوم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے، اس کا عموم تخصیص کا متحمل نہیں بلکہ وہ ایک مستقل حکم ہوتا ہے۔

اس اصول کا تقاضا تھا کہ آیت ”فما استيسر من الهدى کے عموم کو بھی قطعی مان کر کہا جاتا کہ ہر چھوٹی بڑی حدی جو بھی بآسانی میسر آ سکے قربانی کے کام آ سکتی ہے، کیونکہ ”فما

استیسر “ کا لفظ عام ہے اس لیے اس کے مدلول اور مقصود میں بھی عموم اور وسعت کو باقی رکھنا چاہیے، لیکن اختلاف حدیث سے خود ہی تخصیص فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدی کے لیے بکرایا بکرے سے بڑا کوئی جانور ہونا چاہیے، کیا یہاں لفظ عام کی قطعیت خاص کی طرح قائم رہی؟

(س) اصول فقہ کی ایک محکم دفعہ یہ بھی ہے کہ لا عبرة بمفہوم الشرط والوصف “ یعنی اگر کوئی حکم کسی خاص موقع پر دیا گیا ہو، تو اس حکم کے اطلاق میں اس خاص موقع کی خصوصیات اور شرائط کا اعتبار نہ کیا جائے گا، یہ قاعدہ دراصل سلف کے اس مسلک سے نکالا گیا ہے جو انہوں نے آیت ”فمن لم يستطع منكم طولا“ کے بارے میں اختیار کیا ہے، اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ آزمودت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بوجہ ناداری اس کے اخراجات کے متکفل نہیں ہو سکتے وہ لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن متقدمین نے اس شرط عدم استطاعت کو قید جواز نہ مانتے ہوئے ذی استطاعت اور صاحب مقدرت انسان کو بھی لونڈی سے نکاح کی اجازت دے دی، ان کے اس فتویٰ سے مندرجہ بالا اصول منضبط کر لیا گیا۔

لیکن اونٹ کی زکوٰۃ کے بارے میں یہ لوگ خود اس اصول کو توڑ دیتے ہیں، نص کے الفاظ (فی الابل السائمة زکوة) ہیں جن میں یہی قید شرط مذکور ہے، اصول مذکورہ کے لحاظ سے چاہیے تھا کہ سائمہ اور غیر سائمہ ہر نوع کے اونٹوں میں زکوٰۃ فرض قرار دی جاتی اور اس لفظ ”السائمة“ کے مفہوم سے حکم کو مقید نہ کیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا اور صرف چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ کی فرضیت کا فتویٰ دیا گیا۔

(د) حدیث مصرافہ (جس کی تفصیل پہلے لکھی ہے) میں ائمہ سلف نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس کے پیش نظر متاخرین نے یہ کلی اصول بنالیا کہ جب کوئی غیر فقیر راوی کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو قیاس سے متصادم ہوتی ہو تو وہ واجب العمل نہ ہوگی، مگر انہیں واضعین اصول نے حدیث فقہیہ کو جو خلاف قیاس بھی ہے اور غیر فقیر راوی کی روایت بھی، واجب العمل مانا اور فتویٰ دیا کہ نماز میں باؤ بلند ہنسنے سے نماز ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ وضو اور فقہیہ کا کوئی تعلق معنوی اب تک دائرہ قیاس میں نہیں آسکا، اسی طرح افطار صوم کے بارے میں بھی یہ اصول پس پشت ڈال دیا گیا، ظاہر ہے کہ جب کھانا پینا روزہ کو توڑ دیتے ہیں تو چاہیے

بھول کر کھایا جائے یا عمداً، بہر حال روزہ ٹوٹ جانا چاہیے لیکن اس کھلے ہوئے قیاس کو انہوں نے ایک ایسی حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا۔ جو خلاف قیاس بھی ہے اور غیر فقہیہ راوی کی روایت بھی۔ صاحب نظر کے لیے یہ چند اشارات کافی ہیں، ورنہ اس کے شواہد بے شمار ہیں جو بتاتے ہیں کہ ان اصولوں کی حقیقت کیا ہے، اور خود ان کے واضعین نے کس طرح ان کی خلاف ورزی کی ہے۔ پھر جب اس خلاف ورزی پر اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب انہوں نے جن تکلفات اور خن پروریوں کے ساتھ دیا ہے ان کی داستان بھی ہر ناظر ان کی کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔

مسئلہ کی اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو سکتی ہے اگر تم صرف ایک ہی قاعدہ کے متعلق علماء محققین کی تصریحات دیکھ لو، وہ فرماتے ہیں کہ شرط فقہیت والے اصول میں دو مذہب ہیں۔ ایک تو عیسیٰ بن ابان کا ہے جن کے نزدیک غیر فقہیہ راوی کی روایت ضابطہ اور عادل ہونے کے باوجود خلاف قیاس ہونے کی صورت میں نا واجب العمل ہے اور اکثر متاخرین نے اسی رائے کو اختیار کر لیا ہے، دوسرا مذہب امام کرغنی کا ہے جن کے نزدیک خبر واحد کے قیاس پر مقدم ہونے کے لیے راوی کا فقیہ ہونا شرط نہیں، حدیث بہر حال قیاس کے مقابلہ میں واجب الاتباع ہے، بہت سے علماء نے اسی دوسری رائے کو مانا ہے، چنانچہ وہ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ:

”یہ قول (یعنی قول اول) ہمارے ائمہ سے منقول نہیں، ان سے تو یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے بھول کر کھانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو واجب العمل تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ روایت قیاس کے خلاف تھی، یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ نے صریحاً فرمایا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں قیاس کو اختیار کرتا۔“

خود ان متاخرین کا اکثر تحریجات میں مختلف ہونا اور ایک دوسرے پر اعتراض کرنا ہمارے خیال کی ایک ناقابل تردید شہادت ہے۔

(۳) ایک ناطقہ بھی اور ہے جس کا ازالہ ضروری ہے، کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہیت کے لحاظ سے محض دو مذہب ہیں، ایک اہل الظاہر، دوسرے اہل الرائے، اور جو شخص بھی قیاس اور استنباط سے کام لے وہ اہل الرائے میں سے ہے، حاشا کہ حقیقت سے یہ انتہائی بے خبری ہے، لفظ ”رائی“ کا

مفہوم نہ تو نفس عقل و فہم ہے کیونکہ کوئی عالم اس صفت سے عاری نہیں نہ رائے کا مطلب وہ رائے محض ہے، جس کا رشتہ سنت سے منقطع ہو، کیونکہ ایسی رائے کوئی قبیح اسلام اختیار نہیں کر سکتا، اور نہ رائے سے مقصود قیاس و استنباط کی قدرت ہے، کیونکہ امام احمدؒ اور اسحاقؒ بلکہ امام شافعیؒ کا بھی بالاتفاق اہل الرائے میں شمار نہیں، حالانکہ وہ قیاس سے بھی کام لیتے ہیں اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں، رائی اور اہل الرائے کا مفہوم ان تمام سے جداگانہ ہے، اہل الرائے کہتے ہیں ان لوگوں کو جنہوں نے جمہور مسلمین کے متفق علیہ مسائل کے بعد فروغی اور اختلافی مسائل میں کسی امام کے اقوال و اصول کو سامنے رکھ کر تخریج و استنباط پر اکتفا کر لیا اور روایات و آثار کے تتبع سے تقریباً بے نیاز ہو کر اصول و قیاس کی مدد سے جزئیات نکالنے لگے، وہ حل مسائل کے وقت نصوص آثار و سنن کی طرف مراجعت کرنے کے بجائے زیادہ تر یہ دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ فقہاء کے ٹھیرائے ہوئے اصول میں سے کس اصل کے تحت آتا ہے، اس کے اشیاء و نظائر کیا ہیں، کس مسئلہ کی علت اس میں پائی جاتی ہے، ان کے مقابلہ میں ظاہر یہ وہ لوگ ہیں، جو نہ قیاس سے کام لیتے ہیں اور نہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے، جیسے امام داؤدؒ اور ابن حزمؒ، ان دونوں گروہوں کے درمیان محققین اہل سنت کا گروہ ہے جیسے امام احمدؒ و امام اسحاقؒ۔

یہ بحث اگرچہ اس تفصیل و اٹھاب کے ساتھ عنوان کتاب سے خارج تھی، لیکن اس کے باوجود مذہبی فرقہ آرائیوں کی موجودہ خلفشار اور حقیقت حال سے عام بے خبری کو دیکھ کر میں نے ضروری سمجھا کہ عدل و توسط کا نقطہ جو ان ہنگاموں میں گم ہو گیا ہے، اس کو افراط و تفریط اور تعصب کی الجھنوں سے نکال کر ارباب نظر کے سامنے پیش کر دوں۔

عدل پسند اور حق طلب کے لیے یہی کافی ہے، متعصب کے لیے کچھ بھی کافی نہیں۔
وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ فنی ذوق بظاہر فقہ حنفی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ آپؒ اُپرچہ نظریاتی اعتبار سے اس فکر و نظر کے حامل تھے، لیکن عملاً حنفی تھے اور آپؒ کا پورا خانوادہ حنفی تھا، آپؒ فقہ کے میدان میں درجہ اجتہاد و تجدید پر فائز تھے، آپؒ کو اس منصب عالی سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے، اور جو تفسیر کا حق ہے، اسے سلب نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (قاسمی)

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا رشید احمد انصاریؒ

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمیؒ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۵۲	باب اول (علوم و خجگانہ کے بیان کے میں)	۱
۲۷۳	باب دوم (وجوہ خفائے نظم قرآن کے بیان میں)	۲
۳۰۳	باب سوم (قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں)	۳
۳۱۵	باب چہارم (فتون تفسیر کے بیان میں)	۴

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس بندہ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے مجھ کو قرآن مجید کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت پناہ کے احسانات اس کثیرین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے، آنحضرتؐ نے قرآن کریم کی تلقین قرن اول کو فرمائی اور انہوں نے قرن ثانی تک پہنچائی اور اسی طرح درجہ بدرجہ ہو کر اس خاکسار کو بھی اس کی روایت اور روایت سے ”وصلی اللہ علیہ وسلم“ صلی علیٰ ہذا النبی الکریم سیدنا و مولانا و شفیعنا افضل صلواتک وایمن برکاتک وعلی آلہ و اصحابہ و علماء امتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اما بعد کہتا ہے فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم ”خدا ان دونوں سے اپنی مہربانی کے ساتھ معاملہ کرے“ کہ جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کو کارآمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے، خداوند تعالیٰ کی عنایت سے امید ہے کہ طالب علموں کو صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہراہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کسب تقاسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو مفسروں سے جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم ہو گئی ہے پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی اور میں نے اس رسالہ کا نام ”الفوز الکبیر فی اصول التفسیر“ رکھا، و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و هو حسبی و نعم الوکیل۔

اس رسالہ کے مقاصد پانچ باب میں منحصر ہیں۔

- (۱) پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جن کی طرف قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ رہنمائی کی ہے اور گویا قرآن مجید کے نزول کا مقصد دراصل وہی علوم پنجگانہ ہیں۔
- (۲) دوسرا باب وجوہ خفاء نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت وضاحت کے ساتھ۔

(۳) تیسرا باب نظم قرآنی کے لطائف اور اس کے اسلوب بدیع کی تشریح بقدر طاقت بشری

(۴) چوتھا باب فنون تفسیر کے بیان میں۔

باب اول

ان علوم پہنچگانہ کے بیان میں
جن کو قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے

جاننا چاہئے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ علموں سے باہر نہیں ہیں، اول علم احکام، از قسم واجب، مستحب، مکروہ اور حرام، یہ احکام خواہ عبادت میں سے ہوں یا معاملات میں سے، تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے، اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے۔ دوم علم مناظرہ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین، اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے، سوم علم تذکیر بآلاء اللہ مثلاً زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو ان کی ضروریات کا الہام کرنے اور نیز خداوند تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان، چہارم علم تذکیر بایام اللہ یعنی ان واقعات کا بیان جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجا دفرمایا ہے مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام و جزا اور مجرموں کے لیے تعذیب و سزا، پنجم علم تذکیر موت اور اس کے بعد کے واقعات کا بیان مثلاً حشر و نشر، حساب، میزان، دوزخ، جنت، ان علوم کی تفصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب احادیث اور آثار ملحق کرنا، واعظوں اور مذکروں کا کام ہے۔

قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے، متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا، اور آیات احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود کی تخلیق کا التزام جیسا کہ اصول والوں کا قاعدہ ہے، نہیں کیا، اور علم مباحثہ کے آیات میں اقوال

مشہورہ مسئلہ اور خطابیاتِ نافعہ کا التزام کیا ہے اور ترمیمِ براہین میں منطقوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت جیسا کہ ادبائے متاخرین کا قاعدہ ہے، نہیں کی گئی بلکہ خداوند تعالیٰ نے جس حکم کو بندوں کے لیے مہتم بالشان سمجھا اسی کو بیان کیا، خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا مؤخر، عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصہ کے ساتھ ربط دیا ہے اور اس قصہ کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانا ہے لیکن حق یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے مقصود اصلی نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے، اس لیے آیاتِ مباحثہ کے نزول کے لیے مکلفین میں عقائدِ باطلہ کا وجود اور آیاتِ احکام کے لیے ان میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیاتِ تذکیر کے نزول کے لیے ان کا بغیر ذکرِ آلاء اللہ وایام اللہ اور موت اور اس کے بعد ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے، خاص خاص واقعات جن کو بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے، اسبابِ نزول میں چنداں دخل نہیں ہے، مگر صرف بعض آیات میں جہاں پر کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہو کیوں کہ سننے والے کے دل میں اس اشارہ سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جائے گا جو بدون قصہ کی تفصیل معلوم کئے زائل نہ ہوگا بدین وجہ ہم پر لازم ہے کہ ان علوم و تفسیر کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص (یعنی بے تعلق)، اقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

پہلی فصل

علمِ مباحثہ کے بیان میں

قرآن مجید میں چاروں گمراہ فرقوں سے مباحثات ہوئے ہیں یعنی مشرکین، یہودی، نصاریٰ اور منافقین، اور یہ مباحثے دو طرح پر واقع ہوئے ایک تو یہ کہ فقط باطل عقیدہ کو بیان کر کے اور اس کی قباحت و ظاہر فرما کر اس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ گمراہوں کے شبہات کو بیان کر کے ان کو اذیت و تطعیر یا خطابیات سے حل کرتے ہیں، مشرکین اپنے آپ کو ضعیف کہتے ہیں، ضعیف اسکو کہتے ہیں جو ملتِ ابراہیمی کا پابند اور اس کے علامات کو سختی کے ساتھ اختیار کرنے

والا ہو، ملت ابراہیمی کی علامات یہ ہیں، حج، کعبہ، استقبال کعبہ، غسل جنابت، ختنہ، اور باقی فطری خصائل اشہر حرم (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کی حرمت) مسجد حرام کی تعظیم، نسبی اور رضائی محرمات کو حرام جاننا اور عام جانوروں کا ذبح حلق میں اور اونٹ کا خربہ میں اور ذبح اور نحر سے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی خصوصاً حج کے زمانہ میں اور ملت ابراہیمی میں وضو نماز اور روزہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک، اور قیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا، اور مشکلات میں ان کی اعانت کرنا اور صلہ رحم مشروع تھا، اور مشرکین کے یہاں ان امور کے کرنے والے کی مدح سرائی کی جاتی تھی، لیکن مشرکین نے عام طور پر ان امور کو ترک کر دیا تھا اور ان میں یہ خصائل کسان لہم یسکن ہو گئے تھے اور قتل، چوری، زنا اور یا، غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی اور ان افعال پر ان کے یہاں کچھ نہ کچھ اظہار نفرت بھی جاری تھا لیکن جمہور مشرکین ان کو کرتے اور نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے تھے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا عقیدہ اور اس بات کا کہ وہ آسمان اور زمین کا خالق ہے اور زبردست حوادث کا مدبر اور رسولوں کے بھیجے پر قادر اور بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا اور حوادث کو ان کے وقوع سے پیشتر معین کرنے والا، اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے اور تعظیم کے مستحق ہیں، ان کے نزدیک ثابت تھا۔ چنانچہ ان کے اشعار ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں، مگر جمہور مشرکین نے ان عقائد میں بہت سے ایسے شبہات کو جو کہ ان امور کے استبعاد اور ادراک کی طرف رغبت نہ ہونے سے پیدا ہوتے تھے، بہم پہنچائے تھے، مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک اور تشبیہ اور تحریف کے قائل اور معاد کے منکر تھے اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید از قیاس کہتے اور اعمال قبیحہ اور مظالم علانیہ کرتے اور نئے نئے فاسد رسوم ایجاد کرتے اور عبادات کو مٹاتے تھے۔

شرک یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لیے ان صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوں مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جس کو کس فیکون سے تعبیر کرتے ہیں یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ جو اس کے ذریعہ سے ہونہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے یا مریضوں کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا جس کے باعث سے اس کو تنگدستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں، یا رحمت بھیجنا جس سے اس کو فراخ دستی، تندرستی

اور سعادت حاصل ہو مشرکین بھی جو اہر اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو خدا کا شریک نہیں جانتے تھے انکا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کسی میں اس کے روکنے کی قدرت نہیں ہے بلکہ ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے، ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربان خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا فرمانروا مقرر کرتے ہیں اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرنے میں جب تک کوئی شاہی علم صریح موجود نہ ہو ان کو مختار بنا دیتے ہیں اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے اور اپنی کل رعایا کو حکام کے سپرد کر دیتے ہیں اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت وزیرین اور متولین کے حق میں قبول کی جاتی ہے، ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی اپنے خاص بندوں کو رجہ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے، اور ایسے لوگوں کی رضامندی و تاراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے اس لیے وہ ان بندگان خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے تاکہ بادشاہ حقیقی کی درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور جزاء اعمال کے وقت ان کے حق میں شفاعت درجہ قبولیت حاصل کرے اور ان خیالی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ ان کو عہدہ کرنا اور ان کے لیے قربانی کرنا اور ان کے نام کی قسم کھانا اور ضروری امور میں ان کی قدرت کن فیکون سے مدد لینا جائز سمجھتے تھے، اور پتھر، پیتل اور شیشہ وغیرہ کی صورتیں بنا کر ان (بنندگان خاص) کی روجوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا۔

لیکن رفتہ رفتہ جہلاء نے ان پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا اور خلط عظیم واقع

ہوا۔

اور تشبیہ سے مراد ہے صفات بشریہ کو ذات پاک کے لئے ثابت کرنا، چنانچہ مشرکین، ملانکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں بتلاتے اور کہتے تھے کہ وہ اپنے بندوں کی شفاعت کو قبول کرتا ہے اگرچہ اس کی مرضی کے خلاف ہو جیسا کہ بادشاہ بڑے بڑے امراء دولت کی نسبت گاہ گاہ کیا کرتے ہیں اور چونکہ ایسے علم و بصیرت کا ادراک جو کہ شان الوہیت کے لائق ہو ان کے ذہن میں نہ آ سکتا تھا اس لیے انہوں نے اس کو بھی اپنے علم و بصیرت پر قیاس کر لیا اور خدا تعالیٰ کی جسمیت اور جزء کے قائل ہو گئے، اور تحریف کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت اسمعیلین کی اولاد اپنے بزرگوار دادا کی

شریعت پر برابر قائم چلے آئے تھے حتیٰ کہ عمر بن لُحی (۱) لعنة الله علیہ نے پیدا ہوا کر انکے لیے بت بنائے اور ان کی عبادت کو لازم قرار دیا اور بحیرہ (۲) اور سائبہ (۳) اور حام (۴) کا چھوڑ دینا اور پانسوں کے ذریعہ سے تقسیم کرنا اور مثل ان کے دیگر باتیں ان کے لیے ایجاب کیں اور یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قریباً تین سو سال پیشتر ہوا۔

اور یہ جبلاء بالعموم اپنے آپاء و اجداد کے آثار سے استدلال کرتے اور اس کو اپنے قطعی دلائل میں شمار کرتے تھے، انبیاء سابقین نے بھی اگرچہ حشر و نشر کے احوال بیان فرمائے ہیں لیکن نہ اس شرح و وسط سے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اس لیے جمہور مشرکین ان مزید حالات پر مطلع نہ تھے بلکہ ان کو فہم سے بعید جانتے تھے، اس جماعت کو اگرچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل بلکہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کی نبوت کا بھی اعتراف تھا لیکن صفات بشری (جو انبیاء میں ہیں) انکے جمال با کمال کے لئے حجاب ہیں، ان کو مشوش کر دیتی تھیں اور وہ اس تدبیر الہی کی حقیقت سے جو بعثت انبیاء کے لیے مقتضی ہے نا آشنا رہ کر کار رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ لوگ رسول کو مرسل یعنی اسنے بھیجنے والے کے ساتھ مماثل جانتے تھے (چنانچہ) وہ اس باب میں وہی اور ناقابل سماعت شبہات پیش کرتے تھے مثلاً وہ کہتے تھے کہ جو شخص کھانے اور پینے کا محتاج ہو وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ نے کیا وجہ جو فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجا اور کیا وجہ کہ ہر شخص پر الگ الگ وحی نہیں بھیجتی علیٰ ہذا القیاس ایسے ہی اور شبہات اور اگر تم کو مشرکین کے عقائد اور اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو تو چاہئے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علیٰ

(۱) یحییٰ بن یساف ابن ہشام جلد اول۔

(۲) بحر عربی زبان کان حمد نے کو کہتے ہیں، اور بحیرہ سے وہ اونٹنی مراد ہے جو پانچ بچے جن بنی ہو۔
پانچواں بچہ اُترتا ہوتا تو اس کو ذبیح کر کے صرف مرد کھاتے تھے عورتیں اس میں شریک نہ ہوتی تھیں اور اگر وہ بچہ مادہ ہوتا تو اس اونٹنی کا کان کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے۔

(۳) سائبہ سے مراد وہ مویشی ہے جس کو اہل جاہلیت بتوں کی نذر کر کے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس سے اون حاصل کرتے۔

(۴) حام سے مراد وہ زرافہ ہے جس کو شل سائڈ کے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سوار ہوتے نہ اس سے اون حاصل کرتے، اگر کسی چراگاہ یا خوش سے اس کو نہ روکتے تھے۔

الخصوص جو دارالاسلام کے نواح میں رہتے ہیں دیکھو کہ انہوں نے ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے، وہ لوگ باوجودیکہ اولیاء متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اور کہ تحریک اور تشبیہ نے کس قدر ان میں رواج پکڑا ہے حتیٰ کہ مواقف حدیث صحیح لقتبعن سسناً من قبلکم ان آفات میں سے کوئی بھی نہ رہی جس پر آج کوئی نہ کوئی جماعت کار بند اور اس کے مانند مگر امور کی معتقد نہ ہو۔

اعاذنا الله سبحانه عن ذلك

بالجملہ خدا تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے آنحضرت کو عرب میں مبعوث کیا اور آپ کو ملت حنیفیہ کے قائم کرنے کا حکم فرمایا، اور قرآن مجید میں جبلاء عرب کے ساتھ مباحثہ کیا اور مباحثات میں ان کے مسلمات سے جو ملت حنیفیہ کی بقایا تھے استدلال کیا تاکہ الزام ان پر پوری طرح ثابت ہو جائے اور شرک کا جواب اول تو ان سے اس پر دلیل کا مطالبہ کرنا اور تقلید آباء کے استدلال کو توڑنا ہے اور دوسرے ان بندگان خاص کا خدا کے برابر نہ ہونا اور خدا تعالیٰ کا برخلاف ان بندگان خاص کے انتہائی مراتب تعظیم کے لیے مستحق ہونا اور تیسرے تمام انبیاء کا اس مسئلہ پر اجتماع و مآرسلنا (۱) من قبلک من رسول الانوحی الیہ انہ لا الہ الا انا معابدون، اور چوتھے بتوں کی عبادت کی خرابی اور پتھروں کے مرتبہ انسانی سے بھی گرے ہوئے ہونے کا بیان (اور مرتبہ الوہیت کا تو ذکر ہی کیا ہے) اور یہ جواب خاص ان اقوام کے مقابلہ میں دیا گیا ہے جو بتوں کو بالذات معبود خیال کرتے ہیں اور تشبیہ کا جواب اولاً تو اس پر دلیل کا مطالبہ، اور استدلال تقلید آباء کو توڑنا اور دوسرے یہ کہ اولاد کا اپنے باپ کے ساتھ جنس ہونا ضروری ہے، اور وہ یہاں مفقود ہے، اور تیسرے ایسے امور کو جن کو وہ اپنے نزدیک مکروہ اور مذموم خیال کرتے ہیں حق تعالیٰ کے لیے ثابت ماننے کی قباحت کا بیان (الربک (۲) البنات ولکم

(۱) تم سے پیشتر ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ سوائے میرے کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

(۲) کیا تیرے پروردگار کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے۔

البسبون) اور یہ جواب خاص ایسے اقوام کے لیے دیا گیا ہے جو مشہورات اور منومات شعری کو تسلیم کرنے کے خوگر تھے اور جن کی بڑی تعداد کی یہی حالت تھی اور تحریف کا جواب یہ ہے کہ ائمہ مذہب ہے یہ معافی مذکور نہیں ہیں اور نیز یہ ایسے لوگوں کی اختراعات اور جدت پسندیاں ہیں جو معصوم نہ تھے اور حشر و نشر کے مستعد ہونے کا جواب اولاً تو زمین وغیرہ کے حیوان پر قیاس، اور دہر حشر و نشر کی تنقیح ہے جو کسی شے کا فقط تحت قدرت اور ممکن الا عاده ہونا ہے اور دوسرے ان امور کی خبر دینے میں اہل کتاب کی موافقت ہے، اور استبعاد رسالت کا جواب انبیائے سابقین میں بھی ہو چکا ہے۔

”وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحى اليهم و يقول (۱) الدين كھروا
لست مرسلنا قل كفى بالله شهيداً بينى وبينكم و من عنده علم الكتب
اور دوسرے ان کے استبعاد کو یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہاں پر رسالت سے مراد فقط وحی ہے،
قل (۲) انما انا بشر مثلكم يوحى الى - اور وحی ایسی شے ہے جو محال نہیں ہے ماکان
لبشر ان يكلمه الله (۳) الیہ اور تیسرے یہ بیان کر دینا کہ ان معجزات کا، ظاہر ہونا جن کی وہ
ضد کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ایسے شخص کو نبی معین کرنے میں ان کی موافقت نہ کرنا جس کی پیغمبری
کے وہ خواہشمند ہیں، یا فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانا یا ہر کسی پر وحی نازل نہ کرنا ایک ایسی کلی مصلحت کی بنا پر
ہے، جس کے ادراک سے ان لوگوں کا علم و فہم قاصر ہے، اور چونکہ مکلفین اکثر مشرک تھے اس لیے
ان مضامین کو بہت سورتوں میں مختلف طریقوں اور نہایت تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا اور ان
باتوں کے بار بار عادیہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی، لاریب حکیم مطلق کا خطاب ان جاہلوں کے لیے
ویسا ہی ہوتا چاہئے تھا، اور ان بے عقولوں کے مقابلے میں انہیں شدید تاکیدات کی ضرورت
تھی..... ذلك تقدير العزيز العليم اور یہودی تورات پر ایمان رکھتے تھے اور ان کی بے راہی

(۱) کفار کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو تم اس کے جواب میں کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے اور جس
کے پاس آسمانی کتابوں کا علم ہے۔

(۲) اے پیغمبر کہہ دو کہ میں مثل تمہارے انسان ہوں مگر یہ کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

(۳) کسی انسان کا یہ مقدور نہیں کہ خدا اس کے ساتھ کام کرے مگر بطور وحی کے۔

احکامِ توریت میں عام تحریف لفظی یا معنوی تھی، اور نیز بعض آیات کو چھپانا، اور یہ افتر آپر دازی کو جو احکام اس میں نہ تھے اس میں ملانا اور نیز ان احکام کی پابندی و اجرا میں تساہل اور تعصب مذہبی میں شدت، اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی رسالت میں تاویل، اور بے ادبی اور طعنہ زنی رسول اللہ ﷺ جیکہ خدا تعالیٰ کی شان میں اور ان کا بخل و حرص میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ یہودی تحریف لفظی توریت کے ترجمہ وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں، کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے اور ابن عباس کا بھی یہی قول ہے کہ تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے۔ یعنی سینہ زوری اور راہ مستقیم سے انحراف کر کے کسی آیت کو اسکے اصل معنی کے خلاف پرصل کرنا، اور اسکی ایک مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں درمیان فاسق دیندار اور کافر منکر مذہب کے فرق بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً کافر کے لیے ثابت مانا گیا ہے کہ وہ عذاب شدید ہیں، ہمیشہ مبتلا رہے گا، اور فاسق کے لیے جائز رکھا گیا ہے کہ وہ انبیاء و پیغمبر اسلام کی شفاعت سے دوزخ میں سے نکالا جائیگا، اور اس آخری حکم کے اثبات کے وقت ہر ایک مذہب نے اپنے پیرو کے نام کی تصریح کی ہے۔ مثلاً توریت میں یہودی اور عبری کو یہ مرتبہ بخشا گیا ہے، اور انجیل میں نصرانی کو اور قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ شرف عطا ہوا ہے، اس حکم کا مدار فقط خدا تعالیٰ اور محشر پر ایمان لانے اور اس رسول کی جو ان میں مبعوث کیا گیا ہوتا تا بعد اری اور مشروعات مذہبی پر عمل کرنے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ہے اور ہرگز کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں، لیکن بایں ہمہ یہودیوں کا گمان ہے کہ جو شخص یہودی یا عبری ہوگا وہ ضرور جنتی ہوگا (۱) اور شفاعت انبیاء اس کو دوزخ سے نجات دے گی حتیٰ کہ چند روز کے سوا وہ دوزخ میں نہ رہے گی گو مدار حکم کا وجود نہ ہو اور گو خدا تعالیٰ پر ایمان صحیح طریقہ سے نہ ہو اور آخرت اور رسالت پر ایمان کا ان کو کچھ بھی اور اک نہ ہو۔ حالانکہ یہ محض نطق اور خالص جہالت ہے۔

چونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ اور ان کے اشکالات کو واشکاف کرنے والا ہے، اس لیے اس نے اس ٹرہ کو بھی پوری طرح کھول دیا ہے، ہلی (۲) من کسب سیئۃً واحاطت

(۱) وقالوا لن نمسنا النار الا اياماً معدودات

(۲) ہاں جس نے بدی سمی اور اس کی خطاؤں نے اس کو گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

به خطيئته فالولئك اصحاب النار هم فيها خالدون۔

مثال ثانی ہر مذہب میں اس زمانہ کے مصالح پر نظر کر کے احکام بھیجے گئے ہیں اور تشریح یعنی شریعت کا قانون بنانے میں اقوام کی عادات کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نہایت تاکید کے ساتھ ان کے اتباع اور ان پر ہمیشہ عمل کرنے و اعتقاد رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور انہیں میں دائمی طور پر انحصار حق فرمایا ہے، لیکن اس سے صرف یہ غرض ہے کہ فقط اس زمانہ میں ان اعمال میں حق منحصر ہے غرضیکہ دوام ظاہری مراد ہے نہ کہ دوام حقیقی یعنی مراد یہ تھی کہ تا وقتیکہ دوسرا نبی مبعوث نہ ہو اور اس کے چہرہ نبوت سے پردہ خفا نہ اٹھ جائے، یہ احکام واجب العمل رہیں گے مگر انہوں نے اس ظاہری دوام سے یہ سمجھا کہ گویا یہودیت ناقابل نسخ ہے اور درحقیقت یہودیت کے اتباع کی وصیت کے یہ معنی تھے کہ ایمان اور نیک اعمال کا التزام کیا جائے اور اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت ہرگز معتبر نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کر کے غلطی سے یہ گمان کر لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی ہے۔

مثال ثالث خدا تعالیٰ نے ہر ایک ملت میں انبیاء اور ان کے متبعین کو مقرب اور محبوب کا خطاب عطا کیا اور مفسرین کو صفات مبغوضہ سے یاد فرمایا ہے، اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال ہر ایک قوم میں شائع تھا، تو اگر محبوب کے بجائے لفظ ابن ذکر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں، اس سے یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ عزت صرف یہودی اور عبری اور اسرائیلی کے ناموں کے ساتھ مخصوص ہے، اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سے کامل اتباع اور خضوع اور انبیاء کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور ایسی ہی بہت سی تاویلات فاسدہ، ان کے قلوب میں راسخ ہو گئی تھیں جن کو وہ اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آئے تھے، قرآن مجید نے ان شبہات کو پوری طرح رفع کر دیا۔

کتمان آیات کی یہ صورت تھی کہ بعض احکام اور آیات کو کسی ذی عزت اور شریف کے اعزاز کی حفاظت یا کسی ریاست کے حاصل کرنے کی غرض سے پوشیدہ کر دیتے تھے کہ عوام کا اعتقاد ان سے زائل نہ ہو جائے اور یہ لوگ اس پر عمل ترک کر دینے سے نشانہ ملامت نہ بن سکیں، مثلاً زانی کو سنگ سار کرنے کا حکم تو ریت میں مذکور تھا، مگر ان لوگوں نے اس وجہ سے کہ ان کے تمام علماء نے

رجم کو موقوف کر کے اس کی جگہ پردے مارنا اور منہ کالا کر دینا جویز کر رکھا تھا اس حکم کو ترک کر دیا اور رسوائی کے خوف سے اس کو چھپا لیا تھا یا مثلاً جن آیتوں میں حضرت ہاجرہ و اسمعیل علیہما السلام کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی اولاد میں ایک نبی مبعوث ہوگا اور جن میں اشارہ ہے ایک ایسے مذہب کی جانب جو زمین حجاز میں کامل اشاعت پائے گا، اور اسکے سبب سے عرفات کی پہاڑیاں صدائے لبیک سے گونج اٹھیں گی اور تمام اقلیموں کے لوگ اس مقام کی زیارت کا قصد کریں گے باوجودیکہ یہ آیتیں توریت میں اب تک موجود ہیں، یہودی ان کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو فقط اس مذہب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اس کے اتباع کا امر کہاں ہے، اور یہ مقولہ ان کے زبان زد تھا ملحۃ (۱) کنست علینا لیکن چونکہ اس رکیک تاویل کو کوئی نہ سنتا تھا اور نہ کسی کے نزدیک یہ صحیح تھی اس لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس راز کے اخفاء کی وصیت کرتے اور ہر کس و نا کس کے رو برو اس کا ظہار نہ کرتے تھے، اتحد ثونہم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم۔

افسوس یہودی کس بلا کے جاہل تھے، کیا خدا تعالیٰ کا ہاجرہ و اسمعیل علیہ السلام پر اس مباذ کے ساتھ احسان رکھنا کوئی دوسرے معنی بھی رکھتا ہے جن پر ان آیات کو حمل کر کے یہ کہہ سکیں کہ ان سے اس مذہب کے اتباع کی تحریص نہیں نکلتی، سبخنک هذا افک عظیم افترا اس کا سبب وہ بے حد پشیدہ ہے جس نے ان کے علماء اور مشائخ کے اطوار میں راہ پائی تھی اور استحسان یعنی بدون شارب کی تصریح کر کے بعض احکام کا صرف اس لیے کہ ان میں کوئی مصلحت ہے، استنباط کرنا اور ان میں یہود استنباطات کو اول رواج دینا۔

اور پھر ان کو اصل کتاب میں ملا دینا اور اپنے سلف کے اتفاق کو دلیل قطعی خیال کرنا، خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار پر ان کے یہاں سوائے اقوال سلف کے اور کوئی دلیل نہ تھی، بلیٰ بذادوسرے بہت سے احکام ہیں مگر احکام توریت میں سبل انگاری اور بخل اور حرص کا

(۱) مسمیٰ بمعنی ذنب، یہود کہتے تھے کہ مسلمان جو ہم پر غالب آ رہے ہیں تو ہم پر کفار یعنی غیر یہود کا غلبہ ہونا خود توریت میں لکھا ہے۔ (۲) کیا جو کچھ خدا نے تم پر توریت میں ظاہر کیا ہے اس کی خبر تم مسلمانوں کو کئے دیتے ہو کہ تمہارے پروردگار۔۔۔ بروای بات کی منہ پکڑ کر تم سے جھڑا کریں۔

اور کتاب صاف ظاہر ہے کہ یہ سب نفسِ اتارہ کے اقتضاءات ہیں، نفسِ اتار بلاشبہ شخص پر غالب ہے، لا ماشاء اللہ۔

ان النفس (۱) لا مارة بالسوء الا ما رحم ربی مگر اس مصلحت نے ان کتاب میں دوسرا ہی رنگ چڑھایا تھا، یعنی وہ اپنے استنباطات کی تصریح میں تاویلاتِ فاسدہ کے ذریعہ سے سزا زور لگاتے تھے اور اس کو شریعت کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے۔

استعداد رسالت پیغمبر ﷺ اس کا سبب وہ باہمی اختلاف ہے جو انبیاء علیہ السلام کی عادات اور احوال میں پایا جاتا ہے، مثلاً نکاح کے زیادہ یا کم کرنے میں فرق اور اسی کے مثل اور باتیں اور ان کے شرائع کا باہم اختلاف، اور معاملات انبیاء میں سنتہ اللہ کا اختلاف، اور پیغمبر ﷺ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمانا حالانکہ اب تک جمہور انبیاء نبی اسرائیل (اولاد یعقوب) سے ہوتے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نبوت دراصل نفوسِ عالم کی اصلاح اور عادات اور عبادات کی درستی کا مرتبہ رکھتی ہے، وہ نیکی اور بدی کے اصول کے ایجاد کا منصب نہیں رکھتی قاعدہ کی بات ہے کہ ہر ایک قوم اپنی عبادات، تدبیر منزل، اور سیاست مدنی میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے، اگر نبوت اس قوم میں آئے تو وہ ان کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کے بجائے جدید اصول قائم نہ کرے گی بلکہ اس کا یہ کام ہوگا کہ وہ ان خصائل کو باہم متمیز کر دے جو باقاعدہ اور خدا کی مرضی کے موافق ہوں ان کو جاری رہنے دے اور جو اس کے مخالف ہوں ان میں بقدر ضرورت تغیرات کرے، اور تذکیر بالاء اللہ اور تذکیر بالیام اللہ بھی اسی اسلوب پر کی جاتی ہے جو ان کے یہاں شائع ہوا اور جس سے وہ مانوس ہوں، یہی نکتہ ہے جس کے باعث انبیاء کی شریعتیں باہم مختلف ہو گئی ہیں، اور اس اختلاف کی مثال اس طبیعت کے اختلاف علاج کے مانند ہے، جبکہ وہ مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے، ان میں سے ایک کے لئے تو سرد دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے، طبیب کی غرض دونوں جگہ متحد ہے یعنی طبیعت کی اصلاح و ازالہ مرض کے سوا اس کو اور کچھ منظور نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر اقلیم میں وہاں کے باشندوں کے مناسب دوائیں اور غذائیں الگ الگ تجویز

(۱) بلاشبہ نفسِ برائی کی ترغیب دینے والا ہے مگر میرا پروردگار جس پر رحم کرے۔

کرنا اور ہر فصل و دم میں اس کے متصفیاء کے موافق تدبیر اختیار کرتا ہے، اسی طرح جب حکیم حقیقی نے بیمار ان امراض نفسانی کا معالجہ کرنا چاہا، ان کی تقویت طبع اور تقویت ملکہ، اور ازالہ مفاسد اس کو منظور ہوا تو ان اقوام اور ان کی عادت کے اختلاف کے باعث اور ہر زمانہ کے مشہورات و مسلمات کی وجہ سے معالجہ مختلف ہو گیا۔

غرضیکہ اگر تم اس امت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سو کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والے ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا ان کے بے اصل استنباط کو سند ٹھیرا کر معصوم شارح کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں، اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا مقتدا بنا کر رکھا ہے۔

نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، ان کی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے خدائے تبارک و تعالیٰ کو تین ایسے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جو بعض وجہ سے متغائر اور بعض وجہ سے متحد ہوں، ان حصوں کو وہ اقامتِ ثلاثہ کہتے تھے۔ یعنی ایک اقنوم باپ جو ان کے نزدیک مبدأیتِ عالم کے ہم معنی تھا، اور ایک اقنوم بیٹا جو بمعنی صادر اول تھا جو ایک امر عام اور تمام موجودات میں شامل، اور ایک اقنوم روح القدس تھا جو عقول مجزہ کے ہم معنی، ان کا عقیدہ تھا کہ اقنوم ابن نے حضرت مسیح کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا یعنی جیسا کہ جبریل علیہ السلام آدمی کی شکل میں آتے تھے ایسے ہی ابن نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظہور کیا تھا اس لیے عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں، اور ابن اللہ بھی اور بشر بھی اور اسی لیے احکامات بشری اور خداوندی دونوں ان کی نسبت جاری ہوتے ہیں اور اس عجیب عقیدہ میں ان کا تکیہ انجیل کی بعض ایسی آیتوں پر ہے جن میں لفظ ابن مذکور ہوا ہے اور جن میں حضرت مسیح نے بعض افعال الہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے، پہلے اشکال کا جواب اس امر کے مان لینے کی صورت میں کہ یہ کلام فی الحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے تحریف شدہ نہیں ہے یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں لفظ ابن مقرب اور محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا، چنانچہ اس دعوت پر کثرت سے قرآن انجیل میں پائے جاتے ہیں، اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطریق نقل و حکایت ہے، مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا، فلاں قلعہ توڑا، اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایلچی ترجمان سے زیادہ وقعت

نہیں رکھتا اور ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا یہ طریقہ ہو کہ عالم بالا سے ان کے لوح دل پر مضامین خود منقش ہو جاتے ہوں اور حضرت جبریل علیہ السلام صورت انسانی میں آکر کلام القائد فرماتے ہوں اس لئے اس نقش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہوگا جس میں افعال البیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کا اشارہ ہو ”والحقیقة غیر خفیة“ بابتلہ خدا تعالیٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا، اور کہا کہ عیسیٰ خدا کا بندہ، اور اس کی وہ پاک روح ہے، جس کو اس نے مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا، اور اس کی روح القدس سے تائید فرمائی اور نیز خاص عنایتیں اس پر رکھیں، اور بالفرض اگر خدا تعالیٰ ایسی روح کے قالب میں جو باقی ارواح کے ہم جنس ہے آیا ہو اور بشریت کا لباس اختیار کیا ہو، اور ہم اچھی طرح اس نسبت کو واضح گاف کریں تو لفظ اتود اس وقت ہرگز مستعمل نہ ہو سکے گا مگر تسامح بلکہ الفاظ تقویم (۱) وغیرہ ان معنی کے قریب تر ہیں، تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

اگر اس سرود کا مضمون اپنی قوم میں دیکھا چاہو تو آج اولیاء اللہ اور مشائخ کی اولاد کو دیکھ لو کہ وہ اپنے آباء کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور ان کو کہاں تک طول دیا ہے ”وسیعکم الذین ظلموا ائی منقلب ینقلبون“ (اور بہت جلد جانیں گے وہ لوگ کہ ظلم کرتے ہیں کون سی پھر نے کی جگہ پھر جائیں گے)۔

اور نیز ایک گمراہی نصاریٰ کی یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہو گئے ہیں حالانکہ فی الواقع ان کے قتل کے واقعہ میں ایک اشتباہ ہو گیا تھا، جس سے انہوں نے آسمان پر اٹھا جانے کو قتل سمجھ لیا اور نسل بعد نسل اس غلط روایت کو مسلسل نقل کرتے رہے، خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس شبہ کا ازالہ فرمایا۔ ”وما قتلوه (۲) وما صلبوه ولكن شبه لهم“ اور انجیل میں اس قصہ کے متعلق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے اس سے مراد یہودیوں

(۱) مقوم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری چیز قائم ہو جیسے جو ہر عرض کا مقوم ہے یا طلسمی کا نہ کسی تماشہ کا مقوم ہو، عام طلسمی یہ ہے کہ تقویم کو جو ہر عرض کی نسبت میں مضمون کر دیا ہے اور چونکہ جو ہر عرض میں ایک طرح کا اتحاد ہے اس لیے تقویم کو اتحاد سمجھ لیا ہے، حالانکہ طلسم اپنے تماشہ سے بالکل صاف علیحدہ ہوتا ہے اور یہ نسبت تقویم ہی کی ہے اگر اس کو سمجھ لیا جائے تو پھر کوئی چیز علیحدہ ہی نہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی نسبت آخر پائی ہی جائے گی۔

(۲) حال یہ ہے کہ انہوں نے مسیح کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا مگر یہ کہ انکو ایسا ہی معلوم ہوا۔ ۱۲۔

کی دلیری اور ان کے اقدام قتل کی خبر دینا ہے باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے اس سانحہ سے ان کو نجات عطا فرمائی اور جو کہ خوارکین کا مقولہ مذکور ہے اس کا منشا یہ ہے کہ ان کو اشتباہ ہو گیا اور رفع کی حقیقت پر ان کو اطلاع نہ تھی جس سے کہ ان کے ذہن اور ان کے کان اب تک مانوس نہ تھے۔

اور نیز ان کی خطرات میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فارقلیط موعود سے وہ عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، جو قتل ہو جانے کے بعد اپنے خوارکین کے پاس آئے اور ان کو انجیل کے کامل اتباع کی وصیت فرمائی، اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد مدعیان نبوت بکثرت ہوں گے لیکن ان میں جو شخص میرا نام لے اس کی تصدیق کرنا اور نہ نہیں، قرآن شریف سے ثابت ہے کہ عیسیٰ کی بشارت ہمارے نبی کریم ﷺ پر منطبق ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ کی روحانی صورت پر کیوں کہ انجیل میں کہا گیا ہے کہ فارقلیط تم میں مدت دراز تک رہ کر علم سکھا دے گا اور لوگوں کے نفوس کو پاک کرے گا اور یہ بات ہمارے پیغمبر ﷺ کے سوا اور کسی سے ظاہر نہیں ہوئی، باقی عیسیٰ کا نام اختیار کرنا اس سے یہ مراد ہے کہ ان کی نبوت کی تصدیق کرے نہ یہ کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے۔

منافقین دو قسم کے تھے ایک وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے تھے مگر ان کا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا اور کفر و کجی و ان کے دل میں چھپے ہوئے تھے، ایسے لوگوں کے حق میں فسی الذکر (۱) الاسفل من النار، فرمایا دوسرا گروہ جس نے اسلام قبول کیا مگر ان کا ایمان ضعیف تھا مثلاً وہ اپنی قومی خصائل و عادات کے پابند تھے اگر وہ مسلمان ہوں تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں اور وہ کافر رہے تو یہ بھی کافر رہتے ہیں اور یا مثلاً دنیاوی لذات کا اتباع ان کے قلوب میں بھر گیا کہ اس نے خدا اور اس کے رسول کی محبت کے لیے جگہ ہی باقی نہیں رہنے دی، یا حرص مال اور حسد و کینہ وغیرہ ان کے دلوں پر اس قدر مسلط ہو گیا تھا کہ اس نے ان کے دلوں میں مناجات کی حلاوت اور عبادت کی برکات کے لیے جگہ نہیں چھوڑی تھی، اور یا مثلاً امور دنیا میں وہ ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ ان کو معاد کی امید اور اسکے لیے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی، اور یا مثلاً ہمارے پیغمبر ﷺ کی رسالت کی نسبت نہیوہہ خیالات اور رکیک شبہات ان کے قلوب میں گزرتے تھے

(۱) دوزخ کے بہت ترین طبقہ میں ہوں گے۔

وجود یکہ وہ اس حد تک نہ پہنچے تھے کہ وہ اسلامی طوق کو ردن سے نکال کر اس نشاٹ سے صاف نکل جائیں، منافقین کے ان شبہات کا سبب یہ ہوا کہ ہمارے پیغمبر ﷺ میں بشری احکام پائے جاتے اور اسلام کا ظہور شاہی غلبہ وغیرہ کی صورت میں ہوا، اور یا ان کو اپنے قبائل اور گروہ انوں کی محبت نے ان کی امداد اور تقویت اور تائید پر ایسا ثابت قدم رکھا کہ وہ اہل اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو گروہی تبلیغ کر کے اسلام کو ضعف پہنچاتے تھے۔

نفاق کی یہ دوسری قسم نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد اب نفاق کی پہلی صورت کا طعن نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ مجملہ علم غیب ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کے مخفی خیالات کی اطلاع نہیں ہو سکتی، اور نفاق ثانی کثرت سے پایا جاتا ہے، خصوصاً ہمارے زمانہ میں اور حدیث میں جو علامات مذکور ہیں وہ اسی نفاق کی جانب اشارہ ہے "قلت (۱) من کن فیہ کان منافقاً حالصاً اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا خاصم فجر" "وہ المنافق بطنہ و ہم المؤمن فرسہ (۲) الی غیر ذلک من الاحادیث" خدا تعالیٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق و اعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکار کیا ہے اور ان ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تاکہ تمام امت ان سے احتراز کرے۔

اگر تم کو ان منافقین کے جمونہ کے دیکھنے کا شوق ہے تو امراء کی مجالس میں جا کر ان کے مصاحبین کو دیکھ لو جو امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں، اور انصاف کی رو سے ایسے منافقین میں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بلا واسطہ کلام نہ کر نفاق اختیار کیا اور انہیں جواب پیدا ہوئے مگر انہوں نے یقینی ذرائع سے احکام شارع کی اطلاع پا کر مخالفت اختیار کی، کوئی فرق نہیں ہے علی بذالقیاس معقولیوں کی وہ جماعت بھی جن کے دلوں میں بہت سے شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور جنہوں نے معا کو نسیا منسیا کر دیا ہے اگر وہ منافقین میں داخل ہے۔

باجملہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ اس میں مباحثہ ایک خاص قوم

(۱) تین محصلتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی کہے۔

(۲) منافق صرف اپنے پینٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے۔

سے تھا جو گزر چکی، بلکہ بمصداق حدیث لتتبعن سنن من قبلکم زمانہ نبوی میں کوئی بلا نہ تھی مگر یہ کہ اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے، اس لئے مقصود اصلی ان مقاصد کے لیے کلیات کا بیان ہے نہ کہ ان دکایات کی خصوصیات یہ وہ تقریر ہے جو اس کتاب کے لیے ان گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور ان کے جوابات میں مجھ سے ہو سکی اور میرے نزدیک یہ تحقیق آیات مباحثہ کے معانی سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل دوم

باقی علوم پنجگانہ کے مباحث میں

جاننا چاہئے کہ قرآن مجید کا نزول انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب کے لیے خواہ عربی ہوں یا عجمی، شہری ہوں یا بدوی ہوں، بدیں وجہ حکمت الہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ تذکیر بالا اللہ میں اکثر افراد بنی آدم کی معلومات سے زیادہ بیان نہ کرے اور زیادہ بحث اور تحقیق سے کام نہ لے، اور اسما و اور صفات الہی کو ایسے سہل طریقہ سے بیان فرمایا کہ افراد انسانی بغیر مہارت حکمت الہی اور بدون مزاوت محکم کلام کے صرف اس فہم و ادراک کے ذریعہ سے جو اصل فطرت میں ان کو عطا ہوا ہے، بخوبی سمجھ سکیں پس ذات مبداء (خالق) کا اثبات اجمالاً فرمایا، کیونکہ اس کا علم تمام افراد بنی آدم کی فطرت میں ساری ہے اور معتدل اور قریب باعتبار ممالک میں بنی آدم کا کوئی فرد نہ ایسا نہ پاؤ گے جو اس کا منکر ہو اور چونکہ صفات الہیہ کا اثبات بطریقہ تحقیق حقائق اور امعان نظر ان کے لیے محال تھا، اور اگر وہ صفات الہیہ پر بالکل اطلاع نہ پاتے تو معرفت ربوہیت جو ہمارے نفوس کی تہذیب کے لیے سب سے زیادہ سودمند شے ہے نہ حاصل ہو سکتی اس لیے حکمت باری مقتضی ہوئی کہ ان بشری صفات کا مد میں سے جن کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے نزدیک قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں چند صفات کا انتخاب کیا جائے اور ان کو ایسے دقیق معانی کے بجائے استعمال کیا جائے جن کی عظمت اور جلال کی بلندی تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی اور لیس کمثلہ شئی کو جہل مرکب کے سخت اور مزمن مرض کے لیے تریاق مقرر کیا جائے، اور جن بشری صفات کے

ذات الہی کے لیے ثابت کرنے سے ادبام کی طغیانی، عقائد باطلہ کی جانب ہوتی ہے مثلاً اثبات ولد، گریہ وزاری، جزع و فزع، ان سے منع فرمایا، اگر آپ زیادہ غور و خوض کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے لیے اپنے فطری اور غیر مکتسب علوم کی شاہراہ پر قدم زن ہونا اور ان صفات کو جن کی اثبات کیا جاسکتا ہے اور ان سے کوئی خلل نہیں آتا، ان صفات سے تمیز کرنا جن سے ادبام باطلہ کی طغیانی ہوتی ہے ایک نہایت دقیق امر ہے جس کی تیکووام کے ذہن نہیں پہنچ سکتے، اس لیے یہ علم یعنی علم ذات و صفات تو قیفی قرار دیا گیا اور آزادانہ بحث و گفتگو کی اجازت اس باب میں نہیں دی گئی۔

اور آلاء اللہ اور آیات قدرت میں سے صرف وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو شہری، بدوی اور عرب و عجم یسائن حور پر سمجھ سکیں، لہذا نفسانی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ارتقائی لذتیں (۱) جو صرف بادشاہوں کا حصہ ہیں، ذکر نہیں کی گئیں بتا بریں جن نعمتوں کا ذکر مناسب تھا یہ ہیں، مثلاً آسمان وزمین کی پیدائش، بادلوں سے پانی برسانا اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کے پھل پھول اور غلے اگانا اور ضروری صنعتوں کا الہام اور پھر ان کے جاری کرنے کی قدرت بخشنا اور اکثر مقامات میں ہجوم مصائب اور ان کے دور ہونے کے وقت لوگوں کے رویہ کے بدل جانے پر اکثر مقامات میں تنبیہ فرمائی ہے، اس لیے کہ یہ امراض نفسانی میں سے کثیر الوقوع ہے۔

اور ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجا و فرمایا ہے مثلاً فرمانبرداروں کے لیے انعام، اور نافرمانوں کے لیے عذاب، ان میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا کہ جو پیشتر سے ان کے گوش زد ہو چکی تھیں، اور وہ اجمالی طریقہ سے ان کا تذکرہ سن چکے تھے مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے اور حضرت ابراہیم اور انبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے بوجہ یہود اور عرب کے قرنہا قرن کے اختلاط کے ان کے کان آئیں تھے، نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ فارس و یہود کی جزا اور اس کے واقعات کی خبریں دیں، اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف ان ضروری حصوں کو جو تذکیر میں کارآمد ہوں، ذکر

فرمایا ہے اور تمام قصوں کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو ان کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور تذکیر کا مقصد جو داستان کے بیان کرنے کی اصل غرض ہے، فوت ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی عارف نے کہا ہے ”جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں خشوع کے ساتھ تلاوت قرآن مجید سے محروم ہو گئے اور جب سے مفسرین نے بعید و جہ میں موشگافی کی ہے، علم تفسیر ”النادر کا معدوم“ ہو گیا ہے۔

جو قصے قرآن مجید میں بنگار ہوئے ہیں یہ ہیں، آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین سے، ان کو تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا، شیطان کا اس سے انکار کر کے ملعون ہونا اور اس کے بعد سے بنی آدم کے انواء میں سعی کرنا، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہم السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی اپنی اقوام سے توحید اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مباحثات کرنا، اور ان اقوام کی سرکشی، اور رکیک شبہات اور پیغمبروں کے جوابات، اشیاء پر عذاب الہی کا نزول اور خداوندی نصرت کا ظہور، انبیاء اور ان کے پیروؤں کے حق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے فرعون اور بنی اسرائیل کے نادانوں سے، اور ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مکابہ کے ساتھ پیش آنا، خدا تعالیٰ کا ایک عرصہ تک ان بد بختوں کو عتوبت میں مبتلا رکھنا اور پیغم ان پر نذیرہ حق تعالیٰ کے حق میں ظہور نصرت خداوندی ہونا، حضرت سلیمان و حضرت داؤد علیہما السلام کا قصہ خلافت اور ان کے معجزات اور کرامتوں کے احوال، حضرت ایوب و حضرت یونس علیہما السلام کی شفقت کا واقعہ اور ان پر خداوندی رحمت کے نزول کا ذکر، دعا۔ حضرت زکریا کا مستجاب ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب عجیب قصے، ان کا بغیر باپ کے پیدایہ ہونا اور گہوارہ میں کلام فرمانا اور ان سے خود ان عادات کا ظہور یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورہ کے اسلوب کے اقتضاء کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔

اور جو واقعات فقط ایک یا دو جگہ مذکور ہیں، یہ ہیں، حضرت اور لیس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محروم سے مناظرہ اور پرندہ کو زندہ کرتے دیکھنا، اور اپنے

فرزند (المعلیل) کو ذبح کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کو دریا میں ڈال دینا، ان کا ایک قبطی کو قتل کرنا، اور پھر مدین کو فراری، وہاں جہنم کا جہنم کرنا، اور وہاں سے واپسی میں ایک درخت پر آگ کو روشن دیکھنا اور اس سے باتیں سننا، اور بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے کا قصہ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا، اور طاہوت و جالوت اور بلقیس اور ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے قصص اور ان دو شخصوں (۱) کا قصہ جنہوں نے باہم نزاع کیا تھا، اور اصحاب جنت (۲) کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین رسولوں (۳) کا قصہ اور اس مومن کا قصہ جس کو کفار نے شہید کیا تھا، اور اصحاب فیل کا واقعہ پس ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل ہو جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی برائی کی جانب منتقل ہوں، اور وہ کفار پہ عذاب خداوندی کا اور مخلصین کے خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کریں۔

اور موت اور اس کے بعد واقعات میں سے یہ امور بیان فرمائے، انسانی موت کی کیفیت اور اس وقت کی بے چارگی کا عالم اور بعد موت کے جنت و دوزخ کو سامنے کرنا اور عذاب کے فرشتوں کا آنا، اور علامات قیامت جو بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول، دجال اور یاجوج و ماجوج کا ظہور اور صور فغا اور صور حشر و نشر اور سوال و جواب اور میزان اور نامہ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں لینا اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا اور دوزخیوں میں پیشواؤں اور مقلدوں کا باہمی نگرار، اور ایک دوسرے کا راہ مارنے سے انکار، اور آپس میں ایک دوسرے کا لعنت ملامت کرنا اور مومنین کا دیدار خداوندی کے شرف سے مختص ہونا، اور عذاب کی نویتوں کی تعداد کہ وہ بیڑیاں، طوق، کھولتا ہوا گرم پانی، غساق اور زقوم ہے اور نعمتہائے جنت کی انواع کہ وہ حوران بہشتی اور عالیشان قصر اور آب سرد و شیریں وغیرہ کی نہریں، اور نہایت خوشگوار کھانے اور لباسہائے فاخرہ اور خوش جمال عورتیں اور جنتیوں کی باہمی دل کشا

(۱) وغال لہ صاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك مالا واعز نفرا۔ (سورہ کہف)۔

(۲) انا ملوناہد کما ملونا اصحاب الجنۃ (سورہ نون)

(۳) سورہ یونس۔

صحبتیں ہیں، ان قسموں کو مختلف صورتوں میں ان کے اسلوب کے اقتضاء کے حسب حال اجمالاً یا تفصیلاً متفرق طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ مباحث احکام کے لیے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ ملت نسی (ابراہیم) پر مبعوث ہوئے ہیں اس لیے اس ملت کے طریقوں کا باقی رکن ضروری ہے تاکہ اس کے امہات مسائل میں سواہ تخصیص تعلیمات اور اوقات و حدود کی زیادتی وغیرہ کے، اگر کسی قسم کے تغیرات کا گزندہ ہوئے، اور چونکہ عرب کو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے اور باقی تمام اقلیم عربوں کے ہاتھ سے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، اس لیے ضروری ہوا کہ شریعت محمدی کا سوا انہیں کی رسوم و عادات سے لیا جائے اگر کوئی شخص ملت حبش کے جملہ احکام اور عربوں کے رسوم و عادات دیکھے اور پھر شریعت محمدی پر جو کہ اصلاح و تکمیل کا رتبہ رکھتی ہے ایک غائر نظر ڈالے تو وہ ہر ایک حکم کے لیے کوئی سبب اور ہر امر و نہی کے لیے کسی خاص مصلحت کا ادراک کرے گا، اس کی تفصیل بہت طویل ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

غرضیکہ ملت ابراہیمی کی تمام عبادات میں خواہ وہ طہارت ہو یا نماز، روزہ ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا ذکر، ایک فتور عظیم برپا ہو گیا تھا، کیونکہ اس کے احکام کے اجراء میں تساہل برتا جاتا تھا اور بوجہ اکثر آدمیوں کے واقف ہونے کے باہم اختلاف کرتے تھے اور اہل جاہلیت نے اس میں تحریف کر دی تھی قرآن مجید نے اس تمام بد نظمی کو دور کر کے کامل اصلاح اور درستی، اور تہذیب منزل کے قواعد میں بھی نقصان وہ رسوم اور ظلم و سرکشی نے بری طرح دخل پالیا تھا، اور احکام سیاست مدین بھی بالکل مختلف ہو چکے تھے۔ قرآن مجید نے آکر ان کے اصول کو بھی منضبط کیا اور ان کی پوری حد بندی فرمائی، اس قسم کے انواع، کہاڑ اور بہت سے صفائے مذکور ہوئے ہیں، اور مسائل نماز کا اجمالی تذکرہ کیا گیا، اور لفظ اقامت صلوٰۃ بولا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اذان و جماعت اور اوقات نماز اور بنائے مساجد سے اس کی تفصیل فرمائی ہے اور مسائل زکوٰۃ بھی مختصر طریقہ سے ذکر کئے گئے جن کی رسول اللہ ﷺ نے تفصیل فرمائی ہے اور روزہ، سورۃ بقرہ میں اور حج کعبہ سورۃ بقرہ اور سورۃ حج میں مذکور ہوا اور جہاد کا سورۃ بقرہ اور انفال اور دوسرے متفرق مقامات پر اور حدود کا سورۃ مائدہ اور نور میں اور میراث کا سورۃ نساء اور نکاح و طلاق کا سورۃ بقرہ اور سورۃ طلاق وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے، جبکہ یہ قسم جس کا فائدہ تمام افراد امت کے لیے عام ہے، ختم ہو گئی تو اس کے بعد دوسری قسم یہ

ہے کہ مثلاً کوئی سوال رسول اللہ ﷺ کی جناب میں پیش کیا گیا اس کا آپ نے جواب فرمایا، یا کسی خاص حادثہ میں جبکہ اہل ایمان نے اپنا جان و مال بے دریغ صرف کیا، اور منافقین نے بغل اختیار کیا، خدا تعالیٰ نے مومنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت فرمائی اور ان کو تہدید کی ہے، اور یا کوئی حادثہ مثل دشمنوں پر فتح دینے اور ان کے ضرر سے محفوظ رکھنے کے مانند واقع ہوا ہو تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس کا احسان جتایا اور ان کو وہ نعمتیں یاد دلوائی ہوں، اور یا کوئی ایسی خاص کیفیت پیدا ہوئی جس پر زجر و تنبیہ یا تعریض و ایما، اور یا امر و نہی کی ضرورت تھی اور خدائے تعالیٰ نے اس بارہ میں اس کے مناسب حکم نازل فرمایا، ایسی خاص حالتوں میں مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان قصوں کو بطریق اختصار بیان کر دے جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، سورۃ انفال میں قصہ بدر کی جانب اور آل عمران میں احد کی جانب اور احزاب میں غزوہ خندق کی جانب، اور سورۃ فتح میں حدیبیہ کی طرف اور سورۃ حشر میں بھی بنی نضیر کی جانب اشارات کئے گئے ہیں۔ اور سورۃ براءت میں فتح مکہ اور غزوہ تبوک پر آمادہ کیا گیا ہے اور مائدہ میں حجۃ الوداع کی طرف، اور احزاب میں نکاح حضرت زینب کی طرف اور سورۃ تحریم میں تحریم سریہ (۱) کی طرف، اور نور میں قصہ الکلب عاتشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف اور سورۃ جن و احقاف میں جنات کے حضرت کی تلاوت سننے کی طرف، اور براءت میں قصہ مسجد ضرار کی طرف، اور سورۃ بنی اسرائیل کے شروع میں واقعہ معراج کی طرف اشارے کئے گئے ہیں، اگرچہ یہ قسم بھی درحقیقت تذکیر یا ایم اللہ میں داخل ہے، لیکن چونکہ اس کی تعریضات کا حل اصلی قصہ سننے پر موقوف ہے اس لیے اس کو باقی اقسام سے علیحدہ رکھا گیا۔

(۱) سورۃ تحریم میں جس چیز کی حرمت کا ذکر ہے اسکی نسبت روایات مختلف ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ مار یہ قہیہ جو آنحضرت کی کنیز تھیں ان کو کسی ام المؤمنین کے اصرار سے آپ نے حرام کیا تھا۔

باب دوم

وجوہ خفائے نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج
نہایت وضاحت کے ساتھ

جاننا چاہئے کہ قرآن مجید ٹھیک ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورہ عرب کے موافق نازل ہوا اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سیدہ رکھتے تھے اس سے قرآن مجید کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے، والکتاب المبین۔ اور قرآن عربیہ العکلم تعقلون واحکمت ایساتہ ثم فصلت شائع کی یہ مرضی ہے کہ متشابہات قرآنی کی تاویل اور صفات خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی اور مہمات کی تعین اور قصوں کی تفصیل میں غور و خوض نہ کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ ﷺ کی جناب میں سوالات کم پیش کرتے تھے اور یہی وجہ ہے آنحضرت ﷺ سے سلسلہ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہے لیکن جبکہ اس طبقہ کا دور گزر چکا اور موم تفسیر میں غمیوں نے دخل دینا شروع کیا، اور نیز وہ پہلی زبان بھی مترک ہو گئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارع کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی، اور ضرورت پڑی کہ لغت اور علم نحو کی چھان بین کی جائے اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا، اور تفسیر کی کتابیں شروع ہوئیں، بدیں وجہ ہمارے ذمہ لازم ہے کہ مشکل مقامات اور ان کے امثلہ بیان کر دیں، تاکہ معانی قرآنی میں غور و خوض کے وقت طول بیان کی حاجت نہ پڑے اور ان مقامات کو مبالغہ کے ساتھ حل کرنے کے لئے مجبور ہوں۔

کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہونے کا سبب کبھی لفظ نادر کا استعمال ہوتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ اس لفظ کے معنی صحابہ اور تابعین اور باقی واقف کاران معانی سے نقل کئے جائیں، اور کبھی اس کا سبب نسخ و منسوخ میں شناخت نہ کر سکتا اور اسباب نزول کا یاد نہ رہتا، اور کبھی مضاف و موصوف وغیرہ کا محذوف ہونا، اور کبھی کسی شے کو کسی شے سے یا کسی حرف کو کسی حرف سے اور یا اسم کو کسی اسم سے یا فعل کو کسی فعل سے یا جمع کو مفرد سے یا مفرد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہے اور کبھی مستحق تاخیر کی تقدیم یا اس کا عکس، اور کبھی اس کا سبب شمار کا انتشار اور ایک لفظ کے متعدد معانی اور کبھی تکرار اور مفید ضروری طوالت ہوتا ہے اور بعض اس کا سبب اختصار اور کسی وقت کنایہ اور تعریض یا تشابہ یا مجاز عقلی کا استعمال ہوتا ہے۔

سعادت مند دوستوں کو چاہئے کہ وہ علم تفسیر میں گفتگو کرنے سے پہلے ان امور کی حقیقت اور ان کی بعض مثالوں سے آگاہی حاصل کریں اور مقام تفصیل میں رمز و اشارہ پر اکتفاء کریں۔

فصل اول

قرآن مجید کے الفاظ نادرہ کی شرح کے بیان میں

غرائب قرآن کی شرح میں بہترین شرح مترجم القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جو ابن ابی طلحہ کے طریق روایت سے صحت کے ساتھ ہم کو پہونچی ہے، اور غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح بخاری میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہے اور اس کے بعد ابن عباسؓ سے ضحاک کے طریق اور نافع ابن الارزق کے سوالات پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جوابات کا مرتبہ ہے، ان تینوں طریقوں کو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب القان میں ذکر کیا ہے، اسکے بعد شرح غرائب کا رتبہ ہے جس کو امام بخاری نے ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے، اس کے بعد وہ شروع غرائب قرآنی ہیں جن کو دوسرے مفسرین نے حضرت صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سے روایت کیا ہے، مجھ کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے پانچویں باب میں غرائب قرآنی کے تمام معتبر شروع نو مع شان نزول بیان کروں، اور اس باب کو ایک مستقل رسالہ قرار دوں تاکہ جو چاہے اس کو اس رسالہ میں شامل کر لے (۱) اور جو چاہے اس کو جدا گانہ یاد کر لے، واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ۔ حضرت صحابہ اور تابعین کبھی لفظ کی تفسیر اس کے معنی لازمی سے کرتے ہیں اور متاخرین لغات کے تتبع اور مواضع استعمال کے تخلص کی بناء پر اس قدیم تفسیر میں شبہات کرتے ہیں، اس رسالہ میں ہماری غرض صرف تفسیر حلف کا کمال اتنا ہے، اور تحقیقات تنقیدات کے لیے اس مختصر رسالہ کے علاوہ دوسرا موقع ہے، یوں کہ۔

”ہر سخن وقتے دہر نکتہ مکانش دارد“

(۱) یہاں حضرت تہ وصاحب نے اپنے رسالہ فتح التفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس مجموعہ رسائل میں شامل ہے۔

فصل دوم

ناخ و منسوخ کی معرفت، فن تفسیر میں ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے اندر بڑی بڑی بحثیں اور بے شمار اختلافات ہیں، اور اس کے اشکال کے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا باہمی اختلاف ہے، اس باب میں حضرات صحابہ اور تابعین کے کلام کے استقراء سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی (یعنی ایک چیز کا ازالہ دوسری چیز کے ذریعہ سے) میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصطلاح اہل اصول کے موافق، بدیں وجہ ان کے نزدیک معنی نسخ ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ کرنا دوسری آیت کے ساتھ ہوگا، یہ ازالہ اوصاف عام ہے کہ مدت عمل کی انتہا ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا ہو، یا یہ بیان کہ قید سابق اتفاق تھی، اور یا لفظ عام کی تخصیص ہو، اور یا منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر فارق کا بیان، یا جاہلیت کی کسی عادت اور یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو۔

چونکہ ان حضرات کے نزدیک نسخ باب وسیع رکھتا ہے، اس لیے عقل کو اس میں جولانی اور اختلاف کی گنجائش مل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک بیان کرتے ہیں، لیکن اگر مزید غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد حد شمار سے باہر ہے، مگر متاخرین کی اصطلاح کے موافق آیات منسوخہ کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے، علی الخصوص اس توجہ کی رو سے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان مذکورہ بالا کو بعض علماء سے لے کر اپنی کتاب میں مناسب سبب کے ساتھ بیان کیا ہے، اور جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ ہیں ان کو شیخ محی الدین بن عربی کے موافق تحریر کر کے قرینا میں منسوخ آیتیں گنوائی ہیں، لیکن فقیر کو ان میں سے بھی اکثر کی نسبت کلام ہے، ہم اس موقع پر علامہ سیوطی کے کلام کو مع اپنے شبہات کے بیان کرتے ہیں، سورہ بقرہ (۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت، یہ آیت منسوخ ہے اس کے ناخ کے تعین میں بعض سے منقول ہے کہ آیت میراث سے منسوخ ہے اور بعض کہتے کہ حدیث لا وصیۃ الوارث سے، اور بعض کا قول ہے کہ اجماع سے، یا ابن عربی نے بیان کیا ہے،

میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ آیت یو صیکم اللہ فی اولادکم سے منسوخ ہے، اور حدیث لا وصیۃ اس نسخ کو بیان کرتی ہے، (۲) وعلی الذین یطیقونہ غدیۃ بیان کیا گیا ہے یہ آیت فمن شهد منکم الشهر فلیصمہ سے منسوخ ہے اور یہ بھی قول ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور اس میں لا مقدر ہے، میں کہتا ہوں میرے نزدیک ایک دوسرا طریقہ ہے، جو یہ ہے کہ آیت کے معنی ہیں، وعلی الذین یطیقونہ غدیۃ ہی طعام مسکین یعنی جو لوگ کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں، ان پر فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے، یہاں ضمیر کو اس کے مرجع کے پہلے اس لیے ذکر کیا کہ مرجع باعتبار ترتیب کے مقدم ہے اور ضمیر کو اس لیے مذکر لائے کہ درحقیقت فدیہ سے مراد طعام ہی ہے اور طعام سے مراد صدقۃ الفطر ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کے حکم کے بعد صدقۃ الفطر کو اس طرح بیان فرمایا ہے جیسا کہ دوسری آیت فمن شهد منکم الاشهر کے بعد تکبیرات عید (ولتکبرن واللہ علی ماہذاکم) (۳) احل لکم لیلة الصیام الرکۃ آیت کما کتب علی الذین من قبلکم کے لئے ناسخ ہے کیونکہ مقتضائے تفسیر یہ ہے کہ شب کے وقت بھی سو جانے کے بعد کھانے پینے اور وحی کی حرمت میں جو اگلی امتوں پر تھی موافقت ہو، یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے، اور اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بیان کی ہے جو یہ ہے کہ آیت اس حکم حرمت وحی کے لئے ناسخ ہے جو ارشاد نبوی سے ثابت تھا، میں کہتا ہوں کہ کما کتب سے نفس وجوب صوم میں تفسیر دینا مقصود ہے، نہ کہ نسخ کیونکہ یہاں روزے داروں کے اس حال کو بدلہ ہے جو اس اجازت سے پہلے تھا، اور ہم کو کوئی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں وحی حرام کر دی تھی، اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثابت بالسنۃ تھا، اس آیت سے اس کی تنفیخ ہو گئی، (۴) یسئلونک عن الشهر الحرام الآیہ وقاتلوا للمشرکین کافۃ لایۃ سے منسوخ ہے، اس روایت نسخ کو ابن جریر نے موطا میں میسرہ سے نقل کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ آیت مشرکین سے جنگ کی حرمت پر نہیں بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور یہ آیت اس قبیل سے ہے کہ حکم کی علت کو مان کر اس کے موانع بھی ظاہر کئے جائیں، اب اس آیت کے یہ معنی ہو گئے کہ اگر چہ طہر حرام میں قتال نہایت سخت ہے لیکن فتنہ کفر و شرک اس سے بھی زیادہ سخت ہے اس لیے اس کی روک تھام کے لیے

جنگ جائز ہے، اور یہ معنی سیاق کلام اللہ سے عیاں ہے، کمالاً یخفی (۵) والذین یتوقون متاعاً للی الحول تک یہ حکم آیت اربعۃ اشہر وعشر آ سے منسوخ ہے اور نسخ و صیت، آیت میراث سے ہوا، اب صرف سکنی ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے اور ایک جماعت کے نزدیک وہ بھی حدیث لاسکنی سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں یہ آیت جیسا کہ علامہ نے بیان کیا جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کے معنی یوں بیان کئے جائیں ”و صیت میت کے لیے تو مستحب یا جائز ہے مگر عورت پر زمانہ وصیت میں سکونت واجب نہیں، یہی حضرت ابن عباس کا مذہب ہے اور یہ معنی آیت سے ظاہر ہیں (۱) (۶) قوله تعالى: . وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم به الله، آیت لا یکلف الله نفساً الا وسعها سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں، یہ تخصیص عام کی قسم سے ہے، اور پچھلی آیت نے بیان کر دیا کہ ما فی انفسکم سے مراد اخلاص و نفاق ہے نہ خطرات نفس جن پر انسان کا کچھ اختیار نہیں کیونکہ تکلیف شرعی ان ہی چیزوں میں ہی گئی ہے جن پر انسان کو قدرت حاصل ہے۔

سورہ آل عمران: اتقوا الله حق تقاته اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ فاتقوا الله ما استطعتم سے منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے آل عمران میں اس کے سوا اور کوئی آیت نہیں ہے، جس کی نسبت دعوائے نسخ صحیح ہو، میں کہتا ہوں کہ حق تقاته سے مراد شرک اور کفر یعنی امور الاعتقاد میں تقویٰ مراد ہے، اور ما استطعتم میں اعمال میں یعنی جس کو وضو کی قدرت نہ ہو وہ تیمم کر لے، اور قیام کی طاقت نہ ہو بیٹھ کر نماز پڑھ لے یہ مضمون سیاق آیت یعنی: ”ولا تموتن الا وانتم مسلمون“ سے ظاہر ہے۔

سورہ نساء: .واللذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم اس آیت سے منسوخ ہے واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض، میں کہتا ہوں کہ آیت کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ میراث مولیٰ کے لیے اور صلہ نیک مولیٰ الموالات کے لیے ہے، اب نسخ نہیں رہا، (۷) قوله

(۱) اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مرد کے ذمہ اپنی زوجہ کے لیے ایک سال کا نفقہ اور سکنی کی وصیت کرنا ضروری ہے مگر عورت پر خواہ مخواہ ایک سال تک اس کے گھر میں رہنا ضروری نہیں بلکہ صرف چار مہینے دس دن، اس توجیہ کی بنا پر کوئی آیت منسوخ نہ ہوگی قال بہ ابن عباس و البخاری وابن تیمیہ۔

تعالیٰ اذا حضر القسمۃ الآیۃ انہیں تین قول ہیں ایک یہ کہ منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں اسراحت باقی ہے یہی معنی ظاہر ترین ہیں، (۸) قوله تعالیٰ والأتی یاتین الفاحشة الآیۃ آیت نور (۱) سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں اس میں نسخ نہیں ہوا بلکہ یہ حکم اپنی نہایت تک پہنچ گیا ہے اور جب اس کی انتہا کا وقت آچو نچا تو رسول اللہ ﷺ نے راہِ موعودہ کی تفصیل فرمادی کہ یہ ہے تو اب نسخ نہیں رہا۔

سورہ مائدہ: (۹) ولا الشهر الحرام، شہورِ محرمہ اباحتِ قتل کے حکم سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں اس آیت کا نسخ نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث صحیح میں، البتہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو قتال حرام ہے، وہ شہورِ محرمہ میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ تمہاری جان و مال تم لوگوں کے اوپر اس طرح حرام ہیں جیسے تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں حرمت رکھتا ہے۔ (۱۰) قوله تعالیٰ غان جاؤك فاحکم بینہم او اعرض عنہم یہ آیت وان احکم بینہم بما انزل اللہ سے منسوخ ہوئی ہے، میں کہتا ہوں کہ آیت ہذا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تجھے خود حکم دینا منظور ہو تو قانون خداوندیٰ بما انزل اللہ کے موافق حکم کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی مت کرنا، الحاصل ہمارے لیے دونوں باتیں جائز ہیں، اگر ہم چاہیں تو ترمیموں کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ مقدمات کا مرافعہ اپنے عمامہ کے یہاں کریں تاکہ وہ اپنے شرائع کے موافق اس کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو ہم خود اپنے منزل من الشا حکام سے ان کا قضیہ چکا دیں۔

(۱۱) قوله تعالیٰ واخران من غیروکم منسوخ ہے آیت واشہدوا ذوی عدل منکم سے، میں کہتا ہوں کہ امام احمد کا قول آیت کے ظاہرِ حسی کے مطابق ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں، اور آخران میں غیر اقصا ربکم اس توجیہ پر گواہانِ وصیت مسلمانانِ غیر قرابت داروں میں ہوں گے۔

سورۃ انفال: (۱۲) ان یکن منکم عشرون صابرون الآیۃ، اپنی مابعد والی

(۱) الرانیۃ والزانی فاجلدوا۔

آیت سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بیشک منسوخ ہے۔

سورۃ براءۃ :- (۱۳) انفروا خفافاً وثقالاً آیات عذر یعنی ایس علی الاعمی حرج الایہ اور ایس علی الضعفاء سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں مراد خفافا سے یہ ہے کہ ضروریات جہاد (مثلاً) مراکب، غلامان خدمت، سامان خورد و نوش کی کم از کم مقدار موجود ہو اور ثقلاً سے کہ یہ اشیاء نہایت وافر ہوں، اب نسخ نہیں رہا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں نسخ متعین نہیں بلکہ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔

سورۃ النور :- الزانی لا ینکح الا زانیۃ الایہ، یہ آیت وانکحو الایامی منکم سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کہ امام احمد نے اس آیت کے ظاہری معنی پر حکم دیا ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ مرتکب کبیرہ زانیہ کی ہم کفو ہے، اور یا یہ کہ زانیہ سے نکاح کرنا مستحب نہیں ہے، اور آیت میں حرم ذلك سے زنا و شرک کی جانب اشارہ ہے اس لیے نسخ نہیں کہہ سکتے، اور آیت وانکحو الایامی عام ہے، وہ خاص کو منسوخ نہیں کر سکتی، (۱۴) قوله تعالیٰ لیستأذنکم الذین ملکتم ایمانکم۔ الایہ اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ منسوخ ہے دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے، میں کہتا ہوں ابن عباس کا مذہب ہے، کہ وہ منسوخ نہیں اور یہی زیادہ قابل اعتبار ہے۔

سورۃ احزاب :- (۱۵) لا یحلّ لک النساء من بعد الا یہ یہ آیت انا احللنا لک ازواجک الا تسی سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں ممکن ہے ناسخ باعتبار تلاوت منسوخ سے مقدم ہوا در میرے نزدیک یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔

سورۃ مجادلہ :- (۱۶) اذا ناجیتکم الرسول فقد موا الایہ یہ اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے میں یہ کہتا ہوں یہ قول ٹھیک ہے۔

سورۃ متحنہ :- (۱۷) فأتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا اس آیت میں تین قول ہیں (۱) آیت سیف سے منسوخ ہے۔ (۲) آیت غیمت سے منسوخ ہے، (۳) محکم ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کا محکم ہونا ظاہر تر ہے، لیکن یہ حکم صلح اور قوت کفار کے وقت کے لیے خاص ہے۔

سورۃ مزمل:- (۱۸) قم اللیل الاقلیلآ۔ یہ حکم سورۃ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہے، اور پھر وہ بھی فرضیت نماز، پنجگانہ سے منسوخ ہو گیا، میں کہتا ہوں نماز، پنجگانہ سے نسخ کا دعویٰ مدلل نہیں ہے، بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورۃ مزمل کے ابتدا میں استحباب قیام لیل کی تاکید ہے، اور آخر میں صرف اس تاکید کا نسخ کر کے استحباب غیر مؤکد کو باقی رکھا گیا ہے، علامہ سیوطی نے ابن عربی کے ساتھ اتفاق کر کے کہا ہے کہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں باوجودیکہ ان میں بھی بعض کی نسبت اختلاف ہے اور ان کے علاوہ اور کسی آیت کے لئے دعوائے نسخ صحیح نہیں اور آیت استیذان اور آیت قسمت اور آیت احکام میں عدم نسخ صحیح ہے، اب صرف انیس آیتیں منسوخ رہ گئیں، میں کہتا ہوں ہماری تحریر کے موافق پانچ ہی آیتوں میں نسخ ثابت ہو سکتا ہے۔

علم تفسیر کا دوسرا دشوار ترین مسئلہ معرفت اسباب نزول ہے اس میں بھی بعض اشکال وہی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے، کلام حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے استقرائے سے جس قدر ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا نزالت فی کذا (یہ آیت فلاں کے بارہ میں نازل ہوئی) کسی ایسے قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا جو زمانہ نبوی میں واقع ہو کر نزول آیت کا سبب ہوا۔

ان کی عادت ہے کہ مصداقہ آیت میں سے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانہ نبوی اور یا اس کے بعد ہوا ہو، ذکر کر کے نزالت فی کذا کہہ دیا کرتے ہیں، ایسے موقع پر تمام قیود کے ساتھ منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں ہے ہاں اصل حکم میں انطباق چاہیے اور بس، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا یا آپ کے زمانہ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو اور آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا ہو تو ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہہ دیا کرتے ہیں نزالت فی کذا، ایسی خاص صورتوں میں کبھی،..... فانزل اللہ تعالیٰ قوله کذا یا صرف فنزلت بھی استعمال کرتے ہیں، ان کا یہ کہنا اس بات کا اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کسی آیت سے استنباط اور آپ کے قلب مبارک میں اس وقت اس آیت کا القا بھی دجی اور نفث فی الروح کی ایک قسم ہے، یہی وجہ ہے کہ جو اس موقع پر لفظ فازلت کا استعمال جائز ہے، اگر کوئی شخص بکراہت نزول کے

ساتھ اس کو تعبیر کرے یہ بھی ممکن ہے۔

محدثین آیات قرآنی کے ذیل میں ایسی بہت اشیاء ذکر کر جاتے ہیں جو فی الحقیقہ اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں، مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا یا آیت سے تمثیل دینا یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضور اکرم ﷺ کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا اور یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کا روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اس کی غرض یا موقع نزول یا اسماء مذکورہ فی الآیات کے بہم کی تعین میں موافقت حاصل ہو، یا کسی کلمہ قرآنی کے لیے ادائے تحفظ کا طریقہ یا سورتوں اور آیات کے فضائل یا آنحضرتؐ کے امثال امر قرآنی وغیرہ کی صحیح تصویر و حقیقت یہ تمام باتیں اسباب نزول میں شمار نہیں ہیں اور ان کا احاطہ کرنا مفسر کی شرائط میں داخل ہے مفسر بننے کے لیے دو چیزوں کی معرفت شرط ہے، ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات مشیر ہوں، کیوں کہ ایسی آیات کے ایماء کا سمجھنا بغیر علم واقعات کے میسر نہیں آسکتا، اور دوسرے وہ قصے جن سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو مثلاً آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ وغیرہ، کیونکہ آیات کے اصل مقصد کا علم ان قصص کی موافقت کے بدون ممکن نہیں۔

یہاں پر یہ جان لینا مناسب ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کے قصے احادیث میں تم مذکور ہیں، اور ان کے وہ لمبے چوڑے تذکرے جن کے بیان کرنے کی تکلیف عام مفسرین برداشت کرتے ہیں، وہ سب الا ماشاء اللہ علماء اہل کتاب سے منقول ہیں، صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے۔ لا تصدقوا اهل الكتب ولا تكذبوهم (تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو) اور یہی جان لینا چاہیے کہ حضرات صحابہ اور تابعین مشرکین و یہود کے مذاہب اور ان کی جاہلانہ عداوت کے بارہ میں قصہ ہائے مخصوصہ اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ عقائد و عادات زیادہ روشن ہو جائیں، اور ایسے موقع پر وہ اکثر کہہ دیتے ہیں نزلت الایۃ فی کذا اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آیت اس طرح کے واقعات کی نسبت نازل ہوئی انکی مراد اس سے عام ہوتی ہے کہ سبب نزول وہی واقعہ ہو یا اس کے مانند اور کوئی، اور یا آیت اس کے قریب نازل ہوئی ہو، اس صورت خاص کے اظہار سے ان کا مقصد اس کی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ فقط یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ صورت ان امور کلیہ کے لیے (جن کا اظہار و بیان ضروری ہے) ایک اچھی

تصور ہے، اس لیے بسا اوقات ان کے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف سے کھینچے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں سب کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے، حضرت ابودرداءؓ نے جس مقام پر یہ کہا ہے کہ کوئی شخص ہرگز فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ایک آیت کو متعدد معانی پر حمل کرنے کا ملکہ نہ پیدا ہو جائے وہاں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علیٰ ہذا قرآن مجید میں یہ اسلوب بکثرت اختیار فرمایا گیا کہ دو صورتیں بیان ہوتی ہیں، ایک سعید کی جس کے ذیل میں بعض اوصاف سعادت ذکر کئے جاتے ہیں، اور ایک شقی جس کے تحت میں بعض اوصاف شقاوت کا مذکور ہوتا ہے، مگر ایسے مقامات میں عام طور پر صرف ان اوصاف و اعمال ہی کے احکامات کا اظہار منظور ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کی جانب تعریض نہیں ہوتی چنانچہ ۲۶ ع میں ارشاد فرمایا۔

ووصینا الانسان بالادیہ احساناً حملتہ اثمہ کرھا ووضعتہ کرھا، اور اس کے بعد شقی اور سعید کی دو صورتیں ذکر فرمائیں اور اسی کے مانند یہ دو آیتیں پ ۱۴ کی ہیں، واذ اقبل لہم ماذا انزل ربکم قالوا الساطیر الاولین اور وقیل للذین اتقوا ساذا انزل ربکم قالوا خیر اور آیات ذیل کو بھی اسی قاعدہ پر حمل کرنا چاہیے، ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت امنۃ مطمئنۃ اور آیت پ ۲۶ نمبر ۱۴ عو الذی خلقک من نفس واحدا وجعل منها زوجھا لیسکن الیھا فلما تغشھا الایۃ پ ۱۸ قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلواتہم خاشعون اور ولا تطع کل حلاف مہین۔

اور اس صورت میں یہ بات کچھ ضروری نہیں ہے کہ بیحد وہ خصوصیات کسی فرد میں پائی بھی جاتی ہوں، چنانچہ آیت کمثل حبۃ انبئت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائة حبۃ میں لازم نہیں آتا کہ اس صفت کا کوئی بیج پایا بھی جائے، یہاں پر کثرتِ اجر کی تصویر کھینچنے کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے، اور اگر کوئی صورت اس کے ساتھ اکثر یا تمام خصوصیات میں موافق بھی پائی جاتی ہو تو وہ ٹروم مالا یلزم کے قبیل سے سمجھی جائے گی، اور کبھی ظاہر الورد و شبہ کو دور کیا جاتا یا کسی قریب الفہم سوال کا جواب محض کلام سابق کے ایضاح مطلب کے قصد سے دیا جاتا ہے، حالانکہ اس زمانہ میں نہ کسی کا کوئی شبہ ہوتا ہے نہ کوئی سوال، بسا اوقات صحابہ ایسے مقام کی تقریر کرتے

ہوئے کوئی سوال بطور خود تجویز کر لیتے اور مطلب کو سوال و جواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں اور اگر بغرض تحقیق خوب چھان بین کی جاتی تو یہ تمام کلام باہم متصل اور مربوط معلوم ہوتا ہے جس میں ترتیب نزول کے اعتبار سے قلیبت اور بعدیت کی گنجائش نہیں ہے، اور ایک ایسا منتظم جملہ نظر آتا ہے جس کی قیود کا تجزیہ کسی قاعدہ پر نہیں ہو سکتا، بعض اوقات صحابہ تقدم و تاخر کا ذکر کرتے ہیں، اور اس سے ان کی مراد تقدم و تاخر باعتبار مرتبہ کے ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آیت والذین یکنزون الذہب والفضة میں کہا ہے، (۱) ہذا قبل ان تنزل الزکوۃ فلما نزلت جعلها الله تعالى طهرة للاموال یہ معلوم ہے سورہ برآۃ (جس میں آیت ہے) سب صورتوں سے بعد میں نازل ہوئی اور یہ آیت ان قصص میں ہے جو سب میں متاخر ہیں اور زکوۃ کی فرضیت اس سے سالہا سال پہلے ہو چکی ہے۔ لیکن ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ اجمال مرتبہ تفصیل سے مقدم ہے۔

بالجملہ جو امور مفسر کے لیے شرط ہیں وہ ان دونوں نوعوں سے زیادہ نہیں ہیں ایک عزوات وغیرہ کے قصے جن کی خصوصیات کی جانب مختلف آیتوں میں ایسی تعریضات ہیں کہ تا وقتیکہ ان واقعات کا علم نہ ہوا وقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی، اور دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدد کے ایسے اسباب جن کا علم کیفیت نزول کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے اور یہ بحث اخیر دراصل فنون توجیہ میں سے ایک فن ہے اور توجیہ کے معنی ہیں صورت کلام کا بیان اور اس کلمہ (تعریف توجیہ) کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے یا تو اس صورت کے استبعاد کی وجہ سے جو دلول آیت سے آیا دو آیتوں کے باہمی تناقض سے، اور یا اس وجہ سے مبتدی کے ذہن پر مصداق آیت کا تصور دشوار ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ اس کے ذہن نشین نہیں ہوتا، ان صورتوں کے پیدا ہونے پر جب مفسران اشکالات کو حل کرتا ہے تو اس کا نام توجیہ رکھا جاتا ہے مثلاً آیت یسا اخت ہارون میں سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان میں ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے تو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہارون مریم علیہما السلام کے بھائی ہوں، گویا کہ سائل نے اپنے ذہن میں یہ ظہر الیا تھا کہ یہ ہارون (جو آیت میں مذکور ہیں وہی

(۱) یہ نزول زکوۃ سے پہلے ہے پس جبکہ زکوۃ نازل ہوئی تو خداوند تعالیٰ نے اس کو مالوں کے لیے پاکی بنایا۔

حضرت موسیٰ کے بھائی ہیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام ایسے صلحاء کے نام پر رکھا کرتے تھے جو ان سے پہلے گزر چکے اور مثلاً آپ سے سوال کیا گیا کہ محشر میں آدمی منہ کے بل کس طرح چلیں گے آپ نے فرمایا، ان الذی امشاه (۱) فسی الدنيا على رجليه لقادر ان يمشيه على وجهه اور مثلاً ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک آیت میں لا يتسائلون ہے (اور دوسری میں واقبل بعضهم على بعض يتسائلون، ان دونوں میں صورت تطبیق کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ عدم سوال میدان حشر میں اور سوال جنت میں جانے کے بعد ہوگا، حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ صفاء مردہ کے درمیان اگر سعی واجب ہے تو لفظ لا جناح (گناہ نہیں) کیوں فرمایا گیا، انھوں نے فرمایا کہ اس وقت ایک جماعت نے گناہ سمجھ کر اس سے پرہیز اختیار کیا تھا اس لیے لا جناح فرمایا گیا، حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ قید اس خفتم کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صدقة تصدق اللہ بھا (یعنی ہم بندے کے صدقہ میں شریک نہیں رکھتے) ایسے ہی خدا تعالیٰ نے اس قید کو شریک (احراز) کے لیے ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ قید اتفاقی ہے، علم تفسیر میں توجیہ کی مثالیں بکثرت ہیں اور ہمارا مقصود تنبیہ ہے۔

ہم کو منا سب معلوم ہوتا ہے کہ جن اسباب نزول اور توجیہات مشکل کو بخاری اور ترمذی اور حاکم نے اپنے اپنے ابواب تفسیر میں اسناد صحیحہ سے صحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچایا ہے ہم بھی ان کو بطور تنقیح و اختصار باب پنجم میں نقل کریں، اس سے دو فائدے ہوں گے، اول یہ معلوم ہو جائے گا کہ اتنے آثار کا حفظ کرنا مفسر کے لیے ضروری ہے، چنانچہ غرائب قرآن کی شرح جس قدر ہم نے ذکر کی ہے وہ نہایت ضروری ہے دوسرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسباب نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں البتہ صرف ان قصص کو کچھ دخل ہے جن کا ان ہر سرہ تفاسیر میں ذکر ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں، اور محمد بن اسحاق و اثنی عشری نے قصہ آفرینی میں جس قدر افراط کی ہے (یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت میں ایک قصہ لائے ہیں) محدثین کے نزدیک ان کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے، اور ان کے اسناد میں نقصانات ہیں، ان

(۱) جس نے دنیا میں انسان کو پاؤں کے بل چلا یا وہ بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ اس کو منہ کے بل چلا دے۔

لوگوں کے افراط کو علم تفسیر کے لیے شرط سمجھنا صریح غلطی ہے، اور اس کے حفظ پر فہم کتاب اللہ کو سوقوف خیال کرنا دراصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھوتا ہے، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلنت وھو رب العرش العظیم۔

فصل سوم

اس باب کے باقی مباحث کے بیان میں

جو اشیاء کلام میں خفا پیدا کرتی ہیں یہ ہیں، (۱) کلام سے بعض اجزاء یا حروف کا حذف کرنا، (۲) دوسرے ایک شے کو دوسری شے سے بدلنا (۳) مستحق تاخیر کی تقدیم (۴) مستحق تقدیم کی تاخیر (۵) تشابہات، تعریضات، کنایات کا استعمال، علی الخصوص معنی مقصود کی تصویر ایسی محسوس صورت کے ذریعہ سے جو عادیۃ ان معانی کے لیے لازم ہو کر کھینچنا، (۶) استعارہ منکبیہ اور مجاز عقلی کا استعمال۔

ہم مختصر طور پر ان اشیاء کی بعض مثالیں اس غرض سے بیان کرتے ہیں کہ طالب کو ایک قسم کی بصیرت حاصل ہو جائے۔

حذف: اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً حذف مضاف یا حذف موصوف یا حذف متعلق وغیرہ حذف کی مثالیں:

مثال (۱) پ ۲، وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ اٰی پَر من اٰمن، لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو

ایمان لایا۔

مثال (۲) پ ۱۵۰، وَاتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مَبْصُرَةً اٰی آیۃ مَبْصُرَةً لَا

اور ہم نے ثمود کو کھلا ہوا معجزہ دیا تھا، یعنی نشانی کھلی ہوئی۔

انھا مَبْصُرَةً عَیْر عَمِیَاءَ

مثال (۳) پ ۱ رکوع ۱۱، وَاشْرَبُوا فِی قُلُوبِهِمُ الْعُحْلَ اٰی

اور وہ اپنے دلوں میں پھنجرے کی محبت پلائے گئے۔

وَاشْرَبُوا فِی قُلُوبِهِمُ الْعُحْلَ اٰی

حَب الْعُحْلِ

کیا تو نے ایک نفس معصوم کو بغیر نفس کے،
قتل کیا یعنی بدون قتل نفس کے بغیر فساد کے

مثال (۳) پ ۱۵ رکوع ۲۲ اقتلت
نفساً زکیتاً، بغیر نفس ای بغیر
قتل النفس او فساد ای بغیر
فساد

جو شخص کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی
جو شخص کہ آسمانوں اور جو شخص زمین میں
ہے، کیونکہ شے واحد ہی آسمانوں اور زمین
میں ہے۔

مثال (۵) من فی السموت والارض
ای من فی السموت ومن فی
الارض لان شیئاً واحداً هو فی
السموت والارض۔

دونا زندگی کا اور دونا موت کا یعنی دو
تا عذاب زندگی اور دونا عذاب موت کا۔

مثال (۶) پ ۱۵ ع ۸: ضعف
الحيلة وضعف الممات ای ضعف
عذاب الحیاة وضعف عذاب
الممات۔

اور گاؤں سے سوال کر یعنی گاؤں والوں
سے سوال کر۔

مثال (۷) پ ۱۳ ع ۴ واسئال
القرية ای اهل القرية

اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلایا یعنی بجائے شکر
نعمت اللہ کی انہوں نے کفر کیا۔

مثال (۸) پ ۱۳ رکوع ۸ بذلو انعمة
الله کفراً ای فعلوا مکان
شکر نعمته الله کفراً۔

البتہ وہ ہدایت کرتا ہے اس کی طرف
جو سیدھا ہے، یعنی اس خصلت کی طرف جو
سیدھی ہے ہدایت کرتا ہے۔

مثال (۹) پ ۱۹ رکوع ۱۶ یهدی للتي
هي اقنوم ای للخصلة التي هو
اقنوم۔

یعنی ساتھ اس خصلت کے جو احسن او
زیادہ عمدہ ہے۔

مثال (۱۰) پ ۱۲ ع ۲۲: بالتی هي
احسن بالخصلة التي هي احسن۔

ان کے لیے ہماری طرف سے حسنی یعنی
کلمہ حسنی یا وعدہ حسنی نے سبقت کی۔

مثال پ ۷، ع ۷: سبقت لهم منا
الحسنی ای الكلمة الحسنی
والعدة الحسنی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے
زمانے میں

مثال پ ۱، ع ۱۲: علی ملک سلیمان
ای علی عهد ملک سلیمان

تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر
وعدہ کیا ہے، اس مثال میں رسک سے
پیشتر اللہ جو مضاف ہے، محذوف ہے۔

پ ۴، ع ۱۲: وعدتنا علی رسک
ای علی السنة ورسک،

ہم نے قرآن شریف کو وحی قدر میں نازل
کیا۔

انما انزلنه فی لیلة القدر ای انزلنا
القرآن وان لم یسبق له ذکر۔

یہاں تک کہ سورج پردہ میں چھپ گیا۔

پ ۲۳، ع ۱۲: حتی توارت
بالحجاب ای توارت الشمس

پ ۲۰، ع ۱۱: وما یلقاها ای خصلة الصبر۔

پ ۶، ع ۱۳: وعبد الطاغوت فیمن قرأ بالنصب ای جعل منهم من عبد
الطاغوت۔

اس مثال میں ظاہر کیا گیا ہے کہ حرف جار محذوف ہے۔

پ ۱۹، ع ۱۳: فجعله نسباً وصہراً ای جعل له نسباً وصہراً

اس مثال میں مفعول سے پیش تر حرف جر محذوف نکالا گیا ہے۔

پ ۹، ع ۹: واختار موسى قومه ای من قومه اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم
سے اختیار فرمایا یہ مثال بھی نزع خافض یعنی خلاف جر کی ہے۔

پ ۸، ع ۵: الا ان عاداً کفروا

ربهم ای کفروا نعمة ربهم او کفروا

ربهم بنزع الخافض

یا حرف جر یعنی یا محذوف ہے۔

ہمیشہ رہے تو اس مثال میں لفظ لامحذوف ہے۔

کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں تاکہ ہم کو اللہ سے نزدیک کریں اس مثال میں یقولون محذوف ہے تحقیق ان لوگوں نے کہ پچھڑے کو معبود بنالیا ہے، یہ مثال حذف مفعول کی ہے۔

تم ہمارے پاس رہنا اور بائیں لے آتے تھے۔ یہ مثال حذف معطوف کی ہے۔

اگر ہم چاہتے البتہ تم سے یعنی تمہارے بدلے فرشتے کرتے یہ مثال حذف معطوف کی ہے۔

اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم تاوان میں آگئے، یہ مثال حذف قول کی ہے۔

جس طرح تجھے تیرے رب نے نکالا۔

پ۱۳/ع۳: تَفْتَوُا اِی لَا تَفْتَوُا
ومعناه لاتزال

پ۲۳/ع۱۵: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا
لِيَقْرَبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی اِی
یقولون مانعبدہم۔

پ۹/ع۹: اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا
العجل اِی اتَّخَذُوا العجل الہا

پ۲۳/ع۶: تَاتَوْنَنَا عَنْ الْیَمِیْنِ
اِی وَعَنِ الشَّمَالِ

پ۲۷-۲۸/ع۲: لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ
مَلَائِكَةً اِی بَدَلًا مِنْكُمْ

پ۲۷/ع۱۵: فَظَلَمْتَ تَفْکُھُوْنَ اِنَّا
لَمَعْرَمُوْنَ اِی یقولون اِنَّا لَمَعْرَمُوْنَ

پ۹/ع۱۵: کَمَا اَخْرَجَ رَبُّکَ۔
اِی امض۔

جاننا چاہئے کہ حذف خبر ان یا حذف جزائے شرط یا حذف مفعول، یا حذف مبتداء وغیرہ (جس وقت ان کا مابعد حذف کی جانب مشیر ہو) قرآن مجید میں عام طور پر شائع ہے۔

پ۱۸/ع۹: فَلَوْ شَاءَ لَهْدَاکُمْ اِی
لَوْ شَاءَ هَدَايْتُکُمْ لَهْدَاکُمْ

مثال ہذا میں مفعول حذف ہو رہا ہے۔

مثال حذف مبتداء

یعنی حق تیرے رب سے ہے یعنی یہ حق
تیرے رب سے ہے۔

پ۱۱/ع۵: الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ اِی
هَذَا الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ

نہیں برابر ہے تم سے وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرچ کیا اور مقاتلہ کیا وہ باقتبار درجہ کے اعظم ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد فتح خرچ کیا اور مقاتلہ کیا یعنی نہیں برابر وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرچ کیا اور جس نے بعد کو خرچ کیا پس دوسرا یعنی من انفق من بعد الفتح بوجہ دلالت آیت بالا حذف کر دیا گیا۔

پ/۲۷، ع/۷: لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا ای لا يستوى من انفق من قبل الفتح و من انفق بعد الفتح فحذف الثانی لدلالة، قوله اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد۔ یہ مثال حذف خبر جملہ کی ہے۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آفتیں تم کو ہمارے آگے اور تمہارے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں ان سے بچو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، تو اس کی وہ مطلق پروا نہیں کرتے اور ان کے پروردگار کی کوئی سی نشانی ان کے پاس آوے مگر وہ اس سے منہ موڑتے ہیں۔

پ/۲۳، ع/۲: واذ قيل لهم اتقوا ما بين ايديكم و ما خلفكم لعلكم نرحموا و ما تاتاهم من آيات ربهم الا كانوا عنها معرضين ای اذا قيل لهم اتقوا ما بين ايديكم و ما خلفكم عرضوا۔

اس مثال میں اعراض و محذوف ہے، جس پر آیت متاخرہ دلالت کر رہی ہے۔

اور نیز جانا چاہیے کہ اذ قال ربك للملئكة اور اذ قال موسیٰ کی مثال میں لفظ اذ حقیقۃً ظرف فعلی ہے لیکن بعد میں اس کو تہویل و تحویف (دڑانے دھمکانے) کے معنی میں نقل کر لیا گیا ہے اور اسی کے مانند یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص خوفناک موضوع یا واقعات کو اس طرح گنوا تا ہے کہ نہ ان میں جملہ کی ترکیب دیتا ہے اور نہ ان کے اعراب ہی کہتا ہے کیونکہ وہ ان واقعات یا موضوع کو اس واسطے ذکر کرتا ہے کہ ان کی صورت ذہن سامع میں اچھی طرح جم جائے اور ان کے ذریعہ سے اس کے قلب پر ایک گہرا خوف چھا جائے۔ ایسے مقامات کے لیے تحقیق یہ ہے کہ ان میں عامل کی جستجو

ضروری نہیں واللہ اعلم۔

جاننا چاہئے کہ آن مصدر یہ کے شروع سے کلمہ جلاہ کو حذف کرنا کلام عرب میں شائع ہے اس کے معنی بھی لان اور کبھی بسان اور کبھی وقت ان ہوتے ہیں اور نیز جاننا چاہیے کہ ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت ولو یری الذین ظلموا کی امثال میں اصل یہ ہے کہ شرط محذوف کا جواب ہوتا ہے، مگر اہل عرب نے اس قسم کی ترکیب کو معنی تعجب کے لیے نقل کر لیا ہے اس لیے یہاں شرط محذوف کے تلاش کی کوئی حاجت نہیں رہی، واللہ اعلم۔

اہل ایک کثیر الانواع تصرف کا نام ہے، ابدال میں کبھی ایک فعل کو دوسرے کی جگہ میں مختلف اغراض کے لیے رکھتے ہیں، ان اغراض کا احاطہ کرنا اس کتاب کا مقصد نہیں ہے۔
پ ۷۱۸: ہذا الذی یذکر الہتکم یعنی کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں
ای یسب الہتکم۔ کو ذکر کرتا یعنی گالی دیتا ہے۔

یہ کلام اصل میں اس طرح تھا، ہذا الذی یسب الہتکم
لیکن چونکہ لفظ سب کا ذکر کرنا مکروہ معلوم ہوا اس لیے اس کے بدلے لفظ ذکر لائے اس قسم کے محاورات عرف عام میں شائع ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کے دشمن بیماری میں مبتلا ہو گئے یا بندگان جناب یہاں تشریف لائے یا بندگان عالی جناب اس امر سے واقف ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ فلاں صاحب بیمار ہو گئے اور آپ یہاں تشریف لائے اور آپ اس امر سے واقف ہیں۔

مثال ثانی پ ۱۸۷، ع ۴: منا لا یصعبون۔ اے منا لا یصعبون چونکہ نصرت بلا ملاقات و صحبت نہیں ہو سکتی اس لیے یصعبون اس کے بدلے لائے۔
پ ۹۷، ع ۱۳: ثقلت فی السموت
والارض ای خفیت لان الشئ اذا
خفی علمہ ثقل علی السموت
والارض۔
ثقیل ہوئی یعنی قیامت آسمانوں اور
زمینوں میں پوشیدہ ہوئی کیونکہ جب کسی کا
علم پوشیدہ ہوا کرتا ہے تو آسمان اور زمین
والوں پر دشوار ہوتا ہے۔

پ ۳/ع ۲۶: فان طسن لکم شی منہ
نفساً ای عفون لکم من شی من
طیبۃ من نفوسہن۔
اگر تم کو بطیب خاطر کچھ معاف کر دیں، اور
کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم کے مقابل
لاتے ہیں۔

پ ۱۹/ع ۵۸: فظلمت اعناقہم لہا
خاضعین ای خاضعة، فکانت من
القانتین ای من القانتات۔
پس ہو گئیں گردنیں ان کی واسطے ان
کے، جھکنے والی اسے خاضعہ، پس ہو گئے قنوت
ت کرنے والوں سے۔

۳-۱۱: ومالہم من ناصرین ای من ناصر، اور نہیں ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔
۲۹-۲: فما منکم من احدٍ عنہ حاجزین ای حاجز، پس نہیں کوئی تم میں سے
اسے روکنے والا۔

والعصر ان الانسان لفی خسرٍ
قسم ہے عصر کی تحقیق انسان البتہ نقصان
میں ہے اسے افراد بنی آدم۔

یہاں انسان کو مفرد اس لیے لائے کہ وہ اسم جنس ہے۔

یا ایہا الانسان انک کادخ الی ربک
کذحاً المعنی یا بنی ادم انکم۔
اے آدم زاد تو ای طرح گھٹ گھٹ کر
اپنے پروردگار کی طرف چلا جا رہا ہے۔

یہاں پر بھی لفظ انسان کے مفرد لانے کی وہی وجہ اسم جنس ہوتا ہے وحملہا الانسان یعنی
بنی آدم کذبت قوم نوح والمرسلین ای نوحاً وحدہ کیونکہ تمام رسول وحدانیت کی تعیم
کرتے ہیں تو گویا ایک کی تکذیب تمام کی تکذیب ہے، انا فتحنا لک بجائے انی فتحت لک
انا لقادرون ای انی لقادرو لکن اللہ یسلط رسلہ یسلط محمد ﷺ یعنی محمد کے رسل
لائے ہیں، الذین قال لہم الناس اور عروۃ الوثقی وحدہ یہاں اسم جنس سے خاص فرد
یعنی عروۃ الوثقی مراد ہے اور الناس بجائے اس کے مستعمل ہے۔

پ ۱۳/ع ۲۱: فذاذقہا اللہ لباس الجوع۔ یعنی ذائقہ جوع اور گھبراہٹ کا یہاں پر
طعم کو لباس سے اس لیے بدلا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ لاغری اور پڑ مردگی انسان کے لیے
بھوک کا اثر ہے جو تمام بدن کو نسل لباس کے عام اور شامل ہوتی ہے۔

پ ۱۷، ع ۱۶: صبغة الله ای دین الله، یہاں پر دین کو صبغت سے اس لیے بدلا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ دین سے نفوس ایسے رنگے جاتے ہیں، جیسا رنگ سے کپڑا یا قول نصاریٰ کی مشاکلت ہے کہ وہ بوقت ولادت رنگ میں غوطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین میں داخل ہو گیا، و طور سینین ای طور سینا سلام علی الیاسین ای علی الیاس دونوں اسم رعایت قافیہ کی وجہ سے بدلے گئے ہیں۔

اور کبھی کسی حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لاتے ہیں۔

أمثله پ ۹، ع ۷: فلما تجلی ربہ للجبل ای علی الجبل کوہ طور پر تجلی رہانی کی وہی صورت تھی جو اس سے پہلے شجر پر ہو چکی ہے، ہم لہا سابقون الیہا السابقون بجائے ان کے آگیا ہے۔

پ ۶۹، لا یخاف لدی المرسلون الا من ظلم ای لکن من ظلم استیناف یعنی عنیدہ کا: ہے، لا صلبنکم فی جزوع النخل بجائے علی فی آیا ہے ام لہم سلم یستمعون فیہ ای یستمعون علیہ یہاں پر بھی فی علی کی جگہ آیا ہے، الاسماء منفطر بہ ای سلفطر فیہ بجائے فی کے بالائے ہیں، متکبرین ہدای عنہ یہاں عن بات بدل گیا ہے احدثہ العزۃ مالاتم حلقتہ العزۃ علی الاثم یہاں با علی کے بجائے آئی ہے، اخذ بمعنی حمل ہے عاسأل بہ خبیراً ای فاسأل عنہ یہاں عن کی جگہ با آیا ہے لا تاكلوا اموالکم الی اموالکم ای مع اموالکم الی المرافق ای مع المرافق ہر دو مثال میں الی مع کی جگہ مستعمل ہوا ہے، یشرب بہا عبس اللہ یشرب منها باسن جگہ لائی گئی ہے وما فسدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی مشر من شیء ای ان قالوا یہاں اذ بجائے ان لایا گیا ہے اور کبھی کسی جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ رکھتے ہیں، مثلاً اگر ایک جملہ دوسرے جملہ کے حاصل معنی اور اس کے وجود کے سبب پر دلالت کرتا ہے تو ایسے موقع پر جملہ اولیٰ کو دوسرے جملہ سے بدل دیا جاتا ہے۔

مثلاً پ ۲، ع ۱۲: وان تخالطوہم فاخلطوہم ای ان تخالطوہم لا باس بذلك کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان یا بھی مخالطت اور میل جول ہے مثال ہذا میں

چونکہ فاخوانکم، لا باس کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہے لہذا بجائے لا باس بذلك فاخوانکم فی الدین لے آئے۔

پ ۱۲/ع ۱۴: لِمَثُوبَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ خَيْرُ اِي لَوْ جَدُوا ثَوَابًا مَثُوبَةٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرًا، اس آیت میں بھی لِمَثُوبَةٍ چونکہ لَوْ جَدُوا کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہے لہذا اولیٰ بجائے ثانیہ کے رکھا گیا۔

پ ۱۲/ع ۱۵: اِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَهٗ مِنْ قُلُلِ اِي اِنْ سَرَقَ فَلَا عَجَبَ لَانِهٖ سَرَقَ اَخٌ لَهٗ مِنْ قَبْلِ اِسْ آیت میں بھی آیت ثانیہ سے چونکہ وہ معنی سمجھے جاتے تھے اس لئے جملہ اولیٰ کی ضرورت نہ رہی، مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجَبْرِيلَ فَاِنَّهُ نَزَلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللَّهِ اِي مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجَبْرِيلَ فَاِنَّ اللَّهَ عَدُوُّهُ یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہے تحقیق اللہ اس کا دشمن ہے کیونکہ جبریل تیرے قلب پر اسی کے حکم سے نازل کرتا ہے پس جبریل کا دشمن اس امر کا مستحق ہے کہ اللہ اس سے دشمنی کرے، یہاں آیت ثانیہ کی وجہ سے فان اللہ عَدُوُّهُ حذف کر دیا ہے اور اس کو بدلِ فَاِنَّهُ نَزَلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ لائے ہیں۔

اور بعض اوقات ابدال کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اصل کلام تکمیل کو چاہتا ہے لیکن اس میں لام یا اضافت کو داخل کر کے تصرف کرتے ہیں، مگر وہ کلام اپنی اسی سابق تکمیل پر رہتا ہے۔

پ ۲۵/ع ۱۲: وَقِيلَ يَا رَبِّ اِي قَبِيلٍ لَهٗ يَارَبَّ قَبِيلَهٗ يَارَبِّ سَتَ اَسْ لِيْ بَدَلًا گِیا ہے کہ یہ لفظ اس کے اعتبار سے زیادہ مختصر ہے حق الیقین اِي حق یقین اس لیے اضافت کیا گیا ہے کہ تلفظ میں زیادہ آسان ہے، اور کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضاء تذکیر ضمیر یا تانیث یا افراد ہوتا ہے مگر اس کو اقتضاء طبعی سے ہٹا کر مذکر کے بدلے مؤنث اور مؤنث کے بدلے مذکر اور مفرد کے عوض جمع صرف معنوں کا خیال کر کے لاتے ہیں، مثلاً فلما رآی الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر، ما من القوم الظالمین اس آیت میں اس اشارہ مذکر بجائے مؤنث کے استعمال کیا گیا ہے، مثلهم کمثل الذی استوقد ناراً فلما اضاءت ما حوله ذهب اللہ بنورهم اس آیت میں ضمیر جمع بجائے ضمیر مفرد لائے ہیں اور کسی وقت بجائے متثنیٰ کے مفرد ذکر کرتے ہیں، جیسے ما نلقوا الا ان اغنهم اللہ ورسوله من فضله میں ان کنت علی

بینة من ربی و اتانی رحمة من عنده فعیمت علیکم اصل میں فعیمتا تھا، مفرد اس لئے لائے کہ دونوں مثل شے واحد کے ہیں، اور اسی کے مثل اللہ و رسولہ اعلم ہے۔ اور کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضاء ہوتا ہے کہ جزا کو صورت جزا میں اور شرط کو صورت شرط میں اور جواب قسم کو اس کی اصلی صورت میں ذکر کیا جائے کسی خاص معنی کی جانب میلان کی وجہ سے اس میں تصرف کرتے اور ان اجزاء کو مستقل بنادیتے ہیں، اور ساتھ ہی ایک قرینہ بھی قائم کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے اصل (عدم استقلال) کی جانب کسی نہ کسی طریقہ سے دلالت کرتا ہے، والسا زعات غرقا و الناشطات نشطا و السابحات سبحا فالسباقات سباقا فالمدبرات امرا یوم ترجف الراجفة معنی یہ ہیں کہ حشر و نشر حق ہے یوم ترجف اس پر دلالت کرتا ہے، والسماء ذات البروج والیوم السعود وشاهد وشهود قتل اصحاب الاخدود النار معنی یہ ہیں کہ اعمال کی مجازاۃ حق ہے ادا السماء انشقت واذنت لربها وحقت واذالارض مدت والقت مافیها وتخلت واذنت لربها وحفت یا ایہا الانساں معنی یہ ہیں کہ حساب اور جزا ہونے والے ہیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلوب کلام کو مقلوب کر دیا جاتا ہے مثلاً اسلوب کلام خطاب کو مقتضی ہوتا ہے اور غائب لے آتے ہیں جیسا کہ حتی اذا کنتم فی الفلک وجریں بہم بریج طیبۃ میں بہم بجائے یکم کے لایا گیا ہے اور کبھی انشا کو خبر کے اور خبر کو انشا کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

مثال پ ۲۶، ۲/ع: امثوفی منا کبھا ای تمشوا ان کنتم مومنین ای ایمانکہ یقتضی هذا اس مثال میں حملہ انشائیہ حملہ خبریہ کی جگہ مستعمل ہوا ہے، من رجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل معنی یہ ہیں کہ بنی آدم کے حال پر قیاس کر کے فرض کیا اولاد آدم کی مثال حال پر قیاس کر کے فرض کیا ہے۔ مثال حال سے من اجل ذلک بدلا گیا ہے کیونکہ قیاس بدون ملاحظہ حالت نہیں ہوتا گویا کہ قیاس تغلیل کی قسم ہے، ارایت اصل رویت سے استفہام ہے کیونکہ ہمزہ استفہامیہ ہے مگر یہاں پر اس لیے تاکہ استماع کلام آئندہ پر تنبیہ ہو استفہام سے نقل کر لیا ہے، چنانچہ تیج سے بنی، تیج سے شنودی کچھ دیکھتا ہے کچھ سنتا ہے عام طور سے بولتے ہیں

اور تقدیم و تاخیر سے بھی معنی کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے اس کی مثال یہ مشہور شعر ہے۔

بشينة شانها سلبت فؤادی بلا جرم اتیث بہ سلاماً
یہاں پر بیشینہ جو فاعل سلبت مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ سے فہم معنی میں کچھ دشواری ہو گئی
ہے اور امر بعید سے تعلق اور اس کے مماثل اشیا، بھی کلام میں الجھک پیدا کرتے ہیں۔

مثال س ۱۳، ع ۳۶: الا اُل لوط انا لمنجوهم اجمعين الا امر اُتہ یہاں استثناء پر
استثناء لایا گیا ہے اس سے دشواری پیدا ہو گئی فما بکذک بعد بالدين قول سابق یعنی لقد
خلقنا الانسان في احسن تقويم سے متصل۔

س ۱۴، ع ۱: ایدعو لمن ضره اقرب من نفعه ای یدعو من ضره یعنی اس
کے ضرر سے بکارتا ہے۔

س ۲۰، ع ۱۱: لتنوء بالعصبة اولی القوة ای لتنوء العصبة بها۔
س ۶۱، ع ۶: فامسحوا برؤسکم وارجلکم ای اغسلوا ارجلکم کسور نہیں جو
امسحوا کے تحت میں ہو بلکہ منصوب ہے۔

س ۲۶، ع ۷: ولولا کلمة سبقت من ربک لکان لزاماً و اجل مسمى ای
ولولا کلمة سبقت و اجل مسمى لکان لزاماً یعنی اجل مسمى کلمة پر معطوف ہے
لزاماً پر نہیں۔

س ۱۰، ع ۶: ان لا تفعلوه تکن فتنۃ فعلیکم النصر سے متصل ہے۔
س ۱۱، ع ۷: الا قول ابراهیم، لقد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراهیم
سے متصل ہے۔ یسئلونک کانک حفی عنها ای یسئلونک فیہا کانک حفی سنن
طبعی پر زیادتی کی چند اقسام ہیں یہ زیادتی کبھی صفت سے حاصل ہوتی ہے۔
س ۱۰، ع ۷: ولولا طائر یطیر بجناحیہ۔

س ۲۹، ع ۷: خلق الانسان هلو عاً اذا مسه الشر جزوعاً و اذا مسه الخير متوعاً
اور کبھی ابدال سے

۸۔ للذین استضعفوا امن منہم اور کبھی مطف تفسیری سے

۲۶- حتی اذا بلغ اشده وبلغ اربعین سنۃ اور کسی وقت تکرار سے

۱۲- وما يتبع الذين يدعون من دون الله شركاء ان يتبعون الا الظن۔ یہاں اصل کلام یوں ہے وما يتبع الذين يدعون من دون الله شركاء الا الظن۔

۱۱- ولما جاءهم مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفخرون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا ايه ۳-۴ اولیخس الدین لو ترکوا من خلفهم ذریۃ ضعیفاً خافوا علیہم فلیتقوا الله اس آیت میں تکرار معنی ہے یعنی شیعہ اور خوف ایک معنی میں ہے اور خافوا کمر آ یا ہے۔

۲- ۸۔ یستظنونک عن الاہلۃ قل ہی مواقیت للناس بالحج یعنی اہل (بدل) لوگوں کے لیے ۔۔۔ لیے مواقیت ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کے لیے توقیت اور حج شروع فرمایا ہے اس اعتبار سے کہ حج کے لیے ان کے ساتھ توقیت حاصل ہے، اگر ہسی مواقیت للناس فی حجہم کہا جاتا تو مختصر ضرور ہو ۲۰ ہے۔ لیکن اس مقام پر کلام طویل لایا گیا ہے۔ ۲۵- ۲۔ لتنذر ام القرى ومن حولها وتنذریوم الجمع ای تنذرا م القرى یوم الجمع۔ ۲۰- وتری الجبال تحسبها جامدة چونکہ رویت چند معنی کے لیے آتی ہے اس واسطے حسان زیادہ کر دیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ رویت بمعنی حسان ہے، ۲- ۱۲۔ کان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ما احاطت بهم البينات بعباً بينهم فهدى الله الذين امنوا لما اختلفوا فيه من الحق بآذنه والله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم۔ مابین کلام منتظم کے جو جملہ وما اختلف فيه الا الذين اوتوه داخل کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے تاکہ ضمیر اختلفوا کا بیان اور مراد اختلاف کا اظہار ہو جائے کہ یہاں پر اختلاف سے کیا مراد ہے، امت دعوت میں نزول کتاب کے بعد جو اختلاف واقع ہوا ہے کہ بعض ایمان لائے اور بعض نہیں یہی اختلاف مراد ہے، اور بعض اوقات اضافت کے لیے فاعل یا مفعول پر حرف جر زیادہ کرتے ہیں اور حرف جر کے

ذریعہ سے اس کو مفعل فعل تاکید اتصال کی وجہ سے بناتے ہیں۔ ۱۔ ۱۱۔ یوم یحییٰ علیہا ای یحییٰ ہی۔ آیت ہذا میں علی زیادہ کیا گیا ہے۔

۲۔ ۱۱۔ وقفینا علی آثارہم بعیسیٰ ابن مریم ای قفینا ہم بعیسیٰ ابن مریم اس آیت میں علی آثارہم بڑھایا گیا ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ معلوم کر لینا چاہیے کہ حرف واؤ بہت جگہ تاکید اتصال کی غرض سے آتا ہے اور عطف کے لیے نہیں ہوتا اذا وقعت الواقعة وکنتم ازواجاً ثلثة وفتحت ابوابها ولیمحص الله یہ تمام مثالیں تاکید اتصال کی ہیں یہاں پر واؤ عطف کے لیے نہیں ہے اور حرف فابھی یوں ہی زائد آتا ہے، قطرائی نے باب اللمعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج هل یجزئہ من طواف الوداع میں بیان کیا ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان میں ان کی تاکید اتصال کے لیے حرف عطف کا لانا درست ہے مثلاً۔

۱۔ ۱۳۔ اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض، اس آیت میں منافقون اور الذین موصوف صفت ہیں حرف واؤ جو درمیان میں ہے عطف کے لیے نہیں تاکید اتصال کے واسطے ہے۔ یہودیہ یہ کہتا ہے کہ یہ سررت بزید وصاحبک کے مثل ہے، جب اس کلام میں صاحب سے زید ہی مراد ہے۔

۱۔ ۱۴۔ وما اهلکنا من قریۃ الا ولها کتاب معلوم کے ذیل میں زختری کہتا ہے کہ یہ جملہ (لہا کتاب معلوم) لفظ قریہ کی صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت وموصوف کے درمیان واؤ نہ آئے، مثلاً قوله تعالیٰ وما اهلکنا من قریۃ الا لها منذرون لیکن یہاں پر واؤ صفت وموصوف کے اتصال کی تاکید کے لیے آیا ہے جیسا کہ حال میں بھی کہا جاتا ہے۔ جاء نبی رید علیہ ثوب وجاء نبی وعلیہ ثوب انتہی۔

اور کبھی ضمیر کی پراگندگی، اور ایک کلمہ سے دو معنی کا مراد لینا فہم مراد میں دشواری لاتا ہے ۲۸۔ ۱۵۔ انہم لیصدونہم عن السبیل ویحسبون انہم مهتدون، یہ انتشار ضمیر کی مثال ہے یعنی ان الشیاطین لیصدون الناس عن السبیل یحسبون انہم مهتدون، یہ شیاطین آدمیوں کو راستہ سے روکتے ہیں اور وہ یعنی انسان اپنے بہتد ہونے کا گمان

کرتے ہیں، ہم کی ضمیر شیطین کی جانب پھرتی ہے اور یصدونہم کی تاس کی طرف اور یحسبون سے ناس ہی مراد ہیں۔ یہ انتشار ضمیر کی صورت ہے، وقال قرینہ ایک جسد شیطان مراد ہے اور دوسری جگہ فرشتہ یہ مثال ایک کلمہ سے وہ معنی مراد لینے کی ہے۔

۱۰-۲۔ یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر ہر دو آیت کے دو معنی ہیں، اول معنی انفاق۔

۱۱-۲۔ ویسئلونک ما ذاینفقون قل العفو، ما ینفقون دوم وای نوع من الانفاق ینفقون یعنی خرچ کرنے کی جس قسم سے وہ خرچ کرتے ہیں اور یہ مصرف دریافت کرنے پر صادق ہے کیونکہ خرچ کرنا مصارف کے اعتبار سے چند قسم ہے۔ معنی ثانی ای مال ینفقون یعنی جو مال تقسیم کرتے ہیں۔

اور لفظ جعل وشی وغیرہ کا معانی مختلفہ کے لیے مستعمل ہونا بھی اسی قبیل سے ہے یعنی فہم مراد میں صعوبت پیدا کرتا ہے، جعل کبھی تو خلق کے معنی میں آتا ہے جیسے جعل الظلمات والنور میں یعنی تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور کبھی بمعنی اعتقد کے

۱۲-۳۔ وجعلوا اللہ مما ذرأہم اور لفظ شی کبھی فاعل اور کبھی مفعول مطلق کی جگہ آتا ہے۔

۱۳-۴۔ ام خلقوا من غیر شی غیر خالق یعنی کیا وہ بغیر خالق کے پیدا کئے گئے ہیں یہاں پر شے بجائے خالق کے مستعمل ہوئی ہے۔

۱۵-۱۶۔ فلا تستلنی عن شیء مما تتوقف فیہ من امری یعنی اور میرے کاموں میں سے اچھی چیز کی نسبت جس میں تجھ کو تامل ہو سوال نہ کر اور لفظ امر ونباء وخطب سے کسی وقت مجرعتہ و قصہ مراد لیتے ہیں ہو نباء عظیم ای قصہ عجیبہ یعنی وہ عجب قصہ ہے، علی ہذا، الفاظ خیر وشر اور ان کے ہم معنی الفاظ ہر مقام پر بدلے جاتے ہیں اور انتشار آیات بھی اسی قبیل سے ہے، مثلاً ایک آیت جس کا اصلی موقع قصہ کے ختم کرنے کے بعد ہے اس کو کبھی قصہ کے تمام ہونے سے پیشتر ہی بیان کر دیتے ہیں اور پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے اور اس کو تمام کرتے ہیں، اور کوئی آیت کبھی نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہوتی ہے۔

۱۷-۱۔ قد برئ قلب وجہک نزول میں مقدم ہے اور سیقول السفہاء متاخرہ

لیکن تلاوت میں قصہ برعکس ہے، اور کسی وقت جواب کو کفار کے کلام کے درمیان میں ذکر کیا جاتا ہے، ولا تؤمسوا الا لمن تبع دینکم قل ان الہدیٰ ہدی اللہ ان یوتی احدٌ مثلٌ ما اویتکم۔

الحاصل یہ مباحث تفصیل چاہتے ہیں لیکن ہم نے جس قدر بیان کیا وہ کافی ہے، سعادت مند طالب علم اگر ان مسائل کو دل میں جاگزیں کر لے گا تو وہ کلام اللہ پڑھتے وقت ادنیٰ غور سے بات کی تہ کو پہنچ جائے گا اور امور غیر مذکور پر قیاس کر کے ایک مثال سے دوسری مثالوں تک اس کی رسائی ہو سکے گی۔

جاننا چاہئے کہ محکم اس کلام کو کہتے ہیں جس سے زبان کا جاننے والا سوائے ایک معین معنی کے نہ سمجھ سکے مگر اس کے سمجھنے میں اعتبار پہلے عربوں کا ہے نہ کہ ہمارے زمانے کے ہال کی کھال نکالنے والوں کا جن کی مویشی گانی ایک ایسا سخت ترین مرض ہے جس کے ذریعہ سے وہ محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا ڈالتے ہیں۔

اور متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معنی کا احتمال ہو، یا ضمیر کے دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے جیسا کسی نے کہا ہے ”اما ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ یعنی مجھ کو امیر نے حکم کیا ہے کہ فلاں شخص کو لعنت کروں اللہ اس کو لعنت کرے یہاں اشتباہ ہے کہ اس کو لعنت کرنے سے کیا مراد ہے آیا شخص مامور ہے یا آمر اور یا اس وجہ سے کہ دو کلمہ ذہنی معنی میں مشترک ہے مثلاً لامستم جماع اور چھونے میں مشترک ہے اور یا اس وجہ سے کہ قریب اور بعید دونوں پر عطف کا احتمال ہو مثلاً وامسحو برؤسکم وارجلکم در صورت قرآنہ کسرہ یا یہ کہ عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ہو جیسے لایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم اور کنایہ اس کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی حکم کو ثابت تو کیا جائے مگر خاص اس حکم کا اثبات مقصود نہ ہو بلکہ یہ منظور ہو کہ اس سے مخاطب کا ذہن ایسی شے کی طرف منتقل ہو جائے جو اس حکم کو عادیۃ یا عقلاً لازم ہو، مثلاً عظیم الرماتے مہمانداری کی کثرت اور یداہ مبسوطتان سے سخاوت سمجھ میں آتی ہے، اور اپنے مراد کی تصویر پر تو محسوسات سے کھینچنا بھی کنایہ کے ہی قبیل سے ہے، اور یہ ایک نہایت وسیع باب ہے جس سے عربوں کے اشعار و خطبات اور کلام اللہ و احادیث

نبوی ﷺ پر ہیں، مثلاً واجلب علیہم بخيلك ورجلك اس جگہ ڈاکوؤں کے سردار سے تشبیہ دی گئی جیسا کہ وہ (غارت گری کے وقت) اپنے ساتھیوں کو پکارتا ہے کہ ادھر سے حملہ کرو اور اس طرف سے گھس پڑو۔ وجعلنا فی اعناقہم اغلالاً اس آیت میں تدبیر آیات سے کفار کے اعراض کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جسکو یا تو زنجیروں سے جکڑ دیا ہو یا اس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں تاکہ وہ کچھ نہ دیکھ سکے اور مثلاً، واضمم الیک جناحک من الزہب یعنی خاطر جمع رکھ اور پر نشانی کو دودر کر دے۔

اور عام محاورہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی شخص کی شجاعت کا بیان کرتے ہیں تو تلوار کے ایک دو ہاتھ ادھر ادھر جھاکر بتاتے ہیں کہ وہ یوں تلوار چلاتا ہے گو اس نے مدت العزت تلوار ہاتھ میں نہ پکڑی ہو، لیکن اس فعل سے مقصود اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ بہادر ہے یا کسی کا مقولہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ زمین پر کسی کو ایسا بہادر نہیں پاتا جو مجھ سے مقابلہ کی تاب رکھتا ہو یا کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے اور ایسی ہیبت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا اظہار فتح مند پہلوان اپنے حریف کے مغلوب ہونے کے وقت کرتا ہے، اگرچہ اس نے کبھی یہ کلمہ نہ کہا ہو یا یہ فعل نہ کیا ہو، یا مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص میرا گلوگیر ہو رہا ہے یا فلاں شخص نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر لقمہ نکال لیا ہے، ان تمام سورتوں کو از قسم تصویر سمجھنا چاہئے۔

تقریباً یہ ہے کہ حکم تو عام ہو لیکن مقصود کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا کسی خاص شخص کے حال پر تشبیہ کرنا ہو اور اس کی بعض خصوصیات کلام میں لائی جائیں اور مخاطب کو اس شخص سے واقف نہ کیا جائے، اس قسم کے مقامات میں قرآن مجید کا پڑھنے والا اگر ان خاطر رہتا اور اس قصہ کا محتاج ہوتا ہے، رسول خدا ﷺ جب کسی خاص شخص کے فعل پر انکار کرتا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے تھے، کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا کرتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں وساکن المؤمنین ولا مؤمنۃ اذا قضی الیہ ورسولۃ امرأ ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم (اور کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ شایان نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ان کے بارے میں) کوئی بات ٹھہرا دیں تو اس بات میں اس کا اپنا اختیار باقی رہے) حضرت زہب اور حضرت زید رضی اللہ

عنہما کے قصہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعة " میں حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف اشارہ ہے۔ ایسی صورتوں میں جب تک قصہ نہ معلوم ہو مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقت میں اس کا فاعل نہیں ہے اور ایسی چیز کو مفعول بہ بنائیں جو درحقیقت مفعول بہ نہیں ہے، اس مشابہت کے علاقہ کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے شکم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بھی ان میں داخل اور ان کی جنس سے ہے، کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے محل بنایا حالانکہ بنانے والے معمار ہوتے ہیں، بہار نے سبزہ اگایا، حالانکہ حقیقت میں اگانے والا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب سوم

قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں
اور یہ بحث تین فصلوں میں بیان کی جائے گی

فصل اول: قرآن مجید کو مثل معمولی کتابوں کے ابواب اور فصول میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر بحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا، بلکہ قرآن مجید کو مثل مجموعہ مکتوبات کے فرض کرنا چاہئے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت وقت ایک فرمان لکھتے ہیں، اس کے بعد دوسرا اور تیسرا فرمان لکھتے ہیں یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے اسی طرح اس بادشاہ علی الاطلاق نے رسول اللہ ﷺ پر بندوں کی ہدایت کے لیے حسب ضرورت قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں، حضرت علیؓ کے زمانہ مبارک میں ہر ایک سورۃ جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی، آپ نے ان کو مدون نہیں فرمایا تھا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں، اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قرآن مجید کی سورتیں چار قسموں پر منقسم تھیں، اول طوال جو سب سے بڑی سورتیں ہیں، دوم مآتین جن میں سے ہر ایک کی سوائتیں یا سو سے کچھ زیادہ ہیں، سوم مشانی جن کی آیتیں سو سے کم ہیں چہارم مفصل، قرآن مجید کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مشانی کی قسم سے تھیں وہ مآتین میں داخل کی گئیں اس لیے کہ ان کا سیاق مآتین کے سیاق سے منسبت رکھتا

تھا علیٰ ہذا القیاس بعض اقسام میں کسی قدر اور بھی تصرف کیا گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیج دیئے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔

چونکہ سورتوں کا اسلوب بیان شاہی فرامین کے اسلوب سے پوری مناسبت رکھتا تھا اس لئے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکاتیب کے طریقہ کی رعایت رکھی گئی جس طرح بعض مکاتیب خدا کی تعریف سے شروع کئے جاتے ہیں اور بعض بیان غرض سے اور بعض کا تب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے اور شقے بغیر عنوان کے ہوتے ہیں۔ نیز بعض مکتوب طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں، اسی طرح خداوند جلّت عظمت نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا اور بعض کو بیان غرض سے، چنانچہ فرمایا، **ذلک الکتب لاریب فیہ ہدی للملتقین**، سورۃ انزلنا ہا و فرضنا ہا، یہ قسم اس عنوان کے مشابہ ہے جو دستاویزوں کے آغاز میں لکھا جاتا ہے مثلاً **ہذا ماصالح علیہ فلان وفلان (۱)** و **ہذا ما اوصی بہ فلان**۔ ”یا جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے واقعہ حدیبیہ میں لکھا تھا ہذا (۲) ما قاضی علیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں جیسا کہ فرمایا ہے۔ (۳) ”تنزیل الکتب من اللہ العزیز الحکیم کتاب الحکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم حبیر۔“ یہ قسم اس کے مشابہ ہے جیسا کہ لکھا جاتا ہے، ”حکم ہارگاہ خلافت سے صادر ہوتا ہے یا باشندگان فلان شہر کو ہارگاہ خلافت سے آگاہ کیا جاتا ہے“، اور جیسا کہ حضرت رسول خدا ﷺ نے تحریر فرمایا تھا، ”من محمد رسول اللہ الی ہر قل عظیم الروم“ اور بعض سورتیں بطور رقعوں اور شقوں کے بغیر عنوان کے ہیں جیسا کہ اذا جاءک المنفقون قد سمع اللہ قول الّٰتی تجادلک فی زوجها، یا ایہا النبی لم تحرم ما أحل اللہ لک۔

(۱) یہ وہ ہے جس پر فلاں فلاں نے باہم صلح کی، یہ وہ ہے جس کی فلاں شخص نے وصیت کی۔

(۲) یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا۔

(۳) یہ فرمان تحریری پوشاکہ خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے، یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ نعمت والے پانچوں طرف سے اس کی آیتیں مستحکم اور مفصل کی گئی ہیں۔

چونکہ عرب کی مشہور فصاحت کا نمونہ قصائد ہیں اور وہ اپنے قصیدوں کے آغاز میں عجیب و غریب مقامات اور بولناک واقعات کے ساتھ تشریب کرتے تھے اور یہ رسم قدیم سے ان کے یہاں چلی آتی تھی، خداوند تعالیٰ نے بعض سورتوں میں اس اسلوب کو اختیار فرمایا، مثلاً والصافات صفا فالزاجرات زجراً، والذاریات ذرواً فالحاملات وقرأ۔ "اذالشمس کورت واذالنجوم انکدرت۔" اور جس طرح مکاتیب کو کلمات جامعہ اور وصایائے نادرہ اور احکامات سابقہ کے لیے تاکیدات اور ان کی مخالفت کرنے والے لیے تہدیدات پر تمام کرتے ہیں ایسی ہی خداوند تعالیٰ نے بھی سورتوں کے آخری حصہ کو کلمات جامعہ اور حکمت کے سرچشموں اور تاکیدات بلیغہ اور تہدیدات عظیمہ پر ختم فرمایا۔

اور کبھی سورۃ کے درمیان میں کوئی نہایت مفید اور نرالی اسلوب کا بلیغ کلام مثلاً حمد و تسبیح یا بیان انعام و احسان شروع کیا جاتا ہے، مثلاً اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے خالق اور مخلوق کے مرتبہ کے فرق سے شروع کیا ہے۔

قل الحمد لله والصلام على عباده الذين اصطفى الله خيراً ما يشركون اور اس کے بعد (۱) پانچ آیتوں میں اسی مدعا کو نہایت بلیغ طریقوں اور نرالی اسلوب کے ساتھ بیان فرمایا۔ اور مثلاً خداوند جل شانہ نے سورۃ بقرہ کے اندر بنی اسرائیل سے مناظرہ، یسنی اسرائیل اذکروا نعمتی التي انعمت عليكم سے شروع فرمایا اور آگے جا کر اس مناظرہ کو اسی کلمہ پر ختم فرمایا۔

مناظرہ کی ابتدا جس کلام سے ہو، اسی پر اس کا ختم کرنا بلاغت کے اعتبار سے نہایت زبردست مقام رکھتا ہے، اور ایسے ہی اہل کتاب سے مناظرہ سورۃ آل عمران کے ابتدائی حصہ میں اس آیت سے شروع فرمایا، ان السیدین عند اللہ الاسلام اس کی وجہ یہ ہے کہ محل نزاع (بحث) کی تعیین اول ہو جائے اور آئندہ گفتگو اسی ایک مدعا پر کی جائے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

فصل دوم

جیسا کہ قصائد اشعار پر منقسم ہوتے ہیں ایسے ہی اکثر سورتوں میں سنت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ آیات پر منقسم ہوتی ہیں مگر آیات اور اشعار میں فرق ہے، آیات اور ابیات دونوں جو از قسم نشید ہیں، بشکلم اور سامع کے اللہ اذ نفس اور حظ طبعی کے لیے انشاء کی جاتی ہیں لیکن ابیات عروض اور قافیہ کی پابند ہوتی ہیں جن کو ظیل نحوئی نے مدون کیا ہے، اور عام شعر انے انہیں اس سے حاصل کیا ہے اور آیات کی بنیاد ایک ایسے اجمالی وزن و قافیہ پر ہوتی ہے جو امر طبعی سے زیادہ تر مشابہ ہے اور عروضیوں کے افاعیل، تقاعیل اور ان کے معین کردہ قوافی پر نہیں ہوتے جو محض مصنوعی اور اصطلاحی امور ہیں، اور اس امر عام کی تنقیح جو آیات اور ابیات میں مشترک ہے اور جس کو ہم نے نشید سے تعبیر کیا ہے اور پھر ان تمام امور کو ضبط کرنا جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے اور جو بمنزلہ فصل کے ہے، زیادہ تفصیل چاہتا ہے، واللہ ولی التوفیق۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ فطرت سلیم موزوں اور مقفی قصائد اور نفیس جزلوں وغیرہ سے ایک خاص لطف اور خاص ذوق و حلاوت کا احساس کرتی ہے، اگر اس احساس کے سبب کی جستجو کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسا کلام جس کے اجزا باہم موافقت رکھتے ہوں مخاطب کے نفس میں ایک قسم کی لذت دیتا اور اس کے مثل دوسرے کام کا انتظار اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے، اور جب اس کے بعد دوسرا شعر اسی موافقت اجزا کے ساتھ مخاطب کے نفس پر واقع ہوتا ہے اور جس کا انتظار تھا وہ موجود ہو جاتی ہے تو وہ لذت سابق دو بالا ہو جاتی ہے اور اگر وہ دونوں بیت قافیہ میں بھی شریک ہوں تو وہ لذت سہ چند ہو جاتی ہے پس انسان کی قدیم فطرت کا یہی راز ہے جس کی بنا پر اس کو اشعار سے لذت حاصل ہوتی ہے اور معتدل اقلیم کے تمام سلیم المزاج اشخاص اس اصول میں باہم متفق ہیں لیکن ہر بیت کے اجزا کے موافق اور قافیہ کے شرائط کی نسبت جو اشعار میں مشترک ہوتا ہے ان کے مسلک باہم مختلف اور ان کے عادات تہاکن ہو گئے ہیں، اہل عرب ایک خاص قانون رکھتے ہیں جس کی تشریح ظلیل نے کی ہے، اور ہندوؤں کے ہاں دوسرا طریقہ ہے جو ان کے سلیقے اور مذاق کے تابع ہے، علیٰ ہذا القیاس ہر زمانے کے

لوگوں نے ایک خاص وضع اختیار کی اور ایک خاص شاہراہ قائم کر کے اس پر چلے ہیں اگر ہم ان متباہن عادات اور مختلف رسوم میں امر جامع اور سر مشترک کی دریافت کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اجزائے کلام میں تخمینہ موافقت و مناسبت کے سوا کوئی دوسری شے نہیں ہے، مثلاً عرب مستعلن کی جگہ مفاعلن اور متعلن لے آتے ہیں اور فاعلاتن کے بجائے فعاتن اور فاعلتن کو لانا باقاعدہ خیال کرتے ہیں اور وہ ایک بیت کی ضرب کی موافقت دوسری بیت کی ضرب کے ساتھ اور ایک کے عروض کی دوسری بیت کے عروض کے ساتھ ضروری خیال کرتے ہیں اور حشو میں بکثرت زحافات تجویز کرتے ہیں مگر شعرا فارس کے نزدیک زحافات مکروہ اور قبیح سمجھے جاتے ہیں، علی ہذا شعراء عرب اگر ایک بیت میں ”قبورا“ ہو تو دوسری بیت میں ”منیرا“ اچھا سمجھتے ہیں مگر شعراء عجم اس کے خلاف ہیں علی ہذا شعراء عرب حاصل و داخل و نازل کو ایک ہی قسم شمار کرتے ہیں بخلاف شعراء عجم کے وہ ان الفاظ کو ایک قسم شمار نہیں کرتے، ایک کلمہ کا دونوں مصرعوں کے درمیان اس طرح واقع ہونا کہ وہ آدھا اول مصرع میں اور آدھا دوسرے میں شامل ہو، عربوں کے نزدیک صحیح ہے مگر شعراء عجم اس کو جائز نہیں رکھتے غرضیکہ ان تمام مذاہب میں امر مشترک (جس سے نفس کو اللہ اذہبوتا ہے) وہ تخمینہ موافقت الفاظ ہے نہ کہ حقیقی، دیکھو باوجود یہ کہ ہنود نے اپنے اشعار کے اوزان کی بنیاد حروف کی تعداد پر رکھی ہے اور ان کے یہاں حرکات و سکنات کا لحاظ اوزان میں نہیں کیا جاتا مگر تاہم اس سے لذت حاصل ہوتی ہے ہم نے بعض دیہاتیوں کے راگ سنے ہیں جن کو وہ حصول لذت کے لیے گاتے ہیں وہ ایک ایسا کلام ہے جس نے اجزائیں تخمینہ موافقت ہوتی ہے یا ردیف ہوتی ہے جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی زیادہ کلمات سے مرکب ہوتی ہے وہ اس کلام کو مثل قصائد کے گاتے اور اس سے لطف حاصل کرتے ہیں غرضیکہ ہر ایک قوم کا اپنی نظم کے متعلق ایک خاص قانون ہے علی ہذا القیاس تمام اقوام دلکش آوازوں اور دلفریب نعمات سے لذت پانے میں متفق ہیں مگر گانے کے طریقہ اور اس کے قواعد میں وہ باہم اختلاف رکھتی ہیں، یونانیوں نے کچھ اوزان مقرر کئے ہیں جن کو وہ مقامات کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ان مقامات سے آوازیں اور شعبے نکال کر انہوں نے نہایت ہی مبسوط اور مفصل فن اپنے لیے منضبط کیا ہے، اہل ہند نے چھ راگ بنائے اور ان سے راگنیاں نکالی ہیں ہم نے اہل دیہات کو دیکھا ہے جو ان دونوں اصطلاحوں سے

بیگانہ ہیں انہوں نے اپنے سلیقہ اور ذوق کے موافق ایک خاص ترکیب اور خاص تال ایجاد کر کے چند اوزان کلیات کے انضباط اور جزئیات کے انحصار کئے بغیر مرتب کر لیے ہیں جن سے وہ اپنی محفلوں کو گرماتے اور لذت پاتے ہیں۔

پس جب ہم ان اختلافات کو دیکھتے اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں تو امر مشترک بجز موافقت تخمینی کے اور کوئی شے نہیں نکل سکی، عقل کی نظر صرف اس اجمال امر پر ہے اور تفصیل سے اس کو کوئی بحث نہیں، اور ذوق سلیم کی محبت فقط اس خالص حلاوت کے ساتھ ہے اور بحر طویل اور مدید سے اسکو غرض نہیں، خداوند جل وعلی شانہ نے جب اس مشتبہ خاک (انسان) سے ہمکلام ہونا چاہا تو اس نے اسی اجمالی حسن کی رعایت فرمائی نہ ان مصطلحہ قواعد کی جن کو ایک قوم پسند کرتی اور دوسری ناپسند کرتی ہے اور خداوند مالک الملک نے جب چاہا کہ آدمیوں کی روش پر کلام فرمائے تو اس نے صرف اسی اصل ہیضہ کو اپنے کلام منضبط فرمایا نہ ان قوانین کو جو کہ زمانہ اور مذاق کے بدل جانے پر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

فی الحقیقت اصطلاحی قوانین کی پابندی، بجز اور جہل کی دلیل ہے اور حسن اجمالی کی ایسی پابندی کہ وہ کلام کی ہر حالت اور بیان کے ہر ایک نشیب و فراز میں جلوہ گر رہے بغیر استعمال قواعد مصطلحہ کے بے شک اعجاز اور بشری حد اختیار سے خارج ہے، خداوند تعالیٰ نے اسی طریقہ کا استعمال فرمایا ہے۔ اس سے ہم ایک قاعدہ کا استنباط کرتے ہیں اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں آواز کی کشش کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحر طویل و مدید وغیرہ کا، اور فاصلوں میں سانس کا ٹھہرنا حرف مدہ پر یا جس پر مد ٹھہرے اس کا اعتبار کیا ہے نہ کہ فن قوانی کے قواعد کا یہ کلیہ نہایت بسط چاہتا ہے تم کو اس میں سے تھوڑا بہت سن لینا چاہیے۔

نذرے میں سانس کی آمد و رفت انسان کے لیے ایک جہلی بات ہے، گو سانس کی درازی اور کوتاہی ایک حد تک آدمی کے اختیار میں ہے لیکن اگر اس کو اپنی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو اس وقت اس کا ایک خاص طول ہوگا، سانس کے اول بار لینے میں ایک نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ زائل ہوتی شروع ہوتی ہے حتیٰ کہ بالکل زائل ہو جاتی ہے اور دوسرے تازہ سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے سانس کی یہ درازی مبہم حدود سے محدود اور ایک ایسی منتشر مقدار

کے ساتھ معین ہے کہ اگر دو تین کلموں یا اس امتداد خاص کی تہائی یا چوتھائی مقدار کی کمی بیشی اس مقدار سے باہر نہیں کر دیتی اور اس میں اوتا دوتا اسباب کی تعداد میں بھی فرق کی اجازت ہے اور نیز بعض ارکان کے تقدیم کی گنجائش بھی ہے، پس سانس کے اسی امتداد کو خدا تعالیٰ نے وزن قرار دیا اور اس میں تین قسمیں کیں، طویل اور متوسط اور قصیر، طویل کی مثال سورہ نساء اور متوسط کی مثال سورہ اعراف و انفص، اور قصیر کی مثال سورہ شعراء اور دخان ہیں، اور سانس کا اختتام ایسے حرف مدہ پر رکھا گیا ہے جس کا اعتماد کسی حرف پر ہو، یہ ایک وسیع قافیہ ہے جس کا طبیعت ادراک کرتی اور اس کی تکرار سے متلذذ ہوتی ہے اگرچہ وہ حرف مدہ کہیں الف اور کہیں واؤ اور کہیں ی ہوتا ہے، گو وہ حرف اخیر کسی جگہ ی ہوتا ہے اور کہیں ج یا ق، اس قاعدہ کی رو سے یعلمون اور مومنین اور مستقیم باہم موافق ہیں اور خروج اور مرجع اور تجید اور تبار و تفاق و عجب سب با قاعدہ علیٰ ہذا، حرف الف کا آخر کلام میں آنا بھی ایک وسیع قافیہ ہے جس کا احاطہ پوری حلاوت بخشا ہے اگرچہ حرف روی مختلف ہو، دیکھو حضرت حق تعالیٰ ایک جملہ کریم اور دوسرے جملہ حدیث اور تیسرے مقام پر بصیرا فرماتے ہیں، اُن حرف روی کی موافقت کا الزام اس موقع پر کیا جائے تو گویا خود کو ایک غیر لازمی شے کا پابند بنانا ہے جیسا کہ سورہ مریم اور سورہ فرقان کے ابتداء میں واقع ہوا ہے علیٰ ہذا آیات کا اتحاد ایک حرف پر مثلاً میم سورہ قتل میں اور نون سورہ رحمن میں حلاوت بخشا ہے، علیٰ ہذا ایک مخصوص جملہ کو کلام کے درمیان میں پانا ہی لذت پیدا کرتا ہے، جیسا کہ سورہ شعراء، سورہ قمر اور سورہ رحمن و مرسلات میں واقع ہے اور کبھی ذہن سامع کی نشاط اور اس کلام کے لطافت کی جانب اشارہ کرنے کے لیے سورتوں کے آخری فواصل اول سے مختلف کئے جاتے ہیں، مثلاً ادا و هذا سورہ مریم کے آخر میں اور سلاما و کراما سورہ فرقان کے آخر میں اور و طین اور ساجدین و ينظرون آخر سورہ صاد میں واقع ہے حالانکہ ان تمام سورتوں کے شروع میں دوسری طرف کے قاصط ہیں، اکثر سورتوں کے اندر اس وزن و قافیہ کی رعایت جسکو ہم بیان کر چکے ہیں۔

مہتمم بالشان کبھی گئی ہے، اور آیت کے آخر میں کوئی لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کو قافیہ بنا دیا جاتا ہے ورنہ کسی ایسے جملہ سے اس کا اتصال کر دیا جاتا ہے جس میں اللہ کا ذکر یا مخاطب کے لیے تنبیہ ہو، مثلاً فرماتے ہیں: **وهو الحكيم الخبير، وكان الله عليماً حكيماً**

وكان الله بما تعملون خبيراً. لعلمكم تتقون، ان فى ذلك لآيات لاولى الالباب. ان فى ذلك لآيات لقوم يتفكرون. اور ایسے مقامات پر کہیں کہیں کسی قدر اظہار سے کام لیا گیا ہے، مثلاً واسئلہ خبیراً اور کسی جگہ تقدیم و تاخیر بھی مستعمل ہوئی ہے اور کبھی قلب اور زیادتی مثلاً الیاسین و طور سینین کے بجائے الیاس و طور سینا کے۔

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ کلام کی روانی اور سہولت جو بوجہ ضرب المثل ہونے یا آیات مکرر مذکور ہونے سے حاصل ہوئی ہے؟ کلام طویل کو مختصر کلام کے ہم وزن بنادیتی ہے اور بعض اوقات پہلے فقرے کو بعد کے فقرے سے کم لاتے ہیں تاکہ کلام اس کے سبب سے شیریں ہو جائے، مثلاً خذوه فغلوه ثم الجحيم صلوه ثم فى سلسلة ذرعها سبعون ذراعاً فاسلکوه، ایسے کلام میں گویا متکلم کا دلی مدعا یہ ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے فقرے کا مجموعہ تنہا تیسرے فقرے کے برابر اور عم پلہ ہے، ایسے ہی کبھی آیت کے تین رکن ہوتے ہیں مثلاً یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ، فاما الذین اسودت وجوہهم الایہ و اما الذین ابیضت وجوہهم الایہ، ایسی صورت میں رکن اول دوسرے رکن کے ساتھ جمع کر کے ایک طویل آیت شمار کرتے ہیں، اور کبھی ایک آیت میں دو قافیلے لاتے ہیں۔ چنانچہ اشعار میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ بیت۔

كالزهر فى ترف والبدر فى شرف

والبحر فى کرم والذهر فى همم

اور کبھی ایک آیت کو دوسری آیتوں سے زیادہ لمبی لاتے ہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس وقت اس حسن کلام کا جو کہ وزن اور قافیہ سے پیدا ہوا ہے اس حسن کلام سے موازنہ کریں جو اداء کی بے ساختگی اور سادگی اور اس کی طبعی ترکیب اور عدم تغیر سے حاصل ہوا ہے، تو فطرت سلیمہ حسن معنوی کو ترجیح دے گی تو ایسے مقامات میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک قسم کے حسن کے انتظار کو ترک کرے دوسری قسم کے انتظار کا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔

ہم نے شروع بحث میں یہ بات کہ اکثر سورتوں میں سنت اللہ جاری ہے اس واسطے کہی تھی کہ بعض سورتوں میں وزن اور قافیہ مذکورین کی رعایت نہیں معلوم ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ کلام

اللہ کا ایک حصہ خطباء کے خطبوں اور عقلائے نکتہ رس کے مراسلات کی طرح پر واقع ہے، عورتوں کا قصہ جس کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ضرور سنا ہوگا اور اس کے قوافی بھی معلوم ہوں گے، اور قرآن شریف بعض مواقع میں اہل عرب کے مراسلات کی طرح بلا کسی امر کی رعایت کے واقع ہے جیسا کہ بعض لوگوں کی گفتگو آپس میں ہوتی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کلام ایسی چیز پر ختم کیا گیا ہے جو ختم کرنے کے قابل تھا، اس جگہ یہ نکتہ ہے کہ نعت عرب میں رہاؤ ایسے موقع پر ہوتا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے اور کلام میں نشاط باقی نہ رہے اور وقف کے لیے کلام کا حرف مدہ پر خاتمہ ہونا مستحسن ہے یہی وجہ ہے جس سے آیات کی موجودہ صورت بنی ہے، یہ وہ رمز ہیں جو اس فقیر نوالقاء ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

اگر کوئی پوچھے کہ ہجکا نہ علوم کے مطالب کو قرآن شریف میں بار بار کیوں ذکر کیا گیا ہے ایک ہی جگہ پر آتفا کیوں نہیں کی گئی اس کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ ہم مخاطب کو جو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں اس کے دوسرے ہیں، ایک یہ کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ فقط اس کو ایک نامعلوم چیز کی خبر دیں، اس صورت خاص میں مخاطب کو یہ حکم پہلے سے معلوم نہ ہوگا اور اس وقت اس کا ذہن اس کے ادراک سے خالی ہوگا اس لیے ہمارے کلام سے سنتے ہی اس کو وہ مجہول شے معلوم ہو جائے گی اور وہ انجان سے واقف ہو جائے گا، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ہم کو کسی علم کی تصویر مخاطب کے دل میں اس طرح ذہن نشین کرنا ہے کہ اس سے مخاطب کو بے حد لذت حاصل ہو اور اس کے قلبی اور ادراکی قوی اس علم میں بالکل فنا و محو ہو جائیں اور اس علم کا رنگ اس کی تمام قوتوں پر غالب ہو جائے یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک شعر جس کے معنی ہم کو معلوم نہیں ہم بار بار پڑھتے اور ہر بار لذت پاتے ہیں اور اس لذت کی خاطر اسکو مکرر، مکرر پڑھنا ہم کو بھلا معلوم ہوتا ہے قرآن شریف میں بھی علوم ہجکا نہ کی تعلیم میں دونوں مرتبوں کا لحاظ فرمایا گیا ہے، ناواقفوں کے لیے تعلیم مجہول کا طریق اختیار فرمایا، اور علماء کے نفوس کو ان علوم کی تکرار سے رکتنا چاہا ہے، مگر اکثر مباحث احکام میں تکرار واقع نہیں ہوا۔ اس لیے کہ وہاں دوسری قسم کا فائدہ مطلوب نہ تھا یہی وجہ ہے کہ شریعت میں قرآن کو بار بار تلاوت کا حکم دیا گیا ہے، اور صرف سمجھ لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ فرق صرف اس قدر رکھا گیا ہے کہ اکثر حالتوں میں ان مسائل کی تکرار تازہ عبارت اور جدید اسلوب میں اختیار فرمایا کہ وہ نفس

پر زیادہ مؤثر اور ذہن کے لیے زیادہ لذت بخش ہو، اگر ایک ہی لفظ کی تکرار کی جاتی تو یہ تکرار مشق و تہذیب کے ہو جاتی لیکن اختلاف تعبیرات اور بغیر اسلوب بیان کی صورت میں ذہن کو اس میں پورا خوش کرنے کا شوق ہوتا، اور ذہن مخاطب میں وہ مضمون بالکل اتر جاتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ان علوم، ہنر و کمال کو قرآن مجید میں کیوں منتشر کیا گیا، اور کسی خاص ترتیب کی رعایت نہیں فرمائی، مثلاً ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ اول آلاء اللہ کا ذکر کر کے اس کا بیان پورا فرماتے بعد ازاں ایام اللہ کی بحث پوری ذکر کرتے اور اس کے بعد علم خاصہ کی تفصیل ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات کو شامل ہے لیکن اس قسم کے امور کا دار و مدار حکمت اور مصلحت پر ہے اور وہ حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مبعوث الیہم یعنی عربوں کی زبان اور ان کے اسلوب بیان کے ساتھ موافقت کی گئی ہے اور آیت لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ أَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اہل عرب کے پاس قرآن شریف کے نازل ہونے تک کوئی کتاب نہ آسمانی نہ انسانی کی مرتب کی ہوئی موجود تھی اور جو ترتیب ابواب و فصول مصنفین نے اب اختراع کی ہے عرب اس سے ناواقف تھے اگر اس امر کا یقین نہ ہو تو خضر مین کے قصائد کو بغور دیکھ لو اور آنحضرتؐ کے مراسلات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوبات کو مطالعہ کرو تا کہ یہ مسئلہ ان کے ذریعہ سے تم پر منکشف ہو جائے پس اگر قرآن شریف کی زبان ان کے اسلوب کے خلاف ہوتی تو وہ متحیر رہ جاتے، اور ایسے کلام کے سننے سے جس سے ان کے کان آشنا نہ تھے ان کی عقلیں پریشان ہو جاتیں علاوہ ازیں مقصود باری تعالیٰ یہ نہیں کہ علم ہو جائے بلکہ یہ مقصود ہے کہ علم اختصار اور پختگی کے ساتھ ہو اور یہ مقصود غیر مرتب سے زیادہ قوت اور کمال کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ شعراء کا وزن و قافیہ جو زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اس کو کیوں اختیار نہیں کیا گیا، جواب یہ ہے کہ لذت کی زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن و مذاق کے اعتبار سے مختلف ہے، اور اگر یہ بھی مان لیا جائے (کہ شعراء کا وزن و قافیہ لذیذ تر ہے) تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے باوجود یکہ آپ امی تھے، ایک عدیم المثال وزن و قافیہ کی ایجاد آپ کی نبوت کا کھلا ہوا نشان ہے کیونکہ اگر شعراء کے وزن اور قافیہ میں قرآن مجید نازل کیا جاتا تو کفار بھی خیال کرتے کہ یہ تو ایسے

ہی اشعار ہیں جو کہ عرب میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ان کو کسی شار و قطار میں نہ رکھتے، نظم و نثر کے بلغاء بھی اگر اپنے ہمعصر فضلاء میں اپنے آپ کو نمایاں اور ممتاز کسی ظاہر دلیل کے ساتھ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی کوئی تازہ زمین یا جدید اسلوب اختراع کرتے اور کہتے ہیں کہ کوئی ہے کہ ایسی غزل اس زمین میں یا کوئی مراسلہ اس اسلوب میں لکھ سکے، اگر یہ لوگ اسی پرانی طرز انشاء میں طبع آزمائی کریں تو اس سے ان کے اعلیٰ کمال کا ادراک محققین کے سوا عام طور پر نہیں ہو سکتا۔

اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید کا اعجاز کس وجہ کے اعتبار سے ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ اعجاز قرآن کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے بعض بیان کئے جاتے ہیں اول اسلوب بدیع، کیونکہ عربوں کے پاس بلاغت کے چند میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت کے گھوڑے کو بجٹٹ اڑاتے اور ہمعصروں سے بڑھنے کی سعی کرتے تھے وہ میدان قصائد، اور خطبے، اور رسائل اور محاورات ہیں، عرب لوگ ان چار اسلوب کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ کسی پانچویں اسلوب کے اختراع پر قادر تھے، بدیں وجہ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر حالانکہ آپ امی تھے ایک خاص اور ممتاز اسلوب کی ایجاد جو کہ ان کے مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے، بے شک اعجاز ہوگا، دوم گزشتہ تواریخ اور اہم سابقہ کے احکام کے بغیر پڑھے لکھے ایسی تفصیل بیان کرنا جو کتب سابقہ کی مصدق ہو، سوم پیشین گوئیاں اور پیشگوئیوں میں سے جو واقعہ ظہور پذیر ہوگا، اعجاز تازہ ہوگا چہارم بلاغت وہ مرتبہ جو کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہے، ہم لوگ چونکہ عرب اول کے بعد میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے مرتبہ بلاغت کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ شیریں کلمات اور چست بندشوں کا استعمال جس لطافت اور سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ جیسا کہ ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں اس قدر متقدمین اور متاخرین کے کسی قصیدہ میں نہیں پاتے اور یہ ایک وجدانی بات ہے جس کو ماہر شعراء ہی جان سکتے ہیں، عوام اس میں کچھ حصہ نہیں لے سکتے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ علم تذکیر اور مخاصمہ جہاں کہیں معانی کو الفاظ کا دوسرا لباس سورۃ کے اسلوب خاص کے موافق پہناتے ہیں اس میں ایک عجیب کیفیت اور ندرت ہوتی ہے کہ ہماری عقل کا دست خرس اس کے ادراک کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

اگر کوئی ہمارے بیان بالا کو نہ سمجھا ہو تو اس کو چاہئے کہ انبیاء کے ان قصوں میں جو کہ سورۃ

اعراف، سورہ صود و سورہ شعراء میں واقع ہیں، اول تامل کرے اور پھر انہی قصوں کو سورہ صافات میں اور بعد ازاں ذاریات میں دیکھے تاکہ باہمی فرق اسلوب مشکف ہو جائے، علیٰ ہذا گناہگاروں کے عذاب اور فرما نبرداریوں کے ثواب کو ہر موقع پر ایک خاص رنگ دیا جاتا ہے، اور دوزخیوں کے جھگڑوں کا جلوہ ہر جگہ زری صورت میں دکھایا جاتا ہے تفصیل اس کی بہت طویل ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال اور استعارات و کنایات کی رعایت جن کی تفصیل علم معانی و بیان میں ہے اور اس کے ساتھ مخاطبین کی حالت کی رعایت جو کہ محض ان پڑھ اور ان فنون سے نا آشنا تھے جس قدر قرآن مجید میں موجود ہے اس سے بہتر مافوق متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ مشہور مخاطبات میں جن سے سب آدمی واقف ہیں چند عام فہم اور خواص پسند نکات و دیت رکھی جائیں یہ بات اجتماع نقیضین کی نظیر ہے۔

زپائے تابرش ہر کجا کہ سے گرم

کرشمہ دامن دل سے شد کہ جائیں جاست

منجملہ وجہ اعجاز کے ایک وجہ ایسی ہے جس کو سوائے ان لوگوں کے جو اسرار شریعت میں تدبر اور تفکر کرتے ہیں، کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور وہ یہ ہے کہ یہ علوم، چمکانہ ہدایت انسانی کی رو سے خود قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی طبیب حاذق کسی ایسی طب کی کتاب کو دیکھے جس میں امراض کے اسباب و علامات اور ادویہ کے خواص کی تحقیقات نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی ہو تو اس باب میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا کہ اس کا مؤلف فن طب میں نہایت کامل ہے ایسے ہی اسرار شریع کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیب نفس کے لیے کیا چیزیں انسان کو تعلیم کی جاسکتی ہیں، اس کے بعد اگر علوم، چمکانہ میں وہ غور کرے گا تو اس کو بغیر کسی قسم کے شک کے معلوم ہو جائیگا کہ یہ علوم اپنے معانی کے اعتبار سے اس اعلیٰ مرتبہ پر واقع ہوئے ہیں جن پر اضافہ قطعاً محال ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

گردلیلت باید ازوے رومتاب

باب چہارم

فنون تفسیر اور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے اختلاف فی التفسیر کے حل میں

جاننا چاہئے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں، ایک جماعت صرف ان آثار کی روایت پر کمر بستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت یہ طریقہ محدثین کا ہے اور ایک گروہ اسماء و صفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے کہ ان میں سے جس آیت کو مذہب تنزیہ حق جل و علی شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اس کے ٹکاہری معنی نہیں لیتے، یہی گروہ مخالفین کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات پر وہ کرتے ہیں، رد کرتا ہے، یہ شان متکلمین کی ہے اور ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی اور مخالف دلیل کا جواب دیتی ہے، یہ فقہاء اور اہل اصول کی روش ہے اور ایک جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی، اور ہر محاورہ کے باب میں کلام عرب کی نہایت کثرت کے ساتھ سندیں پیش کرتی ہے، یہ نحویین اور اہل لغت کی وضع ہے، اور ایک گروہ علم معانی اور علم بیان کر کے نکات کو تمام تر بیان کرتا ہے اور کلام اللہ کی داد ان علوم کے اعتبار سے دیتا ہے یہ ادیبوں کا آئین ہے، اور بعض لوگ قرآن مجید کی ان قرأتوں کو جو ائمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں نہایت ایضاح و تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، یہ قراء کی حالت ہے، اور کچھ آدمی علم سلوک یا حقائق کے نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں یہ صوفیوں کی روش ہے، الحاصل تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور اس میں چلنے والے ہر مسلمان کا قصد اس کے معانی سمجھنے کا ہے اور ہر

ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوت فصاحت اور سخن فہمی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور نظر رکھا ہے، یہ وجہ ہے جس سے فن تفسیر نے ایسی وسعت بے پایاں حاصل کی جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اور نیز اسی وجہ سے تفسیر میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار ممکن نہیں، مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم کے یک جا کرنے کا بھی ہوا ہے، اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھیں اور ان کے طول و اختصار میں بھی فرق ہے، جس نے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کر دیا ہے، اس فقیر کو الحمد للہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول مقدار اس کے فروع کی معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا ہے ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیض الہی کے نامتناہی دریائے القاء ہوئے ہیں اگرچہ پوچھنا ہے تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ۔۔۔ وں پر فتوح حضرت رسالت مآب رسول اللہ ﷺ کا اویس ہوں اسی طرح کعبہ حسنی سے بے وسیلہ مستفید اور صلوة عظمیٰ سے اثر پذیر ہوں۔ شعر

ولو ان لی فی کل منبت شعرة

لساننا لماء اسنوفیت واجب حمده

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو دو تین تین حرف رسالہ ہذا میں لکھیں جائیں۔

فصل

ان آثار کے بیان میں جو کتب تفسیر اہل حدیث میں مروی ہیں اور اس کے متعلقات کتب تفسیر میں مذکور آثار میں سے بعض آثار اسباب نزول کے بیان کے متعلق ہوتے ہیں، بہب نزول کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا جس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کی جانچ ہو گئی چنانچہ اصدوا حزاب میں ایسا ہوا اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقین کی مذمت نازل فرمائی تاکہ ان دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے، اور اس مدح و ذم میں اس خاص حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہوئی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ پہلے اس واقع کی مختصر تاریخ لکھ دی جائے تاکہ ان آیات کا سیاق پڑھنے والے کو منکشف ہو جائے، دوسری قسم یہ ہے کہ

آیت کے معنی اس حادثہ کے معلوم کئے بغیر ہی جو کہ سبب نزول ہوا ہے اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں اور اس میں حکم عموم لفظ کا معتبر ہے نہ خصوص سبب نزول کا مگر متقدمین مفسرین نے یہ ارادہ کر کے کہ اس آیت کے مناسب احادیث کو جمع کر دیا جائے یا کتاب کے مفہوم و حکم عام کا کوئی مصداق ذکر کیا جائے اس قصہ (سبب نزول) کو ذکر کیا ہے، اس قسم کے قصوں کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہے، اس فقیر کے نزدیک یہ محقق ہوا ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں حادثہ میں نازل ہوئی۔ مگر ان کا مقصد صرف آیت کے افراد و مصداق کی تصویر اور بعض ایسے مخصوص حادثات کا ذکر مقصود ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم حکم کی وجہ سے شامل ہے اس سے عام ہے کہ وہ واقعہ جس کو انہوں نے سبب نزول کہا ہے، نزول آیت سے مقدم ہو یا مؤخر اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو واللہ اعلم۔

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی اس سبب نزول میں کچھ دخل ہے اور اسباب نزول میں متعدد قصوں کے ذکر کرنے کی گنجائش ہے، جس شخص کو یہ نکتہ محفوظ ہو تو ظاہر ہے کہ مختلف اسباب نزول کا حل اٹلے تامل اور تھوڑی توجہ سے کر سکتا ہے۔

اور بعض ان میں سے یہ ہے کہ کسی قصے کی تفصیل کی جائے جس کی طرف نظم آیت میں کوئی اشارہ موجود ہے اس صورت میں مفسرین رحمہم اللہ کا قصہ یہ ہوتا ہے کہ اخبار بنی اسرائیل یا سیرہ تاریخ سے اس قصہ کو مع اس کی جملہ خصوصیات کے ذکر کریں، اس موقع پر ایک اور بھی تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی قصہ ایسا ہو جس کی طرف آیت کے ظاہر الفاظ میں ایسا اشارہ ہے کہ زبان کا جاننے والا اس پر آکر رک جاتا اور اس کی تلاش کرنے لگتا ہے تو ایسے واقعات کا بیان کرنا مفسرین کا فرض ہے اور جو قصہ اس قسم سے خارج ہے مثلاً بنی اسرائیل کی گائے کا حال کہ زخمی یا مادہ یا اصحاب کہف کے کتے کی رنگتیں کہ وہ چٹلا تھا یا سرخ، یہ امور بے فائدہ تکلفات ہیں، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ الہی بخشوں کو مکروہ جاننے اور تنبیہ اوقات خیال فرماتے تھے، یہاں پر دو نکتے یاد رکھنے کے قابل ہیں اول یہ کہ واقعات کی نقل میں قاعدہ یہ ہے کہ ان کو جیسا سنا ہے بغیر عقلی تصرف کے بیان کیا جائے، مگر متقدمین مفسرین کی ایک جماعت اس تعریض کو اپنا پیشوا بناتی اور اس کا کوئی

مناسب محل فرض کر کے بریگ احتمال اس کی تقریر کرتی ہے جس کی وجہ سے متاخرین کو اشتباہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس وقت تقریر کے اسلوب زمانہ حال کے موافق متح نہیں ہوئے تھے، اکثر ایسا ہونا ممکن ہے کہ تقریر علی سبیل الاحتمال تقریر بالجزم کے ساتھ مشتبہ ہو جائے یا ایک کو دوسری جگہ اختیار کر لیا جائے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے عقل لگانے کی اس میں گنجائش اور قیل و قول کا وسیع میدان ہے، اگر کوئی اس نکتہ کو یاد رکھے تو وہ بہت سے مقامات پر مفسرین کے اختلاف کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور نیز بیشتر مناظرات صحابہ کے متعلق معلوم کر سکتا ہے کہ وہ ان کا مذہب نہیں ہے، ایک علمی تفتیش ہے جس کو بعض مجتہدین دوسرے مجتہدین سے بیان کرتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ کے قول کو آیت فامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین میں فقیر اسی پر حمل کرتا جو یہ ہے لا اجد فی کتاب اللہ الا المسح لکنہم ابو الالغسل (مجھ کو تو کلام اللہ میں پیروں کا مسح ہی ملتا ہے مگر لوگ اس سے دھونا ہی سمجھتے ہیں) قول ابن عباس کا مطلب فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ یہاں پر وہ مسح کی فرضیت کی طرف نہیں گئے کہ وہ آیت کو مسح کی رکنیت پر حمل کرنے کا یقین رکھتے ہوں، حضرت ابن عباس کا مذہب بھی وضو میں پیر دھونے کا ہی ہے لیکن یہاں وہ ایک اشکال کو بیان اور ایک احتمال کی تقریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں، علماء زمانہ اس تعارض کی تطبیق میں کون سی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن جو لوگ سلف کے روزمرہ سے واقفیت نہیں رکھتے انہوں نے اسکو ابن عباس کا قول سمجھ کر ان کا مذہب قرار دے لیا حشا وکذا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہر زمانہ میں داخل ہو گئی ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب، اس قاعدہ سے دو باتیں معلوم ہوں، اول یہ کہ جب تک تعریض کلام اللہ کا بیان حدیث نبوی ﷺ میں دستیاب ہو سکے بنی اسرائیل سے نقل نہ کرنا چاہئے، ولقد فتننا سلیمان القینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب کا محل جب کہ حدیث نبوی میں انشاء اللہ کے ترک کرنے اور اس پر مواخذہ ہونے کا قصہ پایا جاتا ہے تو کیا ضرورت ہے جو صخرہ کا قصہ ذکر کیا جائے، دوسرے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ضروری امر اپنی حد نہرورت تک ہی محدود رہتا ہے اس لئے اقتضائے تعریض کی مقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کرنا نہ سنے تاکہ اس کی تصدیق ہم قرآنی شہادت سے کر سکیں اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا

چاہئے، یہاں پر ایک نہایت لطیف نکتہ بھی ہے، اس کو ضرور سمجھنا چاہئے، وہ یہ ہے قرآن شریف میں کسی مقام پر ایک قصہ کو مجملہ بیان کیا جاتا ہے اور کسی جگہ مفصلاً جیسا کہ اول یہ فرمایا قال تعالیٰ انی اعلم ما لا تعلمون اور یہ فرمایا، الم اقل لكم انی اعلم غیب السموت والارض واعلم ما تبدون و ما کنتم تکتُمون۔ یہ بیان دراصل وہی سابق بیان ایک قسم کی تفصیل کے ساتھ ہے، اس لئے اس تفصیل سے اجمال سابق کی تفسیر کر سکتے ہیں اور اس اجمال سے تفصیل کا پتہ لگا سکتے ہیں، مثلاً سورہ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ مجملہ ذکر فرمایا گیا (ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرأ مقضیاً) اور آل عمران میں مفصل طور پر (ورسولاً الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بالایہ) اس مقولہ میں تفصیلی بشارت ہے، اور پہلا بیان بشارت اجمالی اس لیے بندہ ضعیف نے اس آیت کے یہ معنی لیے ہیں کہ (رسولاً الی بنی اسرائیل مخبراً بانی قد جئتکم) اور یہ تمام مضمون بشارت کے ذیل میں داخل ہے کسی محذوف کے متعلق نہیں جیسے علامہ سیوطیؒ نے اس طرف عبارت ذیل میں اشارہ کیا ہے، فلما بعثہ اللہ قال انی رسول اللہ الیکم بانی قد جئتکم واللہ اعلم۔

اور اس میں شرح غریب ہے، جس کی بناء یا تولفت عرب کے تتبع پر ہے اور یا آیت کے سیاق و سباق فہم اور لفظ کی اس مناسبت کے علم پر ہے جو کہ اس کے اپنے جملہ کے اجزاء کے ساتھ حاصل ہے اس لئے اس مقام پر بھی عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ ایک کلمہ زبان عرب میں متفرق معانی کے لیے آتا ہے اور استعمالات عرب کے تتبع اور سابق و لاحق کی مناسبت کے فہم میں عقول مختلف ہوتی ہیں، ایک منصف مفسر کو شرح غریب کے دو پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے، ایک استعناؤ عرب پر کہ اس کے اعتبار سے کون سی صورت اقویٰ ہے اور دوسرے لاحق و سابق کی مناسبت پر کون سی جہت راجع ہے۔ فقیر نے اصول موضوعہ تفسیر کے انضباط اور مقامات استعمال کی چھان بین اور احادیث کی پوری دیکھ بھال کے بعد شرح غریب کے متعلق ایسے تازہ استنباط کئے ہیں جن کا لطف بجز بے انصاف اور نا فہم کے کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا، مثلاً: کتب علیکم القصاص فی القتلی کو تکافو قتلی کے معنی اور ایک دوسرے کے حکم میں شرکت پر حمل کیا جائے تاکہ الایچی بالایچی کے معنی سمجھنے میں نسخ کا قائل اور ایسی توجیہات کا مرتکب نہ ہونا پڑے جو

اوتی تامل سے ساقط ہو جاتے ہوں اور مثلاً یسئلونک عن الاہلۃ کو یسئلونک عن الاشہر کے معنی پر حمل کیا جائے یعنی سوال ہر جج کی نسبت کیا گیا تھا جس کا جواب ہی مواقیت للناس وانح ویا گیا، اور مثلاً هو الذی اخرج الذین کفروا من اہل الکتاب من دیارہم ولاول الحشر کے معنی لا اول جمع الجنود اس لیے کئے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وابتعث فی المدائن حاشرین اور وحشر سلیمان جنودہ یہ معنی قصہ بنی نضیر کے ساتھ دیکھنے سے زیادہ چسپاں معلوم ہوتے ہیں، اور بیان احساس میں اقویٰ۔

بعض ان میں سے بیان ناخ و منسوخ ہے، اس مقام پر دو نکتے یاد کرنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم فتح کا استعمال اصولیوں کی اصطلاح کے علاوہ دوسرے ایسے معنی پر فرماتے تھے جو کہ لغوی معنی (یعنی ازالہ) کے قریب تر ہے ہدیس و جان کے نزدیک فتح کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ بعد کی آیت سے عام ہے کہ وہ انتہائے عمل ہو یا معنی متبادر کا غیر متبادر کی جانب کلام کا انصراف یا کسی قید کے زائد ہونے کا بیان ہو یا عام کی تخصیص یا اس امر کا اظہار ہو کہ نصوص اور اس میں جو کہ اس پر ظاہراً قیاس کر لیا گیا ہے، بہت فرق ہے وغیرہ وغیرہ یہ ایک وسیع بحث ہے جس میں عقل کے لیے میدان اور اختلاف کو پوری گنجائش ہے اس لیے ان حضرات نے آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک بڑھا دی ہے، دوسرا یہ کہ اصطلاح فتح کے بیان میں اصل یہ ہے کہ نزول آیات کا زمانہ معلوم ہو مگر کبھی سلف صالح کے اجماع یا جمہور کے اتفاق کو علامت فتح قائم کر کے اس کے قائل ہو جاتے ہیں بہت سے فقہاء اس بات کے مرتکب ہوئے حالانکہ ممکن ہے کہ مصداق آیت مصداق اجماع کے مخالف ہو، الحاصل وہ آثار جو فتح سے بنے ہیں بہت مشتبہ ہیں، اور ان میں معاملہ کی تہ کو پہنچنا سخت دشوار ہے، اور محدثین کے پاس ان اقسام کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں مثلاً صحابہ رضی اللہ عنہم کا مناظرہ کسی مسئلہ میں اور اس میں ایک خاص آیت کا استشہاد یا ان کی تمثیل کسی آیت کے ذکر سے یا تلاوت فرمانا آنحضرت کا استشہاد کے طور پر اور کسی ایسی حدیث کی روایت جو آیت کے اصل معنی میں موافق ہو، یا تلفظ کا وہ طریقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہو۔

فصل دوم

اس باب کے باقی لطائف

مجملہ لطائف کے ایک، مسائل کا استنباط ہے، استنباط مسائل کا باب نہایت درجہ وسیع ہے اور آیات کے فہمی اور ایماء اور اقتضائے علم میں عقل کے لیے میدان وسیع اور اختلاف کی پوری گنجائش حاصل ہے، ان استنباطات کا حصہ دس اقسام میں اور ان کی ترتیب اس فقیر کے قلب پر القاء کی گئی ہے جو کہ بہت سے احکام مستنبطہ کی جانچ پرتال کے لیے نہایت سچا کاٹنا ہے اور مجملہ ان کے ایک توجیہ ہے اور توجیہ ایک ایسا فن ہے جس میں بکثرت شاخص ہیں اور جس کو شارحین متون کی شرح میں استعمال کرتے ہیں اور اس میں ان کی ذکاوت اور جودت ذہن کا امتحان ہو جاتا ہے، صحابہ نے حالانکہ ان کے زمانہ میں قوانین توجیہ کی تنقیح نہ ہونے پائی تھی قرآن مجید کی توجیہ بکثرت فرمائی ہے، توجیہ کی حقیقت صرف اس قدر کہ اگر مصنف کے کلام میں شارح کو کوئی ایسی دشواری نظر آئے تو وہ اس پر رک جائے، اس صعوبت کو حل کر دے اور چونکہ کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن یکساں نہیں ہوتے اس لیے توجیہ کے مراتب بھی یکساں نہیں ہیں، مبتدیوں کے لیے توجیہ اور ہے اور متنبیوں کے لیے اور بسا اوقات کوئی صعوبت منتبی کی سمجھ میں ایسی آتی ہے کہ وہ اس کے حل کا محتاج ہوتا ہے اور مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے بلکہ وہ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتی، اور میدان کلام مبتدی پر دشوار ہوتا ہے نہ کہ منتبی پر مگر چونکہ شارح کا مقصود اذہان کے تمام انواع کا احاطہ ہوتا ہے اس لیے عام پڑھنے والوں کے حال کو اختیار کرتا اور ان کی سمجھ کے موافق کلام کرتا ہے اس لیے آیات مختصہ میں عمدہ توجیہ ان فرقوں کے مذاہب کا بیان اور وجہ الزام کی تنقیح ہے، اور آیات احکام میں صورت مسئلہ کی تصویر کھینچنا، اور قیود کے فوائد و غیرہ کو بیان کرتا ہے اور آیات تذکیر بآلاء اللہ میں نعمات الہیہ کی تصویر اور ان کے خاص خاص مواضع کا بیان ہے، اور آیات تذکیر بایام اللہ میں قصوں کی باہمی ترتیب اور اس تعریض کی توضیح کرتا ہے جو کہ قصہ میں مذکور ہوتی ہے، اور موت اور مابعد موت کی تذکیر میں اس وقت کی تصویر اور اس وقت کے

حالات کا بیان ہے، فنون تو جہہ میں یہ بھی داخل ہے کہ جو امر نامائوس ہونے کی وجہ سے بعید الفہم ہے اس کو قریب الفہم کیا جائے اور نیز دو دلیلوں یا دو تخریضوں یا معقول و منقول کے درمیان سے تعارض اٹھایا جائے اور دو مشتبہ چیزوں میں فرق اور دو مختلف باتوں میں تطبیق دی جائے، اور آیات میں جس وعدہ کی جانب اشارہ ہے اس کی صداقت کا اظہار کیا جائے اور جو امر قرآن شریف میں ہوا ہے اس پر آنحضرت ﷺ کے عمل کی کیفیت کا بیان ہو، الحاصل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں تو جہہ کا حصہ بہت ہے، اور ایسے مقام صعب کا حق ادا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اول اس دشواری کی وجہ کو تفصیلاً نہ بیان کیا جائے اور اس کے بعد اس دشواری کے حل کو مفصل لکھا جائے اور پھر ان اقوال کی باہمی جانچ کی جاوے اور تشابہات کی تاویل صفات باری تعالیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے میں متکلمین جس قدر مبالغہ کرتے ہیں وہ میرا مذہب نہیں ہے، میرا مذہب وہ ہے جو امام مالکؒ، امام ثوریؒ اور ابن مبارکؒ اور تمام قدماء کا مذہب ہے۔ یہ امر بظاہر تشابہات میں داخل ہے اور اس کی تاویل میں مبالغہ و خوض کرنا موقوف اور احکام مستوطہ میں نزاع، اور اپنے اپنے مذہب کا استحکام اور دوسرے مذہب کا ابطال اور قرآن مجید کے دلائل کے دفع کرنے میں حیلہ سازی یہ تمام باتیں میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ تدارء بالقرآن کے قبیلہ سے نہ ہو، عالم کو چاہئے کہ وہ آیات کے مفہوم کو تلاش کرے اور اسی کو اپنا مذہب قرار دے خواہ وہ اس کے مذہب سابق کے موافق ہو یا مخالف لیکن لغت قرآنی کو عرب اول کے استعمالات سے لینا چاہئے اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار پر کھلی اعتماد کرنا چاہئے اور قرآن شریف کے نحو میں ایک عجیب فساد پیدا ہو گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک جماعت مفسرین نے مذہب سیبویہ اختیار کیا ہے اس لیے کلام اللہ میں جو استعمال ان کو اس کے مذہب کے خلاف ملتا ہے اس کی تاویل کرتے ہیں خواہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو اور یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، عالم کو چاہئے کہ وہ اس امر کا اتباع کرے جو سیاق و سباق کے موافق اور زیادہ قوی ہو خواہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا اور والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ کی امثال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ستقیمہا العرب بالسنتھا اور فقیر کے نزدیک کلمہ ہذا کی یہ تحقیق ہے کہ مشہور محاورہ کے مخالف محاورہ بھی محاورہ ہی ہوتا ہے، اور عرب اول اپنے خطبات میں بکثرت ایسے محاورات

استعمال کرتے تھے جو کہ مشہور قواعد کے مخالف ہوتے تھے، اور چونکہ کلام اللہ عرب اول کی زبان میں نازل ہوا اس لیے اگر کسی جگہ واؤ کی جگہ یا اور متثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مؤنث آجائے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں اس لیے جو بات محقق ہے وہ یہ کہ ترجمہ والمقیمین الصلوۃ حالت رفی کے اعتبار سے کیا جائے، واللہ اعلم۔

علم معانی و بیان ایک ایسا علم جو کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے، بدین وجہ اس کے جو مسائل جمہور عرب کے عرف کے موافق سمجھ میں آئیں علی اراس والعین، اور جو ایسے دقیق امور ہیں کہ ان فنون میں گہری معلومات رکھنے والے کے سوا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتے ان کی نسبت ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کلام اللہ میں بھی مطلوب ہیں اور صوفیائے کرام کے اشارات و اعتبارات درحقیقت علم تفسیر کا جز نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف کے سننے کے وقت بعض باتیں سالک کے قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن اور اس حال سے جو سالک پر طاری ہوتا ہے، یا اس معرفت سے جو اس کو حاصل ہوتی ہے، پیکر ہوتی ہیں، اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی عاشق لیلیٰ و مجنوں کا قصہ سننے اور اس کی وجہ سے وہ اپنی محبوبہ کو یاد کرے اور نیز اس کے ان واقعات کی تصویر جو محبوبہ کے ساتھ گزر چکی ہیں اس کی نظروں کے سامنے کھنچ جائے، یہاں ایک مہتمم یا نشان قائم ہے، اسکو جان لینا چاہئے، وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تعبیر رؤیاء کے فن کو معتبر قرار دیا ہے اور اس راہ کو خود چل کر دکھایا ہے تاکہ تعبیر رؤیاء امت کے لیے سنت نبوی بن جائے اور ان پر وہی علوم میں سے ایک دوسری راہ کا دروازہ کھل جائے مثلاً آیت فامامن أعطی و اتقی، مسئلہ تقدیر کی تمثیل میں بیان کیا جاتا ہے اگر چہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے یہ افعال کئے اس کو جنت کی بے بہا نعمتیں عطا کی جائیں گی اور جو ان کے خلاف کامرکب ہوگا اس پر دوزخ اور عذاب کا دروازہ کھولا جائے گا، لیکن فن تعبیر کی راہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر ایک شخص کو ایک ایسی مخصوص حالت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور وہ حالت اس پر طاری ہوتی ہے خواہ وہ واقف نہ ہوتا ہو، اس لیے اس آیت کو تقدیر کے مسئلہ سے ربط ہو گیا، علی ہذا آیت و نفس و ما سؤاها فالہمها فجورھا وتقواھا کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر شخص کو نیکی اور بدی پر مطلع فرمایا لیکن نیکی اور بدی کی صورت علمیہ کے پیدا کرنے کو نفع روح کے وقت ان کو اجماعاً

پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے بذریعہ اعتبار کے اس آیت سے مسئلہ تقدیر میں فصل کر سکتے ہیں واللہ اعلم۔

فصل

غرائب قرآنی جن کو احادیث میں مزید اہتمام اور فضیلت سے خاص کیا گیا ہے، ان کے چند انواع ہیں، تذکیر بآلاء اللہ کے فن میں غریب وہ آیت ہے جس میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا بڑا مجموعہ ہو جیسے آیۃ النکری، سورۃ اخلاص اور سورۃ حشر کی آخری آیتیں اور سورۃ مومن کی اول کی اور تذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہوگی جس میں کوئی قلیل الذکر قصہ بیان کیا جائے یا کسی معلوم قصہ کو ان کی پوری تفصیل سے ذکر کیا جائے یا کسی ایسے بہت مفید واقعہ کو جس میں حصول عبرت کے متعدد پہلو ہوں ذکر کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کی ہمراہی کے قصہ میں فرمایا کہ میری آرزو تھی کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ اور زیادہ صبر کرتے تاکہ خدا تعالیٰ ہم سے اس قصہ کو اور زیادہ ذکر فرماتا، اور تذکیر بالموت اور ما بعد الموت کے فن میں غریب وہ آیت ہے جو کہ حالات قیامت کے لیے جامع ہو، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزو مند ہو اس سے کہہ دو کہ وہ سورۃ اذ الشمس کسرت کو پڑھے اور فن احکام میں غریب ایسی آیت ہے کہ جو حدود کے بیان اور وضع خاص کی تعیین کو شامل ہو مثلاً حد زنا میں سدرے کی تعیین اور تین حیض اور تین طہر کی تخصیص مطلقہ کی عدت میں اور میراث کے حصوں کی تعیین اور فن مخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں جواب ایسے عجیب و غریب اسلوب پر بیان کیا جائے جو کہ شبہ کو نہایت کامل طریقہ سے اٹھائے، اور یا کہ اس میں فریق میں مقابل کے حال کو ایک واضح مثال کے ساتھ بیان کیا جائے، کمثل الذی استوقد ناراً، علیٰ ہدایت پرستی کی قباحت اور خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے مراتب کا فرق عجیب امثلہ سے بیان کیا جائے، یا ریاکاروں اور طالبان شہرت کے اعمال کی مضبوطی کو بلیغ اسلوب کے ساتھ بیان کیا جائے، غرائب قرآنی انہیں ابواب مذکورہ میں محصور نہیں ہیں بسا اوقات غرائب کلام کی بلاغت اور اسلوب کی شیرینی سے بھی

پیدا ہوتی ہے، مثلاً سورۃ الرحمن، یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حدیث میں عروس القرآن رکھا گیا ہے اور کبھی غرائب، شقی اور سعید کے باہمی فرق کی تصویر کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے، حدیث شریف میں آیا ہے لکل آیۃ منها ظہرٌ و بطنٌ و لکل حد مطلع (۱) قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے لیے ایک معنی ظاہری اور ایک باطنی ہیں، اور ہر ایک حد کے لیے جھانکنے کی جگہ ہے (جاننا چاہئے کہ ان علوم، چنگانہ کا ظہر وہ چیز ہے جو کہ کلام کا مدلول اور مفہوم ہے اور باطن علم تذکیر بآلاء اللہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کیا جائے اور صحیح مراقبہ اور علم تذکیر بایام اللہ میں ان قصوں سے مدح و ذم اور عذاب و ثواب کے موقوف علیہ کی پہچان ہے، اور نصیحت حاصل کرنا اور فن تذكیر بالجنة والنار میں امید و بیم کا ظہور اور ان امور کو چشم دید کیفیت تک پہنچانا اور احکام کی آیتوں میں ان کی فحوی سے باریک و خفی احکام کا استنباط اور گمراہ فرقوں سے مباحثہ میں ان مباحثوں کی اصل کی پہچان اور نیز ان کے ساتھ ان کی دوسری قباہتوں کو شامل کرنا کلام اللہ کے ظاہر کی اطلاع زبان عرب اور ان آثار کے علم سے ہوتی ہے جن کا تعلق فن تفسیر سے ہے اور اس کے ذہن کی لطافت اور استقامت اور نور باطن اور حالت سکون سے ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

فصل

علم تفسیر کے ان وہی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا، انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل بھی ہے، فقیر نے اس فن کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس زمانہ میں جو تدبیر چاہی ہے اس کی رو سے ہر ایسے قصہ کے لیے جو اس وقت واقع ہوا ہے ایک مبداء بنیہ اور اس کی قوم کی استعداد سے ہوتا ہے اور گویا انہی معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے و یعلمک من تاویل الاحادیث دوسرے علوم، چنگانہ کی تنقیح میں درحقیقت کلام اللہ منطوق وہی ہیں مفصل بیان اس رسالہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس کے علاوہ کلام اللہ کا فارسی زبان میں

(۱) مطلع کل حد الاستعداد الذی بہ تحصل مغفرة اللسان والآثار ومطافة الذهن واستقامة الفهم (۱۲ جزء الباقی فی ۱۳۵)

ترجمہ اس طریقہ سے کہ وہ مقدار اور تخصیص و تعیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے، یہ کام ہم نے فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن میں کیا ہے، اگرچہ بعض مقامات میں ہم نے ناظرین کے عدم فہم کے خوف سے بلا کسی تفصیل کے اس شرط کو ترک کر دیا ہے، یا ماسوا اس کے خواص قرآنی کا علم ہے، متقدمین نے کلام اللہ کے خواص میں دو طرح پر کلام کیا ہے، ایک تو دعا کے مشابہ اور دوسرے سحر کے مشابہ استغفر اللہ منہ مگر فقیر پر خواص منقول کے علاوہ ایک جدید دروازہ کھولا گیا ہے حضرت حق جل شانہ نے ایک مرتبہ اسماء حسنیٰ اور آیات عظمیٰ اور ادعیہ متبرکہ کو میری گود میں رکھ کر فرمایا کہ تصرف عام کے لیے یہ ہمارا عطیہ ہے لیکن ہر ایک آیت اور دعا ایسی شرائط کے ساتھ مشروط ہے جو کسی قاعدہ میں سامنے نہیں سکتیں بلکہ اس کا قاعدہ اصلی عالم غیب کی طرف سے اشارہ کا انتظار ہوتا ہے جیسا کہ حالت استخارہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ عالم غیب سے کسی خاص آیت یا اسم کا اشارہ ہو جاتا ہے، اس آیت یا اسم کو اسی طور پر تلاوت کرنا چاہئے جیسا کہ اس فن والوں کے نزدیک مقرر ہے یہ ہیں وہ مضامین جن کے بیان کا اس رسالہ میں ہم نے قصد کیا تھا، والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً

تمت بالخیر

فتح الخیر

بمالات من حفظہ فی علم التفسیر

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مترجمین

مولانا سید محمد مہدی الحسنی

مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۳۶	سورۃ فاتحہ	۱
۳۳۶	سورۃ بقرہ	۲
۳۴۰	سورۃ آل عمران	۳
۳۴۲	سورۃ نساء	۴
۳۴۵	سورۃ مائدہ	۵
۳۴۷	سورۃ انعام	۶
۳۴۹	سورۃ اعراف	۷
۳۵۱	سورۃ انفال	۸
۳۵۲	سورۃ تہٰات	۹
۳۵۳	سورۃ یونس	۱۰
۳۵۵	سورۃ حود	۱۱
۳۵۶	سورۃ یوسف	۱۲
۳۵۸	سورۃ زمر	۱۳
۳۵۹	سورۃ ابراہیم	۱۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۵۹	سورہ ہجر	۱۵
۳۶۰	سورہ نحل	۱۶
۳۶۲	سورہ بنی اسرائیل	۱۷
۳۶۴	سورہ کہف	۱۸
۳۶۵	سورہ مریم	۱۹
۳۶۶	سورہ طہ	۲۰
۳۶۷	سورہ انبیاء	۲۱
۳۶۸	سورہ حج	۲۲
۳۶۹	سورہ مؤمنون	۲۳
۳۷۰	سورہ نور	۲۴
۳۷۱	سورہ فرقان	۲۵
۳۷۲	سورہ شعراء	۲۶
۳۷۲	سورہ زمر	۲۷
۳۷۳	سورہ قصص	۲۸
۳۷۳	سورہ عنکبوت	۲۹
۳۷۳	سورہ روم	۳۰
۳۷۳	سورہ لقمان	۳۱
۳۷۳	سورہ آل عمران	۳۲
۳۷۳	سورہ احزاب	۳۳
۳۷۴	سورہ سبا	۳۴
۳۷۵	سورہ ملک (فاطر)	۳۵
۳۷۵	سورہ ناس	۳۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۷۶	سورۃ صافات	۳۷
۳۷۶	سورۃ ص	۳۸
۳۷۷	سورۃ زمر	۳۹
۳۷۸	سورۃ مؤمن	۴۰
۳۷۸	سورۃ حم مجیدہ	۴۱
۳۷۸	سورۃ شوری	۴۲
۳۷۹	سورۃ زخرف	۴۳
۳۷۹	سورۃ دخان	۴۴
۳۸۰	سورۃ جاثیہ	۴۵
۳۸۰	سورۃ احقاف	۴۶
۳۸۰	سورۃ محمد	۴۷
۳۸۰	سورۃ فتح	۴۸
۳۸۱	سورۃ حجرات	۴۹
۳۸۱	سورۃ ق	۵۰
۳۸۲	سورۃ ذاریات	۵۱
۳۸۲	سورۃ طور	۵۲
۳۸۲	سورۃ النجم	۵۳
۳۸۳	سورۃ قمر	۵۴
۳۸۳	سورۃ الرحمن	۵۵
۳۸۴	سورۃ واقعہ	۵۶
۳۸۵	سورۃ حدید	۵۷
۳۸۵	سورۃ مجادلہ	۵۸

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۸۶	سورۃ شحر	۵۹
۳۸۶	سورۃ ممتحنہ	۶۰
۳۸۶	سورۃ صف	۶۱
۳۸۷	سورۃ جمعہ	۶۲
۳۸۷	سورۃ منافقین	۶۳
۳۸۷	سورۃ تغابن	۶۴
۳۸۷	سورۃ طلاق	۶۵
۳۸۸	سورۃ تحریم	۶۶
۳۸۸	سورۃ ملک	۶۷
۳۸۸	سورۃ کن	۶۸
۳۸۹	سورۃ حاقہ	۶۹
۳۸۹	سورۃ معارج	۷۰
۳۸۹	سورۃ نوح	۷۱
۳۹۰	سورۃ جن	۷۲
۳۹۰	سورۃ مزمل	۷۳
۳۹۰	سورۃ مدثر	۷۴
۳۹۱	سورۃ قیامہ	۷۵
۳۹۱	سورۃ دھر	۷۶
۳۹۱	سورۃ مرسلات	۷۷
۳۹۱	سورۃ نباء	۷۸
۳۹۲	سورۃ نازعات	۷۹
۳۹۲	سورۃ نبیس	۸۰

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۹۲	سورہ بکورت	۸۱
۳۹۳	سورہ انفطرت	۸۲
۳۹۳	سورہ مطففین	۸۳
۳۹۳	سورہ اشقت	۸۴
۳۹۳	سورہ بروج	۸۵
۳۹۴	سورہ طارق	۸۶
۳۹۴	سورہ اعلیٰ	۸۷
۳۹۴	سورہ غاشیہ	۸۸
۳۹۴	سورہ فجر	۸۹
۳۹۴	سورہ بلد	۹۰
۳۹۵	سورہ شمس	۹۱
۳۹۵	سورہ ییل	۹۲
۳۹۵	سورہ ضحیٰ	۹۳
۳۹۵	سورہ الم نشرح	۹۴
۳۹۵	سورہ تین	۹۵
۳۹۵	سورہ قلم	۹۶
۳۹۵	سورہ قدر	۹۷
۳۹۶	سورہ کلم یکن	۹۸
۳۹۶	سورہ زلزلت	۹۹
۳۹۶	سورہ عادیات	۱۰۰
۳۹۶	سورہ قارعہ	۱۰۱
۳۹۶	سورہ نکاث	۱۰۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۳	سورہ عصر	۳۹۷
۱۰۴	سورہ ہمزہ	۳۹۷
۱۰۵	سورہ فیل	۳۹۷
۱۰۶	سورہ قریش	۳۹۷
۱۰۷	سورہ ماعون	۳۹۷
۱۰۸	سورہ کوثر	۳۹۷
۱۰۹	سورہ کافرون	۳۹۷
۱۱۰	سورہ نصر	۳۹۸
۱۱۱	سورہ نبت	۳۹۸
۱۱۲	سورہ اخلاص	۳۹۸
۱۱۳	سورہ قلق	۳۹۸
۱۱۴	سورہ ناس	۳۹۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کبریا کے لئے خاص ہیں، کہ جس نے قرآن کو مؤمنین کے لئے شفا اور رحمت بنا کر نازل فرمایا اور صحابہ و تابعین اور علمائے دین کو اس امر کا الہام فرمایا کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تشریح اور اس کے اسباب نزول بیان کر نیکی جانب توجہ کریں، تاکہ اتمام نعمت اور تکمیل رحمت کا باعث بن سکے اور آثار یقین روشن اور واضح ہو جائیں۔

اما بعد بندہ ضعیف ولی اللہ بن عبد الرحیم ہتاسید فضل ایزدی کہتا ہے کہ یہ قرآن کے غریب الفاظ کی شرح میں ایک رسالہ ہے جو خیر امت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، میں نے اس رسالہ میں حضرت ابن عباس کی وہ روایات جمع کی ہیں، جو ابن ابی طلحہ کے ذریعہ مروی ہیں اور کچھ حصہ وہ ہے جو ضحاک کے ذریعہ ان سے مروی ہے، اور یہ وہی طریقہ کار ہے جو امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ جنت میں ان کا درجہ بلند فرمائے لیکن میں نے ان ہر دو طریق میں بعض غریب الفاظ غیر مفسر پائے تو میں نے نافع بن الازرق کے طریق سے اس کی تکمیل کی اور جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بھی ذکر کیا ہے، اس کو بھی میں نے لیا ہے، کیونکہ امام بخاری کی روایت کردہ تفسیر اس باب میں جہات صحیح ہے پھر اس کے بعد ان روایات کو لیا ہے جو ثقات نے اہل نقل سے روایت کی ہیں، اگرچہ وہ ایک محدود تعداد میں ہیں، اور اس کے ساتھ میں نے وہ امور بھی جمع کر دیئے ہیں جن کی ایک مفسر کو احتیاج ہوا کرتی ہے، مثلاً اسباب نزول وغیرہ اور اسباب نزول میں نے محدثین کی صحیح تفسیر سے جمع کئے ہیں، یعنی امام بخاری، اما ترمذی اور حاکم کی تحریر سے جو انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ جنت میں ان کا مقام بلند فرمائے، اسی طرح اس مضمون پر ایک اچھا خاصا مفید رسالہ تیار ہو گیا، جس کا نام میں نے فتح النجیر بمالا بد من حفظ فی علم التفسیر رکھا ہے اور اول اور آخر اور ظاہر اور باطن تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں۔

سورۃ فاتحہ

الحمد لله تمام شکر اللہ ہی کیلئے ہے رب العالمین جو تمام مخلوقات کا مالک ہے الرحمن الرحیم دو نام ہیں جو رحمت سے مشتق ہیں ممالک يوم الدين جزا کے دن فیصلہ کرنے والا ہے ایاک نعبد ہم آپ ہی کو عبادت کے ساتھ خاص کرتے اور آپ ہی کی ذات کا قصد کرتے ہیں و ایاک نستعین اور آپ ہی سے امداد کا سوال کرتے ہیں الصراط المستقیم اس سے مراد کتاب اللہ یا نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھی ابوبکرؓ و عمرؓ مراد ہیں صراط الذین انعمت علیہم جن پر آپ نے ہدایت کے ذریعہ انعام فرمایا، اور وہ انبیاء و صلحاء ہیں غیر المغضوب علیہم اور وہ موسیٰ اور عیسیٰ کی قومیں ہیں کیونکہ انہوں نے خدا کی نعمتوں میں تغیر کیا نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ مغضوب علیہم سے یہود اور ضلال سے نصاریٰ مراد ہیں۔

سورۃ بقرہ

لا ریب فیہ اس میں کوئی شک نہیں ختم اللہ علیٰ قلوبہم اللہ نے دلوں پر مہر لگا دی یؤمنون تصدیق کرتے ہیں للمتقین مومنین کے لئے جو شرک سے بچتے اور میری طاعت پر عمل کرتے ہیں ویقیمون الصلوٰۃ رکوع و سجود، تلاوت و خشوع، توجہ الی اللہ اور نماز کی مداومت کو پورے طور پر انجام دیتے ہیں، مرض اس سے مراد نفاق و شک ہے ومن الناس من یقول منافقین کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے کفر کے ساتھ ایمان کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے قول و ماہم بمؤمنین کے ساتھ ان کے ایمان کی نفی فرمائی یخادعون اللہ جس طریقے پر وہ ہیں اس طریقے کے خلاف دوسرا طریقہ ظاہر کر کے اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں وما یخادعون الا انفسہم کفر کے سبب اور لوگوں کو ایمان سے روکنے کے باعث و اذا خلوا جب لوٹ کر جاتے ہیں الی شیاطینہم اپنے بڑوں کے پاس عذاب الیم دردناک عذاب یکذبون تہدیل و تحریف کرتے ہیں السفہاء جہلاء فی طغیانہم اپنے کفر میں یعمہون حد سے بڑھتے جاتے ہیں، یا مذاق کرتے اور تردد کرتے ہیں وقودھا الناس والحجارة گندھک کا پتھر جسے اللہ نے اپنے پاس جیسا چاہا پیدا فرمایا انسی جاعل فی

الارض خلیفۃ آدم کی پیدائش سے قبل دو ہزار سال تک زمین پر جنات آباد تھے جب انہوں نے زمین میں فساد پھیلاتا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جنہوں نے جنات کو مار مار کر بھگا دیا حتیٰ کہ وہ جزائر کی جانب بھاگ گئے، اسی بنا پر فرشتوں نے کہا تھا اتجعل فیہا س یفسد فیہا جیسا کہ جنات نے کیا تھا و نقدس لك تقدیس کے معنی پاکی بیان کرتا ہے رغذا و سق و اوتواہ متشابہا کہ بعض بعض سے صورتاً مشابہ ہو گئے لیکن مزے میں مختلف ہو گئے اور یہ انتہائی تعجب انگیز ہے و حلدون ہمیشہ رہیں گے جس سے کبھی خراج نہ ہوگا و لا تلبسو اخلط ملظ نہ کرو انفسہم یظلمون ضرر پہنچاتے ہیں و قولوا حطۃ بنو اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ لفظ حطۃ کہن لیکن انہوں نے اس کے بجائے حبة فی شعرة کہا یعنی بال میں دانہ چاہئے نہ کہ معافی و فی ذلکم بلائمت مراد ہے الی باریکم تمہارا خالق و فوہما گیہوں المئ گوند و السلوی پرندہ خاشسین ذلیل و باؤ الوئے نکالاً سزا، لما بین یدہا ان کے بعد والوں کے لئے و ما حلفہا جوان کے ساتھ باقی رہ گئے تھے و موعظة تذکرہ لا فارض بوزھی عوان بڑھاپا اور جوانی کا درمیانی حصہ فاقع صاف لا ذلول جسے کسی کام نے نہ تھکایا ہو تاثیر الارض کہ زمین میں کھیتی کرے، مسلمانہ عیوب سے سالم لا شیعہ جس میں پیدری نہ ہو فاذا راتم تم نے اختلاف کیا بما فتح اللہ علیکم جو تم پر اکرام کیا بروح القدس وہ نام کہ جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے یستفتحون مد طلب کرتے تھے علی الذین کفروا یہودی خیر مراد ہیں کہ جو بنو غطفان سے جنگ کرتے، تو شکست کھا جاتے، پھر اس دعا کے ذریعہ کامیاب ہوئے، اللہم انا نسألك بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان الا نصرتنا علیہم اس دعا کی برکت سے بنو غطفان کو شکست ہوئی الا مانی بات چیت، قلوبنا غلف پردے میں ہیں بشئما اشتروا بہ انفسہم دنیا کی تھوڑی سی لالچ میں اپنی آخرت کا حصہ فروخت کر ڈالا، یود احدہم لو یعمر عجیوں کو جب چھینک آتی تو کہتے تو دس ہزار سال تک زندہ رہے، اور نوروز اور مہرجان کے ہزار سال تک کھاتا رہے راعنا، رعونت سے مشتق ہے اور یہود جب کسی کو ذلیل کرنے کا ارادہ کرتے تو راعنا کہہ کر پکارتے مانسوخ ہم تہلیل نہیں کرتے او نسیھا اسے چھوڑ دیتے ہیں کہ اسکی جگہ

کوئی شی تبدیل نہیں کرتے قانتون تابعدار یا اقرار کرنے والے فطم وجہ اللہ سواری پر نفل پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی، یا اندھیری رات میں قبلہ نہ معلوم ہونے کی صورت میں نازل ہوئی واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمات ان کا پاکی کے ساتھ امتحان لیا، جن میں سے پانچ چیزیں سر میں اور پانچ بدن میں ہیں اور وہ فطرت کے خصائل ہیں مشابہ لوگ اس کی جانب دوڑ کر آئیں پھر واپس چلے جائیں القواعد بیت اللہ کی بنیادیں حنیفا متوجہ اور مائل صبغة اللہ اللہ کا دین اتحاجوننا ہم سے جھگڑتے ہوئے شطرہ اس کی جانب، نبی ﷺ نے بیت المقدس کی جانب سولہ یا ستر ماہ تک نماز پڑھی اور آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو، پس قبلہ تبدیل کر دیا گیا، لیکن اس تحويل قبلہ سے قبل جن لوگوں کا انتقال ہو گیا، ان کی نمازوں کی قبولیت اور عدم قبولیت کا سوال پیدا ہوا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی و ما کان اللہ لیضیع ایمانکم لتکونوا شہداء نبی ﷺ نے فرمایا، نوح، کو بلا یا جائیگا اور سوال کیا جائے گا، کیا تو نے میرے احکام پہنچا دیئے، وہ جواب دیں گے ہاں، لیکن قوم کہے گی، ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو نوح سے کہا جائیگا تمہارے گواہ کون ہیں جواب دیں گے، کہ محمد ﷺ اور آپ کی امت تو حضور کو اور آپ کی امت کو بلا یا جائیگا، تو وہ گواہی دیئے، شعائر، نشانیاں اس کا واحد شیرہ ہے فلا جناح کوئی حرج نہیں یہ اس لئے فرمایا کہ کچھ لوگ صفا اور مردہ کے مابین سعی کو برا سمجھتے تھے، ورنہ یہ سہی واجب ہے ینظرون تاخیر کرتے ہیں خطوات الشیطان کا عمل الفینا ہم نے پایا اہل نہ لغیر اللہ طاغوت کیلئے ذبح کی جائے، ابن السبیل وہ مہمان جو مسلمانوں کے پاس آیا ہو، ان ترک خیر اگر مال چھوڑے جنفا ظلم وصیت میں ایک جانب مائل ہونا الباساء فقر الضراء بیماری عفی چھوڑ دیا گیا و علی الذین یطیقونہ، یہ منسوخ ہے یا یہ بوڑھے آدمی اور بوڑھی عورت کے لئے خاص ہے، جب رمضان کے روزے نازل ہوئے تو لوگ تمام رمضان عورتوں کے پاس نہ جاتے تھے، بعض نے اپنے نفوس سے خیانت بھی کی تو یہ آیت نازل ہوئی احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الخیط الابيض من الخیط الاسود صبح کی سپیدی رات کی سیاہی سے، اور وہ صبح ہے پو پھوٹے وقت کچھ آدمیوں نے روزہ کا ارادہ کیا اور اپنے پاؤں سے سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیا، تو اللہ تعالیٰ نے لفظ من الفجر نازل فرمایا، العاکف

مقیم التہلکۃ، تہلکہ اور ہلاک کے معنی ایک ہی ہیں، انصار نے ایک دوسرے سے کہا، کہ ہمارے مال ضائع ہو چکے ہیں اور اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا کی ہے اور اس کے مددگار بھی کافی ہو گئے ہیں، تو اگر ہم اپنے مالوں میں مقیم رہیں اور ان کی دیکھ بھال کریں اور غزوات میں شرکت ترک کر دیں تو بہتر ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو یہاں تہلکہ سے مراد مالوں میں رہنا اور جہاد ترک کر دینا ہے یا یوں کہا جائے کہ یہ مصارف میں فضول خرچی کے متعلق نازل ہوئی ثقافت موہم جہاں بھی تم انہیں پاؤ لا تکون فتنۃ فتنہ سے مراد شرک ہے، عرب جب جاہلیت میں احرام باندھ لیتے تو گھروں میں پیچھے کی طرف داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس البر بان تاتوا البیوت فممن کان منکم مریضاً وہ اذی یہ آیت کعب بن عجرہ کے بارے میں نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت میں عکاظ نجد اور ذوالحجاز وغیرہ بازار لگا کرتے، لیکن اب اہل عرب موسم حج میں تجارت کو گناہ سمجھتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے، مزدلفہ میں ٹھہرتے اور بقیہ عرب عرفات میں، تو یہ آیت نازل ہوئی ثم افیضوا من حیث افاض الناس، خلاقی، حصہ الد الخصام باطل کے لئے جھگڑنے والا السلم اطاعت کافہ، سب قل العفو جسے تمہارے مالوں میں ظاہر نہیں کیا ہے لا عننتکم تمہیں تنگی میں مبتلا کر دیتا، یہود میں جب کسی عورت کو حیض آتا تو نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ پیتے، نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی قل هو اذی تو انہیں بجز صحبت کے ہرشی کی اجازت دی گئی، حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تم عورتوں کے پاس آگے سے جاؤ یا پیچھے سے لیکن حیض کے وقت اور پاخانہ کی جگہ سے احتراز کرو اور یہود کہا کرتے کہ اگر عورت سے پیچھے کی جانب سے صحبت کی جائے بچہ بھیگا پیدا ہوتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم، حدود اللہ کی اطاعت معقل بن یسارؓ کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دیدی اور رجوع نہ کیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی، پھر انہیں دوبارہ پیغام نکاح دیا لیکن معقلؓ نے انکار کر دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی فلا تعضلوهن لا تواعدوهن سرا سرے مراد جماع ہے، سالم تمسوهن او تفرضولهن فريضة چھونے سے مراد جماع ہے، اور فريضة سے مہر الصلوة الوسطی اس سے مراد عصر

ہے، نبی ﷺ کے اس فرمان کے مطابق کہ انہوں نے ہمیں سورج غروب ہونے تک سجدہ و سبوح سے روک رکھا، زید بن ارقم فرماتے ہیں ہم نماز میں پہلے ایک دوسرے سے ضرورت کی باتیں کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی قوموا للہ فانتہبوا۔ الم ترا الی الدہن حرقوا من دیارہم یہ چار ہزار تھے جو طاعون کی وجہ سے اپنے گھروں سے بھاگ گئے فقال لہم اللہ سوتوا یہ سب کے سب مر گئے تو ان پر ایک نبی کا گزر ہوا انہوں نے اللہ سے انہیں زندہ کرنے کا سوال کیا تو اللہ نے انہیں زندہ کر دیا فیہ سکینة رحمت مسنة اولئک ولا یؤودہ اے اس کا بوجھ معلوم نہیں، ہوتا اوکا الذی مر علی قرية اللہ کے نبی عزیر لم یتسنہ جو سالہا سال تک تبدیل نہ ہو صفوان پتھر صلد جس پر کوئی شئی نہ ہو صاف ایود احدکم ان تکون لہ جنة حضرت عمر فرماتے ہیں یہ اس کی مثال ہے جو اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے، پھر اللہ نے اس کے پاس شیطان بھیجا تو وہ گناہوں میں مبتلا ہو گیا، حتیٰ کہ اس نے اپنے تمام اعمال غرق کر لئے اعصار سخت ہوا، صرصر دی فصرہن انہیں ہلائے الحافاً بولا جاتا ہے وہ مجھے چمت گیا اور گزرا یا یمحق اللہ الربوا سے لجاتا ہے ولا یتمموا الحبیث ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ردی اور بیکار کھجوریں صدقہ کرتے فسانوا پس جان لو ان تبسو واما فی انفسکم یہ لایکلف اللہ نفساً الا وسعها کے ساتھ منسوخ ہے غفرانک تیری مغفرت۔

سورہ آل عمران

آل عمران کا نصف اخیر ایک ہی قصہ کے بارے میں نازل ہوا ہے ذیغ شک انتقاء الفتنہ شہادت کذاب مثل طریقہ کے بعض نے کہا کہ مثل حالت کے بالقسط عدل والخیل المسؤمۃ نشان زدہ گھوڑے الا ان تتقوا منهم ثقۃ یعنی زبان سے تو کفر کا اقرار کریں، لیکن دل ایمان پر مطمئن ہو حضور اجمورتوں کے پاس نہ جاتا ہو الا رمز اگر ہاتھ یا سر کے اشارے سے الاکمة جو پیدا کی تھیں یا تھیں متوفیک تجھے موت دینے والا ہوں ایہم یکفل مریم جو اپنے پاس رکھے جب یہ آیت مدع ابناء نا و ابنائکم آخر تک نازل ہوئی، تو نبی ﷺ نے علی اور حسن و حسین اور فاطمہ کو بلایا، اور فرمایا اے اللہ میرے گھر والے ہیں سواء بیننا و بینکم انصاف

اور اعتدال رسائیں ربانی کی جمع ہے، علماء و فقہاء مراد ہیں، اشعث بن قیس فرماتے ہیں، کہ میرے اور ایک یہودی کے مابین ایک مشترکہ زمین تھی، اس یہودی نے اس زمین کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کیا میں اسے لے کر حضور کی خدمت میں آیا، آپؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، کیا تیرے پاس گواہ موجود ہیں۔ میں نے عرض کیا، نہیں، آپؐ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو قسم کھا کر میرا تمام مال ہضم کر لے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ ان الدین بشتروں بمعہ اللہ وایمانہم ثمناً آخر تک لا خلاق حصہ، روایت ہے کہ اسرائیل کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہوئی تو وہ بولے اگر اللہ نے اس بیماری سے شفاء عطا کی تو ایسا گوشت دکھائیں گے جس میں رگ ہو، اس طرح یہود نے گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا، تو یہ آیت کل الطعماء کما حللاً آخر تک نازل ہوئی من استطاع الیہ سبیلاً عرض کیا یا رسول اللہ کھیل سے کیا مراد ہے فرمایا زادہ اور سواری شفا حفریۃ اس کا کنارہ تبوئی السومنین مومنوں کو جگہ بتا رہے تھے اذہمت طاشفتان منکم ان تفشلا بنو حارث اور بنو سلمہ من غورہم اپنے غضب سے مسومین، مسموم وہ ہے جس پر نشان لگا ہو، روایت ہے کہ نبی ﷺ کا جنگ احد میں چہرہ مبارک زخمی ہوا، اور آپؐ کے سامنے کا دانت ٹوٹ گیا، آپؐ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جو اپنے نبی کے ساتھ اس قسم کی حرکت کرے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لك من الامر شیء ابن عمرؓ نے فرمایا نبی ﷺ نے احد کے روز یہ بد دعا فرمائی اے اللہ ابوہنیان پر لعنت نازل فرما، الہی! حارث بن ہشام پر لعنت فرما، الہی! صفوان بن امیہ پر لعنت کر، تو یہ آیت لیس لك من الامر شیء نازل ہوئی ولا تہنوا کمزور نہ پڑ جاؤ القرح زہم اذ تحسنوہم جب تم انکی جزیں کاٹ رہے تھے یا انہیں قتل کر رہے تھے، غز اس کا واحد غازی ہے یعنی مجاہد امنۃ نعلسا ابوظہر فرماتے ہیں جب ہم میدان جنگ میں تھے تو ہمیں اونگھ نے گھیر لیا و مساکن للنبی ان یغل یہ آیت ایک چادر کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن گم ہو گئی منافقین نے کہنا شروع کیا شاید حضور نے نبی ہو استجابوا انہوں نے جواب دیا فقد فاز کامیاب ہوا اور نجات پائی لا تحسبن الذین یفرحون یہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی حضور نے ان سے کوئی چیز دریافت فرمائی، لیکن انہوں نے اسے چھپا لیا۔

سورہ نساء

حوبسا کبیراً بڑا گناہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک شخص کے پاس ایک یتیم لڑکی ہوتی تو وہ اس سے نکاح کر لیتا اور اس لڑکی کے پاس کافی مال ہوتا تو یہ شخص اس لڑکی کو اس کے مال کے باعث طلاق بھی نہ دیتا اور نہ اس سے کوئی تعلق رکھتا، اس پر اللہ نے یہ آیت وان حفتکم الاتقسطوا فی البیٹامی نازل فرمائی اونی الاتعولوا یہ لائق ہے اس کے کہ تم انکی جانب مائل نہ ہو نحلۃ مہروا بطلوا امتحان کرو انستم تم پہچان لو رشداً صلاحیت قیاماً تمہاری معیشت کو قائم کرنے والا ومن کان فقیراً فلیا کل بالمعروف حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اپنی خبر گیری کے بدلے معروف طریقے پر کلالۃ جو شخص نہ باپ چھوڑے اور نہ لڑکا، جاہلیت میں جب کوئی شخص مر جاتا تو مرنے والے کی بیوی کے ولی وارث ہوتے تو اس پر یہ آیت لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرہا نازل ہوئی، جنگ او طاس میں کچھ عورتیں ہمارے ساتھ آئیں جن کے خاوند مشرکین میں زندہ موجود تھے، صحابہ نے ان سے صحبت کو برا سمجھا تو یہ آیت والمحصنات من النساء الاملاکت ایمانکم نازل ہوئی محسنات سے مراد خاوند والی عورت ہے طولا کشادگی اور فراخی، محسنات غیر مسافحات پاکدامن ہو جو علانیہ یا خفیہ زنا کا ارتکاب نہ کرتی ہو، ولا متخذات اخدان دوست فاذا احصن جب وہ نکاح کر لیں العنت زنا موالی عصبہ یا در ثمر اد میں والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم مدد کرنا، فائدہ پہنچانا اور وصیت کرنا اور میراث منسوخ کر دی گئی ہے، اور اس کے لئے وصیت کی جائے گی، ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم نہ جہاد کرتی ہیں اور نہ قتال اور نہ شہید ہوتی ہیں اور ہمارے لئے آدھی میراث ہے اللہ نے یہ آیت ولا تاتمنوا ما فضل اللہ نازل فرمائی قوامون امیر قانتات فرما ہر دار والجار ذی القربی وہ پڑوس جس سے قرابت ہو والجار الجنب جس پڑوس سے کوئی قرابت نہ ہو والصاحب بالجانب رفیق مثقال ذرۃ ایک ذرہ کے برابر نطمس وجوہاً ہم انہیں برابر کر دیئے بولا جاتا ہے طمس الکتاب یعنی اسے مٹا دیا صعیدا زمین کی سح، یتیم کی آیت حضرت عائشہؓ کے بار کھوئے جانے اور اس کے باعث لوگوں

کے ایسے مقام پر ٹھہرنے کے سبب نازل ہوئی جہاں پائی نہ تھا ابن عباسؓ سے اس آیت واللہ
 ربنا ما کننا مشرکین اور اس آیت ولا یکتُمون اللہ حدیثاً کی تفسیر پوچھی گئی، انہوں نے
 فرمایا جب قیامت کے روز لوگ یہ دیکھیں گے کہ بجز اہل اسلام کوئی جنت میں داخل نہیں ہوتا تو
 کہیں گے آؤ ہم بھی (شرک) کا انکار کر دیں تو اللہ انکے منہوں پر مہر لگا دیگا، تو انکے ہاتھ اور ہر کلام
 کریں گے پس اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے، روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے کھانے
 اور شراب پر ایک جماعت انصار کی دعوت کی اور یہ شراب کی حرمت سے قبل کا واقعہ ہے، انہو
 ں نے کھانا کھایا اور شراب پی اور سب نشہ میں مدہوش ہو گئے اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت آ گیا
 ، ان سے ایک آدمی نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھا اس نے قل یا ایہا الکفرون اعبد
 ما تعبدون وانتم غیدون ما اعبد پڑھا اس پر یہ آیت لا تقربوا الصلوۃ انتم
 سکاری نازل ہوئی فتیلاً مجبور کی گھٹلی کے درمیان کے خلا میں جو جھلی ہوتی ہے اسے کہتے ہیں
 واسمع غیر مسمع وہ کہا کرتے کہ سن اور تو نہ سنے، لیا بالسننہم جھوٹی تحریف کرتے ہوئے
 الجبت شرک اور شیطان نفیر اود نقطہ جو گھٹلی کی پشت میں ہوتا ہے اور اسی سے درخت اگتا ہے
 اولی الامر اہل فقہ و اہل دین یہ آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر عبد
 اللہ بن حذافہ سہمی کے بارے میں نازل ہوئی اور معنی یہ ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت مقدم ہے
 اذا عواہ اسے پھیلا دیا حسباً کافی، ثبات چھوٹے چھوٹے متفرق لشکر مقبلاً حفاظت کرنے
 والا یا صاحب قدرت و اقتدار جنگ احد سے کچھ لوگ بغیر جنگ میں شرکت کئے واپس آ گئے جسکی
 بنا پر لوگوں کی دو جماعتیں ہو گئیں ایک جماعت ان کے قتل کا مشورہ دیتی اور دوسری جماعت اس
 سے منع کرتی تو یہ آیت نازل ہوئی فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ اراکھم انہیں
 واقع کیا یا انہیں سرایا، یا انہیں لوٹایا حصرت جنگ ہوا ایک شخص اپنی بکریوں میں مقیم تھا، اتفاق سے
 وہاں کچھ مسلمان پہنچے، اس نے انہیں سلام کیا، لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا اور بکریاں لوٹ لیں تو
 یہ آیت ولا تقولوا لمن القی الیک السلام لست مؤمناً نازل ہوئی اولی الضرر
 عذر والے جب یہ آیت لا یتسوی القاعدون من المؤمنین نازل ہوئی تو حضور نے زید کو
 بلوایا انہوں نے یہ آیت لکھی اتنے میں ابن ام مکتومؓ آئے جو اپنی مجبوری کی شکایت کرتے تھے اللہ

تعالیٰ نے غیر اولیٰ الضرر نازل فرمائی، روایت کیا گیا ہے کہ کچھ مسلمان مشرکین کے ساتھ رہتے تھے کہ کافروں کی کثرت کا باعث تھے، پھر ان مسلمانوں میں سے کسی کو تیرا کر لگ جاتا، یا تموار لگ جاتی، اور وہ قتل ہو جاتا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ان الذین سوفهم الملائكة ظالمی انفسهم، مراغماً مقام ہجرت اور راستہ کہ جس پر چلنے سے اپنی قوم کو ناراض کر دے وسعة رزق میں ان تقصروا من الصلوة حضرت عمرؓ سے قصر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، یہ تم پر اللہ کا ایک صدقہ ہے، اسے قبول کرو موقوفاً فرض کی ہوئی کہ ان کے لئے وقت معین کیا، روایت کیا گیا ہے، کہ حضور ﷺ جنابان اور عسکان کے درمیان ٹھہرے بشرکین نے باہم کہا یہ نماز انہیں اپنے باپ اور بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے، جب یہ نماز پڑھتے ہوں، تو ان پر کل ایک بار صلہ کر دو، تو اس وقت صلوة الخوف نازل ہوئی ان خفتہم ان یفتنکم تمہیں عذاب اور تکلیف کے ساتھ مصیبت میں ڈال دیں تالمون تمہیں تکلیف اور درد پہنچتا ہے ولا تکن للخائفین خسیماً بنو بريق کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے قتادہ بن النعمان کے چچا کی زرہ چرائی تھی، پھر اس سے انکار کر گئے الا انشاء یعنی بیجان پتھر کے ہوں یا مٹی کے ہوں مرید اسرکش فلیستکن نکو انکلو کر دیا ولیغیرون خلق اللہ اللہ کا دین، جب یہ آیت من یعمل سوء یجز به نازل ہوئی، تو یہ امر مسلمانوں پر بہت شاق گزرا، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا، دوستی کرو اور ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ اور ہر وہ مصیبت جو مسلمان کو پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک کا نا بھی اس کے لئے وان امرؤ خافت من بعلاھا نشوزاً یعنی بعض کوئی شخص اپنی زوجہ سے بے پروا ہو اور اس سے مفارقت کرنا چاہتا ہو، وہ عورت اس سے یہ کہہ دیتی میں نے تجھے اپنے بارے میں آزاد و خود مختار کہا و احضرت الانفس الشح کہ پیدا کئے گئے ہیں بخل پر، کالمعلقة کہ نہ وہ بیوہ ہو اور نہ خاوند والی وان تلوا شہادت کے وقت اپنی زبانوں کو او تفرضوا یعنی شہادت سے وقولہم علی مریم بہتاناً عظیماً جب کہ ان لوگوں نے حضرت مریمؑ پر زنا کی تہمت لگائی وان من اهل الكتاب الا لیؤمنن بہ یعنی حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت قبل موت کتابی کی موت یا حضرت عیسیٰ کی وفات سے قبل۔

سورہ مائدہ

سورہ مائدہ کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ نزول کے لحاظ سے آخری سورت ہے، تو اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو حرام ہے اسے حرام سمجھو اور فوا بالعقود جو شی اللہ نے حلال کی یا حرام کی، فرض کی یا قرآن میں اس کی حد بیان کی، سب کو پورا کرو یحرم منکم تمہیں نہ بھارے۔ شانِ عداوت آمین ارادہ کرنے والے امت اور تیممت ایک ہیں البر جس کے ساتھ ختم کیا گیا والتقویٰ جس سے روکا گیا المنخفة جو گھاگھونٹنے سے مرجانے والموقوذة جو کڑی مارنے سے مرجائے والمتردية جو پہاڑ سے گر کر مرجائے والنطیحة وہ بکری جو دوسری بکری کے سینگ مارنے سے مرجائے وما اكل السبع جسے درندہ لے لے الا ما ذکیتہ مگر جسے تم ذبح کر لو اور انہیں روح موجود ہو النصب چتر جس پر ذبح کرتے تھے وان تستقسموا، استقسام اسے کہتے ہیں کہ تیر دو ٹکھایا جائے اگر اس میں ممانعت نکل آئے تو اس سے رک جائے، اور اگر کرنے کا حکم نکلے تو کرے، الا زلام تیر جس سے اپنے امور میں استقسام کرتے تھے غیر متجانفہ گناہ کی طرف مائل نہ ہونے والا الجوارح کتا، چیتا، شہر، اور ان جیسے جانور مکلبین سدھائے ہوئے وطعام الذین او تو الکتاب ان کے ذبیحہ احور هن ان کے مہر لا مستم جنہیں تم نے چھوا ہو، اور ان کے ساتھ صحبت کی ہو، اغضاء سے مراد کاح ہے تیمموا تم ارادہ کرو وعزرتمو ہم تم انہیں روکو مافرق جدا کرالو، سیلة حاجت انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ عرینہ اور عکلی کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جو مدینہ آ کر بیمار ہو گئے تھے، تو حضور کے اونٹوں میں چلے گئے، وہاں ان کا پیشاب اور دودھ پیا، جس سے وہ تندرست ہو گئے، انہوں نے حضور کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ ہنکے کے لئے گئے، ابو قلابہ کہتے ہیں دیکھو نہیں یہ سزا ان کے ارتداد اور اللہ سے جنگ اور کفر کی بنا پر دی گئی ہے، ومن یرد اللہ فتنہ، انکی گمراہی کا سماعون للکذب جھوٹ کو سنتے ہیں اکالون للسحت وہ رشوت ہے بما استحفوا الامانت رکھے گئے وقفینا علی اثارہم ہم نے انبیاء کے پیچھے دوسروں کو بھیجا یعنی انبیاء کو مبعوث کیا، ومہیمننا آمین اور قرآن تمام پہلی

کتابوں پر امین ہے شرعة ومنہا جاراۃ اور سنت اور قول یہ ہے کہ شرع سے مراد دین اور منہاج سے مراد طریق ہے فسوف یأتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابوموسیٰ یہ تیری قوم ہے اذلۃ علی المؤمنین رحمہم دل یداللہ مغلولۃ وہ اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے، اسے روک لیا ہے (معاذ اللہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میرے جذبات برہم ہوتے ہیں اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یا ایہا الذین امنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم حضرت عرض اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا فرمائی کہ الہی شراب کے بارے میں ہمارے لئے کوئی شافی بیان نازل فرما، تو یہ آیت یسألونک عن الخمر والمیسر نازل ہوئی، پھر انہوں نے وہی دعا کی، جس پر آیت اتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری نازل ہوئی، پھر آپ نے وہی دعا کی تو یہ آیت انما یرید الشیطان آخر تک نازل ہوئی، تو جب شراب کی حرمت اس آیت کے ذریعہ نازل ہوئی تو بعض بولے کہ بہت سے صحابہ اس عالم میں شہید ہوئے کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی، اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جنات فیما طعموا جب آیت حج نازل ہوئی، تو صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہتا تو یہ ہر سال واجب ہو جاتا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی لاتسألوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم یہ بھی کہا گیا، کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے، آپ نے فرمایا، تیرا باپ فلاں ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، سعید بن مسیب فرماتے ہیں بحیرہ وہ ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے روک دیا جائے، اور کوئی اس کا دودھ نہ نکالے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اونٹنی ہے کہ جب اس کے پانچواں بچہ ہوتا تو یہ دیکھتے کہ آیا یہ نہ ہے، تو اگر وہ نہ ہوتا، تو اسے ذبح کر لیتے، اور صرف مرد کھاتے نہ کہ عورتیں اور اگر وہ بچہ مادہ ہوتا تو اس کے کان چیر ڈالتے اور سسائے وہ جانور ہے جو مشرکین کھا اپنے بتوں کے نام پر چھوڑتے نہ تو اس پر سوار ہوتے نہ اس کا دودھ نکالتے، نہ اس کی اون اتار تے اور نہ اسے کوئی بچہ لادتے و صبلہ وہ بکری جو ساتویں بار بننے اگر وہ اس وقت اس کے زہید ہوا ہے تو وہ انکا حصہ سمجھا جاتا اور اگر مادہ ہوتا، تو وہ ان کے

مجبوروں کے نام کا ہوتا اور اگر دونوں ایک ساتھ ہوتے تو انہیں زندہ رکھتے اور کہتے اس کے ساتھ اس کا بھائی مل گیا ہے، اس نے اسے ہم پر حرام کر دیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اونٹنی ہے جو اول بار نہ بچے دے پھر اس کے بعد پے درپے دو مادہ دے، تو اسے بتوں کے نام کر دینے، بشرطیکہ ان دونوں مادہ بچوں کے درمیان کوئی نرم نہ ہو حام وداونٹ ہے جس کے بچے کے بچہ پیدا ہو چکا ہو، تو کہا کرتے تھے، کہ اس کی پشت محفوظ ہوگئی ہے، تو اس پر نہ بوجھ لادتے، نہ اون اتارتے، نہ کسی جگہ چرنے سے روکتے، اور نہ کسی حوض سے پانی پینے سے روکتے، چاہے وہ حوض اس کے مالک کا نہ ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ حام اس اونٹ (سانڈ) کو کہتے ہیں، کہ جس کے متعینہ بچے پورے ہو چکے ہوں، تو اسے وہ بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس پر بوجھ نہ لادتے، اور اسے حامی کہا جاتا، حضور سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا یا ایہا الدین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم آپ نے فرمایا بلکہ بھلائی کا حکم کرو، اور برائی سے روکو حتیٰ کہ جب تو یہ دیکھے، کہ نخل و حرم کو اپنا پیشوا بنالیا گیا، خواہشات کی پیروی کی جانے لگے، اور دنیا کو ترجیح دی جانے لے اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر پھولا ہوا ہو، تو اپنے نفس کو لازم پکڑ لو، اور عوام کو ترک کر دیا یا ایہا الدین امنوا شھادۃ بینکم تمیم داری اور عدی بن زید کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدیل کے ترکہ میں سے چاندی کا پیالہ چھپالیا تھا، انہوں نے حضور کے سامنے حلف اٹھالیا، پھر وہ جام مکہ میں بکتا ہوا پایا گیا، بیچنے والوں نے بتایا کہ ہم نے ان دو شخصوں سے خریدا ہے، بدیل کے درغاء میں دو اشخاص نے حضور کے سامنے حلف اٹھایا اور کہا شھادتنا احق من شھادتھما اور جام ان کے آدمی کا ہے۔

سورۃ العام

یعدلون اس کے برابر کرتے ہیں تمترون تم شک کرتے ہو مدراء کہ بعض بعض کی اتباع کرے و للبسنا ہم شہ میں ڈال دیتے ہیں ثم لم تکن فتنتم حجت و معذرت اساطیر کہانیاں، قصے اس کا واحد اسطورہ اور اسطارہ ہے وقرآذات، وقر کے معنی بوجھ کے ہیں وھم ینھون عنہ ویناؤن عنہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی،

کہ وہ مشرکین کو تو حضورؐ کی ایذا سے روکتا تھا اور خود اس سے دور رہتا تھا، ایک روز انہیں نے کہا، اے محمد! ہم یہ جانتے ہیں کہ تو صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور ہمیشہ سچ بولتا ہے، اور ہم تجھے قطعاً نہیں جھٹلاتے بلکہ ہم تو اس شی کو جھٹلاتے ہیں، جو تو لے کر آیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فانہم لا یکذبونک ولكن الظالمین بایت اللہ یحجدون نفقاً سرنگ مسلماً میڑگی الباساء باس یا بؤوس سے مشتق ہے شدت فقر کو کہا جاتا ہے الضراء بیماریاں اور درد فلما نسوا انہوں نے چھوڑ دیا مہلکوں مایوس یصدفون اس کے برابر قرار دیتے ہیں یا حق سے اعراض کرتے ہیں اوجہرۃ علانیۃ تدعون من دون اللہ تم عبادت کرتے ہو ما جرحتم جو تم نے گناہ کما سے یفرطون ضائع کرتے ہیں قل هو القادر علی ان یربع علیکم عذاباً نبی ﷺ نے فرمایا، اور وہ عذاب آنے والا ہے، اور ابھی تک اس کی تاویل نہیں آئی ہے۔ یلبسکم تمہیں محبوس کرتا ہے شیعیاً مختلف خواہشات یا مختلف فرقے لکل نساء مستقر حقیقت اور ایک قول یہ ہے کہ وقت اور جگہ ان تبسل تو ذلیل ہو یا روک لیا جائے وان نعدل انصاف کرے ابلسوا رسوا ہوئے استہوتہ اسے گمراہ کیا فلما جن اندھیری چھا گئی اعلت جب سورج آسمان کے درمیان سے ڈھل گیا، جب یہ آیت ولہ یلبسوا ایمانہم بظلم نازل ہوئی صحابہ نے عرض کیا ہم میں سے کون ہے جس نے ظلم نہیں کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی ان الشوک لظلم عظیم حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ آیت ابراہیمؑ اور ان کے صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور اس امت میں کوئی نہیں وما قدر واللہ حق قدرہ اس کی عظمت کے مطابق اس کی تعظیم نہیں کی باسطوا یدہم، بسط کے معنی مارتا ہیں عذاب الہون وہ عذاب جس کے ساتھ سخت ذلت واقع ہو، خولناکم ہم نے تمہیں دیا، فالق الاصباح دن میں سورج کی روشنی اور رات میں چاند کی روشنی حسب انما دن مہینے اور سالوں کا شمار ایک قول یہ ہے کہ شیطانوں کے مارے کا ذریعہ مسنقر، پشت میں و مستودع رحمہ میں قنوائ دانیۃ کھجور کا وہ چھوٹا درخت جس کی شاخیں زمین سے لگی ہوں، ایک قول یہ ہے کہ قنوا یک یا دو کھجور کو کہتے ہیں اور اس کی جمع قنوان ہے، جیسے صنوا اور صنوان وینعہ اور اس کے پکنے کی طرف وخرقوالہ بنین انہوں نے تراش لئے اور گھڑ لئے، کذب و کفر انکار، ذر سنٹ تو نے تعلیم حاصل کی ہے قبل

آئے سائے و لتصفیٰ تاکہ تو مکمل ہو و لیقتل قوا تا کہ وہ کمائیں زخرف القول جو شے بظاہر اچھی ہو مگر وہ باطل ہے تو اسے زخرف کہا جاتا ہے، چند آدمی نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں کہنے ہم قتل کرتے ہیں اسے تو ہم کھاتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرے اسے ہم نہیں کھاتے تو یہ آیت نازل ہوئی فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ، میتاً فاحییناہ گمراہ تھا ہم نے اسے ہر امت کی صغار، دست و رسوائی علی مکانکم تمہاری اس حالت پر جس پر تم ہو و حرث حجر حرام، حمولۃ بہرہ جانور جس پر بوجھ لا د جائے مثلاً اونٹ، گھوڑا، خچر، گدھا و غیرہ سب بکری، معرو و شتات انکوری چھپر پر چڑھائی ہوئی بیل کل ذی ظفر اونٹ اور شتر مرغ وغیرہ مسفوحاً بنایا ہوا ما حملت ظہور ہما یعنی پشت میں جو چربی ہو، الحوا یا، انتریاں، املاق، فقر دراستہم ان سے پڑھنے سے، صدف اعراض کیا لا یسفع نفساً ایما نہا لم تکر امننت میں قبل جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔

سورۃ اعراف

ولقد خلقناکم ثم صورناکم مردوں کی پشتوں میں پیدا کئے گئے اور رحم مادر میں ان کی تصویر بنائی گئی صراطک تیرا راستہ مذموماً ملامت کیا ہوا، یخصفان چٹوں کو لپٹ رہے تھے سو انہما ان دونوں کی شرمگاہوں سے کنایہ ہے قبیلہ اس کی ذریت جس سے وہ تھا، ریشاً اسے ریشاً بھی پڑھا گیا ہے بمعنی مال، زمانہ جاہلیت میں عورت نگلی طواف کیا کرتی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی قل من حرم زینۃ اللہ آخر آیت تک، حدیفہ فرماتے ہیں اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں کہ جن کی اچھائیاں انہیں دوزخ سے روک لیں گی، لیکن ان کی برائیاں انہیں جنت میں نہ جانے دیں گی، تو وہ درمیان میں اعراف میں ہوں گے، پھر ان پر اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہوگا اور فرمایا، جاؤ جنت میں چلے جاؤ، میں نے تمہاری مغفرت کی، غواش جس سے اسے ڈھانپ لیں، نکدأ تھوڑا احتیثاً جدیدی اقلت اٹھایا قوماً عمین کفار جن کے دل اندھے ہیں بسطۃ، خنخی نتحتون الجبال پہاڑوں کو پھاڑتے تھے الزجفة سخت زلزلہ جاٹمین مردے لا تبخسوا ظلم نہ کرو و تصدون اور تم پھر جاتے ہو عوجاً ٹیڑھا پن، افقع فیصلہ فرما، کان لم یغنوا۔

نہیں ٹھہرے اسی بہت غمگین عفو آزادیہ ہوئے ارجہ اس کے کام کو مؤخر کر تلف نکل جائے گا و یذکر والہتک تیری عبادت کو چھوڑ دیں الطوفان بارش القمل وہ مڈی جس کے پر نہ ہوں، جوں، یطیروا بد فانی لینے لگے الرجز تا فرمائی یعرشون بناتے تھے مقبر ہلاک ہونے والا، بونے میں پڑنے والا میقات ربہ وہ وقت جو اللہ نے مقدر کیا تھا، دکا پسا ہوا، خوار آواز سقط فی ایدیہم ہر وہ شخص جو نادم ہوا اسے بولا جاتا ہے اسفا غمگین و اختار موسیٰ قومہ، موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے دعا کی، تو اللہ نے ان کی دعا کو اس شخص کے لئے کر دیا جو نبی ﷺ پر ایمان لایا اور آپ کی اتباع کی، جیسا کہ فرمایا فساکتبہا للذین یتقون۔ فخذہا بقوة کوشش اور احتیاط سے ان ہی الافتتنک یہ نہیں مگر تیرا عذاب ہدنا ہم لوگ اصرہم ان کے عہد و پیمان کا بوجھ و عزروہ ان کی حفاظت اور عزت کرو فانجست پس پھوٹے یعدون فی السبت اس میں اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے تھے نبا الذی ایتناہ اتینا وہ بلعم بن باعور اپنے شرعاً پانی پر ظاہر بیٹیس سخت و بلونہم ہم نے ان سے امتحان لینے والے کا معاملہ کیا نتقنا ہم نے اٹھایا الاسباط بنی اسرائیل کے قبائل و اذا أخذ ربک آخر آیت تک اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا، تو اس سے ذریت کو نکالا، اور فرمایا یہ لوگ جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اہل جنت جیسا عمل کریں گے پھر دوبارہ پشت پر ہاتھ پھیرا، اور اس سے ان کی ذریت کو نکالا اور فرمایا یہ دوزخ کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور اہل نار جیسا عمل کریں گے ذرا نا، ہم نے پیدا کیا اخلد الی الارض بیٹھ گیا، اور دنیا کی جانب مائل ہوا، سنستدرجہم ہم ان کے پاس ان کی پناہ گاہ ہوں سے آئیں گے ایان مرسہا اس کا وقوع و ظہور کب ہوگا حقی عنہا اس کا جاننے والا اور خوب جاننے والا اخذ العفو زیدی کو فرج کرو و امر بالمعروف اس بھلائی کا کہ جس کا حسن ظاہر ہو یمنز غنک تجھے برواشت کرے، طائف خیال دوسوہ یمدو نہم عہدہ کرتے ہیں لولا جتیبہا تو اسے بنا کر لے یا اسے ڈالے تو وہ بڑھنے لگے، جب حضرت حوا حاملہ ہوئیں، تو ابلیس ان کے پاس آیا، اور حوا کے کوئی بچہ زندہ رہتا تھا، ابلیس بولا کہ اس کا نام عبدالحیث رکھو تو وہ زندہ نہ رہا، اور یہ وحی شیطانی اور اس کے حکم سے ہوا، اور یہی ہے اللہ کے قول کا مقصد فلما اتاہما صالحاً تضرعاً و خیفۃ زاری اور خوف کے ساتھ۔

سورۃ انفال

انفال اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، میں نے بدر کے روز ایک تلوار کا سوال کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی یسألونک عن الانفال، انفال نافلہ کی جمع ہے بمعنی عطیہ و جلست گھبرا گیا، ذات الشوکۃ کانٹے والی مرد فین پے در پے ایک فوج دوسری فوج کے بعد کل بستان، جوڑ اور ایک قول یہ ہے کہ انگلیوں کے کنارے شاقوا اللہ ورسولہ ان کی مخالفت کی زحفا جمع شدہ قریب قریب متحرفا ہٹتے ہوئے واپسی کے لئے لوٹنے والے او متحجز آٹے ہوئے جاء کم الفتح مدلما یحییکم تمہاری اصلاح کرے لیثبتوک تاکہ تجھے باندھ لیس فرقان آمد، ابو جہل کہا کرتا تھا کہ ان کان هذا هو الحق من عندک آخر آیت تک تو اس کے قول کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی و ما لکان اللہ ليعذبہم وانت فیہم مکاء و تصدیۃ، مکاء کے معنی اپنے منہ میں انگلیاں داخل کرنا، اور تصدیہ کے معنی سیٹ بجا تا فیر کمہ، اسے جمع کریگا، یوم الفرقان بدر کے روز کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس روز حق و باطل میں فرق فرمایا اذ انتہم بالعدوۃ الدنیا و ہم بالعدوۃ القصویٰ مدینہ کی جانب وادی اودئی کے کنارے پر تھے، اور دشمن مکہ کی جانب وادی اقصیٰ کے کنارے پر والربکب اونٹوں والے یعنی قافلہ تفتشلوا، پس تم بزدل ہو جاؤ و تذهب ریحکم، تمہاری حکومت اور غلبہ بطراً سرکشی جار لکم حفاظت کرنے والا نکص علی عقبیہ پشت پھیر کر لوٹا و ذوقوا ملوا و تجربہ کرو، اور یہ ذوق منہ کے مزے کے معنی میں نہیں ہے فشرد بہم من خلفہم منتشر کر دو اور انہیں ایسی سزا دو جو پیچھلوں کے لئے قابل عبرت ہو، یعنی ہر ناقض عہد کی جمعیت میں تفریق کر خیانت عہد کو توڑتے ہوئے، وان جنحوا وہ طلب کریں یا مائل ہوں حرض المؤمنین، انہیں ابھار، ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین اس آیت کے نزول سے مسلمانوں پر یہ فرض کر دیا گیا کہ ان میں سے ہر شخص دس کے مقابلہ سے نہ بھاگے، پھر یہ آیت نازل ہوئی الثن خفف اللہ تو یہ فرض کر دیا گیا، کہ سوادى دوسو کے مقابلہ سے نہ بھاگیں ما استطعتم من قوۃ نبی ﷺ نے فرمایا، خبردار قوت تیرا اندازی ہے مسلمان بدر کے دن مال

غنیمت لوٹنے لگے، حالانکہ یہ ان کے لئے ابھی حلال نہ تھی، تو یہ آیت نازل ہوئی لولا کتابا من اللہ سبق بدر کے دن مسلمان تین حصوں میں منقسم تھے، ایک حصہ جنگ میں مصروف تھا، دوسرا مال غنیمت جمع کرنے اور قیدیوں کے سنبھالنے میں مصروف تھا، اور تیسرا حضور کے خیمہ کی حفاظت کر رہا تھا، یہ تینوں فرقے باہم جھگڑنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے غنیمت چھین کر حضور کے ہاتھ میں دے دی حضور نے اسے برابر تقسیم کیا مسن ولا ینتھد ان کی میراث ہے۔

سورہ برأت

سورہ برأت پر بسم اللہ نہیں لکھی گئی، حضرت عثمان فرماتے ہیں، مدینہ میں انفال اولاً نازل ہوئی، اور برأت لٹھا نزول آخر قرآن سے ہے، اور اس کا قصہ اور انفال کا قصہ ایک دوسرے سے مشابہ ہے، میرا خیال ہوا، کہ یہ انفال کا قصہ ایک حصہ ہے، نبی ﷺ کی وفات ہو گئی اور یہ ظاہر نہیں فرمایا، کہ یہ اس کا حصہ ہے، اسی باعث میں نے ان دونوں کو ایک جگہ رکھا اور درمیان میں بسم اللہ تحریر نہیں کی، حضرت علی فرماتے ہیں، بسم اللہ امان ہے، اور یہ سورت برأت ہے، جو تکواری کے ساتھ رفع امن کے لئے نازل کی گئی ہے، اور جب اس کا اول حصہ نازل ہوا، تو نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا، جنہوں نے چار باتوں کا اعلان کیا، اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہر مشرک سے بری ہے، تو زمین میں چار مہینوں تک پھرو، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ کوئی بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرے اور جنت میں بجز مومن کے کوئی داخل نہ ہو گا برأۃ اعلان و نداء فسیحوا چلو پھر کل مرصداً لا یزقبوا نہ حفاظت کریں الا ولا ذمۃ الا لقرابت، رشتہ داری الذمۃ عہد و لیجۃ دوست اور رازدار سقایۃ الحاج موسم حج میں پانی پانا عیلة فقر یضامون مشابہت کرتے ہیں ذلك الدين القيم کہا جا تا ہے القضاء القيم یعنی ٹھیک اور صحیح فیصلہ، انی یؤفکون وہ کیونکہ جھوٹ بولتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ وضوح دلیل کے بعد حق سے کیسے پھرتے ہیں ان یطفئوا یہ کہ بجا دیں کافہ سب، لیوا طئوا موافقت و مشابہت کریں، انغروا نکلوا انا قلتم تم نے ٹھہرنے کو بہتر سمجھا عرض غنیمت الشقة چلنا، اور

راہ طے کرنا اور سفر کرنا، فٹبٹھم انہیں روکا، اور ذلیل کیا خیالاً فساد و لا وضعوا چغل خوری میں جلدی کرتے ہیں و قَلْبُوا لَكَ الامور آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ کروفریہ کرنے کی کوشش کر چکے ہیں و لا تعتنی مجھے رسوائہ کر اور نہ مجھے دھمکا، احدی الحسنیینؑ یا شہادت ملجا پہاڑ میں پناہ لینے کی جگہ معارات غار، کھڈ، مخفی زمین میں چھپنے کی جگہ مدخل آٹھنے کی جگہ اور ٹھکانا بجمحوں جلدی کرتے ہیں یلمزک تجھے عیب لگاتے اور تجھ پر طعن کرتے ہیں و العاملین علیہا زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور، المؤلفۃ قلوبہم عطیہ کے ساتھ ان کی تالیف کریں ہواذنُ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں نسوا اللہ فغنسیہم انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک کی، تو اس کے ثواب اور اس کی عزت کو ترک کیا، بخلاقہم اپنی دنیا کا حصہ و المؤمنات قوم لوط کے گاؤں اثنتفکت کہ ان کے ساتھ زمین پیٹ دی گئی عدن خلد، بولتے ہیں عدت بارض میں اس زمین میں ٹھہراؤ اغلظان سے نرمی کو ترک کرو، جب عبد اللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ اس پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ولا تصل علی احد منہم نازل کی و ما نقموا اور نہیں برا سمجھا یلمزون عیب لگاتے، غیبت کرتے اور طعن کرتے ہیں الا جہدہم وہ قلیل شے جس کے ساتھ زندگی نہ ہو سکتی اذ اصحوا اللہ ورسولہ اپنے اعمال کو کہنے سے پاک کیا المعذروں عذر والے و صلوات الرسول آپ کا دعائے مغفرت کرتا مردوا علی النفاق اس میں ٹھس گئے، اور اس کے غیر کا انکار کیا تطہرہم و تزکیہم بھائیہ دونوں مترادف لفظ ہیں، اور ان کی طرح بہت سے الفاظ مترادف ہیں، اور زکوٰۃ کے معنی پاکی اور خالص کرنا ہے ان صلاتک سکن لہم ان کے لئے رحمت ہے، مرجون لامر اللہ پیچھے کئے ہوئے تاکہ اللہ جو ان میں فیصلہ کرنا چاہے فیصلہ کر دے، ضرراً ضرر پہنچاتے ہیں، اس کے ساتھ وارصاداً انتظار شفا جگر کرنے والے کنارے پر شفا اور خفیر ایک معنی میں آتے ہیں جرف وہ حصہ ہے جو سیلابوں سے کٹ جائے ہار گرنے والا ہوتا جاتا ہے تہورت جب ثوت کر گرجائے و انہارت کے بھی یہی معنی ہیں زیبۃ شک الا ان تقطع قلوبہم یعنی موت، نبی ﷺ سے سننا احین کے معنی پوچھ گئے، فرمایا روزے دار، حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں نے ایک آدمی کو سنا، کہ وہ اپنے ماں باپ کے لئے

دعائے مغفرت کر رہا تھا، حالانکہ وہ دونوں مشرک تھے تو میں نے اس سے کہا کہ تو مشرک والدین کے لئے دعاء مانگتا ہے اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعاء نہ کی تھی، حالانکہ وہ بھی مشرک تھا میں نے یہ بات حضور سے ذکر کی، تو یہ آیت نازل ہوئی و ملاکان استغفار ابراہیم لابیہ الا عن موعده و عدھا ایامہ، جاہل نے کہا جب ابوطالب نے وفات پائی، تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے اس وقت تک دعائے مغفرت کروں گا جب تک اللہ مجھے منع نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ملاکان للنبی لا واه، مومن اور اللہ کی طرف متوجہ ہو نیوالے، ایک قول یہ ہے کہ بہت دعائیں کرنے والے، اور بہت رونے والے اور حبشی زبان میں رحم دل اور شفیق و علی الثلاثة الذین خلفوا، کعب بن مالک اور ان کے دوست تھے مخمضہ، مہموک نصب تھک جاتا و لایطئون موطناً اور کسی جگہ نہیں ٹھہرتے نیلا قید و قتل طائفۃ جماعت غلطۃ شدت، یفتنون مبتلا کئے جاتے ہیں عزیز شدہ یہ ما عنتم جو تم پر شاق ہو۔

سورہ یونس

لہم قدم صدق ذکر خیر کی سعادت کی بھلائی، یا نبی ﷺ، یا اعمال صالحہ یا بھلائی دعوا ہم انکی نداء اور پکار ولا ادرکم میں تمہیں نہیں سکھا سکتا و اذا اذقنا الناس رحمة بارش اذا لہم مکر ان کے جھٹلانے کا قول، یعنی جب ان پر فراخی عیش ہوتی ہے، تو ان کے لئے لگتے ہیں، حتیٰ اذا کنتم فی الفلک و جریں بہم معنی میں تمہارے ساتھ احیط بہم ہلاکت سے قریب ہوئے فاختلط بہ نبات الارض پس پانی سے ہر رنگ کی چیز اگی، زخرفھا اس کی زینت و حسن حصیداً جس میں کوئی شے نہ ہو و کان لم تغن بالامس کل کچھ نہ تھا و لا یرہق نہیں ڈھانپتی ہے قنتر رنجیدگی کی سیاحت ترہقہم ذلۃ انہیں ذلت و رسوائی پہنچی ہے عاصم روکنے والا غشیت پہنایا گیا فزیلنا ہم نے جدا کیا تبیلو آزمائش کجائیگی، تفیضون فیہ تم اسے کرتے ہو، و ما یعزب عائب ہوتا ہے لہم البشری نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ سچا خواب ہے جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا کسی کو اس کے حق میں، مایا جاتا ہے الا

بخرصون کہتے ہیں وہ چیز جو نہیں ہوتی مبصر آروشن کرنے والا، تاکہ تم اپنی حاجتوں میں ہدایت حاصل کرو اجمعوا الامرکم ایک کام کا پختہ ارادہ کرلو غمہ مخفی جو ظاہر نہ ہو ثم اقصوا الیٰ ولا تنظرون میری جانب اٹھو اور تاخیر نہ کرو، یعنی میرے لئے اپنے مکر کر گزرو لتلفتنا ہم کو لوٹاؤ، الکبریاء ملک وعزت اطمس علیٰ اموالہم ا سے منادے اور اس کی صورت سے اسے بدل دے واشدد علیٰ قلوبہم اس پر مہر کر دے یہاں تک کہ نرم نہ ہوں وعدوا اظلم نسجیک ہم تجھے بلند زمین پر ڈال دیں گے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ جبریل علیہ السلام فرعون کے منہ میں مٹی جھونس رہے تھے، اس خوف سے کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دے ہتھ لگڑ چکا، واجب ہو گیا الرجس عذاب۔

سورہ ہود

فُجِّلَتْ بَيَانُ كَيْفَا يَثْنُونَ پھیرے دیتے ہیں یحییٰ میں شک کرنے سے کنایہ ہے یستخفوا منہ اُمر طاق رکھیں، تو اللہ سے چھپائیں یستغشون ثيابہم، اسے چھپاتے اور ڈھانپتے ہیں یعلم مستقرها اسے رزق دیتے ہیں، جہاں بھی وہ ہو، و مستودعها جہاں وہ مرے گا، ہا جبسہ جو ہمارے عذاب کو روک دے حاق نازل ہوا اور احاطہ کیا لا جرم کیوں نہیں واخبتوا وہ خائف ہوئے یا اٰمینان میں ہوئے یا تو پکی، اراذلنا ہم میں سے ذلیل اور ناکارہ لوگ، ہادی الراۃ یعنی اول رائے جو ہمارے لئے ظاہر ہوئی، اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہر رائے میں آپ کی اتباع کرتے ہیں، اور ان کا باطن اس کے خلاف ہوتا ہے عمیت تمہارے عناد کی بنا پر حق کو مخفی کر دیا گیا انسلز مکموھا ہم اس کی معرفت کی جانب تم کو کیا مجبور کریں گے، تو دردی حقہ سمجھیں، ان یغویکم یہ کہ تمہیں گمراہ کرے اجرامی اجرم کا مصدر ہے یعنی میرے جرم کی بنا پر ایس الفلک شقی فلا تبتئس غم نہ کر لاتخاطبنی مجھ سے رجوع نہ کرو وفارا التبور اثنا عجریا ان کے چلنے کی جگہ اور یہ اجریہ کا مصدر ہے و مرسہا اس کے ٹھہرنے کی جگہ، ارسبت کا مصدر ہے معزل گوشہ اسلعی تو پی، اقلعی تو روک لے اعتراک عروتہ سے شتق ہے یعنی تجھے پہنچا اُخذ بناصبتہا یعنی اس کے ملک و سلطنت میں عنید

اور عائد اور غنود کا ایک ہی معنی ہے سخت زبردستی اور سرکشی کرنے والا، استعمر کم تم کو آباد کیا اور بسایا غیر تخصیر، تخصیر بمعنی گمراہ کرنا کان لم یغنوا فیہا انہوں نے زندگی نہیں گزاری، گویا کہ وہ تھے ہی نہیں بعجل حنیظ پکا ہوا جسے پتھروں پر رکھ کر بھونکا جائے انکرہم اور استنکرہم ایک ہی معنی میں ہیں واو جس چھپایا الروح گھبراہٹ منیب اللہ کی اطاعت کی جانب بڑھنے والا و سنی بہم اپنی قوم کے ساتھ براگمان کیا و ضاق بہم اپنے مہمانوں کی وجہ سے ذر عاسینہ یوم عصبی نخت، بھر عون الیہ جلدی کرتے ہیں، اور اس کی جانب غضب کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں بقطع من اللیل سیاہی و لا یلتف پیچھے نہ ہٹ یا پیچھے کی جانب نہ دیکھ من سجیل پکی ہوئی مٹی منضود ایک کے پیچھے دوسرا یعنی لگا تار سسومۃ نشان زدہ و لا تعشوا، اور کوشش نہ کرو، و لا یجر منکم تمہیں برا بیچتے نہ کرے و رھطک تیرا قبیلہ و راء کم ظہریاً یعنی اس کی جانب متوجہ نہ ہوئے، اور اسے اپنی پشت کے پیچھے دیا الورد المورود داخل ہونے کی جگہ الورد المعروف لخت کے بعد لخت یا اچھی طرح مدد کرنا بولتے ہیں ردفہ میں نے اس کی اعانت کی، تنقیب بلاء، ہلاکت و حسرت زفیر سخت آواز شہیق کمزور آواز غیر سجد و بی غیر منقطع و لا ترکنوا ما بہت نہ کرو، یا مانل نہ ہو، وارد ہوا ہے، کہ ایک شخص نے ایک عورت کو ناجائز طور پر پیار کر لیا، وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور واقعہ عرض کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی اقم الصلوۃ طرفی النهار و زلفاً من اللیل یعنی ایک ساعت کے بعد دوسری ساعت میں اتر فوا تم ہلاک کئے گئے اولو ابقیۃ دین فضل و تمیز۔

سورہ یوسف

غیابۃ الحب کنویں میں اندھیری جگہ، ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کی نگاہوں سے کسی شے کو غائب کر دے، غیاب ہے الحب کنوان جس پر من نہ ہو السیارة راستہ چلنے والا سولت مزین کیا رشدہ نقصان میں پڑنے سے قبل و راودتہ اس سے مباشرت کو طلب کیا ہیئت لك ادھر آقریب آ، لولا ان رای برہان رہے ان کے لئے حضرت یعقوب کی

صورت سامنے کر دی گئی، انہوں نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا، تو انکی شہوت ان کے پوروں سے نکل پڑی قدرت قمیصہ، اسے پھاڑ دیا، شغفہا اس پر غالب آ گیا متکاً مجلس، اس طعام کو بھی کہا جاتا ہے جو چھری سے کاٹا جائے، ایک قول یہ ہے کہ سنگترہ اکبر نہ، اسے برا سمجھا، فاستعصم رک گیا اور باز رہا اصب، مانک ہو جاؤں گا، قصی الامر الذی فیہ تستغنیان جو کچھ ان دونوں نے دیکھا تھا اسے بیان کیا اور حضرت یوسف نے تعبیر بیان کی، تو ان میں سے ایک بولا ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا، حضرت یوسف نے فرمایا، فیصلہ تو ہو چکا اضغات احلام جس کی کوئی تعبیر نہ ہو، بعد امۃ کچھ مدت بعد تحصنوں خزانہ کرو گے اور جمع کرو گے یعصرون انگور اور تیل حصص ظاہر و واضح ہو گیا و نمیر اهلنا ہم ان کی جانب کھانا پہنچائیں گے الا ان يحاط بکم یہ کہ تم سب کے سب مر جاؤ الا حاجۃ فی نفس یعقوب قصاھا یعنی یہ داخل ہونا، حاجت کا پورا ہونا ہے، اور وہ حاجت حضرت یعقوب کا یہ ارادہ تھی، کہ یہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں اور یہ اولاد پر شفقت کی بنا پر تھا، اوی الیہ اخاہ اپنی جانب اسے ملالیا، العیر قافلہ، ساتھی صواع الصلک پانی پینے کا پیالہ اور وہ فارسی پیالہ تھا، جس کے دونوں کنارے مے ہوتے، اور عجی اس سے پانی پیتے خلصوا نجیاً سرگوشی کے لئے علیحدہ ہوئے تفتؤ ہمیشہ رہے، حرصاً درد کی شدت سے نزار و ہلاک۔ جسے غم نے چھلادیا ہو، لا تفریب، عار دلانا فصلت نکلی، تغندوں تم مجھے یہ توقف اور جاں خیال کرتے رہے مزاجۃ تھوڑی، غاشیۃ من عذاب اللہ عام مزاجوائیں ڈھانپ لے ہذہ سبیلی میری سنت میرا طریقہ، میری دعوت حتیٰ اذا استیأس الرسل وظنوا انہم قد کذبوا حضرت عائشہ فرماتی ہیں یہاں کذبوا تشدید کے ساتھ ہے تخفیف کے ساتھ نہیں، رسول اپنے رب کے ساتھ اس قسم کا گمان نہ کرتے تھے، بلکہ رسولوں کے متبعین پر جب مصائب زیادہ ہوئے، تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ انبیاء نے ان سے جھوٹ بولا ہے، ابن عباس فرماتے ہیں یہ تخفیف کے ساتھ ہے اور یہ ایسے ہے جیسے حتیٰ یقول الرسول والذین اموا معہ

سورہ رعد

نبی ﷺ نے فرمایا: عدا ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر متعین ہے، اس کے ساتھ آگ کے کوزے ہیں، اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، وہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے و جعل عہار و اسی پہاڑوں کی میخیں گاڑ دی ہیں قسطع متحاورات لے ہوئے کہ بعض بعض کے قریب ہوں صنواً مجتمع و نفصل بعضها علی بعض فی الاکل، نبی ﷺ نے فرمایا، ردی، عمدہ، مٹھیں اور کڑوی المثلات سزائیں یا مثالیں اور مشابہ چیزیں ایک قول یہ ہے کہ گزرت ہوئے ٹوٹ جس پر اللہ کا عذاب آیا ہاں نبی اور اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دینے والا و ما تعیص الارحام مدت حمل کو کم کرتا ہے عالم الغیب والشہادۃ چھپی ہوئی اور ظاہر و سارِب بالظہار سارِب کے معنی ظاہر جو اپنی راہ پر چل رہا ہو معقبات فرشتے یحفظونہ من امر اللہ تعالیٰ کے حکم سے من والد جو ان کے امر کا والی ہو وینشئ پیدا کرتا ہے شدید الحال، قوت ایک قول یہ ہے، کہ بڑے مکرو و دشمنی والا یا سخت عذاب دینے والا بقدر ہا اس کی طاقت کے مطابق اور اس مقدار کے مطابق جو اسے بھردے زبرد اچھاگ جو پانی پر آجائے راہباً بلند، ربی یربو سے بنا ہے فاما الزمذ فیزہب جہاء اور وہ وہی ہے، جسے سیلاب پھینک دے، بولا جاتا ہے احفأت القندر، جب بانڈی جوش مارتی ہے تو اس کے اوپر جھاگ آ جاتے ہیں، پھر اہال ختم ہو جاتا ہے وہ جھاگ بھی بغیر کسی منفعت کے مر جاتے ہیں، اسی طرح حق باطل سے جدا ہو جاتا ہے المہاد بستر ویدرون دفع کرتے ہیں الامتاع تھوڑی، جانے والی شے، کہ انسان اس سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے، لیکن پھر فنا ہو جاتی ہے طوبی خوشی، آنکھوں کی ٹھنڈک، افلم یبأس جانتا ہے منتاب میری توبہ قارعة دہشت زدہ کرنیوالی فاملیت انیس مہلت دی، الماے مشتق ہے من و اق روکنے والا، بچانے والا یمحو اللہ مایشاء ویثبت دعاء کے ذریعہ تقدیر میں سے جو چاہتا ہے، مٹا دیتا ہے، اور جسے چاہے برقرار رکھتا ہے ننقصھا علماء اور فقہاء کی موت کے ساتھ یا مسلمانوں کی فتح کے ساتھ لا معقب بدلنے والا نہیں۔

سورہ ابراہیم

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے اور وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا **يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا** واذن ان ربيكم تمہیں بتایا لمس حاف مقامی جب کہ اللہ اسے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اور اس کے سامنے سے فردوا ایدیہم فی افواہہم جس شے کا انہیں حکم دیا گیا، اس سے رک جانے کی یہ مثال ہے یا اس پر ہاتھ کاٹنے لگے صدید پیپا، رخن ولا یکاد یسیغہ اسے حلق میں نہ اتار سکے گا، مگر دیر کے بعد فی یوم عاصف سخت ہوا چلنا، لکم تبعاً اس کے واحد تابع ہے مفسون دفع کرنے والے مصرحہ کہ تمہیں امداد دینے والا، یہ سراخ سے مشتق ہے، جس کے معنی پناہ چاہنے کے ہیں اجتثت اھل دنیا گیا البوار ہلاک، حضرت علیؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی الذین بدلوا نعمة اللہ کفرأ و اھلوا قومہم دارا البوار فرمایا یہ قریش کے منافقین تھے ولا خلال دوئی اور قرابت خالۃ خلا لا کا مصدر ہے دائبین اللہ کی اطاعت پر قائم رہنے والے مہطعین دیکھنے والے یا ایمان و خشوع کے ساتھ متوجہ ہونے والے، اور بلانے والے کی طرف دوڑنے والے مفسعی رؤسہم اپنے سروں کو آسمان کی طرف اٹھانے والے ہوا خالی مقرنین اپنے شیطانوں سے لڑے ہوئے فی الاصفاد بندش، اصفاد لوہے کی زنجیریں اور بیڑیاں سراپنہم ان کے کرتے من قطر ان پگھلے ہوئے تانبے کے۔

سورہ حجر

یلہم الامل انہیں غافل کر دیتی ہے کتاب معلوم موت جس کی طرف یہ پہنچیں گے سکوت ابصار نا یعنی بند کر دی گئیں اور دھانپ دی گئیں بروجاً سورج اور چاند کی منزلیں، معائش پھل اور دانے، اواقح حاملہ، کیونکہ وہ پانی بادل اور مٹی کو اٹھائے پھرتی ہیں من صلصال وہ مٹی جو ریت میں ملی ہوئی ہو، اور وہ سوکھ کر ٹھیکرے کی طرح بجھنے لگے، اور سڑی ہوئی مٹی کو بھی کہا جاتا ہے من حمأ، سیاہ مٹی سڑی ہوئی مٹی حملہ کی جمع ہے مسنون بختی

ہوئی، یا جس کی بوبدلی ہوئی ہو ہذا صراط علیٰ مستقیم اللہ کی جانب رجوع کرنے والا، یعنی یہ راہ ہے جو اسے میری جانب پہنچاد گی، نصب تھکنا وجلون گھبراتے ہوئے لا توجل نہ ڈر قوم منکرون انہیں لوٹنے نہ پہنچانا، واتبع ادبارہم اپنی بنیوں اور گھروالوں کے پیچھے پیچھے چل تا کہ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے لعمرک تیرے عیش اور زندگی کی قسم سکر تہم ان کی گمراہی یعمہون بڑھتے جارہے تھے الضیحة تباہی مشرقین سورج کے چڑھتے وقت داخل ہونے والے للمتوسمین دیکھنے والوں کے لئے، فرست والے، نظر میں بڑے پختہ، حتی کہ نام ہی سے کسی شے کی حقیقت کو پہچان لیں وانہا یعنی قوم لوط کا شہر لبسبیل مقیم تیری قوم کے راستے پر شام کی جانب اور وہ وہ راستہ ہے، جو نہ مٹا ہے نہ مخفی ہوتا ہے لبامام مبین جس کی میں نے اقتدا کی ہے، اور جس کے ساتھ میں نے ہدایت حاصل کی یعنی واضح راستہ الصفع الحلیل بغیر برائی کے کنارہ کشی اتیناک سمعاً من المثنائی والقرآن العظیم یعنی سورہ فاتحہ اور وہ سات آیات ہیں، اور ہر نماز میں تکرر پڑھی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ اپنے رسول پر احسان کیا ہے، جیسا کہ تمام قرآن کے ساتھ احسان کیا ہے، حضور نے فرمایا ام القرآن وہ سبع مثنائی ہے المقتسمین، جن لوگوں نے حلف اٹھایا، اور اسی سے لا اقسام ہے جعلوا القرآن عضین وہ اہل کتاب ہیں، کہ انہوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا، پس بعض پر ایمان آئے اور بعض کا انکار کیا، ظاہر کر بماتو مرا پٹی وحی کا بالجہر اعلان کر دے۔

سورہ نحل

امر اللہ اس کا عذاب بالروح، وحی کیساتھ دفن کپڑے یا وہ کپڑے اور عمارت جس سے گرمی حاصل کیا جائے حمال زینت تریحون بوقت شام ان کے ٹھہرنے کی جگہ انکولونات ہیں صحن ترحون صبح کو چراگاہ کی جانب انکونالہ دیتے ہیں الا بشق الانفس یعنی مشقت، قصد السبیل بیان اسلام اور سیدی راہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچائے منها جاذر وگردانی کرنے والا، اور مختلف خواہشات کی جانب مائل ہونے والا تسیمون اپنے موسیٰ چراتے ہو لحماً طریاً مچھلی موخر پانی کو پھانسنے والی، ان تمید بکم تمہیں حرکت دے وعلامات یعنی

پہاڑ، اور وہ دن میں راہ کی علامت ہوتے ہیں اور یاخذہم فی تقلبہم ان کا سفر اور تجارت کے لئے آتا جاتا، فساہم بمعجزین اللہ رب العزت پر غالب آنے والے نہیں ہیں، علی خوف ان کے اموال کے غم ہونے کا تفسیق مائل ہوتے ہیں ولہ الدین طاعت و اصبا ہمیشہ تجاروں کو مد طلب کرنے کے لئے تم اپنی آوازیں بلند کرتے ہو، و هو کظیم معنوم بدنسہ اسے چھپادے مفرطون بھلائے ہوئے، چھوڑے ہوئے سائنفا ان کے حلقوں سے گزرنے والا، سکر اثراب، سکر ہر وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بچلوں سے حرام کی ہے و رزقاً حسناً جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا، اور وہ سرکہ اور کش مش اور کھجور ہے و اوحی ربک الی النحل اسے الہام کیا، اور اس کے دل میں ذاللاً ذلالاً تا بعدار مسخر و حفدة نپوتا، بھیہاں مدگار و هو کل، ثقیل، مصیبت تستخفونہا یوم ظعنکم تمہارے سفروں میں تم پر اس کا اٹھانا ہکا ہو جاتا ہے انشاء چادر، کپڑے اور بستر، اکنا نا، غار اور چھپنے کی جگہ، سرا بیل کرتے تفتیکم الحر تمہیں گرمی سے بچاتا ہے، اور جو کرتے تمہیں لڑائی سے بچاتے ہیں، اور وہ ہیں جو تمہیں نیزہ، تلوار اور تیر سے بچاتے اور حفاظت کرتے ہیں و لاہم يستعتبون ان سے اس کی جانب رجوع کرنے کو طلب کیا جائیگا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو الفحشاء زنا یعظکم تمہیں نصیحت کرتا ہے، نقضت غزلہا اسے خراب کر دیا، ایک بیوقوف عورت سوت کا تتی، جب اس کا سوت تیار ہو جاتا تو اسے توڑ دیتی من بعد قوہ گھمانے اور بٹنے سے سوت کا تنے کی انکشا کٹڑے کٹڑے دخلاً بیسکم دھوکہ ہر وہ شے جو صحیح نہ ہو، اسے دخل کہا جاتا ہے اربسی من امۃ دوسری قوم سے برتر، زیادہ فتنل قدم بعد ثبوتھا خدا کو پہچاننے کے بعد ایمان سے پھیر گیا، ینغفنا ہوتا ہے منقطع ہوتا ہے باقی ہمیشہ جو منقطع نہ ہو، فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ، جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے، پس اللہ سے سوال کر کہ وہ تجھے پناہ دے اور یہ مقدم و مؤخر ہے، اور یہ اس باعث کہ استعاذہ قرأت سے قبل ہے، اور اس کے معنی اللہ سے پناہ چاہنا ہے روح القدس جبریل لسان الذی یلحدون الیہ جس کی طرف کلام کو منسوب کرتے ہیں، اور یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ کو تعلیم دے رہا ہے۔ اجمعی جو عمدہ طور پر عربی نہ بول سکے کفار کہا کرتے تھے، کہ محمد گو عبد بن الحضری تعلیم دیتا ہے جو کتاب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لسان

الذی یلحدون الخ من بعد ما فتنوا عذاب دیئے گئے امتہ قانتاً خیر کی تعلیم دینے والا، تا بعدار و اتیناہ فی الدنیا حسنۃ یعنی ذکر، اور لوگوں میں اچھی تعریف۔

سورۃ بنی اسرائیل

سبحان الذی اس کے لئے ہر برائی سے برأت ہے اسری بعدہ نبی ﷺ کو لے گیا یہ معراج کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے انہ کان عبداً شکوراً سلمان سے روایت ہے کہ نوح علیہ السلام جب کھانا کھاتے اور کپڑے پہنتے، تو خدا کا شکر کرتے، اسی بنا پر ان کا نام عبد شکور رکھا گیا ہے وقضینا الی بنی اسرآئیل ان کی جانب ہم نے وحی کی اور انہیں تعلیم دی ولتعلن تم سرکشی کرو گے وعد اولہما یعنی پہلا نفاذ عباداً لنا جالوت اور اس کی قوم فحاسبوا خلال الدیار پس چلے اور اپنے گھروں کے درمیان گھومنے لگے ثم ردنا لکم الکرة علیہم ہم نے تمہارے لئے ان پر حکومت جالوت کے قتل کے ساتھ لوٹا دیا اکثر نفیراً بلحاظ عدد تم سے زیادہ ولیتبروا تا کہ جزیں کاٹ دیں اور تباہ کر دے، اس کی جس پر غالب آئے حصیراً قید خانہ اور جیل عجولاً جو برائی کی اتنی جلدی دعا کرتے جتنی بھلائی کی مبصرۃ روشنی کہ اس میں دیکھ سکیں فصلناہ ہم نے اسے بیان کیا امرنا مقرر کیا، ہم نے رسول کی زبانی اطاعت کا حکم کیا، حد سے سرکشی کرنے والے اور تسلط کرنے والے متر فین اس سے مراد ہیں، ایک قول یہ ہے، کہ ہم نے شریروں کو مسقط کیا فحق پس واجب ہوا، القول عذاب دمرنا ہا ہم نے اسے ہلاک کر دیا، العاجلة دنیا و سعی لہا سعیہا اللہ کے احکام پر عمل کیا من عطاء ربك یعنی دنیا جو نیک و بد میں تقسیم ہے محظوراً دنیا میں مومنین اور کافرین سے روکا ہوا وقضی حکم کیا ولا تقل لہما اف یعنی بے کار بات، اور ان کے معاملہ میں سے کسی چیز کو گراں نہ سمجھ و اخفض اپنی جانب کو نرم کر لے لاوا بین اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے والے ولا تبذر بے کار کام میں مال خرچ نہ کر ابتغاء رحمۃ رزق کا انتظار میسوراً نرم، پہل ملوماً تیرا نفس ملامت کرے، اور تو ملامت کیا جائے محسوراً تیرے پاس کچھ نہیں کہا جاتا ہے، حسرت الرجل بالمسئلة جب کہ تم مانگ کر اس کا مال ختم کر دو خشية املاق فقر کے

خوف سے، خطا، گناہ لولہ اس کے وارث کے لئے واحسن تاویلاً انجام ولا تفف اس شے کے بارے میں کچھ نہ کہہ جسے تو نہیں جانتا مگر حاکم اور فقر کے ساتھ لن تخرق الارض تو اسے پھاڑ نہ دیکر انا صفا کلم تمہیں چنا اور خاص کیا صر فنانا ہم نے پھیرا اور ہم نے بیان کیا من کل مثل جو عبرت حاصل کرنے اور ذکر کرنے کا سبب ہو، حجاباً مستوراً، چھپانے والا واذہم نجوی ناجیت کا مصدر ہے، اس کے ساتھ ان کا وصف بیان کیا، مقصد یہ ہے کہ وہ جھٹلانے اور مذاق اڑانے کا مشورہ کرتے ہیں فسینغضون الیک رؤسہم اس قول کے ساتھ کذب اور استہزا کے طور پر حرکت دیتے ہیں، یا مذاق کرتے ہیں، فتستجیبون بحمدہ اس کی حمد کو قبول کرتے ہیں جب کہ تمہیں حمد سے نہ دہکی یزغ فساد کرتا ہے ولا تحویلاً بیماری سے صحت کی جانب، اور فقر سے غنا کی جانب أولئک الذین یدعون کچھ انسانوں نے جنات کے ایک گروہ کو اپنا "مبود بنالیا تھا، پھر وہ جنات مسلمان ہو گئے تو انہوں نے ان کا دین اختیار کر لیا، ایہم اقرب اللہ کی رحمت سے کون زیادہ قریب ہے وما جعلنا الرؤیا الّتی اریناک ابن عباس فرماتے ہیں رؤیا سے سراؤ آنکھ کا دیکھنا ہے جو معراج کی رات میں حضور کو دکھایا گیا والشجرة الملعونة تھوہر کا درخت لا حتنک ذریتہ، میں اغوا کے ساتھ ان کی جڑیں کاٹ دوں گا، اور ان پر مسلط ہو جاؤں گا جزاء موفوراً پورا واستفزز اسے گھبراتے، اکھاڑ دے بصوتک غنا اور باجے واجلب علیہم چیخا کر بخیلک ورجلک سواروں اور پیدل چلنے والوں کے ساتھ یزجی جاری کرتا ہے، چلاتا ہے حاصباً اکھاڑنے والی ہوا قاصفانم الريح شدید ہوا جو کشتیوں کو الٹ دے یا توڑ دے تبیعا مدگار فتیلاً کھجور کی گٹھلی میں جو جھلی ہوتی ہے واضل سبیلاً بہت بعید حمت لیفتنونک تجھے پھلادیں گے ضعف الحیاة وضعف الممأة دنیا اور آخرت کا عذاب، لیستفزونک تجھے گھبراتیں گے واذا لا یلبثون خلافک نہیں ٹھہریں گے، حتی کہ تیرے پیچھے سے جڑیں کاٹ دیں لدلوك الشمس سورج کے زوال کے وقت الی غسق اللیل اس کی اندھیری آنے کے وقت وقران الفجر صبح کی نماز مشہوداً کہ اس میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں نافلة زیادتی مقاماً محموداً تیرا رب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے گا اور وہ قیامت کے روز مقام شفاعت ہوگا وھق الباطل

شرک مضحل ہو گیا زھوقاً زائل ہونے والا یزھق الباطل معنی ہیں ہلاک ہوتا ہے ایک قول یہ ہے کہ جانے والا یؤساً ناامید، جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہو شاکلکہ اپنے طریقے پر یا اپنے کوئے پر قل الروح من امر ربی میرے رب کے علم سے ہے یہود نے کہا اے ابوالقاسم! ہم سے روح کی کیفیت بیان کیجئے، تو یہ آیت نازل ہوئی کسفاً نکڑے قبیلہ ظاہر حبت بجھ گئی ورماتاً غبار قنوراً بخیل مٹھورا ملعون، خیر سے رکا ہوا، فرقناہ ہم نے اسے جدا کیا یخرون للادقان چہروں کے بل ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بها جہر واطمان اور آتشگی کے درمیان راہ طلب کر، نہ تو بہت بلند آواز سے نہ اتنا آہستہ کہ تیرے کان بھی نہ سن سکیں، آنحضرت ﷺ جب قرآن مجید بلند آواز سے تلاوت فرماتے تو مشرکین آپ کو اور نازل کرنے والے اور لانے والے سب کو گالیاں دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ولا تجھر آخر آیت تک ولئی من الذل کسی کو حلیف نہیں بنایا۔

سورہ کہف

عوجاً خلط ملط کرنا، اور اختلاط کرنا قیماً سیدھا، باخع ہلاک کرنے والا اسفاً ندامت، الکھف پہاڑ میں راہ، غار، الرقیم کتاب، شے کی تختی ان کے عامل نے ان کے نام لکھے، پھر اسے خزانے میں ڈال دیا فضربنا علی اذانہم اللہ نے ان کے کانوں پر مارا، پس وہ سو گئے ثم بعثناہم انہیں زندہ کیا امداً انتہاء ربطنا علی قلوبہم انہیں صبر کا الہام کیا شططا زیادتی مرفقاً ہر وہ شے جس کے ساتھ تم انتفاع حاصل کرو، تزاور مائل ہوتا ہے تفرضہم انہیں کاٹتا ہے فجوة وسیع بالوصید صحن میں ازکی بہت زیادہ ولا تعد عینک عنہم نہ انہیں ان کے غیر کی جانب لے جا، فرطاً ندامت سرادقہا پردے کی طرح اور وہ حجرہ جو پردوں سے گھرا ہو، کالمہل تیل کی تلخٹ ولم تظلم نہیں کم کیا وکان له ثمر سوتا اور چاندی یحاورہ اس پر فخر کرتا تھا، محاورہ سے مشتق ہے لکنا هو اللہ ربی، لیکن میں، تو میرا رب اللہ ہی ہے، الف کو حذف کر دیا گیا، اور دونوں نون ایک دوسرے میں ادغام کر دیئے گئے حسبنا من السماء آگ کی بجلیاں زلفاً جس میں قدم نہ ٹھہر سکیں هنالك الولاية تولی کا

مصدر ہے عقباً وہ آخرت ہے الباقیات الصالحات اللہ کا ذکر مؤبداً ہلاکت کی جگہ قبلاً ظاہر قبلاً قبیل کی جمع ہے اور قبلاً دونوں کے زبر کے ساتھ سامنے آنے والی شئی، آمن سامنا کرنا لید حضوا تاکہ زائل کر دیں، دحض کے معنی پھسلنے کے ہیں موثلاً پناہ کی جگہ حقاً طویل زمانہ سرماً جانے کی جگہ، بولتے ہیں یسر یعنی چلتا ہے قصصاً دونوں اپنے نشانیوں کو تلاش کرتے ہوئے لوئے عبداً من عبادنا، خضر علیہ السلام فخشینا ان یرھقہما طغیاناً وکفرأ یعنی ان دونوں کو اس کی محبت اس امر پر مجبور کر دے کہ اس کے دین کی متابعت کریں وافر رحماً، رحم سے مشتق ہے، اور اس میں رحمت سے زیادہ مانگا ہے، کان تحفۃ کنز لہما سونا، چاندی من کل شئی سبباً، علم، عین حمقۃ، ررم الصدقین دو پہاڑ عسا اسطاعوا ان یرھقہ وہ جس پر چڑھ سکیں جعلۃ دکاء اسے زلزلے میں ڈالا، لایستطیعون سمعاً نہیں سمجھتے یحسبون انہم یحسنون صنعا حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ان میں سے فرقہ حرور یہ بھی ہے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، اس سے مراد فرقہ حرور۔ یہ نہیں، بلکہ گرجا والے ہیں، اور حرور یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبھی اختیار کی، تو اللہ نے ان کے دلوں کو کچک کر دیا حضرت ابیؑ فرماتے ہیں، لیکن خوارج وہ فاسق ہیں جو اللہ سے عہد کر کے توڑتے ہیں۔

سورۃ مریم

لم نجعل لہ من قبل سمیاً مثل سویا بغیر گوشتے پن کے وحناناً من لدنا ہاری جانب سے رحمت، بشرأ سویا عیسیٰ علیہ السلام جباراً شقیفا نافرمان، یہود کہتے تھے کیا تم قرآن میں یہ نہیں پڑھتے یا اخت ہارون اور موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان بہت فاصلہ تھا، آنحضرت ﷺ نے جواب دیا، کہ لوگ اپنے انبیاء اور پہلے نیک لوگوں کے نام پر نام رکھتے تھے فاحاء ہا المحاض دردزہ انہیں ایک پناہ کی جگہ لے آیا سوریاً چھوٹی نہر طبعاً حنیاً تازہ کھجوریں انتہدت جد اہوئی شیداً فریاً بری اسمع بہم وایصر اس دن کفار سب سے زیادہ دیکھنے سننے والے ہوں گے واندزہم یوم الحسرة جب خدا کی جائے گی، کہ اے اہل جنت تمہارے لئے بیشکلی ہے اور موت نہیں اور اے اہل دوزخ تم ہمیشہ رہو گے اور مرنا نہیں

لا رجمك تجھے میں برا کہوں گا لسان صدیق علیاً اچھی ثناوا ہجرتی مجھ سے دور ہو، حقیقاً
مہربان و بیکیا پاک کی جمع ہے غیاثوں نے میں لایسمعون فیہا لغواً باطل، نبی ﷺ نے
جبریل سے فرمایا تجھے ہمارے پاس زیادہ آنے سے کیا چیز روکتی ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی
و ما ننزل الا بامر ربك، و ما لكان ربك نسباً حقیر هل تعلم لہ سمیاً اس کے علاوہ
کسی نے رحمان نام نہیں رکھا عتیباً نافرمان صلیاً، صلی یصلی سے مشتق ہے بمعنی داخل ہونا
اور جانا، ان منکم الا وارد ہا اس پر وارد ہو گئے، پھر اپنے اعمال کے مطابق نکلیں گے حتماً
مقضیاً یقینی احسن ندیا، نادى بمعنی مجلس اثاثا مال و رثیا منظر، یہ بھی کہا گیا ہے رى بمعنی
شراب، خواب کہتے ہیں، میں حاص بن وائل کے پاس اپنا حق مانگنے کے لئے گیا جو اس پر تھا، اس
نے جواب دیا، میں اس وقت تک نہ دوں گا، وہ جب تک تو محمد کا انکار نہ کرے میں نے جواب دیا
میں اس وقت تک اس کا انکار نہ کروں جب تک تو مر کر دوبارہ زندہ نہ ہو، بولا کیا واقعی میں
مر کر دوبارہ زندہ ہوں گا، میں نے کہا ہاں کہنے لگا، تو اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوگی
تو آیت نازل ہوئی افرأیت الذی کفر بایاتنا، ادا بڑا قول توؤزہم ازا انہیں انخوا کر یگا یا
انہیں گھبراوے گا نعدلہم عدلاً ہم ان کے سانسوں کو جو وہ دنیا میں لیتے ہیں شمار کرتے ہیں و ردأ
یہ ساعہداً لا الہ الا اللہ کی شہادت ہذا اگر اتا، لئلا یمیز حاین رکزاً آواز یا حس۔

سورۃ طہ

الواد المقدس مبارک اور اس کا نام طوی ہے اکادا اخفیہا میں اپنے علاوہ کسی کو اس پر
مطلع نہیں کرتا سیر تھا اس کی حالت و احلل عقدۃ من لسانی، عقدہ سے مراد نہ بولنا
حرف کو پورے طور پر ادا نہ کرنا ہے، یا بولتے وقت لکنت ہوا زری میری پشت ان یفرط یہ کہ
جدی کرے یطغی حد سے تجاوز کرتا ہے فواو جس خوف کو چھپایا و فتناک فتوناً تیری مختلف
بار آزمائش کی و لاتنیا تم دونوں کمزور نہ پڑو اعطی کل شئی خلقہ بر شئ کے لئے اس کا
جوڑ اپیدا کیا ثم ہدی اس کے نکاح، کھانے پینے اور بننے کی، لایضل خطا نہیں کرتا فی
حدود یہاں فی بمعنی علی ہے النہی بچنے والے، تارۃ حالت فیسحتک پس تمہیں ہلاک

کرے السلوئی ایک پرندہ ہے جو بیڑ کے مشابہ ہوتا ہے، ولا تطغوا تم گمراہ نہ ہو فقد ہوی بدبختی اختیار کی سملکنا ہمارے حکم سے ظلت تو ٹھہر گیا، لننسفنہ فی الیم ہم اے دریا میں بہا دیں گے ساء برا ہوا پتخافتون چپکے چپکے بوکے قاعاً برابر، چکنا، جس پر سے پانی گزر جائے صصفا جس زمین میں گھاس نہ ہو، برابر زمین عوجاً وادی امتانیا مکاناً سوئی انکے درمیان میں یبسا خشک علی قدر وعدہ کا وقت ماخطبک تیرا کیا حال ہے مساس مسہ مساس کا مصدر ہے، معیشۃ ضنکاً، ضنک کے معنی ہیں سخت، بعضوں کے نزدیک بدبختی کے معنی میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا وہ قبر کا عذاب ہے، خشعب الاصوات خاموش ہو گئیں ہنسنا ہلکی آواز، قدموں کی آواز، آہستہ چلنا، وعنت الوجوہ جھک گئے فلا یخاف ظلماً یہ کہ ظلم کرے کہ اس کی برائیوں میں زیادتی کی جائے من زینتہ القوم وہ زیور جو فرعون کی قوم سے مستعار لئے تھے فقد فنا ہا ہم نے اے الدیالقی السامری سامری نے بنایا المثلی، مثل کا موٹ ہے یعنی وہ تمہارے اچھے دین کو ختم کر دیں امثلہم طریقۃ ان میں سب سے اچھا ہضماً ظلم نہیں کرتا، کہ اس کی نیکیاں ہضم کر جائے خوار حج حشر تنی اعنی میری جنت سے کنت بصیراً دنیا میں لا تظلماً پیاسا نہ ہو گا ولا تضحی تجھے گری نہ پہنچے گی۔

سورۃ انبیاء

فلما احسوا توقع کی حسرت سے شتق ہے خامدین مردے لعلکد تستلون تم سے پوچھا جائے الویل جنہم میں ایک وادی ولا يستحسرون تمکے نہیں ارتضی راضی ہوا، فی فلک، دو ر سیبحون جاری رہتے ہیں، گھومتے رہتے ہیں ولا ہم منا یصبحون مجاورت نہیں کرتے، قریب نہیں رہتے ننقص من اطرافہا اس کی اصل اور اس کی برکت کم کرتے رہتے ہیں النمائیل بت، جذاذ انگڑے ٹکڑے ٹکڑے نکسو الوٹ گئے نفشت نفش کے معنی ہیں رات میں چانور چانا، صنعۃ لبؤس لکم زر ہیں ان لن نقدر علیہ ہم اسے اس عذاب میں نہیں پھریں گے جو اسے پہنچ رہا ہے امتکم امۃ واحده تمہارا دین ایک دین ہے

میں نازل ہوئی و قصر مشید چوڑے اور اونٹ کے ساتھ بنا ہوا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ جب وہ بات کرتا ہے تو شیطان اس کی بات میں اپنی بات ڈال دیتا ہے پس اللہ شیطانی باتوں کو باطل کرتا اور اپنی آیات کو محکم کرتا ہے یسطون حد سے بڑھتے ہیں سطوت سے بنا ہے۔

سورہ مومنون

افلح المؤمنون کامیاب وہا مراد ہوئے خماشعون خاموش ڈرتے ہوئے من سلالۃ نطفہ سبع طرائق آسمان تنبت بالدهن زیت و اتر فناہم اور ہم نے انہیں وسعت دی، ہبہات ہبہات دور ہوا غشا جھاگ جو پانی پر اٹھ آئے، اور وہ شے جو نفع نہ دے ربوۃ باند مکان، نبی ﷺ نے فرمایا، فرو وہ جنت کا اعلیٰ اور عمدہ اور افضل حصہ ہے، تترزی بعض بعض کے پیچھے ذات قرار سرسبز، معین پاک پانی امتکم تمہارا دین و قلوبہم وجلۃ ڈرے ہوئے، حضرت عائشہؓ نے حضور سے دریافت کیا یا رسول اللہ اس آیت والذین یوتون ما اتوا و قلوبہم وجلۃ میں کیا وہ لوگ مراد ہیں جو شرا میں پیتے اور چوری کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اے صدیق کی بنی نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روز سے رکھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں، اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ شاید ان کی عبادت قبول نہ ہو اؤلک یسارعون فی الخیرات وہم لہا سابقون ان کے لئے سعادت پہل کر چکی ہے یجأرون مدد چاہتے ہیں سامراً تہجرون بیت اللہ کے گرد اور بے ہودہ باتیں کہتے ہوتنکصون پیچھے ہٹتے ہو عن الصراط لنا کبون حق سے ہٹنے والے تسحرون تم دھوکہ دیئے جاتے ہوا یک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا، میرے دل میں قرآن کے بارے میں کچھ شک ہے ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکان اللہ علی کل شئی قدیداً یہ ایک مقدر شے تھی جو ہو چکی دوسرے مقام پر فرماتا ہے فلا انساب بینہم یومئذ ولا یتساء لون تیسرے مقام پر ارشاد ہے واقبل بعضہم علی بعض یتساء لون، ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت وکان اللہ علی کل شئی قدیداً تو وہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہیگا اور جہاں تک ویتساء لون کا تعلق ہے، تو یہ پہلے نفخہ کے وقت ہوگا، یعنی حشر میں اور جہاں تک ویتساء لون کا تعلق ہے، یہ اس وقت ہوگا جب جنت میں

داخل ہو جائیں گے کالھون بگڑنے ہوئے چہرے حضورؐ نے فرمایا ہم فیہا کالھون ان میں سے کسی کو آگ لگے گی تو اس کا ہونٹ درمیان سر تک چڑ جائیگا، اور نچلا ہونٹ ناف تک آ جائے گا۔

سورہ نور

انا انزلناہا، ہم نے اسے بیان کیا، فرض نہا اس میں مختلف فرائض نازل کئے، مرثیہ نے کہا یا رسول اللہ میں عناق سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور وہ مکہ کی ایک رنڈی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی الزانی لا ینکح الا زانیۃ یرمون المحصنات، آزاد، والذین یرمون ازواجہم ہلال ابن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی، جنھوں نے اپنی بیوی پر حضورؐ کے سامنے شریک بن سمحاء کے ساتھ تہمت لگائی، ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عویر کے بارے میں نازل ہوئی ان الذین جاؤا بالافک حضرت عائشہ کے قصہ میں نازل ہوئی اذنتلقونہ جب وہ اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر کے کہہ رہے تھے مازکی نہیں ہدایت پائی ولا یسائل نہ قسم کھائیں وینہم ان کا حساب تستانسون اتم سے اجازت طلب کریں ولا یبیدین زینتھن الا لبعولتھن اپنے پازیب بازو بند، سینہ بال وغیرہ سوائے خاوند کے کسی کے لئے ظاہر نہیں کرتیں، عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں نہ پازیب نہ بالیاں اور نہ بار، مگر جو جی ہے خود بخود ظاہر ہوا اور وہ کپڑے میں غیر اولی الاربۃ وہ غافل جسے عورتوں کی شہوت نہ پیدا ہوئی ہو او الطفل الذین لم یظہروا وہ کچھ بھی نہیں جانتے کیونکہ ان میں بچپن ہے ان علمتم فیہم خیراً اگر تم ان کے لئے سمجھ دیکھو فتیاتکم تمہاری باندیاں البغاء زنا، نور السموات آسمان وزمین والوں کو ہدایت کرنے والا ہے مثل نورہ مومن کے دل میں اس کی ہدایت کی مثال کمشکوۃ، حق رکھنے کی جگہ، طاق، فی بیوت مسجدیں ان ترفع اکرام کیا جائے ویزکر فیہا اسمہ جن میں اس کی کتاب پڑھی جائے، پسبح نماز پڑھتا ہے بالغدو صبح کی نماز الاصال عصر کی نماز رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی تجارت پیشہ اور خرید و فروخت میں مشغول رہتے لیکن پھر بھی ان کی تجارت اور بیع انہیں اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی، بقیعۃ براہرزمین میں سسنا برقہ اس کی روشنی من خلالہ بادلوں

کے تہوں کے درمیان سے مدعین اطاعت کرنے والے کے لئے تحیۃ سلام۔

سورہ فرقان

تبارک برکت سے تغافل کے وزن پر تعلق پڑھی جاتی ہیں ثبوراً تباہی بوراً ہلاک شدہ عتوان فرمائی کی ہباً منثوراً جسے ہوا اڑالے جائے الذین يحشرون علی وجہ وہم کہا گیا اے اللہ کے نبی قیامت کے روز کا فراپنے چہرے پر کیسے اٹھائے جائیں گے آپ نے فرمایا، کیا یہ ممکن نہیں ہے، کہ جو دنیا میں ”پیروں پر چلانے پر قادر ہے، وہ اس امر پر بھی قادر ہے کہ اسے منہ کے بل چلائے الرس کان مد الظل طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان کا حصہ ساکناً ہمیشہ علیہ دلیلاً کیونکہ اگر سورج نہ ہوتا، تو سایہ، کونہ پہچانا جاتا، قبضاً یسیراً جلدی جعل اللیل والنہار خلفاً جس سے رات کا کوئی عمل فوت ہو جائے، تو اسے دن میں پالیتا ہے، اور اگر دن میں فوت ہوتا ہے، تو رات کو پالیتے ہیں، وعباد الرحمن مومن، ہوناً طاعت، پاکدامنی اور تواضع کے ساتھ غراماً سخت چمٹنے والا جیسے قرض خواہ چٹ جاتا ہے، یا ہلاکت لا یقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل مکہ بولے ہم نے اللہ سے شرک بھی، اور جو جان اللہ نے حرام کی تھی اسے بھی قتل کیا، اور زنا بھی کیا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی الا من تاب وامن آخر تک اثاماً سزا ہب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین اللہ کی اطاعت میں اور جو شے مومن کی آنکھ کی ٹھنڈک کا باعث ہے، وہ یہ کہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دیکھے، مایعباً اسے شمار نہیں کرتے لزماً ہلاکت۔

سورہ شعراء

کالفود پہاڑ کی طرح ازلفنا ہم نے جمع کیا لشرذمۃ تھوڑی سی جماعت فکبکبوا جمع کئے گئے ریع بلندی، مصانع ہر بنائی ہوئی شے مصنوعہ ہے لعلم گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے خلق الاولین پہلوں کا دین فارہین ماہرین، اکثر نے والے تعثوا، عثو کے معنی سخت فساد کے ہیں تعبثون تم کھیلتے ہو ہضیم بعض بعض سے ملے ہوئے جو چھوٹے سے کٹرے کٹرے ہو جائے مسخرین جادو کے ہوئے الایکۃ جھاڑی، درخت، الجبلۃ، عادت، یوم الظلۃ

عذاب کا سایہ و اخفض جناح اپنے پہلوں پر کرفی کل واپس یھیمون ہر انوکھا میں سے
رہتے ہیں۔

سورہ نمل

بورك پاڪ ڪيا ٿيا بشهابِ قبيس آگ کا شعلہ جس سے تم آگ حاصل کرتے ہو
اور عنی مجھے ڪريخرج الخب، آسمان و زمين میں ہر مخفی شے کو جانتا ہے، لا قبل لہم ان کے
لئے طاقت نہیں الصرح، وہ مکان جو ششے سے بنا ہو، اس کی جمع صروح آتی ہے، عرش
عظیم معزز تخت یا قونى مسلمین مطیع نڪروا تبدیل کردو طائر کم تمہارے مصائب ادا رک
علمہم ان کا علم جاتا رہا رد ف، قریب ہے یوزعون روکے جاتے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے، کہ دفع
کئے جاتے ہیں یا ان کا اول ان کے آخر پر روکا جاتا ہے، یہاں تک کہ پرندے سو جاتے ہیں
داخرین ذلیل جامدة قائم اتقن محکم کیا۔

سورہ قصص

قصیہ اس کے پیچھے پیچھے جاء عن جنب دور سے یا تمرون باہم مشورہ کرتے ہیں
انسٹ میں نے دیکھا حدیث لکڑی کا سخت کا کڑا جس میں شعلہ نہ ہو، دلدگار سینشد
عصدا ہم تیری مدد کریں البعض مددگار کو کہتے ہیں نبی ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا، تو لا الہ الا
اللہ کہہ لے، میں تیرے لئے قیامت کے روز اس کی شہادت دوں گا، بولا اگر مجھے اس بات کا خطرہ
نہ ہوتا کہ قریش مجھے یہ عیب لگائیں گے، کہ میں نے موت سے گھبرا کر کلہ پڑھ لیا، تو میں تیری آنکھ
ٹھنڈی کر دیتا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی انک لا تھدی من احببت فعصیت علیہم
الانباء دلائل سرمداً ہمیشہ کتنو بھاری ہوتا ہے لرا ذک الی معاہدہ مکہ کی جانب کل شئی
ہالک الا وجہہ، مگر اس کا ملک اور کہا گیا ہے، مگر جس چیز کا اللہ کے لئے ارادہ کیا جائے

سورہ عنکبوت

تخلقون افکاً تم جھوٹ بولتے ہو اثقلاً بوجہ ام سعد نے سعد سے کہا، کیا اللہ نے نیکی

کا حکم نہیں کیا، خدا کی قسم نہ میں کھاؤں گی، نہ میں پیوں گی، حتیٰ کہ میں مرجاؤں یا تو کافر بن جائے، تو یہ آیت نازل ہوئی ووصینا الانسان بوالدیه حسناً وان جاهدک علی ان تشرک بی، آخر آیت تک و تاتون فی نادیکم المنکر وہ اہل زمین پر کنگر مارتے، اور ان سے مذاق کرتے تھے۔

سورہ روم

جس روز یہ آیت نازل ہوئی اَلَمْ غَلِبَتْ الرُّومُ فارس رو میوں پر غالب تھے، اور مسلمان رو میوں کے غلبے کو پسند کرتے تھے، اور قریش فارس کے غلبے کو، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور روم ساتویں سال فارس پر غالب آئے ادنیٰ الارض شام کا کنارہ اھوں بہت آسان یصدعون متفرق ہوتے ہیں فلا یربو جو دیتے وقت، فضیلت کا متلاشی ہو، اس کے لئے کوئی اجر نہیں بحیرون انعام کئے جاتے ہیں یمہدون بستر تیار کرتے ہیں الودق بارش، السوی برائی لا تبدیل لخلق اللہ اللہ کے دین الفطرۃ اسلام۔

سورہ لقمان

ولا تصعر خذک للناس تکبر نہ کر، کہ تو اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھے اور ان سے اعراض کرے، جب وہ تجھ سے بات کریں، تصعر کے معنی ہیں منہ پھیرنا الغرور شیطان ختار، غدار

سورہ الم سجدہ

تتجافی جنوبہم عن المضاجع انتظار نماز کے بارے میں نازل ہوئی نسیناً کم ہم نے تمہیں چھوڑ دیا العذاب الادنیٰ دنیا کی مصیبتیں اور اس کی بیماریاں مہین کمزور اور وہ مردہ نقطہ ہے البحرزہ، وہ بادل جس سے اتنی معمولی بارش ہو، کہ وہ کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اولم یھد کیا بیان نہیں کیا۔

سورہ احزاب

لو کہ زید بن حارثہ کو زید بن محمد گم کر پکارتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ادعوہم

لابائھم، ابن عباسؓ فرماتے ہیں، منافقین کہا کرتے تھے، کہ محمد کے دو دل ہیں ایک دل ان کے ساتھ ہے اور ایک دل تمہارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی **ما جعل اللہ لرجل من قلبین**، فمنہم من قضیٰ نحبہ اپنی اس عدت کو جو ان کے لئے مقرر کی گئی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا، طلحہ وہ شخص ہے، جس نے اپنی مدت پوری کر لی ہے صیاصیہم ان کے محل سلقوکم تمہارا استقبال کیا بالسنةٰ حداد یعنی طعن کرتے ہیں فیطمع الذی فی قلبہ مرضی فجور اور زنا، ایک عورت نے کہا، میں ہر شے کو صرف مردوں کے لئے دیکھتی ہوں اور عورتوں کا کسی شے میں ذکر نہیں دیکھتی، تو یہ آیت نازل ہوئی ان المسلمین والمسلمات، وتخفی فی نفسک زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یصلون دعائے برکت کرتے ہیں ترجی قوموخر کرتا ہے اغضو نے جب زینت سے رخصتی کی، تو ایک جماعت کو کھانے پر بلایا جب لوگ کھانی کر چلے گئے، تو دو آدمی بیٹھے باقیں کرتے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یا ایہا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی آخر تک لسنغریبنک بہم ہم تجھے ان پر مسلط کر دیں گے، اغضو ﷺ نے فرمایا موسیٰ بہت شرمیلے تھے اپنی جلد کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہونے دیتے، لوگ کہتے کہ یہ جو اتنا پردہ کرتے ہیں، تو کسی عیب کی بنا پر کرتے ہیں، وہ ایک روز تنہائی میں غسل کرنے گئے، اور اپنے کپڑے پتھر پر رکھ دیئے اور نہانے لگے، پتھر کپڑے لے کر بھاگ نکا، موسیٰ اس کے پیچھے بھاگے، اور کہتے جاتے اے پتھر! میرے کپڑے حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر پہنچے، پس انہوں نے موسیٰ کو نگا دیکھا، اور بے عیب پایا یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا فبرأہ اللہ مما قالوا سدیداً حق بات، انصاف کی بات، الامانۃ فرائض جو لا اللہ کے حکم میں دھوکا کھایا ہوا۔

سورہ سبا

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ ایک آدمی تھا جس کے دس لڑکے ہوئے، جن میں سے اس نے چھ کو یمن میں آباد کیا اور چار کو شام میں منساتہ اس کی لائٹی سلیل العرم سخت، خمط بینوکا درخت ہل یجازی مراد دیتا ہے الاثل جھاؤ ایک درخت ہے اوبسی معہ تسبیح کرو قدر فی

السرد جوڑا اور حلقے واسلنا لہ عین القطر اس کے لئے لوہا نرم کیا، ایک قول یہ ہے کہ تانا، محاریب محلات سے چھوٹی دیگر تعمیرات وجفان کالجواب اونٹ کے حوضوں کی طرز، جوانی وسیع حوض قزع دور ہوا، الفتح فیصلہ کرنے والا معاجزین سبقت کرنے والے، غلبہ کر نیوالے معشار دسواں اعظکم بواحدۃ اللہ کی اطاعت کے ساتھ و بین مایشتہون مال، اولاد اور عمدہ چیزیں ہاشیاعہم انکے مثل کے ساتھ فلا غوت کوئی نجات نہیں انی لہم التناوش تو ان کے لئے کیونکر لوٹنا ہوگا، یعنی آخرت سے دنیا کی جانب۔

سورۃ ملائکہ (فاطر)

الکلم الطیب اللہ کا ذکر و العمل الصالح ادا سے فرض قطمیر وہ چھلی جو چھوہارے کی گتھلی پر ہوتی ہے لعوب تھکن جدۃ راستے، الحروز دن میں، اور ایک قول یہ ہے کہ حرور رات میں ہوتی ہے، اور موسم دن میں سورج کے ساتھ مثقلۃ بوجھ کے ساتھ غرایب سوہ بخت سیاہ ٹم اور شنا کتاب الذین اصطفینا آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ سب جنت میں ہونگے۔

سورۃ یس

بنو سلمہ مدینہ کے کنارے پر آباد تھے، انہوں نے مسجد نبوی کے قریب تبدیلی کا ارادہ کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی انا نحن نحی الموتی ونکتب ما قدموا واثارہم، مقمحوں، مقمح کے معنی ہیں اپنی ناک اور پر کرنے والا، یا اپنے سر کو جھکانے والا طائس رکم تمہاری مصیبتیں احصینا ہم نے اس کی حفاظت کی فعرز ناہم نے اسے مدد پہنچائی یا حسرۃ ان کے لئے تباہی اور حسرت ہے رسولوں کا مذاق کرنے کی بناء پر کمال العرجون القدیم عمدہ کھجور کی جڑ کی طرح المشحون بھرا ہوا، ان تدرك القمر، ان میں سے کوئی دوسرے کی روشنی سے روشنی حاصل نہیں کرتا اور نہ یہ ان دونوں کے لائق ہے ولا اللیل سابق النہار یہ دونوں ایک دوسرے کو جلدی طلب کرتے ہیں، نسلخ منه النہار ان میں سے ایک کو دوسرے سے نکالتے ہیں، اور ایک کو دوسرے سے جاری کرتے ہیں من مثلہ مایرکبون، چوپائے، جند

محضرون حساب کے وقت الاجدات قبریں یمنسلون نکلیں گے من مرقدنا ہمارے نکلنے کی جگہ سے۔

سورہ صافات

واصف ہمیشہ لازب چمنا ہوا یستسخرون مذاق کرتے ہیں فاعادوہم انہیں متوجہ کرو وقفواہم انہیں روکو انہم مسئولون یہ حساب کے جائیں گے مالکم ولاتناصرون تم روکتے کیوں نہیں مستسلمون مطیع اور مسخر، عول چکر، ایک قول یہ ہے کہ جس میں دنیا کی شراب کی طرح نہ ہو ہوگی، نہ کراہت بیض مکنون چھپے ہوئے موتی سواء الجحیم دوزخ کے درمیان شرباً انکا طعام مخلوط ہوگا، اور کھولتے پانی سے تیار ہوگا الفوا انہوں نے پایا وجعلنا دریتہ ہم السابقین ؑ نے فرمایا وہ حام، سام اور یافث ہیں وترکنا علیہ فی الآخرین تمام انبیاء کے لئے اچھی تعریف وان من شیعته ان کے دین والا یزفون چلتے میں دورتے ہیں، ببلغ معه السعی عمل وتلہ اسے پچھاڑ دیا فی الغابین باقی رہنے والوں میں الفلک المشحون بھری ہوئی کشتی وهو ملیم گنہگار فنبذناہ بالعراء ہم نے اسے ساحل پر ڈال دیا، یازمین پرمن یقطین بغیر جز کے، اور وہ کدو ہے، یا اسی کے مانند دوسری بیلیں، بفاتنین گمراہ کرنے والے کنحن الصافون وہ فرشتے ہیں۔

سورہ ص

فی عزة نفرت، الملة الآخرة ملت قریش مراد ہے ولا ث حین مناص اس کے لئے بھاگنے کا وقت نہیں ہے، عجاب تعجب الاختلاق جھوٹ فلیرتقوا فی الاسباب آسمان، آسمان کے کنارے یا اس کے دروازے جند ما هنالك مہزوم من الاحزاب قریش اولئك الاحزاب گزرے ہوئے زمانے فواقی لوٹنا اور آنا جانا، قطناطہ کے معنی عذاب اور بدلہ اور حساب نامے کے ہیں ولا تشطط حد سے نہ گزرو عزنی مجھ پر غالب آگیا الخلاء شریک الصافات، صفن الفرس گھوڑے کا ایک پیراٹھا کرم کے کنارے کھڑا کرنے کو کہتے ہیں۔ الجیاد تیز رو فطفق مسحاً وہ گھوڑے کی گردن اور ناگوں پر ہاتھ

پھیرنے لگے جسدا شیطان رخاء پاکیزہ، اس کی مطیع، حیث اصاب جہاں اس نے ارادہ کیا الاصفاء بیڑیاں، فامنن دے ارکض مار یرکضون دوڑے ہیں ضغثاً جھاڑو، اولی الایدی قوت والابصار، دین میں سمجھ اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں غور کرنا قاصرات الطرف اپنے ازواج کے غیر سے اتراؤں برابر ہم عمر غساقی ٹھنڈک من شکله ازواج رنگ برنگ کے عذاب اتخذناہم سخریاً ہم نے ان کا احاطہ کیا ہے۔

سورہ زمر

یکذّر انھاتا ہے زلفی، قربی کی طرح مصدر ہے کتاباً متشابہاً یہ اشتباہ سے نہیں، لیکن اس کا بعض تصدیق میں بعض کے مشابہ ہے یتقی بوجہ وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسینا جائے گا غیر ذی عوج اختلاط متشاکسون شکس تک دلی، جو انصاف کے ساتھ راضی نہ ہو جلاً سلماً فالس یعنی صحیح و سالم والذی جاء بالصدق قرآن وصدقی بہ مؤمن قیامت کے روز آئے گا، اور کہے گا یہ وہ شے ہے کہ جس کے ساتھ اس نے مجھے نصیحت کی ویخوفونک بالذین من دونہ بت اشمازت نفرت کی، ثم اذا خولناہ ہم نے اسے دیا، وارد ہوا ہے، کہ کچھ مشرکین نے بہت قتل کئے تھے اور بے پناہ زنا بھی کیا تھا، وہ حضور کے پاس آئے، اور بولے، کہ جس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں، وہ عمدہ شے ہے کاش! کوئی ایسا عمل ہوتا ہے، جو ہمارے گناہوں کا کفارہ بن سکا تو یہ آیت نازل ہوئی قل یا عباد الذین اسرفوا علی انفسہم آخر آیت تک وان کنت لمن الساخرین مذاق کرنے والے لو ان لی کرۃ لو ان، المحسنین ہدایت پائے ہوئے بمفاز تہم فوز سے شتق ہے، والارض جمیعاً قبضتہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کر لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں زمین کے، بادشاہ کہاں ہیں، و نفع فی الصور ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ صور کیا ہے، فرمایا ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائیگا حافین اپنے جانبوں سے گھرے ہوئے۔

سورہ مومن

ذی الطول کشادگی اور غناء، فضیلت دابّ حال، تباہی نوٹا، ادعویٰ مجھائے کی عبادت کرو، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، دعائی عبادت ہے داخرین خشوع کرنے والے النجاة ایمان، لیس لہ دعویٰ بت یسجرون ان کے ذریعہ آگ ساگائی جائے گی تمرحون اگرتے ہو۔

سورہ حم سجدہ

فصلت بیان کی گئی ہے غیر ممنون شمار کیا ہوا وقد رفیھا اقواتھا ان کے رزق اتبأطوعاً اوکرها میرے ارادے کے موافق ہو جاؤ، قالنا اتینا طائعتین ہم نے موافقت کی فی کل سماء امرھا جس کے ساتھ ہم نے حکم کیا نہ حسات بد بختیاں فہدیٰ تاہم ہم نے انکے لئے بیان کیا، تین آدمی بیت اللہ کے قریب جھگڑنے لگے ایک بولا کہ کیا تم خیال کرتے ہو، کہ اللہ ہماری باتیں سنتا ہے، دوسرا بولا اگر ہم بلند آواز سے بولیں تو سنتا ہے اور اگر آہستہ بولیں، تو نہیں سنتا، تیسرا بولا اگر وہ ہماری بلند آواز سنتا ہے تو ہماری خفی آواز کو بھی سنتا ہے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وما کنتم تستترون ان یشہد علیکم سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم ولكن ظننتم آخر تک والغوا فیہ اس میں عیب لگاؤ، آنحضور نے یہ آیت پڑھی ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا پھر فرمایا یہ بات کہی تو بہت لوگوں نے پھر کافر بن گئے، تو جو شخص اسی بات پر مرجائے، تو اس نے استقامت کی اذفع باللتی ہی احسن فضب کے وقت صبر کرنا، اور برائی کے وقت معاف کرنا لا یسأمون وہ تھکتے نہیں ولیٰ حمیم قریبی اعملوا ما شئتم وعید ہے مالہم من محیص، حاص عنہ کے معنی میں اس سے بھاگا، اس سے بچا مریۃ، شک۔

سورہ شوریٰ

یذرؤکم فیہ نسلاً بعد نسل لا حجة کوئی جھگڑائیں ہے شرعاً انہوں نے

ایجاد کیا، الا المودة فی القربی سعید بن جبیر کہتے ہیں آل محمد کے قرابتدار، ابن عباسؓ نے فرمایا تو نے یہ بات کہنے میں جلدی کی، قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں حضور ﷺ کی قرابت نہ ہو، پس فرمایا میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اسے ملائے رکھو فیما کسبت ایدیکم نبی ﷺ نے فرمایا بندے کو جو تکلیف پہنچتی ہے، چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو وہ گناہ کی بنا پر ہو چکی ہے، اور اللہ تعالیٰ جو معاف فرماتا ہے وہ بہت زیادہ ہے فیظللن روادکد علی ظہرہ پس نہیں حرکت کرتیں اور نہ دریا میں چلتی ہی ہیں یوبقہن انہیں ہلاک کر دیتا ہے من طرف حنفی ذلیل عقیمائیں عورت کے اولاد نہ ہو او حینا البک روحاً من امرنا قرآن۔

سورہ زخرف

ام الکتاب اصل کتاب مسمی مثل الاولین پہلوں کی سزا، مقررین طاقت میں رکھنے والے کنٹرول کرنے والے وجعلوا لہ من عبادہ جزاً برابر کظیم غم سے بھرا ہوا او من ینشأ فی الحلیۃ یعنی لڑکیاں لوشاء الرحمن ما عبدنہم بتوں کو مراد نیا کرتے تھے علی ائمہ امام پر و معارض درجے و زخرفاً سونا و من یعیش اندھا ہو جائے، وانه لذكرک عزت و شرف اسفونا ہمیں ناراض کیا یصدون روکتے ہیں تحبرون عزت کے جاتے ہوں لا ثکفۃ فی الارض یحلفون بعض بعض کے خلیفہ ہوں گے واکوا پیالے، جن کے کنارے نہ ہوں فانا مبرمون اتفاق کئے ہوئے و قیلہ یارب اس کی تفسیر یہ ہے کہ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے، اور نہ ہم ان کا کہنا سنتے ہیں۔

سورہ دخان

رہوا ساکن، شک یا راہ فاعقلوہ اسے دفع کرو، زوجنا ہم بحور عین ہم نے ان کا حور عین سے نکاح کیا قوم تبع یمن کے بادشاہ اور ان میں سے ہر ایک کو جع کہا جاتا ہے فاستقب پس انتظار کر، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں، جب قریش نے حضور کی مخالفت کی، آپ نے ان کے لئے یوسف جیسے قحط کی بددعا کی پس انہیں قحط اور مصیبت پہنچی، حتی کہ انہوں نے ہڈیاں کھالیں، جب ان میں سے کوئی آسمان کی جانب دیکھتا تو بھوک کے باعث اسے دھواں سا نظر آتا، یہ آیت

اسی بارے میں نازل ہوئی فسارتقب یوم تاتئ السماء بدخان مبین آپ سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ صبر کے لئے بارش کی دعا فرمائیے، آپ نے بارش کی دعا فرمائی، جب وہ سیراب ہو گئے تو پھر اپنے حال پر لوٹ آئے، جب انہیں راحت پہنچی، تو یہ آیت نازل ہوئی یوم نبطش، البطشة الکبریٰ انا منتقمون بدر کے روز۔

سورۃ جاثیہ

اضلہ اللہ علی علم اپنے گزرے ہوئے علم میں جاثیہ گھنٹے پر گرنے والی سستفسخ، ہم لکھتے ہیں۔

سورۃ احقاف

فیما ان مکنکم جب تک ہم تمہیں جگہ نہ دیں، اثارۃ علم کا بقیہ صاکنست بدعاً من الرسل میں کوئی پہلا رسول نہیں ارایتم کیا تم جانتے ہو عارضاً بادل، ابن مسعود فرماتے ہیں جب آپ مکہ میں تھے، تو ایک رات آپ ہمیں نہ ملے، ہم نے دل میں کہا نہ معلوم ہم سے جدائی کی حالت میں حضور کے ساتھ کیا رویہ ہوا ہو، ہم نے وہ رات بہت بری طرح گزاری حتیٰ کہ ہم نے صبح کے وقت آپ کو حرا کی جانب سے آتے دیکھا، آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا داعی آیا تھا، میں انکے پاس گیا، اور انہیں قرآن سنایا۔

سورۃ محمد

اسن تبدیل ہونے والا، اور ارہا اس کے گناہ عرفہا اسے بیان کیا، مولیٰ الذین امنوا۔ ان کا دل یستبدل قوماً غیرکم آنحضرت ﷺ نے سلمانؓ کے کندھے پر ہاتھ مارا، پھر فرمایا، وہ یہ ہے اور اس کی قوم ہے غزم الامر کام کی کوشش کی اضغانہم ان کا حسد لن یترکم تمہیں کم نہ کریگا۔

سورۃ فتح

لیغفرک اللہ ماتقدم آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے

جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو، لیکن ہمارے لئے کیا چیز ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی لیستدخل المؤمنین والمؤمنات جنات. آخر تک دائرۃ السوء عذاب تعزروہ اس کی مدد کرو، روایت کیا گیا ہے، کہ جبل عظیم سے صبح کی نماز کے وقت اسی ۱۰ آدی اترے اور وہ آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، انہوں نے انہیں پکڑ لیا، آنحضرت ﷺ نے سب کو آزاد فرمادیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی وهو الذی کف ایدیہم عنکم آخر تک کلمۃ التقوی نبی ﷺ نے فرمایا لا اله الا اللہ سیماہم فی وجوہہم تواضع شطاہ اس کی فراخی شطا السنیل سے مراد ایک دانے سے دس یا آٹھ یا سات دانے آگئیں، اور ایک دوسرے کو وہ تقویت دیں، اگر ایک ہو، تو وہ سیدھی کھڑی نہ ہو سکے، فاسارۃ اسے تقویت دی فاستغلظ غلیظ ہو گیا علی سوقہ تنہ جو درخت کو کھڑا رکھے۔

سورۃ الحجرات

لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ کتاب اللہ اور سنت کے خلاف نہ کہو، روایت کیا گیا ہے، کہ اقرع بن حابس حضور کی خدمت میں آئے، تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اسے اس کی قوم کا عامل بنا دیجئے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے عامل نہ بنائیے، دونوں حضورؐ کے سامنے گفتگو کرنے لگے، حتی کہ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم ولا تجسسوا، تجسس یہ ہے کہ مومن کی پوشیدہ باتیں تلاش کی جائیں امتحن اللہ خالص کیا ولا تنابزوا تم اسلام کے بعد کفر کے ساتھ مت پکارو ایک آدی کے دو یا تین نام ہوتے اور وہ ان میں سے بعض کے ساتھ بلایا جاتا تو اسے برا سمجھتا اس پر یہ آیت اتری، الشعوب دور کا نسب اور قبائل اس سے کم۔

سورۃ ق

المجید معزز مریع مختلف، ملتبس اور کہا گیا ہے کہ باطل باسقاط بلند لمس شک حبل الوریدؒ رزون کی رڈ ذلك رجع بعید دور کا رد فروج پھنن ما تنقص الارض

منہم ان کی ہڈیوں سے حب الحصيد گندم قرینہ وہ شیطان ہے، جو اس کے ساتھ لگا ہے تبصرۃً دیکھنا فنقبوا بھاگے اور کہا گیا ہے، کہ مارے گئے، القی السمع کہ اس کے دل میں بات نہ کرتا ہو، لغوب تھکاوٹ نصیب کلی جو بیڑوں میں چھٹی ہو جو بعض بعض سے ملی ہو۔

سورہ ذاریات

والذاریات ہوائیں جو اسے اڑادیں یا متفرق کر دیں، فالحاملات وقرأ بادل ذات الحبک طریقوں اور اچھے بناوٹ والا یا برابر ہونا، حسین ہونا، قتل الخواصوں سرکشی کرنے والے ملعون ہیں، غی غمرۃ ساہون گمراہی میں بڑھتے جاتے ہیں یفتنون عذاب دیئے جاتے ہیں بھجوعون سوتے ہیں وفی انفسکم افلا تبصرون ایک جگہ سے کھاتے پیتے ہو، اور نکلتا دو جگہ سے بے فراغ إلى اہلہ نس لوٹا صرۃ نیچ فصکت ماتھے پر ہاتھ مارا برکنہ اچھی قوت کے ساتھ کالر میڈمین کا سوکھا ہوا اور پامال شدہ گھانس بایبہ قوت کے ساتھ انا لموسعون وسعت والے ہیں خلقنا زوجین دو صنف، جیسے مرد اور عورت اور رنگوں کا اختلاف، اور بیٹھا اور کڑوا تو یہ باہم زوج ہیں ففسروا الی اللہ اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی طرف و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ہر دو فریق میں سے اہل سعادت کو، مگر یہ کہ وہ خدا کو واحد سمجھیں اتواصوا موافق ہو گئے المتین سخت ذنوباً ذول۔

سورہ طور

الطور پہاڑ مسطور لکھا ہو، رقی منشور صحیفہ المسجور قید کیا گیا، اور ایک قول یہ ہے، جلایا ہوا یہاں تک جلایا جائے، کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے تمور حرکت کرتا ہے اور گھومتا ہے یدغون دفع کئے جاتے ہیں، فاکھین گھمنہ کرنے والے، ما التناہد ہم نے کہ نہیں کیا یا تنازعون لیتے دیتے ہیں تاثیم جھوٹ ریب المنون موت المسيطرون مسط کسفا نکلے۔

سورہ النجم

اذا ہوی جب غائب ہو جائے ذومرۃ عمدہ منظر یا اللہ کے حکم میں قوت و شدت والا قباب

قوسین دو کمانوں میں چلنے کے لحاظ سے افتمار و نہ کیا تم اس سے جھگڑتے ہو، ابن عباسؓ نے فرمایا، محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا، اور ان پر کسی نے اس آیت سے اعتراض کیا لا تدرکہ الابصار انہوں نے فرمایا، تجھ پر افسوس یہ اس وقت ہے جب وہ اپنے اصلی نور کے ساتھ جلی فرمائے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، وہ جبرئیلؑ تھے، انہیں حضورؐ نے اصلی صورت میں دوبار دیکھا ایک مرتبہ سدرہ کے قریب اور ایک بار اجیاد کے قریب جن کے چہ بازو تھے مازاغ البصر حضورؐ کی نگاہ و ماطفی جو کچھ دیکھا اس سے تجاوز نہیں کیا قسمۃ ضیزی خالمانہ یا میڑھی اکدی اپنے احسان کو جتا کر، اپنی عطا کو ختم کیا الذی وفی جو کچھ اس پر فرص کیا اغنی و اقنی دیا اور راضی کیا رب الشعری جو راز کا مرکز از فست الازفة قیامت قریب ہوئی، قیامت کے روز آسمان کی چیخ سامدون کھیلنے والے۔

سورہ قمر

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا پہاڑ پر تھا، اور ایک اس کے اوپر نبی ﷺ نے فرمایا، گواہ ہو جاؤ مستمر ہمیشہ عذاب مستقر حق، مزدجر روکنے والا و از دجر زجرت سے مشتق ہے و دسر دسار کی جمع ہے، کشتی کا چپو، کشتی کے کنارے اشز اکڑنے والا شرب محتضر پانی پر حاضر ہوتے ہیں فتعاطی اپنے ہاتھوں سے اسے دیا، پھر کوچیں کاٹیں المحتظر بکری کے لئے جو بازہ متعین کیا جاتا ہے، اور ہشیم چلنے والا یسرنا القرآن اسی قرأت کو آسان کیا افتمار و انہوں نے جھٹلایا سیہزم الجمع ویولون الدبر آنحضرت ﷺ نے ہر کے روز اس کی تلاوت فرمائی، یعنی اس وعدے کا مصداق یہ ہے مشرکین قریش آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور تقدیر کے معاملے میں جھگڑنے لگے، تو یہ آیت نازل فرمائی یوم یسحبون فی النار علی وجوہہم ذوقامس سفر انا کل شئی خلقناہ بقدر۔

سورہ الرحمن

النجم جو درخت زمین پر پھیلے، بیل الشجر جو تہ پر کھڑا ہو، الوزن ترازو کا کاٹنا الانام

مخلوق، العصف بھونسہ یا ترکاری، گیہوں کا پتہ الریحان کھیتی کی سبزی، کھیتی کا پتہ، وہ دانہ جو کھایا جائے فبای الآ ربکما، اللہ کی کون سی نعمتوں کا صلصال جو مٹی ریت میں ملی ہو، کالفخار جیسے ٹھیکرا بچتا ہے مارچ زرد شعلہ، خالص آگ مرج چلایا برزخ پردہ لا یبغیان نہیں ملتے المنشآت کشتی کے کھلے ہوئے بادبان ذوالجلال عزت و بڑائی والا، سنفرغ لکم یہ اللہ کی جانب سے بندوں کے لئے وعید ہے، اور اللہ کے ساتھ کوئی شغل نہیں ہے، یعنی تمہارا حساب کریگا لا تمنفذن میری حکومت سے نہیں نکل سکتے شواظ آگ کا شعلہ اور ایک قول یہ ہے، کہ وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو، نحاس آگ کا دھواں اور کہا گیا ہے، وہ دھواں جس میں آگ نہ ہو اور ایک قول یہ ہے کہ تانا جوان کے سروں پر انہیں عذاب دینے کے لئے ڈالا جائے گا ولمن خاف مقام ربہ جنتان معصیت کا ارادہ کرتا ہے، پھر اللہ کو یاد کرتا ہے، اور اسے چھوڑ دیتا ہے، افنان شافصی وجنی الجنتین دان جو قریب ہی پھل والا ہو، قاصرات الطرف اپنے خاوندوں کے علاوہ جو کسی کو نہ دیکھیں لم یطمثهن ان سے قریب نہ ہوگا مدھامتان تروتازگی سے سیاہ نضاختان اٹنے والے مقصورات، حوریں، جن کی نگاہیں اور نفس صرف اپنے خاوندوں کے لئے مقید ہوں رفرف خضر مجالس۔

سورہ واقعہ

خافضۃ ایک قوم کو جہنم کی طرف جھکانے والی رافعۃ اور دوسری کو جنت کی جانب اٹھانے والی رجت بلائی جانے کی، بست کٹڑے کٹڑے کئے گئے ثلاثہ جماعت موضوعۃ لگائے ہوئے واکو اپ کو ب وہ برتن ہے، جس میں کنڈا نہ ہوں اور نہ ٹوٹی اباریق کنڈے اور ٹوٹی والے، وولا ینزفون نہ قے کریں گے اور نہ نشہ ہوگا لغوا باطل تائیمیا جھوٹ فی سدہ محضوہ جس میں کانٹے نہ ہوں، جو بوجھ سے لدے ہوئے ہوں، وطلح منضوہ کیلئے وماء مسکوب جاری مترفین فائدہ اٹھانے والے، نعمت حاصل کرنے والے، یحموم سیاہ دھواں انا انشاننا هن انساء حضور نے فرمایا منشآت سے وہ عورتیں مراد ہیں، جو دنیا میں بوڑھی اور چوندھی ہوں گی یصرون ہمیشہ رہتے ہیں الحنث العظیم شرک الہیم پیاسا اونٹ ماتمنون جو تم عورتوں

کے رحم میں نطفہ ڈالتے ہو اننا لمغرمون تاوان ڈالے گئے تڑون جلاتے ہو، اوریت میں نے جلا یا للمقوین سفر کرنے والے بمواقع النجوم قرآن کے حکم سے مدھنوں جھٹانے والے وتسجعلون رزقکم اس کا شکر انکم تکذیبوں، نبی ﷺ نے فرمایا تم کہتے ہو، کہ فلاں فلاں ستارے کے اثر سے پارش برسائے گئے غیر مدینین حساب کرنے والے فروح راحت و جنت نعیم، آرام عسلاّم لک یعنی تیرے بھائی اصحاب الیمین تجھے سلام کہتے ہیں۔

سورۃ حدید

نسر اٹھا ہمارے پیدا کرتے ہیں مستغفین عمر والے فیہ ساسّ شدید اور تھیار مولا کد تمہارے الکی ہے۔

سورۃ مجادلہ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، ہا برکت ہے وہ ذات جس کا سنا ہر شے کو عام ہے، میں خولہ بنت خلیفہ کی بات سنتی تھی اور مجھ سے کچھ باتیں پوشیدہ رہیں، اور وہ اپنے خاوند کی حضور سے شکایت کر رہی تھی، اور کہہ رہی تھی کہ یا رسول اللہ اس نے میری جوانی کو کھالیا، اور اس کے لئے میرا پیٹ پھیلا رہا ہے، جب میری عمر زیادہ ہو گئی، اور اولاد ہوئی بند ہو گئی، اس نے مجھ سے طہار کو لیا، اسے اللہ میں تجھ ہی سے شکایت کرتی ہوں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ اچھی سچھ دیر نہ گزری تھی، کہ حضرت جبریلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے قد سمع اللہ قول التی الخ یحادیون اللہ اس کی مخالفت کرتے ہیں، مکتوا رسوا کئے گئے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا الذین امنوا دا ناحیہ الرسول تو حضور نے فرمایا، یا ایک دینار مناسب ہے، میں نے عرض کیا، وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے، آپ نے فرمایا، آدھا دینار، میں نے کہا اس کی بھی طاقت نہیں رکھیں، آپ نے فرمایا پھر کتنا میں نے کہا ایک جو سونے کی، فرمایا، تو بہت زائد ہے، تو یہ آیت اتری اشفقنہ حضور نے فرمایا اللہ نے میرے ذریعہ سے اس امت سے تخفیف فرمائی، استخود غائب ہوا۔

سورہ حشر

الجللاء ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکالنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ آیت بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی، مسلمانوں کو درختوں کے کانٹے کا حکم دیا گیا تو ان کے دلوں میں کھٹکا پیدا ہوا، انہوں نے پاہم کہا، کہ ہم نے بعض درخت کاٹے، اور بعض چھوڑ دئے، تو آؤ ہم نبی ﷺ سے سوال کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ما قطعتم من لینۃ آخر آیت تک، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، وہ ایسے قبیلے تھے، کہ کبھی جلا وطن نہ ہوئے تھے لیکن کبھو رکا درخت، بجوہ اور برنیہ کے علاوہ حاجۃ حصد خصاصۃً فاقہ، روایت کیا گیا ہے، کہ انصار کے ایک شخص کے پاس ایک مہمان بنے رات گزاری، اور اس انصاری کے پاس بجراپے کھانے اور بچوں کے کھانے کے کچھ نہ تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا بچوں کو سلا دو، چراغ بجھا دو، اور بو کچھ تیرے پاس موجود ہے، وہ مہمان کے سامنے رکھ دے تو یہ آیت نازل ہوئی ویو ثرو ن علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃً۔ المقلحون بیہقی کے ساتھ فائز ہونے والے فلاح کے معنی بقا کے ہیں المہیمین شاہد العزیز جو چاہے اس پر قادر الکیم جو ارادہ کرے اس کا حکم دینے والا۔

سورہ ممتحنہ

حاطب بن ابی بلتعہؓ نے حضور کی بعض خبروں کی اطلاع کے لئے مشرکین کو ایک خط لکھا، جس پر یہ سورت نازل ہوئی، لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا ہم پر انہیں مسلط نہ کر، کہ وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کر دیں، اسماء بنت ابی بکرؓ کی ماں اسماء کے پاس کچھ ہدایا لے کر آئی، لیکن اسماء نے ہدایا لینے سے بھی انکار کیا اور اسے گھر میں بھی داخل نہ ہونے دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لا ینفککم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم الخ لا یتائین ببہتان ینفرتینہ اپنے ازواج کے ساتھ کئے غیر کی اولاد کو نہ ملاؤ۔

سورہ صف

عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں، ہم صحابہ کی ایک جماعت بیٹھے باہم مذاکرہ کر رہے تھے، ہم

نے کہا، اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا، کہ اللہ کون سا عمل زیادہ محبوب ہے، تو ہم اس پر عمل کرتے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی سُبْحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْخِ مَرْصُوصٍ
بَعْضُ بَعْضٍ سَ لَمَّا ہُوَ اَمِنْ اَنْصَارِی الٰہِ اللّٰہُ کون میری اتباع کرے گا۔

سورہ جمعہ

واٰخِرِیْنِ مِنْہُمْ لَمَّا یُلْحِقُوْا بِہُمْ اَپ سے دریافت کیا گیا، یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں
تو آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمانؓ کے کندھے پر رکھ کر فرمایا، اگر ایمان ثریا کے قریب
ہو، تو اس قوم کے پیچھے آدمی اسے ثریا سے اتار لائیں گے، جمعہ کے روز ایک قافلہ غلہ لے کر آیا، اور
صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، لوگ حضور کو چھوڑ کر قافلے کی جانب چلے گئے، صرف بارہ شخص
باقی رہ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَاِذَا رَاوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا اٰخَرْتُمْ۔

سورہ منافقین

عبداللہ بن ابی کے رو میں نازل ہوئی، جو اس نے حضور کے بارے میں گستاخی کی تھی اور
زید بن ارقم کی تصدیق کے لئے قاتلہم اللہ اللہ ان پر لعنت کرے جس جگہ بھی لفظ قتل قرآن میں
اللہ کی جانب مضاف ہے اس سے مراد لعنت ہے خشب مسندۃ کھجور کے کھڑے درخت
لِوَاوِءِ سَہْمِ سِرِّوْنَ کو حضور کا مذاق اڑانے کے لئے حرکت دیتے ہیں، یسففصوا متفرق
ہو جائیں۔

سورہ تغابن

یوم التغابن اہل جنت اہل نار کا ٹہن کریں گے ومن یؤمن باللہ یتھقل قلبہ یہ وہ ہے
کہ جب کوئی مصیبت پہنچے، تو راضی ہو اور جان لے کر یہ اللہ کی جانب سے ہے ان من اٰزوا حکم
واولادکم عدو لکم اتن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو مکہ میں اسلام لائے انہوں
نے حضور کی خدمت میں آنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی بیویوں اور ان کی اولاد نے انکار کر دیا۔

سورہ طلاق

انفقوا صدقہ کرو ومن یتق اللہ یتق للہ مخرحاً دنیا و آخرت کی ہر مصیبت سے

اسے نجات دے گا ان اربتم اگر تم اسے نہیں جانتے وہ سال امرہا اس کا بدلہ واولات الاحمال اس کا مفروضات حمل ہے، نبی ﷺ نے بیان فرمایا، اگر حاملہ کو خاوند کی وفات کے فوراً بعد وضع حمل ہو جائے، تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، تو اولات الاحمال کا حکم اس عورت کے لئے مخصوص ہے، جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو، عنت عن امر رہا اس کا انکار کیا۔

سورہ تحریم

آنحضرت ﷺ حضرت زہب کے پاس شہد پتے اور پچھ دیے ٹھہرتے، تو آپ کی ازواج نے باہم موافقت کی اور آپ سے کہا، کہ آپ سے مفاہیر کی بات ہے، تو یہ سورت نازل ہوئی، اور جن دو عورتوں نے حضور کے خلاف اتفاق کیا تھا، وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ ہیں، ایک روایت یہ ہے، کہ آنحضرت ﷺ کی ایک باندی تھی، جس سے آپ صحبت فرماتے، حفصہ آپ کو اس سے روکتی رہیں حتیٰ کہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام فرمالیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یا ایہا النبی لم تحرم۔ صحت قلوبکما ماکل ہوئے ظہیر مدگار قوا انفسکم اہلیکم ناراً، اپنے اہل کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرو، اور انہیں ادب سکھاؤ۔

سورہ ملک

فسحقاً بلائک من فطور یخن حسیر، کمزوری غرور باطل میں تفاوت اختلاف تیز نکلو۔ ہو جائے مٹا کبھا اس کے کنارے سے تغور، جوش مارتا ہے۔

سورہ دن

لو تدھن فیدھنون اگر تو انہیں ڈھیل دے، تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں گے عقل منکبر زنیہ حرام زادہ، بہت ظالم کا صریم جیسے صبح رات سے جدا ہوتی ہے اور رات دن سے، صریم کے معنی ہیں، جانے والا بتخافتون مناجات کرتے ہیں علیٰ حرہ فقیروں کو انکار کر دینا، قال اوسطہم ان میں سب سے منعف یوم یکشف عن سابق خست کام سے بتایا ہے جو قیامت

کی بول سے گھبرانے والا ہوگا، ابن مسعود فرماتے ہیں، یہ بے چینی کا دن ہوگا، نبی ﷺ نے فرمایا، ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا، تو ہر مومن اور ہر مومنہ اسے سجدہ کریں گے، اور جو شخص دنیا میں ریا کاری کے لئے سجدہ کرتا تھا، وہ باقی رہ جائے گا وہ سجدہ کرنا چاہے گا، تو اس کی کمر ایک طبق کی طرح ہو جائے گی وہ مظلوم، مغموم، مہو، مذموم، ملامت کیا ہوا لیل لقونک تجھے کم کریں گے۔

سورہ حاقہ

صر صر شدید عاتبہ سرخی کرنے والی حسوماً پے درپے خاویۃ جس کا اوپر کا حصہ نیچے کے حصہ پر گر گیا ہو طغی الماء بہت زیادہ ہوا واعیۃ حفاظت کرنے والی انسی ظننت میں نے یقین کیا دانیۃ قریب کانت القاضیۃ پہلی ہی موت جو مجھے آچکی اس کے بعد میں زندہ نہ ہوتا عسلیم دوزخیوں کی پیپ الوتین قلب کی رگیں۔

سورہ معارج

سأل سائل دہنر بن حارث ہے جس نے کہا تھا اللہم ان کان لهذا هو الحق آخر تک المعارج بندی اور فضیلت، کالمہل یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے یغاثوا ہما کالمہل نبی ﷺ نے فرمایا، جیل کی تھمت کی طرح، جب وہ اسے اپنے منہ کے قریب لے جائیگا تو اس کے چہرے کی کھال گل کر رہ جائے گی فضیلتہ اس کے دو دھیال میں سے وہ قرہی شخص جس کی جانب وہ منسوب ہو نزاعۃ للشوی ہاتھ، پیر اور دیگر اعضاء اور سر کی کھال جسے شواۃ کہا جاتا ہے عزیزین حاقہ، ہما عتیس اس کا واحد غزۃ ہے۔

سورہ نوح

مدراراً بعض بعض کے پیچھے لا ترجون لله وقاراً تم اللہ سے اس کے عظیم ہونے کے سبب ڈرتے نہیں سبلاً ہما عتیس فجاجاً مختلف و الکبار کبار سے زیادہ بڑا رد اولاً سواغاً آخر آیت تک، ابن عباس فرماتے ہیں یہ قوم نوح کے نیک آدمی تھے، جب وہ مر گئے، تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں ڈالا، کہ جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے، وہاں ان کے مجسمے رکھو، اور ان

جسموں کے وہی نام رکھو، انہوں نے یادگار کے طور پر ایسا ہی کیا، ان لوگوں نے تو انکی عبادت نہ کی، لیکن انکے مرنے کے بعد انکی اولاد نے انکی عبادت شروع کر دی۔

سورہ جن

آنحضرت ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کی جانب تشریف لے چلے، اور شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک پیدا کر دی گئی تھی، اور ان پر شعلے پھینکے جانے لگے، شیاطین نے باہم فیصلہ کیا، کہ مشرق و مغرب میں پھر کر معلوم کرو، کہ کونسا ایسا امر پیش آیا ہے، جس کے باعث ہم آسمان کی خبریں نہیں سن سکتے، ان میں سے کچھ شیاطین سرزمین مدہ کی جانب چلے، اس وقت نبی ﷺ ایک نخلستان میں صحابہ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، جب انہوں نے قرآن سنا تو بولے کہ یہی باعث ہے، جو ہم پر آسمان کی خبروں کو روک دیا گیا ہے، تو اسی وقت وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ کر گئے اور بولے یا قوم منا انا سمعنا کئی آیات تک جسدر بنا خدا کا فعل وامر اور اس کی عظمت و قدرت فلا یخاف بخساً اس کی اچھائیوں میں کوئی نقص ولا رھقاً اس کی برائیوں میں کوئی زیادتی طوائف قدماً ہر طریقے سے لہذا دوست۔

سورہ مزمل

جب یہاں المزمّل نازل ہوئی، تو صحابہ کرام اتنا قیام کرتے کہ پاؤں ورم کر آتے، تو اللہ نے یہ آیت اتاری فاقروا اما تیسر منہ، و تبتل خالص کرانکا لآ قیدیں کشیباً مہیلاً بنے والی ریت اخذاً و بلا سخت جس کے لئے کوئی ٹھکانہ نہ ہو منفطر بہ بھاری، قیامت کے خوف سے پھیننے والے۔

سورہ مدثر

الرّحزبت یوم عسیر سخت صعوداً آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، عود ووزخ میں ایک پہاڑ ہے، جس پر کافر ستر سال تک چڑھتے رہیں گے پھر اس سے گرائے جائیں گے، اور یہ ہمیشہ ہوتا رہے گا لواحۃ جلانے والی اتانا الیقین موت، مستنفرۃ نفرت کرنے والی

گھبرانے والی قصورۃ شیر یا لوگوں کی ڈانٹ ڈپٹ اور انکی آوازیں۔

سورۃ قیامہ

لیف جبرامامہ کہتا ہے میں عنقریب تو یہ کروں گا، لا وز کوئی پناہ کی جگہ نہیں، آنحضرت ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو اپنی زبان کو حرکت دیتے، تو یہ آیت نازل ہوئی لا تحسبک بہ لسانک، فإذا قرأه فاتبع قرأه اس پر عمل کر باسورۃ پڑھے ہوئے والتفت الساق بالاساق دنیا کا سب سے آخر دن اور آخرت کا اول دن شدت سے مل جائیں گے یتمطی اکثرنا ہے اولیٰ لك فاولیٰ تجھے ڈرایا جاتا ہے سدئی مہمل۔

سورۃ دھر

امشاج مختلف رنگوں کے شے، اور کہا گیا ہے، کہ مرد اور عورت کے نطفہ کا رحم میں مل جانا، مستطیر آغا مٹک، جس کی مصیبت لمبی ہو، عبوساً قمطیراً جو شخص درد کے باعث اپنا چہرہ کینز لیتا ہو، اور ایک قول یہ ہے، کہ لمبا، اور ایک قول ہے سخت سلسبیلآ تیز جاری شدہ دندا اسرہم ان کے جوڑوں کے تعلق کو ہم نے اعصاب کے ساتھ مضبوط کیا۔

سورۃ مرسلات

کفاتا اس کے پٹے ہو گئے رواسی شامخات اونچے پہاڑ فراتا میٹھا جمالت صغر کشتیوں کی رسیاں اتنی جمع ہو جائیں، جیسے درمیانے قد کے آدمی۔

سورۃ نباہ

سراجاً وهاجاً روشن المعصرات بادل جو ایک دوسرے کو چھوڑتا ہو جس سے پانی دونوں بادلوں کے درمیان سے نکلے ثجاجاً پہنے والا العافاً مجتمع غساقاً آنکھ کا پانی، زخم کا پانی بہنا، جزاء وفاقاً ان کے اعمال کے موافق لایرجون حساباً اس سے خوف نہ کریں گے مفازاً جائے پناہ کو کواعب حسین، اتر ابا ہم سن تینتیس سال کی وکاساً دھاقاً بھرا ہوا عطاۃ حساباً پورا بدلہ لایملکون منہ خطاباً اس کی اجازت کے بغیر اس سے بات نہ کریں گے

الروح خلقت کے لحاظ سے بڑے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ وقال صواباً حق اور کہا گیا ہے، لا اله الا الله۔

سورۃ نازعات

الرادية دوسر انفعه واجفة ڈرنے والی فی الحاقرة ہمارے پہلے کام کی طرف یعنی زندگی نخرۃ بوسیدہ، بالسافرة زمین کا اوپر کا حصہ متاعاً لکم نفع، سمکھا اس کی بناء و اغطش تاریک کیا مر سہا اس کی انتہاء۔

سورۃ عبس

عبس و تسولى ابن ام مکتوم نابینا کے بارے میں نازل ہوئی، کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے، کہ یا رسول اللہ مجھے ہدایت کیجئے، اور آنحضرتؐ کے پاس اس وقت ایک رکبیں نہ بیٹھا تھا، آپ ابن مکتوم سے منہ پھیر رہے تھے اور دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے تھے، تصدی تو نے اس سے تغافل برتا تسلفی تو بے پروا ہو اس سفرۃ کتبہ لهما یقص انسان نے اس شے کو پورا نہ کیا، جس کا اسے حکم دیا گیا ہے وقضبا تازہ کھجوریں ڈالیں حدائق باغ وفا کھٹہ تازہ پھل و آباً جسے چوپائے کھاتے ہیں مسفرۃ چمکدار ترہقھا قترہ اسے ختنی نے ڈھانٹ لیا ہے۔

سورۃ کوثر

کوثر سیاہ کردیا گیان کدورت بے نور ہو جائیگے اور ٹوٹ جائیں گے سجرت اس کا پانی جاتا رہا، بعض کے نزدیک مسجور کے معنی بھرے ہوئے کے ہیں و اذا النفوس زوحت اپنے ہم جیروں سے ملا دیا گیا، وہ اہل جنت ہوں یا اہل دوزخ الخنس الجوار الكنس لوتے ہیں پھر داخل ہو جاتے ہیں جیسے ہرن داخل ہوتا ہے عس عس پشت پھیری والصبح اذا تنفس دن بلند ہو گیا بضنین بخس یا مہم۔

سورۃ انفطرت

فجرت بعض بعض میں کھول دیا گیا، بے عثرت پھاڑ دی گئیں فعدک تجھے خلوت میں معتدل بنایا۔

سورۃ مطففین

مطفف وہ ہے جو پورا ناپ کر یا تول کر نہ دے، یوم يقوم الناس آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے پسینہ میں ہر ایک ان میں سے آدھے کانوں تک کھڑا ہوگا ہل ران گناہ جم گئے علیین جنت الارائک تحت رحیق شراب ختامۃ اس کی مٹی من تسنیم اہل جنت کی شراب کے اوپر ہوگا ثوب بدلہ دیا گیا۔

سورۃ انشقت

اذنت سنا اور اطاعت کی الفت اس میں جو مردے تھے وہ اس نے نکال پھینکے وتخلت اس سے حساباً یسیراً نبی ﷺ نے فرمایا یہ بغیر مناقشہ کے پیش ہونا ہے لن یحور نہیں لوٹے گا، نہیں اٹھے گا و ما وسق چو پاؤں کو جمع کیا والقمر اذا تسق اتساق کے معنی مجتمع ہونا ہیں لتركبن طبقاً عن طبق ایک حالت کے بعد دوسری حالت اجر غیر ممنون بغیر کم کئے۔

سورۃ بروج

اصحاب الاخدود زمین میں گڑھا، ایک لڑکا جسے لوگوں نے جادو کھینے کا حکم دیا تھا، ایک راہب کے ہاتھ پر اسلام لے آیا، جب لوگوں کو اس کی خبر ہوئی، تو اسے پکڑ لیا، لیکن اس سے کرامت ظاہر ہوئی اور بہت سے آدمی اس کے ہاتھ پر ایمان لے آئے لوگوں نے اسے قتل کر دیا، اور جو لوگ اس کے ہاتھ پر ایمان لائے، انہیں پکڑ کر گڑھوں میں ڈال کر آگ لگا دی فتنوا عذاب یا الودود دوست۔

سورہ طارق

الترايب عورت کے گلے کی وہ جگہ جہاں ہار رہتا ہے، ذات الرجیع ہاؤل، کہ بارش
کیساتھ لوٹتا ہے، والارض ذات الصدع گھائس سے چھتی ہے لِقَوْلٍ فصل، حق و ماہو
بالهزل باطل۔

سورہ اعلیٰ

عشاء کوز الحوی متغیر من تزکی شرک سے و ذکر اسم ربہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار
کیا، فصلی پانچوں نمازیں۔

سورہ غاشیہ

غاشیہ، طامہ، صاخہ، حاقہ اور قارع قیامت کے نام ہیں عاملۃ ناصبۃ وہ نصاریٰ ہیں
عین انبیہ جو اپنے کناروں تک بھرا ہوا، اور اسکا پینا قریب ہو ضریع ایک گھائس ہے اور کہا گیا
ہے کہ آگ کے درخت لا تسمع فیہا لا غیۃ گالی و نمارق بستر بمصیطر جبار مسلط،
داروغہ۔

سورہ فجر

آنحضرت ﷺ اور وتر کے معنی دریافت کئے گئے، فرمایا وہ نمازیں ہیں، ان میں سے
بعض وتر ہیں یا وتر سے مراد اللہ ہے ارم ذات العماد بلند محل والا جابو الصخر پہاڑوں میں
پتھر کاٹ کاٹ کر مکان بنائے سسوط عذاب یہ ایک کلمہ ہے جس سے عرب ہر قسم کا عذاب
مراد لیتے ہیں لبالممرصاد سبتا اور دیکھتا ہے، اسی کی جانب لوٹتا ہے ولا تحاضون علی
طعام المسکین اس کے کھلانے کا حکم نہیں دیتے اکلالما جامع حبا جما شدید و کثیر انی لہ
اس کے لئے کیونکہ ہوگا المطمئنة مومنہ۔

سورہ بلد

فی کبد اعتدال اور استقامت میں ما لا یلبدا کثیر المنجدین خیر و شر، ہدایت و گمراہی

فلا اقتحم العقبة دنیا میں گھائی کو طے نہیں کیا، پھر اپنے قول کے ساتھ عقبہ کی تفسیر فرمائی وما ادرك. ذامسغیة بھوک، ذامتربیة مٹی میں لوٹنے والا، حاجت اور کوشش والا مؤصدة تہ بت۔

سورہ شمس

وضحاہا اس کی روشنی طخھا اے تقسیم کیا فالھمھا فجورھا وتقوھا اس کے لئے خیر و شر کو بیان کیا بطفوھا اس کی نافرمانیوں کے ساتھ اذ انبعث اشقاھا ایک ظالم جس کا نام قدار تھا، اور وہ اپنی جماعت میں صاحب شوکت تھا ولا یخاف عقباھا اپنے انجام کا خوف نہیں کرتا۔

سورہ لیل

اذا تردی جب مرجائے گا اور دوزخ میں گرے گا، بالحسنی حلف کے ساتھ تطلقی بھڑکتا ہے۔

سورہ ضحیٰ

سجی سیاہ ہوا، ساکن ہوا، گیا ساوڈ عك ربك وما قلی تجھے نہیں چھوڑا، اور نہ مجھ سے بغض کیا ہے، جب ایک بار جبریلؑ کو آنے میں دیر ہوئی، تو مشرکین بولے، کہ اب تو محمدؐ کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، عائلاً عیال والا۔

سورہ الم نشرح

انقص ہماری کردیا فانا نصب، دعائیں۔

سورہ تین

فی احسن تقویم، عمدہ خلقت میں۔

سورہ قلم

الرجعی لوٹنے کی جگہ لنسفعاً ہم ضرور پکڑیں گے نادیدہ اس کے خاندان کو، ابو جہل

نے کہا، کہ اگر میں محمد کو نماز پڑھتے دیکھوں گا، تو اس کی گردن پر پیر رکھ دوں گا، حضور نے فرمایا، کہ اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا، تو اسے فرشتے ظاہر ہو کر پکڑ لیتے، ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے آپ سے کہا، کہ تو جانتا ہے، کہ مجھ سے زیادہ کوئی مجلس والا نہیں، تو اللہ نے یہ آیت اتاری، فلیدع سادیہ سندع الزبانیۃ یعنی فرشتے۔

سورۃ قدر

انا انزلناہ فی لیل القدر، قدر کی ایک رات ایک ہزار مہینے کی رات سے بہتر ہے۔

سورۃ لم یکن

منفکین، زائل ہونے والے۔

سورۃ زلزلت

تحدث اخبارها حضور نے فرمایا، اسکی خبر یہ کہ، ہر بندے اور بندی پر اس بات کی شہادت دے، کہ اس نے زمین پر کیا کیا عمل کئے ہیں۔

سورۃ عادیات

فاثرن بہ نقعا اس کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں لکنو بہت ناشکر، الحب الخیر لتدیذ بخیل، حصل جدا کیا گیا۔

سورۃ قارعہ

کالفراش المبثوث ٹڈی کی طرح، کہ بعض بعض پر سوار ہوں، اسی طرح بعض انسان بعض میں چھپے ہوں گے کالعین اون کے رنگوں کی طرح، اور عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں کا صوف ہے۔

سورۃ تکاثر

الہاکم التکاثر، مال و اولاد کی کثرت،

سورۃ عصر

العصر زمانہ، خسر، گمراہی۔

سورۃ ہمزہ

الحطمة جہنم کا نام ہے، سقر اور نفل کی طرح

سورۃ فیل

الم تر کیا تو نہیں جانتا طیرا ابابیل پہ در پہ آنے جانے والے، اپنی چونچ اور پیروں میں پتھر لاتے تھے، تو وہ ان کے سروں پر مارتے تھے، من سحیل یہ لفظ معرب ہے، سنگ گل سے۔

سورۃ قریش

لایلاف قریش قریش پر میری نعمت کے لئے ایلا فہم انکا لازم ہوتا، وہ سفر کو محبوب رکھتے، سردی اور گرمی میں ان پر کوئی بار نہ گزرتا وامنہم من خوف ان کے دشمن سے۔

سورۃ ماعون

یدع الیتیم اس کے حق سے روتا ہے ساہون نفقت کرنے والے الماعون، ہر اچھی چیز اور بعض نے کہا ہے، پانی اور نہا گیا ہے، اس کا اعلیٰ حصہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ حصہ عاریۃ سامان لینا ہے۔

سورۃ کوثر

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے شانک تیرا دشمن۔

سورۃ کافرون

لکم دینکم ولی دین تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے، یہ قرآن کی وسعت نظری ہے، لا اکراہ فی الدین اس کی مزید وضاحت ہے۔

سورۃ نصر

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، یہ حضورؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، کہ اللہ نے خاص کر آپؐ کو اس کا علم دیا، پھر اس کی تصدیق کی۔

سورۃ تبت

آنحضرت ﷺ صفا پر چڑھے اور آواز دی، یا صبح تمام قریش آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، آپؐ نے فرمایا، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، جس پر ابولہب نے کہا تیرے ہاتھ تو نہیں، تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا، اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تبت یذا ابی لہب مسد مسجھ، دوزخ کی زنجیر۔

سورۃ اخلاص

ایک بار مشرکین نے کہا، ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کر، تو اللہ نے قل هو اللہ احد اتاری الصمد جس کا نفع کامل ہو۔

سورۃ فلق

الفلق صبح، جب رات کی سیاہی سے جدا ہو جائے، پیدا کرنا غاسق زیادہ اندھیری رات اذا وقلب، جب کہ سورج غروب ہونے کے باعث رات کی سیاہی ہر چیز میں داخل ہو جائے، حضورؐ نے چاند کی جانب نظر اٹھائی، اور فرمایا، اے عاکشہ اللہ سے اس کے شر سے پناہ مانگ، کیونکہ یہی وہ غاسق ہے، جو تاریک ہو جاتا ہے۔

سورۃ ناس

الوسواس الخناس، جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس کے پاس شیطان آتا ہے، اُتر اس وقت اللہ کا ذکر کیا جائے تو بھاگ جاتا ہے، اور اگر اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو دل میں جُبد بنالیتا ہے۔ اور یہ آخری چیز ہے، جو ہم نے رسالہ فتح النیر میں ذکر کی ہے، والحمد لله او لا و اخرأ و باطنأ و ظاھرأ و صلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين۔

فیوض الحرمین

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا عابد الرحمن صدیقی

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	(۱) مشہد (یعنی ارباب فکر اور اصحاب ذکر	۴۰۶
۲	(۲) مشہد یعنی تہذیب کی حقیقت	۴۰۷
۳	معرفة عظیمہ	۴۰۸
۴	تحقیق شریف	۴۰۸
۵	زائد ایضاح یعنی وجدان کی حقیقت	۴۰۹
۶	(۳) مشہد یعنی اللہ تعالیٰ کے شعائر کا نور بلند ہوتا ہے	۴۱۲
۷	(۴) مشہد عظیم اور تحقیق شریف	۴۱۲
۸	(۵) مشہد عظیم یعنی ملکہ دعا حاصل ہونے کے بعد داخلہ ملا علی	۴۱۸
۹	(۶) مشہد یعنی ایک غیبی اشارہ	۴۲۰
۱۰	(۷) مشہد عظیم اور تحقیق شریف یعنی ایمان لانے کی قسمیں ہیں	۴۲۰
۱۱	(تحقیق شریف اولیاء اللہ کا الہام)	۴۲۲
۱۲	(۸) تحقیق شریف اور مشہد	۴۲۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۲۵	(۹) مشاہد اجمالی، انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں	۱۳
۴۲۶	(۱۰) مشہد یعنی شفاعت کا ثبوت	۱۴
۴۳۰	(۱۱) مشہد یعنی آنحضرت ﷺ رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین ہیں	۱۵
۴۳۳	تحقیق شریف یعنی ایک شبہ کا ازالہ	۱۶
۴۳۶	(۱۲) مشاہد آخری آنحضرت ﷺ کو تمام انبیاء کرام پر فوقیت حاصل ہے	۱۷
۴۳۷	(۱۳) مشہد یعنی روضہ اطہر اور منبر مبارک کے انوار اور برکات	۱۸
۴۳۸	(۱۴) مشہد آخر یعنی روح مبارک ﷺ کی عظمت	۱۹
۴۳۸	(۱۵) مشہد آخر	۲۰
۴۳۹	(۱۶) مشہد آخر یعنی حقیقت محمد ﷺ	۲۱
۴۳۹	(۱۷) مشاہد	۲۲
۴۴۰	(۱۸) مشہد آخر	۲۳
۴۴۱	حقیقت طریق	۲۴
۴۴۳	(۱۹) مشہد آخر مذہب حنفی کا بہترین طریقہ	۲۵
۴۴۳	(۲۰) مشہد آخر یعنی روضہ اطہر کے انوار تمام انوار سے فائق ہیں	۲۶
۴۴۴	(۲۱) مشہد آخر علماء کرام کا مقام رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بہت بلند ہے	۲۷
۴۴۵	(۲۲) مشہد آخر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو کیوں فضیلت حاصل ہے	۲۸
۴۴۶	(۲۳) مشہد آخر (رسول پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نظر)	۲۹
۴۴۷	(۲۴) انسان محدث بنے یا اس کا طفیل	۳۰
۴۴۷	(۲۵) مشہد یعنی عارف کے کامل ہونے کے	۳۱
۴۴۸	(۲۶) مشہد یعنی کامل معرفت کو ہمہ قسم کی نعمتیں ملتی ہیں	۳۲
۴۵۱	(۲۷) مشہد آخر۔ وہو القاہر فوق عبادہ کا مطلب	۳۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۵۲	(۲۸) مشہد، اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف کتاب نازل کرنے کے وقت کیا کرتا ہے	۳۴
۴۵۳	(۲۹) مشہد، قَدِمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ کی تفسیر	۳۵
۴۵۵	(۳۰) مشہد، نور عرش	۳۶
۴۵۵	(۳۱) اجمالی مشاہد، فضیلتی اکسیر اعظم اور کبریت احمر ہے	۳۷
۴۵۶	(۳۲) مشہد آخر، ائمہ اہل بیت کا عجیب طریقہ	۳۸
۴۵۷	(۳۳) مشہد آخری، تفصیل شیخین کا حکم	۳۹
۴۵۸	(۳۴) مشہد نور ارشادیت	۴۰
۴۵۸	(۳۵) مشہد	۴۱
۴۵۸	(۳۶) مشہد	۴۲
۴۵۹	تحقیق شریف	۴۳
۴۶۰	مزید تحقیق شریف	۴۴
۴۶۱	(۳۷) مشہد یعنی ملا علی کے اسرار عارف کی روح میں حلول کرتے ہیں	۴۵
۴۶۲	(۳۸) مشہد، کمال انسانی کس وقت تحقق ہوتا ہے	۴۶
۴۶۳	(تحقیق شریف) حدیث لا یرد القضاء الا الدعاء کا مطلب	۴۷
۴۶۴	تحقیق شریف	۴۸
۴۶۷	تحقیق اور تمثیل	۴۹
۴۶۹	(۳۹) مشہد آخر	۵۰
۴۷۱	(۴۰) مشہد آخر	۵۱
۴۷۲	تحقیق	۵۲
۴۷۳	(۴۱) مشہد آخر و تحقیقات	۵۳
۴۷۵	(۴۲) جنیتوں اور دوزخیوں کا لباس	۵۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۷۶	(۴۳) مشہد یعنی ولی کو خلعت قطیبت کس وقت پہنایا جاتا ہے	۵۵
۴۷۹	(۴۴) شہر اجمیر میں کفر کی باتوں کا رواج	۵۶
۴۸۰	(۴۵) مشہد آخر یعنی دقائے اور ان کے اثرات	۵۷
۴۸۷	(سید عبدالسلام بن بشیش کے قول کی تشریح)	۵۸
۴۸۹	(تحقیق کا ملین کیلئے ذات کی طرف وصول بالفضل ثابت ہے)	۵۹
۴۹۰	(تحقیق اللہ تعالیٰ کو علم اشیاء اجمالاً و تفصیلاً حاصل ہے)	۶۰
۴۹۱	(۴۶) مشہد آخر، ہندوستان میں مذہب خنئی کی ضرورت اور اسکی حقانیت	۶۱
۴۹۴	(۴۷) مشہد آخر کی ہویا غبی ہر ایک صراط مستقیم پر کار بند ہو سکتا ہے	۶۲
۴۹۴	تحقیق	۶۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الہی میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں اور اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ تیری حمد و ثناء میں قاصر ہوں اور تیری ہی مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد کا طلبگار ہوں اور جانتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی گناہ معاف کرنے والا اور رنج و راحت میں مدد کرنے والا نہیں، بس تیری ہی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور اپنے کو تیرے ہی سپرد کرتا ہوں میری تمام عبادتیں تیرے لئے ہیں اور میری موت و حیات سب تیرے قبضہ قدرت میں ہے آپ کا شریک و پیہم نہیں، میں اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے پناہ چاہتا ہوں اور اعمال عاجزی کیساتھ درخواست کرتا ہوں کہ بہترین اخلاق اور اعمال صالحہ کی ہدایت عطا فرما اور اس بات کا عقیدہ رکھتا ہوں کہ برائیوں سے بچاؤ والا اور بھلائیوں کی ہدایت کرنے والا اس ذات کے علاوہ اور کوئی نہیں کہ جس نے مجھے پیدا کیا اور زمین و آسمان کو بنایا، گواہی دینا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لا شریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ بندے اور رسول ہیں، جو سب رسولوں سے افضل اور تمام انبیاء کرام سے اشرف ہیں ان پر اور ان کی آل و اصحاب پر یکے بعد دیگرے جب تک کہ رات دن ہیں اور جس وقت تک آسمان سایہ کرے اور زمین اس کا مظہر رہے، اللہ تعالیٰ کا درود نازل ہو۔

اما بعد۔ بندہ عبد ضعیف ولی اللہ بن عبد الرحیم دہوی (اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی عنایتیں اور رحمتیں نازل فرمائے) کہتا ہے کہ اللہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے حج بیت اللہ اور زیارت رسول خدا صلی اللہ علیہ کی ۱۱۴۳ھ یعنی ایک ہزار ایک سو تینتالیس میں توفیق عطا فرمائی اور اس سے اعلیٰ نعمت یہ حاصل ہوئی کہ میرا حج مشاہدہ اور معرفت الہی کے ساتھ ہوا کوئی حجاب اور کسی قسم کی رکاوٹ

پیش نہیں آئی اور اسی طرح زیارت بھی زیارت مبصرہ ہوئی، اندھوں والی زیارت نہ ہوئی سو یہ زیارت شریفہ میرے نزدیک تمام نعمتوں سے فائق ہے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ ان تمام مشاہد کے اسرار جو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انقاء فرمائے ہیں لکھ لوں اور اسی طرح جیسا کہ مجھے روحانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فوائد حاصل ہوئے تاکہ یہ چیز میرے لیے باعث تذکیر، میرے بھائیوں کے لیے بصیرت کے فرائض انجام دے، امید ہے کہ اس تالیف سے کچھ شکر ادا ہو جائے اور میں نے اس رسالہ کا نام ”فیوض الحرمین“ رکھا ہے (۱) اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بڑا کارساز ہے، برائی سے محفوظ رکھتا ہے اور نیکی پر قوت عطا کرنا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے چنانچہ ان مشاہدوں میں سے مشاہدہ اول حسب ذیل ہے۔

(۱) مشہد، یعنی ارباب فکر اور اصحاب ذکر

میں نے خواب میں ایک کثیر اہل اللہ کی جماعت دیکھی، ایک جماعت ان میں سے اہل ذکر اور یادداشت کی تھی، ان کے قلوب پر نورانی اثرات اور چہرے پر تروتازہ اور صاحب جمال تھے وہ وحدت الوجود کے قائل نہ تھے اور ایک جماعت ان میں سے وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھتی تھی کہ جن کا مشغلہ فکر سر بیان وجود تھا ان کے دلوں میں شرمندگی اور خجالت، اس امر حق کی بنا پر تھی کہ عالم تدبیر عموماً اور نفوس کی خصوصاً حق ہے، ان کے چہرے سیاہ اور منہ سوکھے ہوئے تھے۔ دونوں جماعتیں کامیاب ہیں، اہل اذکار و اوراد بولے، ہمارا نور اور جمال نہیں دیکھتے ہمارا راستہ تم سے بہت زائد ہدایت پر ہے، وحدۃ الوجود والوں نے جواب دیا کیا سب موجودات کی ہستی حق کے وجود کے سامنے امر حق کے مطابق واقع نہیں ہے؟ سو ہمیں وہ راز معلوم ہو گیا کہ جس سے تم ناواقف ہو لہذا ہمیں تم پر فضیلت ہے غرضیکہ جب ان دونوں جماعتوں میں تنازع بڑھ گیا تو انہوں نے مجھے اپنا فیصل بتالیا اور اپنا جھگڑا میرے سامنے پیش کیا میں ان دونوں میں منصف بنا اور کہا کہ بعض علوم صادقہ ایسے ہیں کہ جن سے نفس مہذب ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن سے نفس تہذیب نہیں پاتا اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس میں قسم قسم کی استعدادیں پیدا کی ہیں اور علوم حقہ میں سے ہر

(۱) یہ حضرت شاہ صاحب کارو حاتی سفر نامہ ہے (قلمی)

ایک نفس کا ایک شرب ہے کہ جب بھی اس میں مستغرق ہو جائے تو تہذیب پاتا اور سنور جاتا ہے اور جس وقت اس سے انہماک نہ ہو تو صلاحیت اور درنگی پیدا نہیں ہوتی، تو تمہارا یہ مسئلہ اگرچہ علوم حقہ میں سے ہے مگر تمہارا یہ شرب نہیں، تمہارا شرب تو حقیقت جامعہ کی جانب ملاء اعلیٰ کے تضرع کے طور پر متوجہ ہوتا ہے، بہر حال نور والافرقہ گو اس مسئلہ سے جا مل رہا مگر اپنے شرب حق تک پہنچنے میں غلطی نہ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے نفس مہذب اور درست ہو گئے اور جس کمال کے لیے پیدا ہوئے تھے اس تک پہنچ گئے، اور اصحاب وحدۃ الوجود اگرچہ مسئلہ کو پہنچ گئے لیکن اپنے شرب حق تک پہنچنے میں غلطی کھا گئے، اس لیے کہ جب انہوں نے اپنا فکر سریان وجود میں صرف کرنا شروع کر دیا تعظیم و محبت ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی اور وہ تزیہ بھی جس سے ملاء اعلیٰ نے اپنے پروردگار کو پہچانا اور انہیں یہ معرفت بحکم فطرت تو اے افلاک سے حاصل ہوا، سو عالم ان کی معرفت سے لبریز ہو گیا اور جو اس چیز کے وارث نہ ہوئے ان کے نفس مہذب نہ ہوئے اور نہ وہ اس چیز کی حقیقت تک پہنچے کہ جس کے لیے پیدا ہوئے تھے، سوائے وحدۃ الوجود اور سریان وجود فی العام کے قائلوں تمہارے اس راز کو اس جزء نے جس کے لائق یہ علم نہیں ہے، ظاہر کر دیا، لیکن جس جزء کا شرب یہ علم ہے، وہ تو تم میں گونگا اور سخی شدہ انسان ہے کہ اس راز کی حقیقت سے وہ واقف نہیں اور تم میں عناصر فلکیہ اور جو اجزاء فاطنہ اس کمال کے ہیں بالکل نہیں، اس سر کے لیے تو وہ شخص زیادہ لائق ہے جس میں یہ جزء بہت ہی خوبی کے ساتھ راسخ ہو اور اسے نشاۃ مترکہ بوسیدہ نہ کر سکے، ظہورات کو گھیر لینے والے دونوں فریق سمجھ گئے اور اس چیز کا یقین کر لیا، اس کے بعد میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے ان اسرار سے خاص فرمایا جس میں تمہارا اختلاف تھا اور میں فیصل بناد الحمد للہ رب العالمین، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ (۱)

(۲) مشہد یعنی تدلی کی حقیقت

میں نے اپنی روح کی آنکھ سے تدلی کو دیکھا وہ ایک شے واحد متصل فی ذاتہ تمام عالم میں سرایت کئے ہوئے ہے گویا کہ عالم اس کے اوپر ایک پردہ ہے اور وہ اس کے اندر ہے اس وقت

(۱) اس مشہد میں وحدۃ الوجود کے قائلین اور متکثرین کا تمثیلی ذکر ہے۔ (قاسمی)

میں نے یہ بات سمجھی کہ یہ وہ تدلی ہے کہ عارف جب اس کی جانب متوجہ ہوا اور روح کی بصارت سے اسے دیکھے اور اس میں فنا ہو جائے تو اس کے ارشاد کی تاثیر قوی ہو جاتی ہے اور اس کا تصرف حقیقی طور پر خلقت میں جمع ہوتا ہے اور اس تدلی کی دو جہتیں ہیں ایک وجود خارجی کی جانب مائل ہونا سو یہ ایک لون (رنگ) ہے جو الواح نفوس میں نقش ہے اسے نور کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری جہت وجود ذہنی کی طرف متوجہ ہے اور یہ ذات کے ساتھ صادق آتی ہے تو یہی اسم اور تدلی ہے، نقشبندیہ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ ہم نے نہایت کوہدایت میں درج کر دیا ہے، جو شخص اس تدلی کے وسیلہ سے ذات کے اصول کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے ارادہ اور اختیار کے علاوہ اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور اپنے کو ایک دریائے ناپیدا کنار میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔

معرفۂ عظیمہ

خدا تعالیٰ کا اور اک اپنے بندوں کی طرف جو عظیم تدلیات کے ساتھ تدلی ہے اگر وہ روح کی آنکھ سے ہے تو یہ کانوں کا مقام ہے اور اگر روح کے علم سے ہے تو اس میں عوام کو بھی شرکت حاصل ہے، اسی طرح اس کے کلام سننے کے متعلق گفتگو ہے، اگر وہ روح کے کان سے ہے تو بھی کانوں کا مقام ہے، اور اگر روح کے ذریعہ اس کا علم حاصل ہو تو اس میں عام حضرات بھی شریک ہیں۔

تحقیق شریف

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ نفس ناطقہ کے لیے ان جوارح محسوسہ کے علاوہ آنکھ اور کان اور زبان ہیں اور اس کی حقیقت بایں طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس مقام پر دو لطفے ہیں ایک تو قیومیہ الہی جو بدن سے وابستہ ہے اور نسمہ سے قطع نظر کرتے ہوئے اس میں حلول کئے ہوئے ہے اور اس کی معرفت اشیاء میں دو جہتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ مبداء صور سے کوئی صورت مجر د اس پر افاضہ کئے ہوئے ہو تو یہ علم ہے دوسرے یہ کہ اشیاء میں سے کسی شئی کا اضافہ کرے اور اس سے متصل ہو جائے اور یہ اتصال اُسر انکشاف بصری سے سمجھا جائے تو اسے بصر بولیں گے اور اُسر انکشاف سمعی کا اعتبار کیا جائے تو پھر اس کا نام سمع ہے، اور اُسر افادہ و استفادہ کے ذریعہ علوم کے انکشاف کا اعتبار کریں تو پھر کلام ہے، سو اسی جہت سے فرد اپنے پروردگار عزوجل کو دیکھتا ہے اور اسی طریقہ سے

الہام ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے اور ارواح افلاک اور ملاء اعلیٰ اور جو نیک لوگوں کی رو میں گزر گئیں ہیں ان سے باتیں کر لیتا ہے اور کبھی اس روح سے جو اپنے پروردگار کو دیکھتی ہے، نسمہ پر ایک لون اور رنگ کا اثر نمایاں ہوتا ہے اور نسمہ سے جس بصر پر تو وہ لون ایک ہیئت متصلہ بن جاتا ہے تو اسی وقت فرد کہنے لگتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھا وہ اپنے قول میں سچا ہوتا ہے اور اسی قبیل سے وہ چیز ہے جس کا دعویٰ ابن عباسؓ نے کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اور اسی قبیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام فرمانا ہے، ایک روز میں روح آفتاب سے متصل ہوا، میں نے اسے دیکھا اور اس سے سنا تو میں بولا بڑا تعجب ہے ان لوگوں پر جو تجھ سے روشنی طلب کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیرا غلبہ اور ظہور طرح طرح سے دیکھتے ہیں اس کے باوجود پھر تیرے منکر ہیں اور تیرا مقابلہ کرتے ہیں اور تو نہ کسی سے انتقام لیتا ہے اور نہ ان پر غصہ کرتا ہے تو اس نے جواب دیا کیا ان کا تکبر اور اپنے نفسوں سے ان کا خوش ہونا کیا میری جان کی خوشی کا شعبہ نہیں ہے میں ان تمام چیزوں کے باوجود تکبر کی صورت کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتا میں تو اس شادمانی کی حقیقت کو ملحوظ رکھتا ہوں کیونکہ یہ سب میرے ہی نفس کی خوشی ہے تو پھر کیا کسی کو اپنے نفس کے کمال پر غصہ آیا کرتا ہے اور اپنے نفس سے انتقام لیا کرتا ہے غرضیکہ پھر میں نے سورج پر توجہ کی تو وہ بالطبع اور فطری طور پر فیاض ہے اور اسی طرح تمام افلاک اور اسی طرح میں نے دیکھا کہ ارواح افلاک اپنے علوم اور ہمتوں میں موافق اور ملے جلتے ہیں۔

زائد ایضاح یعنی وجدان کی حقیقت

اگر تو اس وجدان کی حقیقت معلوم کرنا چاہے تو جو کچھ کہ میں بیان کروں تو اسے توجہ کے ساتھ سن کہ نفس ناطقہ کا علم جسے نور بسیط سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ قیومیہ کے جسم واحد کے لیے مقید ہوتا ہے اور طبیعت کلیہ کا حتمل وہ خارج میں ایک نقطہ فعالیت ہے کسی خاص معلوم کی صورت میں کوئی سا بھی معلوم کیوں نہ ہو وہ ہمارے نزدیک مد رک اور مد رک کا ایک ہونے کے ساتھ ہوتا ہے، پھر اس چیز کا ادراک یا توشیحہ کلیہ کی بناء پر ہوگا جو کہ نفس کو شامل ہو یا اس کے جسم کو شامل ہو جیسا کہ صورت انسانہ یا حیوانیہ یا زمینی اور پانی اور تمام عناصر یا قوت شمسیہ اور قمریہ یا اس کا ادراک کسی ایسی

خاص چیز کی بنا پر ہوگا، جو اس نفس دراک کا تقسیم ہے جیسا زید کے نفس کا عمرو کے نفس کو ادراک کرنا۔ سو اگر اول ہی مقصود ہے تو ادراک نفس کی صفت اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس نقطہ کی طرف یکسوئی کرے جو کہ اس حقیقت شامل فی انفس کے مقابل ہے تو یہ چیز اس کے ساتھ باقی رہ جائے گی اور دوسری اشیاء سے فانی ہو جائے گی اس وقت یہ نقطہ خود بخود بیدار ہو جائے گا اور اس حقیقت کے تمام احکام اور یہ تجلی ذوق حقیقی طور پر روشن ہو جائیگی یہی معنی ہیں ہمارے قول کے کہ مد رک اور مد رک اس صورت میں ایک ہو جائیں گے؟ اور اگر امر ثانی ہے تو ادراک نفس کی صفت اس حقیقت قسیمہا کے لیے یہ ہوگی، کہ یہ چیز اس کے ساتھ کسی حضرت میں حضرات طہیہ کلیہ سے جمع ہو تو غائب ہوگا ایک نفس دوسرے نفس پر یا اسی جزء کی وجہ سے جو اس جزء پر غالب ہے اور اس قوت سے جو دوسری قوتوں سے بیرونی طلب کرتا ہے یا اکثر قوتوں کی جہت سے اس شرط کے ساتھ کہ یہ قوت منقطع نہ ہو جائے اس لیے کہ تمام نفسوں کی تاثیر ایک کی دوسرے میں غلبہ اور محبت سے ہوتی ہے، اور ان دونوں چیزوں کی کنہ اور حقیقت یہ ہے کہ نفس میں جو ایک قوت بطور امانت کے موجود ہے غالب ہو یا مغلوب کہ نفس اس کی طرف مائل ہو جائے سو یہ کاملوں کی صفت ہے، یہ قوت غالب ہو یہ غیر کاملوں کا درجہ ہے اور اس مقام پر ایک اور نفس ہے جس میں یہ قوت ہے لیکن اس کے احکام کا ظہور پہلے نفس سے یہاں بہت کم اور ضعیف ہوتا ہے لہذا موثر نے موثر کا اور موثر نے موثر کا اس قوت حاسہ کے ساتھ ادراک کر لیا اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں تو جو احکام نہ تھے وہ ظاہر ہو گئے اور بسا اوقات وہ قوت ہے جو اس نفس میں ہے دوسری قوتوں کی بیرونی طلب کرتی ہے اس طور پر کہ ان میں مل کر نیست و نابود ہو جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام اور آثار سے معزول ہو جاتی اور فقط قوت غالب باقی رہ جاتی ہے، اس وقت بولا جاتا ہے کہ اس نفس نے اس نفس میں اثر کیا اور اس کیفیت کا فائدہ پہنچایا اور حقیقی بات یہ ہے کہ اس نفس نے خارج سے کچھ نہیں حاصل کیا بلکہ اپنے ہی جزء کی طرف توجہ کی ہے اور اپنی اس قوت کی طرف جو اس میں امانت ہے اور اس طور پر کہ سب قوتوں اور اجزاء کے احکام پامال ہو گئے لہذا اس وقت غلبہ اور تتبع اس جانب سے ہوا اور محبت و بیرونی اس طرف سے تو دونوں نفسوں کا اتحاد مطلقاً نہیں ہوتا بلکہ قوت اور جزء کی جانب سے ہوتا ہے اور کل مقامات پر بھی نہیں بلکہ کلیت طہیہ کے مقامات میں سے کسی بھی مقام پر اور ہمارے

قول مدرک اور مدرک کے ایک ہو جانے کے اس صورت میں یہی معنی ہیں، غرضیکہ جب تم نے یہ بات بھی سمجھ لی تو یہ بھی سمجھو کہ اس نفس کے واسطے بہ نسبت اس کے حالات اور اوضاع بھی ہیں ایک تو متحد ہونا اور اسی میں مستغرق ہو جانا ہے اور اس کے علاوہ دوسری اشیاء کو بھلا دینا دوسرے یہ کہ ہر نفس اس کے ملاحظہ قوت کی جانب رجوع کرے درانحالیکہ معنی اتحاد میں مستغرق ہو سو باوجود اس سے مل جانے اور قدرے جدا ہونے کے بعد اس رنگ میں رنگا جائے گا اور اس بات کا شعور ہو کہ یہ کل وجہ سے نہیں بلکہ کسی بھی وجہ سے ہو اور اس حالت کو رویت کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اور تیسرے یہ کہ تمام احکام اس طرح غالب ہو جائیں اور اس طرح غائب ہو جائیں کہ اس قوت کا حکم غائب ہو جائے اور یہ پوشیدہ چیز کی طرح ہو جائے تو اس وقت یہ احکام ضعیف صورت میں بہ نسبت رویت کے ظاہر ہوں گے اور یہ افضاء غالبیت کی جانب سے اور قبول مغلوبیت کی جانب سے ہو جائیگا تو اس وقت بولا جائیگا کہ زید کے نفس نے عمرو کے نفس سے کلام کیا اور اس نے اس کا کلام سنا اور چوتھا یہ ہے کہ اس قوت کے احکام بہت شدت کے ساتھ غائب ہو جائیں کچھ باقی نہ رہے مگر اس قوت کے احکام کی ضدوں میں ایک خفیف سا خیال رہ جائے اور اس سے جدا اس وقت کہا جائے گا جب کہ ذہن میں سے کوئی صورت حاصل ہو جائے اور اس طرح نقش ہو جائے جیسے آئینہ میں صورت نقش ہو جاتی ہے یہ چار احوال ہوئے اور ہر ایک کے لیے علیحدہ حکم ہے، لہذا فوراً فکر کرنے والوں میں سے ہونا چاہیے اور دوسرا لطیفہ نسیم ہے اس میں حاسہ جمیلہ ہے اس کا خاصہ فعل کے ساتھ متصل ہوتا ہے اگر کان یعنی قوت سمع خیال کریں تو اسے سمع بولیں گے، اگر آنکھ کی طرف قیاس کریں تو بصر بولیں گے، جکھنے کا قیاس کریں تو ذوق کہا جائیگا اور لمس یعنی چھونے کی جانب توجہ کریں گے تو اسے لمس بولا جائے گا اور شاید اسی کو حس مشترک بولا جاتا ہے اور اسی حس مشترک سے ہر ایک حاسہ کو احتلام ہوتا ہے، تو آنکھ کا احتلام یہ ہے کہ جوالہ نقطہ کو دائرہ سمجھے اور دائرہ خارج میں ہوتا نہیں وہ تو حس مشترک کا احتلام ہی ہوا کرتا ہے اور ذوق کا احتلام یہ ہے کہ کسی مرغوب شے کو دیکھ کر جی لچانے اور رال منکنے لگے اور قوت لامسہ کا احتلام یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان سے قریب ہو اور وہ اس سے رغبت رکھتا ہو جب اس کا بدن اس سے ملے تو اس کے نفس میں گدگدی اٹھے اور باقوت سمع کا احتلام نعمات گانے اور اشعار کا وزن جانا ہے لہذا نسیم تو یہ ظاہری

افعال کی جانب بالکل توجہ نہیں دیتا بلکہ حس باصرہ، ذائقہ، سامعہ اور لامسہ سے لذت اٹھاتا ہے اور اگر تحقیق کرنا چاہے تو اس حاسہ سے تمام حواس ظاہرہ اور ادراک پایہ تکمیل کو بہو نہجتے ہیں اور جب ارواح اپنے بدن سے جدا ہوتی ہیں تو بسا اوقات یہ حاسہ مستقل ہوتا ہے اور خیال عرش سے اپنے موافق موجودات مثالیہ پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ جن اور فرشتے متشکل ہوتے ہیں۔

(۳) مشہد یعنی اللہ تعالیٰ کے شعائر کا نور بلند ہوتا ہے

میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک شعائر کا نور بلند ہوتا ہے، سو میں نے اس چیز کی حقیقت دریافت کی تو حقیقت نور کی کسی شے کی روحانیت سے مناسبت کی بنا پر ہے اور اس میں ایک حقیقت راسخہ ہے جو روحانیت کی تاثیر کی وجہ سے ہے کہ اس ہیئت سے انسان روح کے حاسہ سے ادراک انطباعی کا احساس کر لیتا ہے، بایں طور کہ خوش اور منشرح ہو جاتا ہے اور اسے روحانیت کیساتھ مناسبت اور بڑھ جاتی ہے اور لوگ جب اللہ کے شعائر کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو وہ ہمتوں کی شکلیں اختیار کر لیتے ہیں سوان میں سے بعض اپنی نیت اور عزیمت کی بنا پر نفع حاصل کر لیتے ہیں بایں طور کہ جب بھی کوئی کام اللہ کے لیے کریں تو اس اعتقاد سے کریں کہ یہ کام شعائر اللہ سے ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اس کی روح کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ نور کے ذریعہ سے اسے معلوم کر لیتا ہے اور اس کی قوت ملکیہ، قوت بھیمیہ پر غالب آ جاتی ہے اور ایک وہ جماعت ہے جو اس نور میں غور فکر کرے اور اس تدلی کا ادراک کرے کہ جو شعائر اللہ کی اصل ہے جس کی بنا پر وہ متحیر ہو جائے۔

(۴) مشہد عظیم اور تحقیق شریف (یعنی تدلی سے اللہ تعالیٰ

کا قرب آسان ہو جاتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تدلی عظیم و جلیل کی حقیقت پر مطلع کیا جو نوع بشر کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور مراد یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب آسان ہو جاتا ہے اور وہ تدلی ہے جو عالم مثال میں متشکل ہے اور کبھی یہ چیز دوسرے انبیاء کے ساتھ عموماً متحضر ہوتی ہے اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خصوصاً اور گاہے آسمانی کتابوں کے ساتھ، عموماً اور قرآن عظیم کے ساتھ خصوصاً متحضر ہوتی

ہے اور ایسے ہی کبھی نماز اور کبھی کعبہ شریف کے ساتھ تب میں نے تدلی وحدانی نے ذات کو پہچان لیا جو کہ ظہورات کثیرہ میں باعتبار معدات خارجیہ کے ظاہر ہے جیسا کہ انسان کی اوضاع اور اس کی عادتیں اور جو ان کے ذہنوں میں مقرر ہیں بایں طور کہ جب برزخ میں جائیں تو اوضاع اور عادتیں اور معلوم ان کے ساتھ ہیں جو ان سے جدا نہ ہوں اور حظیرہ قدس میں صورت مثالیہ کے منعقد ہونے کو اس تدلی جلیل کی وجہ سے آمادہ کریں پھر جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے تو عالم جسمانی میں نزول فرمائیں اور ان کے لئے عالم باعتبار اوضاع علویہ اور سفلیہ کے مستعد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے انفسار کی نعمت پر بھی مطلع فرمایا اور ہر ایک انفسار کے دوسرے انفسار پر متوجہ ہونے پر ان خصوصیات کے ساتھ جو صرف اسی میں معدات کی جانب سے موجود ہیں، اور وہ اسی چیز کے لئے آمادہ ہیں، ہم انشاء اللہ تعالیٰ تجھ سے اس حقیقت وحدانیہ اور کیفیت انفسار کو بیان کریں گے تو سمجھ لو کہ شخص اکبر جس وقت خارج میں ظاہر ہوا اس نے فوری طور پر اپنے رب کو پہچانا اور اس کے ساتھ خشوع کیا، کیونکہ اس کے مدارک میں صورت علمیہ تھی جس کی دو جہتیں ہیں، ایک تو اس جانب متوجہ ہے جو شخص اکبر میں جسم اور جسمانیات، روح اور روحانیت ہیں اور دوسری جہت وجود ذہنی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ جس سے نفس معلوم ہو جائے اور اس جہت کا خیر حق جل علی کی تدلیات میں سے ایک تدلی ہے اور یہی شخص اکبر کا اپنے پروردگار کی معرفت کی بنا پر نصیب اور حصہ ہے اور اس کے لئے ایک مقام معلوم ہے، کہ جس سے تجاوز نہیں اور جو کچھ بھی اس کے جوف اور خیز میں ہے، تو صرف اس کے نصیب میں اپنے رب کی معرفت سے تنزل ہے ایک منزل مقید میں اس تدلی کے تنزلات سے لہذا اس مقام پر باعتبار مقلی لہ اور فید کے تنزل ہوتا ہے اور اس تنزل میں احکام جا نہیں کی رعایت ہوتی ہے یہ معرفت عظیمہ ہے لہذا اسے دانستوں کے ساتھ پکڑ لو، غرضیکہ جب بھی کوئی فلک یا عنصر روح ظاہریہ یا خفیہ کا چیز ہوا تو سب سے پہلی چیز اس سے یہ ظاہر ہوئی کہ اس نے اپنے رب کو پہچانا، اور اس کے ساتھ خشوع کا معاملہ کیا اور اس میں شخص اکبر سے طبعی اور فطری مدد چاہی اس لئے کہ وہ اس کی اصل اور مبداء وجود ہے اور صرف ذات کی جانب متوجہ ہو گیا جیسا کہ شخص اکبر صرف ذات کی جانب متوجہ ہوتا ہے لیکن شخص اکبر اور اس تدلی نے جو اس میں موجود ہے فیضان صورت خاصہ کے لئے اس کے مدارک میں آمادہ کیا یہ دوسری معرفت ہے اس کے بعد جب

یہ مثالیں متعین ہوئیں جنہیں رب الانواع بولا جاتا ہے تو ہر ایک نوع کے احکام متعین ہو گئے جو کہ دوسری نوع کے احکام سے جدا ہیں اور یہ چیز عالم مثال میں ہے اور اسی سے انسان ہے۔ تو یہ تمام انواع معرفت سے محفوظ ہونے کی بنا پر متمیز ہو گیا اور اسے بیکار نہیں قرار دیا گیا اور اس میں امانت رکھی گئی اس کے بعد اشخاص بشری اس مثال انسانی سے تقسیم انحصار یہ کے طور پر ظاہر ہوئیں جیسا کہ موسیقی والا ساز کے تار سے نغمات تلاش کرتا ہے تو معلوم کر لیتا ہے کہ یہ نغمہ اس طرح ہے نہ اس سے زائد ہے، اور نہ کم، اس کے بعد کہتا ہے کہ اگر ہم اس نغمہ کو اس نغمہ کے ساتھ مرکب کر لیں تو ایسے ایسے ابعاد حاصل ہوں گے، نہ اس سے کم اور نہ زائد، جیسا کہ تقسیم حاصر یہ عقلیہ سے اس کا علم ہوا پھر اسی طرح بعض ابعاد کو بعض کے ساتھ مرکب کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ محصور عدد خاص میں لجن مقرر کر لیتا ہے اور اسے محفوظ کر لیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کا حکم، خاصیت اور وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ راگ آج اس وقت اور اس مجلس کا ہے، اور دوسرا راگ اس روز اور اس وقت کا ہے اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جاتا ہے اگر زندگی اس کا ساتھ دیدے تو نو ابد تک اس کے عجائبات ختم نہ ہوں غرضیکہ اور یہ سب انفسار ہیں جنہیں پہلے ہی قسمت حاصرہ سے معلوم کر چکا ہے پھر جبکہ اشخاص بشری کا عالم جسم میں ظہور ہوا اور ان کی استعدادیں اور قوتیں مختلف تھیں۔ بعضے ذکی اور بعض غبی اور بعض صاحب نفس قدسیہ جن کی ہمتیں اور نفوس اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوئیں اور خلاصہ بشریت حظیرہ قدس میں تو اس مقام پر وہ امر واحد کی طرح ہو گئے کہ ان پر اسم واحد کا اطلاق ہو اور مثال واحد کے ساتھ وہ منسوب ہوں اور وہ انسان الہی ہے کہ جن کے امور اور مدارک باہم قریب ہیں، تدلی اعظم نے اس مقام پر نزول کیا تو یہ عالم مثال ان کے لئے قدم صدق ہو گیا، اور مقام معنوم ان کی نسبت اور ان کے نصیب ان کے رب کی طرف سے قائم ہو گئے تو نفوس انسانی جس وقت عادات حیوانیہ اور بنیات فاسدہ جسمانیہ کی کثافت سے پاک ہوئے تو حظیرہ قدس کی طرف اٹھائے گئے اس جگہ آکر برق جلال چمکی کہ جس سے وہ بے خبر ہو گئے اور ایسی حالت ہو گئی کہ انہیں معلوم ہی نہیں رہا کہ وہ کہاں تھے اور کہاں ہیں، اور لوٹنے کی بھی کوئی شکل ہے، یا نہیں اس وقت تدبر حق اس بات کی متقاضی ہوئی کہ یہ تدلی اس کی جانب حرکت کرے اور نزول کرے اور متشخص و مفسر ہو جائے حتیٰ کہ ان کا قرب اس سے آسان ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ رنگے جاتے ہیں،

اس وقت انفسارات معدات کے اعتبار سے ظہور میں آتے ہیں اور ان ہی انفسارات کا شرع نبوت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اشخاص آپس میں ملتے ہیں تو جو ان میں بہت کامل اور بڑا عاقل اور واقع ہو تا ہے اور اپنے سے کم مرتبہ والے کو تدبیر منزل اور سیاست مدنی میں مطلع کر دیتا ہے تو یہ چیز طبیعت بشر اور خلق ہو جاتی ہے اور ایک امر ان کے ذہنوں میں جما ہوا ہے اگر یہ زندہ رہیں تو اسے بھی اپنے سینوں میں بلا تامل پالیں جیسے ارتقا قات اولیہ ضرور یہ اور اگر مر جائیں تو اسے اپنے برزخ اور معاویہ میں ساتھ لے جائیں تو اس وقت یہ امر معد ہو جاتا ہے اس تدلی کے انفسار کی صورت جسمانیہ میں، اور وہ تمام اشخاص پر تقدم شخص انسانی ہے، اور اس کا صدور ان کی رائے سے متحقق ہوتا ہے اور پھر اس صورت جسمانیہ میں روح الہی پھونکی جاتی ہے تو اسکے بعد اس کی برکات کا ظہور ہوتا ہے اور یہی رسالت اور نبوت ہے اور اس مقام پر نبوت سے میرا مقصود یہ ہے جو بوجہ ریاست تقدم مجاہدلت اور تسخیر کے ہو، نہ صرف فیضان علوم کے ہو اگرچہ انقیاد کی ان میں سے بالتبع رغبت کریں اور نہ نبوت جامعہ شہیدیت سے میری غرض ہے جو کہ ہمارے سردار اور نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے اور ان ہی انفسارات میں سے ایک نماز بھی ہے اور یہ اس لئے کہ بشر کے ہر خلق کے لئے کچھ افعال ہیں اور وہی اس کا قالب اور جسم ہے اور محسوس میں اسرار معنوی اپنی ہیئت کے ساتھ منضبط ہوتے ہیں اور اسی کی جانب مدح اور تہجو کے احکام منصرف ہوتے ہیں اور اسی کا تذکرہ ہوتا ہے اور خبر دی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ خلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہی طبیعت بشر اور ان کے اجسام ہیں اور ان کے ذہنوں میں بھی یہی چیز پوشیدہ ہے چنانچہ حق تعالیٰ اخلاق بشر میں سے ایک خلق کو اور ہیئیت نفوس میں سے ایک ہیئت کو جن لیتا ہے اور اسی طرح ان کی روحوں کے رنگوں میں سے ایک رنگ کو اور یہی صورت ظہیرہ قدس میں مقام معلوم کے ساتھ انہباغ کی ہے اور میرا مقصود اس خلق اور ہیئت نبی احسان اور اپنے پروردگار کے ساتھ خشوع کرنا اور ہیئت ظلمانیہ فاسدہ سے علیحدگی حاصل کرنا ہے، یہی خلق امتزاج نفس بالجہ انیہ کے چیز میں موجود ہے، لیکن یہ چیز اس مقام معلوم سے جو عالم ظہیرہ قدس میں ہے، بہت مشابہ ہے اور اس خلق کو ھُو ھُو کے طریقہ پر کر دیا ہے جیسا کہ بدن کو نفس کے مانند اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان اقوال اور افعال کو منتخب فرمایا جو کہ اس خلق کے لئے تفسیر ہیں، اور اس پر منطبق ہوتے ہیں انہیں بھی ھُو ھُو کے طریقہ

پر کر دیا ہے اور ان ہی انفسارات میں سے کتب آسمانی بھی ہیں اور یہ اس لئے کہ اشخاص انسانی کو کتابیں لکھنے کے متعلق الہام ہوا اور رسائل جمع کرنے کا تاکہ زمانہ دراز تک نفع پہنچاتے رہیں اور دور دراز تک ان کا نفع ہو چنے اور صاحب کتاب کی نص مضبوطی اور خوشحالی کے ساتھ باقی رہے اور روایت بالمعنی، میں کسی قسم کی غلطی اور نسیان نہ ہو، چنانچہ یہ کتابت ان میں پھیل گئی اس کے بعد یہ تہدی دوسری صورت میں حرکت کر کے اشخاص انسانی کے پاس جو تھا، اس کے مقابل ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ جو رسول انوار الہی سے بہرہ ور ہیں، اور جو بشریت سے حظیرہ قدس کی طرف اٹھائے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے خادم ہوئے چنانچہ علوم ملاء اعلیٰ منعقد ہوئے اور ان کا مجاہد فاسق شبہات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ارادہ سے انسان سے شروع ہوا اور اس الہام خیر سے جو کہ ان کے سینوں میں از روئے وحی ملو کے ہے، رسول کے مدارک میں بالآخر کتاب منتظم ہو گئی اور اس طرح کی پہلی کتاب تورات ہے، رہا اس سے پہلے تو وہ تو صرف وہ صحیفے جو کہ ان کے علوم پر جو نبی کے قلب میں فیضان تھے، مشتمل تھے اس کے بعد امت میں جس نے چاہا ان چیزوں کو جمع کر لیا اور ان انفسارات میں سے ایک ملت بھی ہے، اور یہ اس لئے کہ اشخاص کو آپس میں ریمیں منعقد کرنے کا الہام ہوا چنانچہ انہوں نے رسوم مدین، رسوم منزیلیہ اور رسوم معاشیہ اور معاملہ کو منعقد کر لیا اور یہ چیز ان کے لئے نہایت ضروری امور میں سے ہوئی جو ان کی ضروریات علوم میں داخل ہے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کے قلب کو ایسی ریمیں منعقد کرنے کے قابل کیا جس میں شان الہی، روح الہی اور نور اور برکت ہے سو وہ شرح اور ملت ہے اور ان انفسارات میں سے بیت اللہ بھی ہے اور یہ اس لئے کہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے عبادت گاہوں اور کینہہ بنانے میں مشغول ہو گئے چنانچہ انہوں نے سورج کے نام سے ایک مکان ایسے وقت میں تعمیر کر دیا کہ جس میں روحانیت شمس غلبہ کرتی ہے اور اسی طرح چاند اور تمام ستاروں کے نام پر اور انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ جو شخص ان مکانات میں سے جس میں بھی داخل ہوگا، وہ اسی ستارہ سے قریب ہوگا اور یہ چیز ضروریات کے ساتھ لاحق ہو گئی اور تمام تر توجہ امر بسیط کی طرف ہو گئی، جس کے لئے کوئی بھی جہت متعین نہیں اور ایک جگہ امر بعید کی طرح ہو گئی چنانچہ ہمارے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر اس کے مقابل جو کہ اس زمانہ میں تھا اس چیز کا نزول ہوا انہوں نے اپنے علم سے ایک جگہ

منتخب کی جو اس امر کے لئے نہایت مناسب تھی کہ وہاں قوائے افلاک اور عناصر بقاء کے مقتضی ہوں اور لوگوں کے دلوں کو اس طرف کھینچنے والے ہوں اور کچھ طریقے اور اوضاع اس کے لئے متعین کئے، تاکہ انسان اس کی تعظیم کریں اور ان پر اس کی تعظیم کے واجب کرنے کے لئے تدلی کی اور یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ شریعت عادات میں جاری ہوا کرتی ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ان کی مقررہ عادات کی طرف نظر رکھتا ہے لہذا جو ان میں سے فاسد ہوتی ہیں ان کے ترک پر آمادہ کر دیتا ہے اور صحیح کو قائم رکھتا ہے اور اسی طرح وحی متلو الفاظ، کلمات اور وہ اسلوب جو ان کے ذہنوں میں پوشیدہ ہوا کرتے ہیں اور جو ان کی جانب وحی کئے گئے ہیں، ثابت ہوا کرتی ہیں اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے عرب والوں کی طرف عربی زبان میں وحی نازل فرمائی اور سریانی زبان والوں کی طرف لغت سریانی میں اور اسی طرح سچے خواب، ان صورتوں اور خیالات میں جو کہ ذہن میں ہیں، ظہور میں آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مادر زاد اندھا خواب میں رنگ اور صورتیں نہیں دیکھتا اس کا خواب تو چھوٹا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور وہم ہے اور مادر زاد گونا گونا خواب میں کوئی بات نہیں سنتا اس کا خواب دیکھنا اور چھونا وغیرہ ہے۔ اور اگر حقیقت دریافت کرنا چاہے تو کوئی صورت بھی عالم میں افاضہ غیبیہ کے ساتھ متحقق نہیں ہو سکتی، علاوہ ازیں یہ افاضت عادیہ ہو یا غیر عادیہ ہو مگر موافق احکام عالم کے ہو کیونکہ وہ مشخصات جو شرکت اور رنگ اور اشکال کو مانع ہیں وہ اس عالم کے ساتھ خاص ہیں جیسا کہ یہ گھوڑا کہ اس کے کل مشخصات عالم فرسیت میں داخل ہیں تو گویا کہ گھوڑے میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس کا طول چار ہاتھ ہو، اس سے زائد اور کم ہو تو یہ چار ہاتھ جو کہ نہ کم ہیں اور نہ زائد وہ اس عالم کے علاوہ اور کہیں نہیں ہو سکتے اور اسی طرح نوع کے تمیزات جن سے ایک نوع دوسری نوع سے تمیز اور جدا ہے تو یہ سب کے سب اس عالم جنسیت میں داخل ہیں لہذا اس وضع کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ہر ایک فائض کے لئے اس عالم میں ایسا معد ضروری ہے جس نے اسے اس وضع کے ساتھ خاص کیا ہو پس اس جگہ یہ چیز باقی رہ گئی کہ صورتوں کی ایجاد کا معاملہ مکان اور تقدیر پر ہے اور تدلی اور شعائر کا امر مسلمات اور مشہودات پر اور ان امور پر جن سے اطمینان نفوس حاصل ہو، اسی لئے ہر ایک تدلی کے لئے اس کے مسلمات میں سے معدات کی حاجت اور ضرورت ہے کیونکہ تدلیات کا مقصود تو یہ ہے کہ بندے اپنے پروردگار کی عبادت اپنے

دل سے اس طرح کریں کہ اس سے زیادہ اطاعت کی گنجائش ہی باقی نہ رہے اس کے بعد اپنے اعضاء کو اس کے موافق عادی بنائیں لہذا جس وقت مقتضیات کا یہ تقاضہ ہو کہ انسان دس گز کا ہو تو ایسا ہی کیا جائے اس لئے کہ یہ چیز ممکن ہے اگرچہ مشہور نہیں ہے کہ اس سے قلوب مطمئن ہو جائیں لیکن شرائع اور تدلیات تو یہ تمام چیزیں مشہور اور مسلمات کے موافق ہیں ہاں اس مقام پر ایسی برکتیں ہیں جو کج جو صحت سے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتی ہیں اور بسا اوقات تیرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہوگی کہ ہر ایک تدلی کے لئے فرق عادات ہونا ضروری ہے تو یہ چیز مشہور کے کیسے موافق ہو سکتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بمثل اور وحیدہ امر پر ٹھہر نہ جاؤ بلکہ اس کی جستجو اور تلاش کر دو کیونکہ شی کی اصلیت اپنی عادات سے متجاہد نہیں ہو سکتی رسول فرشتے نہیں ہو سکتا اور نہ کتاب آسمانی، عجمی اور نہ گھر نور کا بن سکتا ہے لیکن اس میں ایسی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ جن کا ظہور دوسری اشیاء میں نہیں ہوتا تو فرق عادات برکتوں کی وجہ سے ہوتا ہے اصلیت کی بنا پر نہیں اور کفار قریش اللہ تعالیٰ کی حکمت اور دونوں امروں میں فرق کو نہیں سمجھتے تھے تو وہ اعتراض کرتے تھے کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے اور کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تردید فرمائی اور ان کے فاسد اعتقادات کی رسوائی کی اور اسی طرح رسول کے غلبہ کی یہ صورت نہیں ہے کہ فرشتہ اس کے ساتھ ہو جو رسالت کی گواہی دے یا آسمان سے کوئی ایسی کتاب نازل ہو جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ فرقان وغیرہ میں اس چیز کی تصریح کر دی ہے، بلکہ بادشاہوں کے غلبہ کی صورت جہاد اور زاریاں ہیں اور یہ ایسا مضمون ہے کہ جس کا وجدان نے حکم لگایا ہے کہ ہم نے قرآن وحدیث کو اس کا اور اس کی جزئیات کا بیان کرنے والا پایا ہے ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ بہت سے مسائل میں، والحمد للہ اولاد آخرا۔

(۵) مشہد عظم یعنی ملکہ دعا حاصل ہونے کے بعد داخلہ ملاء اعلیٰ

میرے دل میں ملاء اعلیٰ کی طرف سے ایسے اسرار عظیمہ کا القاء ہوا کہ میرا نفس اور روح ان سے لبریز ہو گیا، انہیں میں بالتفصیل بیان کرتا ہوں۔ لہذا تو انہیں مضبوطی کے ساتھ محفوظ کر لے جب تو ملاء اعلیٰ میں سے ان پر کمال حاصل کرنا چاہے جو کہ متخاممین ہیں تو اس کے لئے بجز دعا اور

اللہ تعالیٰ سے عاجزی کرنا اور کمال عزیمت اور صدق کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں خصوصاً جس وقت تو اس سے اس چیز کے حاصل ہونے کا سوال کرے جس کا تو مشتاق ہے اور عقل اور طبیعت کے اعتبار سے اور اس میں تیرے لئے اور دوسرے انسانوں کے لئے کمال ہو اور عام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مہربانی ہو غرضیکہ جب ملکہ عاتیرے میں راسخ ہو جائے اور تو سمجھ لے کہ صدق ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کیسے سوال کیا جاتا ہے تو اس وقت تیرا داخلہ ملا، یعنی کئے زمرہ میں ہو گیا اور اسی چیز کی جانب ہمارے سردار اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کے لئے دعاء کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے یا رحمت کاملہ کا، اؤ گمنا قلن، اور جو شخص کہ ملا سافل کے مقام کے حصول کا ارادہ رکھے تو اس کے لئے بجز بہت پاکیزہ رہنے اور پرانی مسجدوں میں نمازیں پڑھنے کہ جن میں اولیاء اللہ کی جماعتوں نے نمازیں پڑھی ہیں اور کوئی چارہ کار نہیں اور ایسے ہی کثرت سے نمازیں پڑھنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ ذکر کرنا یا ان چالیس ناموں کے ساتھ جو کہ مشہور ہیں غرضیکہ یہ تمام باتیں مقاصد کے لئے رکن اول ہیں اور رکن ثانی امور مشکل میں استعارہ کرنا بایں طور پر کہ نفس کو کام کے کرنے اور نہ کرنے کی جانب متوجہ کرنے اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ جس چیز میں مصلحت ہو اسے ظاہر فرمادے کہ با وضوئی طرحی کے ساتھ بیٹھا رہے اور اس بات کا انتظار کرتا رہے کہ دونوں جانبوں میں سے کس پہلو پر قلب منشرح ہوتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے نماز کے نور کی فہم اور اسی طرح طہارت کے نور کی فہم عطا کی، بایں طور کہ جب وہ نماز نے سے رہ جائے یا بے وضو ہو جائے یا جنابت لاحق ہو جائے یا اس کے حواس ان رنگوں سے بھر جائیں جو کہ نظر آتے ہیں اور ان آوازوں سے جو کہ سننے میں آتی ہیں تو اسے ایسی کیفیت لاحق ہوتی جسے وہ سمجھ جاتا ہے اور تمیز کر لیتا ہے اور اس سے اذیت پاتا اور کسی بھی حیلہ اور تدبیر کے ذریعہ اس سے نفرت کرتا ہے اس کے بعد جب وہ طہارت اور نماز اور اطمینان کے ساتھ ذکر کرنے میں مشغول ہوتا ہے تو اسے ایک عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے جسے وہ سمجھتا اور تمیز کرتا ہے اور اسے اچھا جانتا اور اس سے خوش ہوتا ہے اور یہ دونوں معلوم حالتیں جنہیں وہ تمیز کرتا ہے اور اس کے نزدیک ان کا مقام محسوسات کے طریقہ پر

ہو جاتا ہے تو یہی شخص ایسا مومن ہے کہ جسے ایمان حقیقی حاصل ہے اور اسی کو احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں اور جو شخص کہ دعا اور ذکر کے درمیان کیفیت حضور (قلبی) پائے اگرچہ وہ حضور قلبی کو الفاظ و حروف اور خیال کی بنا پر علیحدہ اور یکسو کرنے پر قادر نہیں مگر پھر بھی اس نے احسان کے باب میں جس چیز کا ارادہ کیا تھا، اسے پالیا۔

(۶) مشہد یعنی ایک غیبی اشارہ

میں نے ماہ صفر کی دسویں تاریخ ۱۱۴۴ھ ایک ہزار ایک سو چوالیس میں مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا کہ امام حسنؑ اور حسینؑ میرے گھر تشریف لائے اور حضرت حسنؑ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے، انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عنایت کریں اور فرمایا یہ ہمارے جد اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلم مبارک ہے، پھر فرمایا ذرا اسے حضرت حسینؑ ٹھیک کر دیں اس لئے کہ یہ ایسا نہیں ہے کہ جیسا حضرت حسینؑ نے سنوارا تھا۔ چنانچہ حضرت حسینؑ نے اس قلم کو لے لیا اور سنوار کر پھر مجھے عنایت کر دیا میں بہت خوش ہوا اس کے بعد دھار پدار چادر لائی گئی جس میں ایک سبز دھاری اور ایک سفید دھاری تھی اور ان دونوں کے سامنے رکھ دی گئی حضرت حسینؑ نے اس چادر کو اٹھایا اور فرمایا یہ میرے جد اکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے اس کے بعد وہ مجھے اڑھادی، میں نے اس چادر کو اپنے سر پر تعظیماً رکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر میری آنکھ کھل گئی۔

(۷) مشہد عظیم اور تحقیق شریف یعنی ایمان لانے کی قسمیں ہیں

یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے، اس پر ایمان لانا دو قسم پر ہے ایک تو آدمی کا اپنے پروردگار کے دلائل پر ایمان لانا اور دوسرے غیب پر ایمان لانا سو جس شخص کا ایمان اپنے پروردگار کے دلائل پر ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو اور وہ بادشاہ اس وقت اپنے وزیر کو خلعت و وزارت عطا کرے اور امور مملکت پر اسے قائم کرے اور اسے لوگوں کو ان اشیاء کے متعلق خبر دینے کے لئے

روانہ کرے اور اسے بھیج کر خفا کو دور کر دے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو مکلف کر دے وہ شخص یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے اس نے اپنی آنکھوں سے ضلعت دینے کو دیکھا اور بادشاہ کے اس قول کو کانوں سے سنا اور اس کے قلب نے اس کے مکلف کرنے کو محفوظ رکھا تو یہ شخص اپنے حاضر ہونے کی وجہ سے دزیر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی لوگوں کی طرف مبعوث ہو سکتا ہے لیکن ان دلائل کا مکلف اور دیکھنے کے ساتھ مامور ہو گیا اور ایمان بالغیب والے کی مثال اس شخص کے طریقہ پر ہے، جیسا کہ کسی اندھے کو ایک بیٹا نے آفتاب نکلنے کی خبر دی اس نے اس چیز پر اس طرح یقین کر لیا کہ اس کے دل میں اس کے متعلق کوئی نقیض پیدا نہیں کی اور کوئی ضعیف احتمال تک بھی نہ آیا لیکن اسے یقین ہے کہ آنکھوں والوں نے اس چیز کی حقیقت کی خبر بغیر دوسرے آنکھوں والے کے واسطے سے دی ہے اور انسانوں میں کامل وہ ہے جسے دونوں قسم کا ایمان حاصل ہوا ہے اس کے حق ہونے کا بغیر کسی واسطے کے پہلے ہی سے یقین ہے چنانچہ اس ارتباط اور یقین سے اس پر وہ تمام علوم مترشح ہوتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام پر نازل فرمائے ہیں چنانچہ اس نے ان پر یقین اور اطمینان کیا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کی جانب سے دلائل پر قائم تھا تو اس ارتباط کے برابر کوئی ایسا فرمان نہیں جو اس کی حفاظت کرے اور اسے دونوں ہاتھوں سے روکے بجز اس بات کے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی عصمت اپنے رب و ربوہ محفوظ کئے ہوئے ہے چنانچہ وہ اس حفاظت کا احساس کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اگر اس سے علیحدگی اختیار کی گئی تو جہنم کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ نہیں چنانچہ وہ اس کی وجہ سے علم الہی کا محقق ہے اور اس سے بڑھ کر اس کے لئے مقام تدلی حاصل ہے جو کہ عوام کے مقابل ہے اور جس کو کمال ایمان غیب اور حفاظت کرنے والی شریعت اور بواسطہ خبر کے یقین اور منجہ صادق کا پورا پورا انقیاد اور اس سے کامل محبت سو تو یہ دونوں ایمان کی قسمیں فرد انسانی کے لئے محقق ہیں، لیکن جس وقت پہلی قسم کے انوار روشن ہوتے ہیں تو دوسری قسم کے انوار چھپ جاتے ہیں اور میں ایک رات حرم میں تہجد پڑھ رہا تھا تو ایمان علی بیسنہ کے انوار غالب آ گئے اور منور ہو گئے میں متحیر ہوا اور سوچا کہ ایمان بالغیب ہے تو اسے نہ پایا پھر غور کیا تو بھی اسے نہ پایا، حتیٰ کہ ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں اس پر حسرت اور افسوس کر رہا ہوں اس کے بعد بھی یہ چیز مخفی رہی چنانچہ اس کے بعد ایمان بالغیب ظاہر ہوا اور میرا قلب مطمئن ہو گیا۔

(تحقیق شریف اولیاء اللہ کا الہام)

بہت اولیاء اللہ کو اس بات کا الہام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے تکلیف شرعی کو معاف کر دیا اور تمہیں طاعات کے معاملہ میں اختیار ہے اگر چاہو کرو، ورنہ نہ کرو حضرت قبلہ والد محترم نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ انہیں بھی اس چیز کا الہام ہوا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ تکلیف شرعی ان پر باقی رہے، اور انہوں نے شرع کے علاوہ اور کسی چیز کو پسند نہ کیا ان کا مسلک کسی سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے تکلیف شرعی کے ساقط ہونے کا نہ تھا جب تک کہ وہ عاقل اور بالغ ہو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ الہام کو بھی حق سمجھتے تھے، اور اپنے مذہب کو بھی حق اور اس کی تطبیق میں متحیر تھے اور قبلہ عم محترم نے بھی اپنا حال بیان کیا کہ انہیں اس بات کا الہام ہوا ہے کہ ان سے تکلیف شرعی معاف کر دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اگر جہنم کے خوف سے عبادت کرتے ہو تو ہم نے تمہیں نجات دی اور اگر جنت کی خواہش ملحوظ رکھتے ہوئے عبادت کرتے ہو تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں جنت میں داخل کر دیں گے اور اگر ہماری رضا مندی اور خوشنودی کے لئے عبادت کرتے ہو تو ہم تم سے راضی ہو گئے اس کے بعد پھر کبھی ناراض نہ ہوں گے انہوں نے عرض کیا اے پروردگار میں تیری عبادت تیری ذات کے علاوہ اور کسی چیز کے لئے نہیں کرتا، اور وہ قدس اللہ سرہ اس بات کی طرف مائل تھے کہ کالمیں سے تکلیف معاف ہو جاتی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان پر فرمان شریعت ان کے اختیار کے بغیر قائم کر دیتا ہے اور یہی چیز بہت اولیاء اللہ سے منقول ہے اور میرے نزدیک اس میں یہ راز ہے کہ انسان جب ایمان بالغیب سے ان اصول شریعت کے ذریعہ ایمان علی بینہ کی طرف منتقل ہوتا ہے اور عبادات اور نواہی کو اپنے دل میں پاتا ہے، جیسا کہ بھوک اور پیاس اور وہ چیزیں کہ جن کے ترک پر قادر نہیں اور اس کے تکلیف کے وابستہ ہونے کے کوئی معنی نہیں اس لئے کہ یہ تو اس کی فطرت ہے کہ جس پر وہ پیدا ہوا ہے، برابر ہے کہ یہ سر اس پر روشن طریقہ پر واضح ہو جائے یا مجمل طریقہ پر کہ اس کے ذریعہ سے اس کے باطن پر اللہ تعالیٰ کا خطاب مترشح ہوتا رہے کہ مقصود اس کا اس سے یہ حالت اجمالیہ اور تفصیلیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تکلیف کو ساقط کر دیا، اور اس نے اس کے بعد اپنے قصد اور اختیار سے تکلیف شرعیہ کو اختیار کیا اور

میرے نزدیک ان امور کی مثال خواب کی طرح ہے کہ جس کی تعبیر کی حاجت اور ضرورت ہے اور ان الہامات کی تعبیر ان مقامات کا حاصل ہوتا ہے جو الہام کا مطلوب ہے اور میرے نزدیک یہ بات حق اور صحیح ہے، کہ تمام الہامات حق ہیں، لیکن بعض ان میں سے زبان خاص اور مطلوب خاص سے فائز ہیں اور بعض ان میں سے حاکم وقت کے حکم سے ہیں پہلے بعض مقامات کی موافقت کے تابع ہیں اور دوسری قسم تابع مطلق ہے، اور بعض الہام تعبیر کے محتاج ہیں، ان کے لئے کامل معرفت والے شخص کا استنباط ضروری ہے اور بعض محتاج تعبیر نہیں غرضیکہ ان امور میں غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔

(۸) تحقیق شریف اور مشہد یعنی رحمت الہی کے بعد نفس پر کیا حالت طاری ہوتی ہے

یہ چیز بخوبی سمجھ لینی چاہیے، کہ ارواح جس وقت اجسام سے جدا ہوتی ہیں تو بہت سی چیزیں قوتِ بھیمیہ کی متضعل ہو جاتی ہیں اور قوتِ ملکیہ قوی ہو جاتی ہے اور جو کمال حاصل کیا تھا، اس کے لئے اس میں استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور اس کمال کی کئی شکلیں ہیں ان میں سے ایک اعمال کا نور ہے اور یہ اس وجہ سے کہ قوتِ ملکیہ جس وقت قوتِ بھیمیہ کو اعمال صالحہ میں سے کسی عمل کے کرنے کے متعلق الہام کرے تو قوتِ بھیمیہ اس کی مطیع بالکل اس کے تحت اور تصرف میں آ جاتی ہے تو اسے قوتِ ملکیہ کو خوشی لاحق ہوتی ہے اور قوتِ بھیمیہ کو قوتِ ملکیہ کے مناسب ایک کیفیت حاصل ہو جاتی ہے اور یہی قوتِ بھیمیہ قوتِ ملکیہ کا انتہائے کمال ہے اور جس وقت یہ امر یکے بعد دیگرے کئی مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو قوتِ ملکیہ اور بھیمیہ میں یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے اور یہ چیز اس نفس کے لئے ایسی عادت اور طبیعت ہو جاتی ہے کہ اب تک اس سے جدا نہیں ہوتی اور انہیں کمالات میں سے ایک نورِ رحمت ہے اور یہ اس لئے کہ انسان جس وقت کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہوتا اور اس بنا پر اس پر رحمتیں نازل کرتا ہے کہ اس وجہ سے تمام لوگوں کی سختی دور کرتا ہے یا اس بنا پر کہ یہ سب ہوتا ہے اس چیز کے لئے جو کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت پر اپنی تدبیر کے پورا کرنے کا ارادہ فرمایا ہے یعنی ہدایت اور اشاعتِ نور یا اس نفس کے معدوداتِ تدبیری شمار ہونے کے

لئے بائیں طور کہ نفس التفات کرے اور اپنی ہمت کی کوشش سے تدلی کی طرف مرتفع ہو اور اس میں داخل ہو جائے سو اس وقت یہ تینوں وجہیں جمع ہو جائیں یا ان میں سے ایک تو اس وقت رحمت الہی شامل حال ہوتی ہے تو اب اگر نفس کے لئے انشراح مٹکی اور انبساط حاصل ہوتا ہے اور بعض شکلیں ان میں سے یہ ہیں کہ انسان جس وقت اپنے رب کے جلال کو یاد کرتا ہے الفاظ یا باعتبار تخیلات کے جیسا کہ اشغال قلبیہ یا وہم سے جو عالم جبروت کا حال بتانے والا ہے اور یہ وہی چیز ہے جسے اکثر اہل زمانہ یادداشت کہتے ہیں یہ چیز نفس کو حاصل ہوتی ہے تو اس کا ایک ملکہ بسیط دوست ہو جاتا ہے اور ایسے ہی ایک رنگ جبروتی اور بہت حضرات اسے نور یادداشت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان ہی میں سے ایک نور احوال ہے اور یہ اس وجہ سے کہ نفس جبکہ ان میں سے ہو جاتا ہے جو کہ تیزی کے ساتھ احوال بد لیتے رہتے ہیں جیسا کہ خوف ورجاء، قلق اور شوق، انیسیت اور ہیبت اور تعظیم وغیرہ تو اس کے جوہر کی صفائی اور رقت قوام خالص ہو جاتی ہے سو جس وقت وہ جسم سے دور ہو جائے اور ارادات متجددہ اسے گھیرے میں نہ لیں تو اس میں اسائے الہی کے رنگ اور انوار منطبع ہو جاتے ہیں اور اسے کثیر لطافتیں حاصل ہوتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر لطافت سے خوش ہوتا ہے اور یہی حالت اکثر روحوں کی ہے اور ان انوار کی بنا پر روح اس آئینہ کی طرح ہو جاتی ہے جو کہ دھوپ میں رکھا ہو کہ روشنی اور شعاعوں سے چمکتا ہو یا اس حوض کی طرح ہو جاتی ہے جو کہ پانی سے لبریز نہ ہو اور جس دن ہو سکون پر ہو، آفتاب کی شعاعیں اس پر پڑتی ہوں اور دوپہر کا وقت ہو اور پانی آفتاب کی روشنی سے چمک رہا ہو جب تو نے ہماری بیان کردہ بات جان لی اور اسے سمجھ لیا تو سمجھ کہ جس وقت میں نے شہدائے بدر کی زیارت کی اور میں ان کے مزاروں کے گرد کھڑا ہوا تو ان کے مزاروں سے یکبارگی میری طرف نور چمکا، جیسا کہ انوار محسوسہ حتیٰ کہ میں تردد میں تھا کہ ان آنکھوں سے میں دیکھتا ہوں یا روح کی آنکھوں سے، اس کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کون سے انوار ہیں تو میں نے انہیں انوار رحمت پایا اور جس وقت میں نے اس مزار کی زیارت کی جو وادی صفراء میں ابو ذرؓ کے مزار کے ساتھ مشہور ہے (حقیقت حال) سے اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے اور ان کے مزار کے قریب بیٹھا اور ان کی روح کی جانب توجہ کی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک تیسری شب کا چاند ہے میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس نور میں نور اعمال اور نور رحمت دونوں جمع تھے مگر

نور رحمت غالب اور بہت ظاہر تھا۔ اور میں اس سے پہلے مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں ولادت کے روز حاضر تھا اور لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پرورد و بھیج رہے تھے اور آپ کے ان معجزات کا تذکرہ کر رہے تھے جو ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوئے اور ان مشاہدات کو بیان کر رہے تھے جو بعثت سے پہلے ظاہر ہوئے تو میں نے دیکھا کہ اچانک بہت سے انوار ظاہر ہوئے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان جسمانی آنکھوں سے دیکھا اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ صرف روح کی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ کیا واللہ اعلم کچھ نہیں بیان کیا جاسکتا کہ ان آنکھوں سے دیکھا یا روح کی آنکھوں سے، میں نے ان انوار کے متعلق بھی غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور ان فرشتوں کا ہے جو ایسی مجالس اور مشاہد پر موکمل اور مقرر ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوار رحمت دونوں ملے ہوئے ہیں۔

(۹) مشاہد اجمالی، انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

جس وقت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور روضہ اقدس علی صاحبہا الف الف صلوة والی الف تسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے روح مبارک و مقدس ﷺ کو ظاہر اور عیاں دیکھا نہ صرف عالم ارواح میں بلکہ عالم مثال میں ان آنکھوں سے قریب تو سمجھ گیا کہ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کی امامت فرماتے ہیں وغیرہ ذلک کہ یہ سب اسی وقیفہ کی باتیں ہیں اسی طرح اکثر لوگ کوئی بات زبان پر نہیں لاتے مگر جو انکی ارواح پر کسی علم کی وجہ سے مترشح ہو تو یہ چیز حقیقتہ ہو یا اس کی صورت پھر اسے ایک بیان کرتا ہے اور دوسرا اس چیز کو جسے اجمالی طور پر معلوم کیا، قبول کر لیتا ہے اور تیسرا سنتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے تائید کرتا ہے اور چوتھا سنتا ہے تو وہ اس کے مناسب ایک اور صورت بیان کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کی ایک جماعت اس پر متفق ہو جاتی ہے۔ اور ان کا اتفاق ایسے معاملات میں مہمل نہیں ہے لہذا تو ان مشہورات عوام کی تحقیق نہ کر مگر تو اس میں ان اسرار کو سمجھ جنہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر میں روضہ عالیہ مقدسہ کی طرف چند بار متوجہ ہوا تو رسول خدا ﷺ نے لطافت میں لطافت کے بعد ظہور فرمایا ہے تو بصورت عظمت اور ہیبت کہ افراد

ہوئے اور کبھی جذب و محبت اور انیسیت و انشراح کی شکل میں ظاہر ہوئے اور کبھی سر یان کی شکل میں حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ قلم فضاء نبی اکرم ﷺ کی روح سے لبریز ہے اور روح اقدس ﷺ اس میں تیز ہوا کی طرح موجیں مار رہی ہے حتیٰ کہ دیکھنے والے کو موجیں، ملاحظہ اقدس کی طرف نظر کرنے سے روک رہی تھیں اور میں نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کی اصلی صورت کریمہ میں بار بار دیکھا باوجود یہ کہ میری تمنا اور آرزو تھی کہ روحانیت میں دیکھوں، نہ جسما نیت رسول اکرم ﷺ میں تو میری یہ بات سمجھ میں آئی کہ آپ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم ﷺ میں کرنا اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی طرف آپ نے اپنے قول مبارک سے اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء کرام ﷺ کو موت نہیں آیا کرتی وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھا کرتے اور حج کیا کرتے ہیں اور وہ زندہ ہوا کرتے ہیں اور جس وقت بھی میں نے آپ پر سلام بھیجا تو آپ مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظہور فرمایا یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ (۱)

(۱۰) مشہد یعنی شفاعت کا ثبوت

جب تیسرا روز ہوا تو میں نے آپ ﷺ پر اور آپ کے صاحبزادے یعنی ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ پر سلام بھیجا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی ان علوم میں سے کچھ عنایت ہو جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ہم آپ کی عطاؤں کے شوق اور رغبت میں حاضر ہوئے ہیں اور آپ رحمۃ للعالمین ہیں، تو آپ نے میری جانب کمال التفات فرمایا حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کی عنایت کی چادر نے مجھے لپیٹ لیا اور گھیر لیا پھر مجھے خوب گھیر لیا اور مجھ پر اسرار و معارف کا اظہار فرمایا، اور بذات خود ان چیزوں کی معرفت کرائی اور میری ایک بہت بڑی اجمالی مدد فرمائی اور مجھے بتا دیا کہ کس طرح اپنی حاجتوں میں آپ سے مدد کی درخواست کروں اور کس طرح آپ اس شخص کا جواب دیتے ہیں جو آپ پر درود بھیجے اور جو شخص کہ آپ کی مدد و تہذیب میں کوشش اور الحاح کرے، اس سے آپ کس طرح خوش ہوتے ہیں سو میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنے جو ہر روح اور عادات نفس اور حیات و فطرت کے باعث تدلیٰ عظیم کے مظہر ہو گئے اور وہ چیزیں جو (۱) یہی اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے آپ حیات ہیں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اسی کی تصریح کی ہے (تاقی)

بشر کے اوپر انبساط کر جاتی ہیں کہ جن میں ظاہر اور مظہر کی تمیز کرنا مشکل ہو جاتی ہے اور یہی وہ تدلی عظیم ہے جسے صوفیائے کرام حقیقت میں محمد یہ بولا کرتے ہیں اور یہی وہ تدلی ہے کہ جسے صوفیاء قطب الاقطاب اور نبی الانبیاء کہتے ہیں اور اس کی حقیقت اس تجلی کا صورت بشریہ میں ظاہر ہونا ہے سو جب کوئی حقیقت مثال میں خلعت کی جانب متوجہ ہو کر منعقد ہوتی ہے تو اس کا نام حقیقت محمدیہ قطب اور نبی رکھا جاتا ہے اور یہ اس شخص کے ساتھ اتحاد کرتی ہے جسے خلق کی طرف بھیجا جائے سو جب بعثت کا امر پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور معبود کو اپنے رب کی رحمت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خلقت سے پشت پھیرتا ہے اور ہمارے سردار نبی اکرم ﷺ کی اصل بعثت میں یہ بات مندرج تھی کہ آپ قیامت کے دن شہید ہوں اور شفیع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے عذر خواہ ہوں تاکہ نبی اکرم ﷺ سے ایک ہمت عظیمہ کا ظہور ہو جیسا کہ ان پر شمول رحمت منتہی ہے اور ان کی قوت ملکیہ کو قوت بہیمیہ سے خالص کرنے کو تاکہ آپ کا وجود باوجود ان لوگوں پر رحمت الہی کے نازل ہونے کا باعث ہو جیسا کہ تناسل کی قوتیں بقائے نوع کے واسطے ہر ایک نوع میں پیدا کی گئی ہیں اور اسی طرح ہر وہ چیز جو واقعات اور حوادث کے پیش آ جانے کے وقت معین ہو، یہی حال ہے کہ برابر نبی اکرم ﷺ خلق کی جانب متوجہ ہیں اور ان کی طرف رخ انور کئے ہوئے ہیں اسی بنا پر آپ اس حقیقت مثالیہ کے پائے جانے کے تمام انبیاء کرام سے زائد ہندوار ہیں اور باوجود اسکے آپ کے ساتھ اس طرح متحد ہونے کے کہ ظاہر اور مظہر میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی گویا بعینہ وہی ہے کہ حقیقت میں اس کے لئے جدائی ہی نہیں اور اس ہیئت مشہور کے معانی میں سے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ (شعر)

افلت شمس الاولین وشمسنا

ابدأ علی افق العلی لا تغرب

پہلے حضرات کے آفتاب چھپ گئے اور ہمارا آفتاب ہمیشہ بلندی آسمان پر تباہاں رہے گا اس حقیقت سے آپ کے متحد ہونے کو میں نے اپنی روح کی آنکھ سے دیکھا اور اتحاد کا سبب میں نے اس سے معلوم کیا اور میں نے ہمیشہ نبی اکرم ﷺ کو اسی حالت واحدہ پر قائم دیکھا کہ وہاں سے آپ کو نہ تو کوئی ارادہ متجددہ ہٹا سکتا ہے نہ کوئی اور داعیہ ہاں جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو نہایت قریب ہو جاتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش ہمت سے عرض کرے اور آپ اس کی مصیبت میں فریادری کریں یا اس پر ایسی برکتیں افاضہ فرمائیں کہ وہ خیال کرے کہ آپ صاحب ارادات متجددہ ہیں جیسا کہ کوئی شخص مظلومین اور محتاجوں کی فریادری میں مصروف ہوا اور میں نے غور کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذاہب اربعہ فقیہ میں کس کی جانب مائل ہیں، کہ میں بھی اسی مذہب کو اختیار کروں تو معلوم ہوا کہ سب مذاہب آپ کے نزدیک برابر ہیں، بایں طور فروع کا علم آپ کی روح مبارک کی عادات میں سے بھی نہیں ہے آپ کو جو ہر روح میں تو علم فروع کی اصیلت داخل ہے، اور نفوس بشر پر حق کی عنایت ہے ان کے اعمال اخلاق اور اصلاح کے اعتبار سے اور یہ ایک ایسی اصل ہے کہ جس کے فروع اور صورتیں اختلاف زمانہ سے مختلف ہوتی رہتی ہیں لہذا جو روح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اصیلت داخل ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب مذاہب برابر ہیں کہ ایک سے دوسرا جدا معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ ہر ایک مذہب ان مہمات اور وصول کو جو کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں واجب اور ضروری ہیں حاوی ہوتا ہے اگرچہ مختلف ہوں سوا اگر کوئی ایک مذہب کا متبع نہ ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ناراض نہیں ہیں، مگر اس شکل میں جبکہ دین میں اختلاف اور لوگوں میں جنگ و جدال اور باہمی فساد کا موجب ہو تو یہ امر آپ کی بہت سخت فحشی اور ناراضگی کا باعث ہے، اسی طرح میں نے دیکھا کہ تمام صوفیاء کے طریقے، مذاہب کی طرح آپ کے نزدیک برابر ہیں اور اس کے ایک اور نکتہ سے آگاہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ بعض آدمیوں کے یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ فلاں مذہب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے اور وہی حق اور مطلوب ہے پھر اس میں قصور ہوتا ہے تو اس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا قصور کیا اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور ٹھہرتا ہے تو اپنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دروازہ کو ایسا بند پاتا ہے کہ پھر وہ نہیں کھلتا تو کہتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میری تعمیر پر عتاب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کہ اس کا سینہ مخالفت اور کدورت سے لبریز ہے لہذا فیض کا دروازہ قابلیت کی خامی کی وجہ سے بند ہو گیا اور کبھی انسان خیال کرتا ہے کہ مذاہب مقررہ اور تقلید کو چھوڑنا یہ شرع کی پیروی اور

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کو چھوڑنا ہے اور اس کے نزدیک تقلید کے علاوہ اور کوئی مضبوط طریقہ نہیں اور اس سے اس کے نزدیک نکلنا انقیاد و شرع سے نکلنے کے برابر ہے، اس بنا پر وہ سمجھتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عتاب ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سے شبہات ہیں جو طالب کو پیش آتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ جب لوگ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں، اور وہاں کے لوگوں کے اعمال اپنے نزدیک برے دیکھتے ہیں یا وہ اعمال نفس الامریں برے ہوتے ہیں تو ان سے بغض اور کینہ رکھتے ہیں اس کے بعد جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں اور اس جانب توجہ کرتے ہیں اور صفائی اور خلوص کا وقت آتا ہے تو اس بغض اور کینہ سے تنگی پکیتی ہے تو ان کا حال مکدر ہو جاتا ہے، خبردار! خبردار اس نور اتم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے امور روکتے ہیں اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمتوں اور تشبیہ بالجبروت کا لباس پہنے ہوئے دیکھا اور آپ کی بہت سی لطافتیں ہیں آپ کے کمالات کے شمار اور تعداد کے مطابق اور لوگوں کے آپ کی طرف اپنی استعدادات سے متوجہ ہونے کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجالس میں میری اجمالی مدد فرمائی کہ جن کی تفصیل مجددیت، وصایت اور قطب ارشادیت ہے اور مجھے قبولیت عطا ہوئی اور مجھے امام بنایا اور میرے طریقہ اور مذہب کو اصل اور فروغ کے اعتبار سے درست فرمایا سب انسانوں کے لئے نہیں بلکہ مخصوص مخصوص حضرات کے لئے جن کی فطرت میں تحقیق ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ چیز اختلاف اور کشت و خون کا باعث نہ ہو اس نکتہ سے اس شخص کو جو کہ اصل اور فروغ کے ساتھ ہمارا مذہب اختیار کرے، آگاہ ہونا واجب اور ضروری ہے اور ایسے ہی وہ شخص جو کہ ہمارے طریقہ و سلوک پر ہے اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ آپ سے مبادی وجود اور مراتب جود اور فناء و بقا، دریافت کروں تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تہذیب کی طرف کلی طور پر متوجہ ہیں سو جب بھی میں اس بات کا ارادہ کرتا تھا کہ آپ سے کچھ دریافت کروں تو میرا استغراق آپ کی کیفیت حال کے دریافت کرنے سے روک دیتا ہے، اس کے بعد آپ نے مجھے بتلایا کہ میں آپ کے رویہ و بیچوں اور اپنے رب سے اپنی اس زبان سے سوال کروں جو ملائکہ کی طرف ہے تو مجھے نور نے پیٹ لیا پھر سوال کیا پھر پیٹ لیا پھر سوال کیا غرضیکہ اسی طرح اس کے بعد میرا سوال اور آپ کی ہمت علیاً مختلط ہو گئی تب جا کر تیر نشانہ

پر پہنچ گیا اور میں نے دیکھا کہ آپ ایک حالت پر صورت کریمہ کے حفظ پر قرار کئے ہوئے ہیں، اور یہ کہ آپ محل راز کثیر الامت اور نگہبان اور تدلی مذکور کے ظرف خلق کی جانب متوجہ ہیں دراصل ایک آپ عظمتوں کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں قبول اور جذب اور الفت بے شمار ہے کہ جس کی انتہا دریافت نہیں کی جاسکتی، جس وقت کوئی انسان اپنی کوشش ہمت سے متوجہ ہو میری مراد فقط انسان عالی ہمت ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ روح والا شخص جو کسی شے کا مشتاق اور آپ کی جانب اس شے کے قصد اور شوق سے متوجہ ہو تو آپ اس کی طرف تدلی کرتے ہیں اور یہی ردِ سلام اور اجابت درود ہے یعنی اس فعل کی وجہ سے انسان کی ایسی حالت ہوتی ہے جو کہ قصد متجددہ کے شبیہ ہے اور میں تجھے ایک سرعظیم اور بتلادوں وہ یہ کہ اس رسمہ مبارکہ کو تدلی کے ظرف بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل زمین اور جو ان سے بھی نیچے ہیں، بہت قریب ہو جائے اور یہ جو کامل نہیں ہوتا، مگر رسمہ کے توسط کے ساتھ اور میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو آپ پر درود بھیجے اور مدح کرتے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ آپ ظاہری طور پر فیض صحبت پہنچانے والے ہیں جیسا کہ مشائخ صوفیہ کی مجالس افاضت میں اور میں آپ کے حضور میں ہوں جو بھی کچھ بیان کیا مشاہد میں سے صرف ایک مشہد ہے اور محمد عاشق کو ایک برے عجیب خواب معلوم ہوا میں یقین کرتا ہوں کہ یہ حق کی طرف سے ہے وہ یہ کہ حج اور کمالات میں سے ایک پورا کمال ہے اور اسی وجہ سے حاجیوں کے دل میں بہت خوشی ہوتی ہے اور اس مسئلہ کا سر اور راز اللہ تبارک و تعالیٰ تک وصول ہے یہی کمال ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو قائم کر کے خلق کی طرف تدلی کی اور اسے شعائر اللہ میں سے ایک شعائر فرمایا تو باعتبار مسافت کے کعبہ تک وصول یہ اللہ تعالیٰ تک ہی وصول ہوا اور وصول الی اللہ کے بہت سے طریقے ہیں لیکن وصول بالمسافت وہ حج ہی سے کامل ہوتا ہے واللہ اعلم۔

(۱۱) مشہد یعنی آنحضرت ﷺ رحمۃ اللعالمین اور خاتم النبیین ہیں

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا کہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل ہی میں تھے اور میں نبی ہو چکا تھا اور میرا یہ سوال زبان کے مقال اور دل کے خطرات

سے نہ تھا بلکہ اس سز اور راز کی آرزو اور شوق سے میری روح لبریز تھی اس کے بعد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر رقت اور طاقت تھی، آپ کی صورت مثالیہ کے قریب ملا سو آپ نے مجھے اپنی وہ صورت کریمہ مثالیہ دکھائی جو پہلے عالم اجسام کے پائی جاتی تھی اس کے بعد مجھے عالم مثال سے اس عالم میں آنے کی کیفیت بتلائیں اور مجھے انبیاء عیشین کی شکلیں بتلائیں اور کس طرح حضرت تدبیر سے ان پر نبوت کا افاضہ ہوا اس کے مقابلہ میں جو کہ آپ کو عالم مثال میں حضرت تدبیر سے ملا اور مجھے اولیاء اللہ کی صورتیں بتلائیں اور کیونکر انہیں علوم اور معارف حاصل ہوئے اس کے بعد میرے لئے اس چیز کی حقیقت واضح اور روشن ہو گئی اور مجھے صورت مثالیہ سے جو چیز ملی میں اس کے لئے ظرف ہو گیا اور میں نے اس چیز کو سمجھ لیا جو آپ نے اس افاضہ سے ارادہ فرمایا اب میں اپنی بھی ہوئی بات کو بیان کرتا ہوں معلوم کر لینا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تدلی عظیم خلق کی جانب متوجہ ہے اسی سے وہ ہدایت پاتے ہیں اور اسی کی طرف التجا کرتے ہیں اور اس تدلی کی ہر ایک دراز زمانہ میں ایک شان ہے جو کہ مخلوق کی طرف یکے بعد دیگرے ظہور کرتی رہتی ہے اور جب بھی کوئی ظہور ظاہر ہوتا ہے تو عالم میں اس ظہور کا ایک عنوان ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ رسول ہے جو مخلوق کی طرف اوامر اور نواہی اور شریعت کے ساتھ مبعوث کیا جاتا ہے لہذا رسول اور وہ جو احکام لائے ہیں عنوان ہیں اور یہ ظہور حقیقت ہے سو جس وقت لوگوں میں کوئی ظہور ہوتا ہے تو علوم و معارف اس ظہور کے مناسب ہوتے ہیں اگرچہ لوگ اس بات کو نہ سمجھیں کہ وہ اس ظہور سے فائض اور اس کے مناسب ہیں اور جن حضرات پر یہ علوم اور معارف ظاہر ہوتے ہیں اگر وہ ایسے لوگ ہیں کہ کلام رسول سے اس کا استنباط کر سکتے ہیں تو انہیں احبار اور رہبان کہتے ہیں اور اگر وہ لوگ ایسے نہیں ہیں مگر ان کی ہمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے علم حاصل کرنے کیلئے ہیں تو انہیں حکمائے محدثین، اہل حکمت رہبانہ بولتے ہیں۔ غرضیکہ دونوں جماعتیں اس ظہور سے فیضان پاتی ہیں خواہ اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں اور یہی بہت بڑا احسان ہے، اخبار رسول کی طرح اس کا حال نہیں ہے، کہ کوئی قوم اسے سنتی ہے اور کوئی قوم نہیں سنتی جس وقت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اور یہ کہ وہ نوع بشر کے باپ ہوں تو آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا ارادہ حقیقت میں نوع بشر کے پیدا کرنے کا ارادہ تھا تو ارواح بشریہ نے اس مثال کی طرف جو کہ اجسام کے

مناسب ہیں حرکت کی تو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکر یعنی پیکر مثالی بہت ممکن ہوا، اپنی ذات کی رو سے منطبق ہونے کو اس تدلی کے موافق ظہور کے ظہورات میں سے ہے چنانچہ اس پر یہ چیز باعتبار شبہ کے منطبق ہوگئی جیسا کہ کلی کا جزئی پر انطباق ہوا کرتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی سابق عنایات ہیں آپ پر اور لوگوں پر تاکہ ایسا مددگار پایا جائے جو میدان حشر میں فیضانِ رحمت الہی کا معین ہو اور جب ان کو بہت سخت حاجت ہو تو وہ ان کی شریعت کو منعقد کرنے والا اور ان سے امراضِ فاسدہ کا دور کرنے والا ہو، سو یہی معنی ہیں، حضرت آدم سے پہلے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے، اس کے بعد جب اشخاص بشری وجود میں آئے اور ان کے طریقے مختلف ہوئے کوئی افراط کرنے والا اور کوئی تفریط کرنے والا تو تدبیر الہی نے چاہا کہ ان کے کام میں اعتدال آجائے تو تدلی ان شخصوں میں سے ایک پر منطبق ہوئی اور وحی کی وہ باتیں ظاہر ہوئیں جس میں ان کی قوم کی صلاح اور درستگی ہو اور اس کی بعثت سے برزات میں سے ایک برزہ نے ظہور کیا تو منطبق اس نبی پر وہ وجود بشری ہی ہے اور وہ مثال میں حکایت کے طور پر تھا تاکہ اس چیز کے لئے مستعد ہو چنانچہ حسب استعداد اس پر اس چیز کا افادہ کیا جا رہا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت بالفعل بہت منطبق تھے، محض حکایتانہ تھے اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خارج میں ظہور فرمایا تو برزات تدلی میں سے ایک برزہ ظاہر ہوا اور یہ برزہ قوت مثالیہ پر مشتمل تھا اور اس برزہ نے مثال کا لباس پہن کر آفاق کو صحیح اور درست کر دیا اور اس سے پہلے تدلی مثال کے لباس میں ظاہر نہ تھی اگرچہ نفس مثال کا وجود بہت ضروری تھا اور میرا مقصود یہ ہے کہ باعتبار اس تدلی کے ظاہر ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان کوئی مثال نہ تھی۔ لیکن بعد میں ہیکل مثالی تدلی سے تمام فضا اور آسمان اور زمینیں سب پر ہو گئیں لہذا جس کسی کو بھی علم اور معرفت یا حال الہی اور کمال حاصل ہوا تو اس کا ماخذ یہی ہیکل مثالی ہے خواہ کوئی جانے یا نہ جانے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہو گئے اور آپ کے بعد نبوت ختم ہو گئی اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جس وقت کو آپ مبعوث ہوئے عنوازا نبوت کی طرح پر تھی اور یہی برزہ مثالیہ مستطیرہ ہے جب تم نے یہ بات سمجھ لی اور تمہارے سامنے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ آپ رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں اور تمام انبیاء کرام کو فیض

اسی حضرتِ تدلی سے ہوا، اگرچہ وہ عالمِ اجسام میں تھے اور اولیاءِ کرام فیضِ اسی برزہ مثالیہ سے حاصل کرتے ہیں جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی حقیقت ہے، اور مجھ کو کوئی تمیز نہیں ہوا، کوئی ان اشخاص میں سے اس راز کا، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی نبوت عالمِ روح میں انعقادِ ضعیف کے ساتھ منعقد ہوئی تھی، یہ نسبت ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انعقادِ نبوت کے نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تدلی بعثتِ برزہ روحِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ظہورِ برزہ مثالیہ سے ضعیف طور پر ظاہر ہوئی جو کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ظہور میں آئی تھی اور اسی وجہ سے آپ کے بعد کوئی کامل نبی اور نہ کوئی محدث پیدا ہوا اگر آپ کی ملت میں، اور نبوت بھی منقطع نہ ہوئی مگر جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو برزہ مثالیہ بہت منور طریقہ پر منور ہوا اور نبوت کلی طور پر ختم ہو گئی اور علوم و معارف کامل طور پر فیضان ہوئے اس لئے کہ وہ مثال میں اکثر طور پر منعقد تھے۔

تحقیق شریف یعنی ایک شبہ کا ازالہ

اگر تم دریافت کرو کہ کیا حکمت ہے کہ زمانہ سابق میں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد لوگ کندۂ بن، سردیاب، اور بہائم سیرت ہو گئے، قلیل آدمیوں کے علاوہ کسی نے اس وقت ارتقا قات کا استنباط نہ کیا اور نہ علومِ محاضراتِ طبعہ اور النبیہ ان کو حاصل ہوئے مگر شاذ و نادر کو باوجود کہ عمریں بہت زائد پائیں اور غور و فکر بہت کیا پھر ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ چیز تھوڑی تھوڑی بڑھتی گئی، یونان و روم و فارس بنی اسرائیل اور مغرب اور عراق و عرب میں حتیٰ کہ ہمارے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، تو پھر علوم کے دریا روان ہو گئے، اور ان سے علومِ حکمیہ کے چشمہ جاری ہو گئے اور فنونِ ادبیہ اور محاضریہ اور علومِ شرعیہ بایں طور پر کہ جن کی نہ ابتدا ہے، اور نہ انتہا تو میں اس شبہ کا ازالہ کئے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک تدلی عظیم ہے جس سے تمام آسمان اور زمینیں پُر ہیں اور اس کی حقیقت شخصِ اکبر کو اپنے پروردگار کا پہچانا ہے اس لئے کہ جب اس نے اپنے رب کو اس کی معرفت کے حق کے ساتھ پہچانا اور اس کے تصور کے حق کے ساتھ اس کا تصور کیا تو اس کے مدار کہ میں ایک صورتِ عالیہ منقش ہو گئی جو یاد دلائے اللہ تعالیٰ کے اس جلال اور عزت کو جو اس کے شایان ہے اور جب تک شخصِ اکبر ہے اسی وقت تک یہ شکل بھی قائم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر منطبق

ہے اور وہ اس کی پورے طور پر یاد دلانے والی اور نفس الامر کے کئی طور پر موافق ہے اس کے بعد جب عناصر اور افلاک طبعہ کلیہ میں پیدا ہوئے تو یہ طبعہ کلیہ اسی صورت میں محفوظ تھی۔ جیسا کہ طبعہ ارضیہ معدن روئیدگی حیوان اور انسان میں محفوظ ہے اور ان کے خواص اور مختصیات اور قوی بھی اپنی ذات کے انحفاظ کے ساتھ محفوظ ہیں اس کے بعد جب معاون نباتات حیوانات اور انسان پائے گئے اور عناصر اور افلاک کی طبعین محفوظ تھیں اور یہ چیزیں مرایا کے طور پر ہیں، افلاک و حرکات اور عناصر اور ان کی طبعیتوں کے خواص ظاہر ہونے کے لئے اور طبعیت کا یہ مع اپنے قوی کے افلاک اور عناصر میں محفوظ تھی چنانچہ ہر فرد انسانی کے اصل قلب اور جوہر نفس اور بنیاد تحقیق میں اپنے پروردگار کی معرفت تھی، مگر بہت سے پردوں اور حجابات میں پوشیدہ تھی، اس لئے کہ لوح نفس انسان سرمایہ ہے امہات اور مولدات کی طہائے میں سے ہر ایک طبعیت کے لئے حکم ظاہر کرنے کے لئے اور ان صورتوں کے بقدر لوح نفس انسانی کی صفائی ناقص ہو جاتی ہے اور اس تدلی کے نقطہ کا حکم پوشیدہ ہو جاتا ہے وہ تدلی جو ایسی ہے کہ جو شخص بھی اسے پکڑے تو اسے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے لہذا یہی حجابات ہیں جو کہ ایک دوسرے پر پڑے ہوئے ہیں سو جس شخص کو حقیقت الحقائق پر متمہ حاصل ہو گیا اور جان لیا اس نے اس تدلی کے اس انفساد کو جو کہ طبعیت کلیہ اور اس کے اجزاء کی طرف ہے تو اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نور کی ایسی مثال ہے جیسا کہ ایک روشن چراغ جو شیشہ کی قدیل میں ہو کہ کل حجابات نور اصل اور اس کی روشنی سے روشن اور منور ہو گئے اور یہ حجابات اسے معرفت الہی میں بھی مفید ہوں گے اور جس شخص کو حقیقت الحقائق پر متمہ حاصل نہ ہوا اور اس نے اس کے انفسارات کو نہ سمجھا تو اس کی سخت تاریکیوں کی مثال ہے جیسے ایک گہرے دریا کی اندھیریاں، موجیں مار رہی ہوں اس کی لہر پر لہر ہو اور اس کے اوپر بادل جب یہ تمہید ختم ہو چکی تو اب جان لینا چاہیے کہ معدات کے شمار کے مطابق یہ نقطہ ظاہر ہوتا ہے اور اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور جس قدر اعداد ظاہر کریں گے اسی طور پر ظہور بھی ظاہر اور صریح ہوگا اور معدات میں سے ملاء اعلیٰ بھی ہیں اور میرا مقصود ان سے صرف فرشتہ نہیں ہیں بلکہ جو نفوس کاملہ جس وقت کہ ان کے بدن پر سے کثیف چادریں اتاری جاتی ہیں تو وہ ان سے زیادہ عظیم اور اشہ ہیں، لہذا جس وقت کاملین میں سے کوئی انتقال کرتا ہے اور عام لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ

وہ عالم میں سے ضائع ہو گیا تو یہ چیز ہرگز نہیں خدا کی قسم وہ گم نہیں ہوا بلکہ اس نے نجات اور قوت حاصل کی، کیونکہ ملاء اعلیٰ کے ہر سردار کو حجاب متراکمہ قطع کرنے اور اس تدلی تک پہنچنے کی توفیق دی جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تدلی کی ایک موج اس نفس کے شرجہ (۱) میں داخل ہوتی ہے جس کی بنا پر نفس اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لبریز ہو جاتا ہے پھر وہ موج اس تدلی کی جانب عود کرتی ہے اس کے بعد اس تدلی کی وجہ سے دوسری تدلی ثابت ہوتی ہے اس چیز کی طرف جو کہ قریب ہے ان چیزوں سے جو نفوس بشریہ میں ہیں اور عالم نفوس کو ان معرفت کے افاضہ کے قریب کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اور اسی طرح ملا اعلیٰ کے انوار متراکم ہوتے اور ان کے اعداد بڑھتے جاتے ہیں بعض سافل کے اور بعض ان دونوں کے درمیان، بالآخر وہ فضا لبریز ہو جاتی ہے جو ان نفوس کی زمین اور اس معرفت کے آسمان کے درمیان ہے اسی واسطے کالمین کی معرفت اخیر زمانہ میں پہلے سے زائد سریع اور صریح ہوتی ہے اور اسی دقیقہ کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان سے اشارہ فرمایا ہے کہ جس وقت قیامت کا زمانہ قریب ہو جائے گا تو مومن کے خواب جھوٹے نہ ہوں گے اور اسی طرح طبیعت عرشہ میں علوم ارتقا قات انسانیت موضوع ہیں بلکہ ہر نوع کے ارتقا قات نہیں بلکہ تمام نفوس اور انواع کے احکام سو جو کوئی بھی استخراج ارتقا قات میں فائق اور کامل ہوا اس نے یہیں سے فیض حاصل کیا اور جب یہ فیض اس کے قلب میں راسخ ہو گیا تو اس نے اپنے منبع کی طرف عود کیا تو اس طبیعت کے لئے اس کے اس کمال کی بنا پر تمام نفوس بشریہ کی طرف تدلی ظاہر ہو گئی اور ان علوم کا منقش ہو جانا اس کے لئے آسان ہو گیا چنانچہ جس وقت وہ کامل انتقال کرتا ہے تو اس کی ذات اور اس کا فضل و کمال ضائع نہیں ہوتا اور نہ یہ شرجہ بلکہ سب بحال خود رہتے ہیں اور نفوس کے بعض افراد بعض کے لئے معد ہوتے ہیں اور اس کی شخص واحد کے ساتھ نسبت جو طبیعت انسانہ میں مجسمہ فی المثال ہے، ایسی ہے جیسا کہ قوی اور خیالی صورتوں کی نسبت اور جیسا کہ مقدمات فکر یہ فیضان نتیجہ کے لئے معد ہوتی ہیں اسی طرح نفوس زکیہ تمام انسانوں کی پاکی اور صفائی کے لئے معد ہوتے ہیں اور یہ معرفت ان معانی میں سے ایک معانی ہے

(۱) شرجہ: پانی نانی جو میدان کی طرف جاری ہو، وہ گڑھا جس میں کھال بچھا کر اس سے اونٹوں کو پانی پلایا جائے۔ مراد سائلک کی ذات! (قاضی)

جو کہ قصیدہ لامیہ میں مذکور ہیں کہ

شہدت تداور الوجود جمیعہا

تدور کما دار الریح المتمانل

(۱۲) مشاہد آخری آنحضرت ﷺ کو تمام انبیاء کرام پر فوقیت حاصل ہے

علی الاجمال جب بھی میں روضہ اطہر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب متوجہ ہوا تو آپ کو حاضر دیکھا یا یہ کہ میری روح کی آنکھ کھل گئی تو میں نے جیسا کہ آپ ہیں اسی طرح دیکھا اور یا میرا نفس اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ تو یہ ایک اثر آپ کا حاکی ہے غرضیکہ کہ ایک روز میں آپ کی طرف متوجہ ہوا اور میرا نفس اس چیز کی حقیقت ظاہر ہونے کی وجہ سے جس سے میں خاص ہو، آپ کے شوق سے لبریز تھا۔ یعنی مراتب جود کے معارف اور استنباط معارف شرائع نفوس کی حالت دریافت کرنے کی وجہ سے تو میرا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک سے قریب اور ان کے علوم کی خوشی اور سرور سے لبریز ہو گیا اور ایک روز مجھ پر نظر حق کا افاضہ ہوا اور وہ ایک شے ہے جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیاء سے خصوصیت حاصل ہے اس ہیکل تدنی کی وجہ سے جو کچھ کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کا خاص ہونا اور ان کا ناسوت کی طرف اس کے انتقال سے منتقل ہونا غرضیکہ میں بہت شدت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو میرے نفس میں اس نظر کا لون منطبع ہوا تو میں نے پہچانا گویا کہ اس وقت میرے نفس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نظر کر رہا ہے اور میں نے یقین کیا کہ اس نظر کے خواص میں سے ہے، کہ ایسا شخص جس مکان میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو تمام آسمان اور زمینیں اس کی پیروی کرتی ہیں خصوصاً اجزاء زمین نیچے تک اور فضا و ہوا کے اجزاء ساتویں آسمان بلکہ عرش تک اور جس وقت اس انسان کو اس پر قرار حاصل ہو تو وہ قطب ہو جاتا ہے اور میں نے افاضہ کے وقت یہ بات سمجھی کہ یہ منطبع ہونا اور انطباعات کے طریقہ پر نہیں بلکہ یہ تو جو بروح اور طبیعت نفس میں داخل ہے اور ایک روز میری طرف ایک ایسا نور ظاہر ہوا جیسا ملاء سافل والوں کی صورت ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چشمہ کی طرح شدت کے ساتھ جوش مار رہا ہے۔

(۱۳) مشہد یعنی روضہ اطہر اور منبر مبارک کے انوار اور برکات

ایک روز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ میں جو کہ قبر مبارک اور منبر کے درمیان ہے چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا، یکا یک اسرار نے مجھ پر تجلی کی جن کی اصلیت کو کعبہ کی حقیقت سے میں نے استفادہ کیا اور یہی ماء اعلیٰ کا قرب اور تمام عبادتوں کا مغز ہے تو اس وقت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب سمجھا کہ اما السجود فاجتهدوا فی الدعاء اور آپ نے جو اپنے بعض اصحاب سے فرمایا اعنی علی نفسک بکثرة السجود یہ قرب نہیں حاصل ہوتا مگر تضرع اور زاری اور الحاج کے ساتھ دعا کرنے اور مولیٰ کے روبرو سر جھکانے اور اس کے دروازہ پر ناک رگڑنے اور اس کا آستانہ پکڑنے سے اور یہ چیز نہیں حاصل ہوتی تا وقت کہ سجدے میں پڑ کر کوشش کے ساتھ دعا نہ کرے اس لئے کہ سجدہ اس تقرب کے لئے ایک ذریعہ ہے اور ہر ایک ذریعہ کے لئے اس کی حقیقت کی طرف اس کے جوہر میں سے ایک شارع ہے اور رحمت عامہ جس وقت بشر کی طرف متوجہ ہوتی اور ان پر افاضہ کا ارادہ کرتی ہے تو اس کی خوشبوؤں کا پیش آنا اور اس کے حلول کا متمکن ہونا اور اس کی تحقیق کا آمادہ ہونا مدد ہو جاتا ہے اس رحمت کا اور اس کی مراد پورا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے اور کیونکہ سجدہ نجات رحمت کے پیش آنے کے زیادہ قریب تھا اسی واسطے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت جو کا خاص طور پر حکم فرمایا ہے اور اسی طرح مجھ پر آپ کے اس فرمان کی حقیقت ظاہر ہوئی کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں کوئی تکلف ہوتا ہے، حاضرین نے جواب دیا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر اسی طرح تم اپنے پروردگار دیکھو گے، لہذا سورج نکلنے سے پہلے کی نماز اور غروب ہونے سے پہلی نماز کو نہ فوت ہونے دو، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن جو تہلی جلوہ کرے گی وہ وہی ہوگی جو نمازی کے سامنے نماز پڑھنے کے وقت ہوتی ہے اور یہ وہی چیز ہے نماز میں بندہ کی مقاسم اور مجاہد ہوتی ہے لیکن پردہ بدن انسان کو روح کی آنکھ سے دیکھنے نہیں دیتا اور روح کی آنکھ بدن کی آنکھ پر غالب نہیں آتی، سو جب قیامت کا دن ہوگا اور پردے مرفوع ہو جائیں گے، تو روح کی آنکھ مستقل ہو جائے گی اور جسم کی آنکھ پیچھے رہ جائے گی اور عالم آخرت نشاۃ دنیا کا بھایا ہے، اور کچھ فرق نہیں۔ روح کی آنکھ سے دیکھنے سے جو دنیا میں سب کو حاصل ہو جاتی ہے اور آخرت میں یہ چیز مسلمانوں کے لئے

عام ہو جائے گی، مگر پردہ کی آنکھ اُنھ جانے سے اس کے بعد میں نے ہر ایک آیت اور حدیث کو اسرار کا ایک دریائے موج دیکھا کہ اگر ان میں سے ایک کی بھی شرح لکھی جائے تو بہت سی جلدوں میں نہ آئے اور میں نے اسرار خفیہ کو دیکھا کہ اشارات قرآن کریم اور حدیث شریف میں محفوظ ہیں تو میں بہت متعجب ہوا اس کے بعد مجھ پر تدلی اعظم جلوہ گر ہوئی، اسے میں نے دیکھا تو اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور میں نے اپنے نفس کو غیر متناہی دیکھا اور میں نے معلوم کیا کہ ایک غیر متناہی کے مقابل ہے میں وہ سب نگل گیا، اس میں سے ایک ذرہ بھی نہیں چھوڑا اس کے بعد میں نے اپنے نفس کی طرف رجوع کیا اور اس کی عظمت اور بزرگی کی وسعت سے متحیر ہوا پھر وہ تدلی اعظم مجھ سے پوشیدہ ہو گئی اور اس وقت میں نور سے بھرا ہوا تھا جو میرے اوپر اور نیچے اور میرے دائیں اور بائیں سے پڑ رہا ہے، بلکہ میں نے اسے دیکھا کہ میرے قلب اور میری آنکھوں سے میرے ہاتھوں بلکہ میرے تمام اعضاء سے نکل رہا ہے اور یہ اس مشہد کا آخری حصہ ہے۔

(۱۴) مشہد آخر یعنی روح مبارک ﷺ کی عظمت

یہ کل مثالی مجھ سے غائب ہو گئی اور مجھ پر روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ظاہر ہوئی جو کہ ان ملبوسہ لباسوں سے مجرور اور پاک تھی حتیٰ کہ بعض اجزاء سمہ بھی اور میں نے اس وقت اس طرح پایا جیسا کہ پہلے بعض ارواح اولیاء متقدمین کو پایا تھا، اس کے بعد میری روح سے ایک صورت متحرکہ اس کی شکل کی پیدا ہوئی اور میں نے انجذاب اور بلندی کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ زبان اس کی توصیف پر قادر نہیں۔

(۱۵) مشہد آخر (۱)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا حتیٰ کہ میرا نفس وسیع ہو گیا یہاں تک کہ میں آپ کی اس وراثت کی بنا پر لاحق ہو گیا۔ تدلی اعظم کی ہرزہ (۲) مثالیہ کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتقل ہونے کے ساتھ ناسوت کی طرف منتقل ہو گیا اور میں متصل ہوا اور پہنچا اور مل گیا،

(۱) یعنی شاہ ولی اللہ آخری فاضل علم ہیں۔ (قامی)

(۲) ہرزہ: گمان و پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا۔ فضیلت و شجاعت میں اپنے ساتھیوں پر فوقیت حاصل کرنا۔ (قامی)

اس برزہ کے ساتھ بائیں طور کہ تو مجھے دو حالتوں اور شکوک میں ایک حالت خیال کرے کہ ایک ان میں سے اتم اور اتم ہے اور قریب ہے حضرت وجود خارجی سے اور دوسری حالت کی پہلی حالت سے ایسی نسبت ہے جیسا کہ مذاہب تخریج کرنے والے کی صاحب مذاہب سے کہ وہ حضرت وجود علمی کے قریب ہے اور اس وقت میرا نام زکی اور آخری نقاط علم رکھا گیا اور اس وقت میں نے معلوم کر لیا کہ جو اس برزہ سے مخلوط ہوا اور اس تک پہنچے جیسا کہ میں مخلوط ہوا اور پہنچا یعنی اس کی جو ہر روح میں داخل ہو گیا تو یہ چیز یادداشت کے داخل ہونے کے طور پر ہے جو ہر نفس میں بائیں طور کہ اس سے وہ نقطہ کھل جاتا ہے جہاں نفس آکر حاصل ہوا ہے سو اس مقام کے شعبوں میں سے مجددیت و صائیت، قطییت اور امامت طریق ہے اور یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اپنے بعد نگہ باقیہ کا مسداق ہو، غرضیکہ اسرار متقی ہیں غور سے کام لینا چاہیے۔

(۱۶) مشہد آخر یعنی حقیقت محمدیہ ﷺ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اور آپ کو سلام کیا اور کمال عاجزی سے آپ کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور اپنی روح کو آپ کی جانب متوجہ کیا آپ کی روح مبارک سے انوار چمکتے تو میری روح نے بہت اچھے طریقہ پر ایک لمحہ یا اس کے قریب میں اس سے ملاقات کی، میں متعجب ہوا کہ کس قدر روح نے جلد ملاقات کی اور اصل اور فرع اور تمام اطراف کو ایک آن بلکہ اس سے بھی تم میں احاطہ کر لیا اور یہ انوار اس جبل ممدود کی چلی ہے جس سے تمام عالم بندھا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ یہ چلی آپ کے جو ہر روح مبارک میں داخل ہے اور اصل اس جبل ممدود کی تدبیر واحد ہے جو کہ اس مبداء سے فائض ہے کہ جس کی تفصیل تمام عالم ہے اور جبل ممدود کی فروع وہ تدبیرات تفصیلیہ ہیں کہ جن سے تمام عالم قائم ہے اور میں نے یہ چیز بھی دریافت کر لی کہ یہ جبل ممدود حقیقت محمدیہ کی حقیقت ہے اور اسی سے ہر ایک قطب، محدث اور نبی مکمل کو حصہ ملا ہے، واللہ اعلم۔

(۱۷) مشاہد (۱)

مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالک بنایا اور آپ نے خود میری تربیت فرمائی لہذا

(۱) شہ و صاحب کا سالک بننا۔

میں کسی واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد ہوں اور اویسی ہوں اور یہ بات اس بناء پر ہے کہ آپ نے اپنی روح مکرمہ مجھے دکھائی اور اس سے مجھے عارف بنایا کیونکہ معرفت مفیض کے افاضہ سے پیشتر ہی میرے نزدیک آپ کی روح مبارک اعراف الاشیاء ہے حتیٰ کہ محسوسات میں بھی۔ غرضیکہ سلوک کے ابتدائی مراحل یہ ہیں کہ آپ نے سب سے پہلے مجھ پر تجلیات حق میں سے ایک تجلی کا افاضہ کیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود سے ایک برزہ مثالیہ کا ظاہر ہونا ہے چنانچہ میں نے اس تجلی کو اپنے جوہر روح سے قبول کیا، اور اس میں مستغرق ہو گیا اور فنا ہو گیا۔ اس کے بعد میں اس سے تحقیق ہوا اور مجھے بقا حاصل ہو گئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ایک اور تجلی افاضہ فرمائی کہ وہ اس برزہ مذکورہ کی اصل ہے، اور وہ عالم میں اصل افعال حق کا ایک نقطہ فرد ہے اور اللہ کی تدبیرات کا عالم میں اصل ہے، اس کو بھی میں نے قبول کیا اور اس میں فنا ہوا اور اس سے بقا حاصل ہوئی اس کے بعد تیسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نقطہ ذات کو افاضہ فرمایا کچھ لون جبروتی کے ساتھ اسے میں نے قبول کیا اور میں فانی اور باقی ہوا پھر چوتھی مرتبہ اس نقطہ کا افاضہ فرمایا جو روحانیت میں منعقد ہے اس سے نہایت کا اندراج ہدایت میں ہوتا ہے چنانچہ اسے بھی میں قبول کر کے فانی اور باقی ہو گیا پھر پانچویں مرتبہ مجھے نقطہ احوالِ نسر کی معرفت کرائی اور اس نقطہ کی کیفیات اس نقطہ روحانیہ کے محاذی ہیں گویا کہ یہ وہی شے ہے، تو میں نے معلوم کیا کہ جو اسے حاصل کرے تو اس کی تاثیر اس کے شاگرد پر قوی ہے، اور یہ عزم اور جرأت کے مشابہ ہے میرا مقصود اس سے کسی شی کا عزم اور کسی چیز پر جرأت نہیں ہے بلکہ نفس عزم اور نفس جرأت میرا مقصود ہے تو اس وقت صعود اور ہیوط سب تام ہو گیا یہ ایک مختصر سا سلوک ہے، جو جذب کے مشابہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کے بہت مشابہ ہے۔

(۱۸) مشہد آخر

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے راستہ پر سلوک کا طریقہ عطا کیا، اور آپ کی روح کریمہ اس عطا کا سبب ہوئی اور مجھے اس شے کی حقیقت پر بھی مطلع کیا جو مجھے عنایت کی ہے تو میں نے اسے اس کی معرفت کے حقوق کے پیش نظر پہچان لیا اور میں

نے جان لیا کہ یہ اس کے طریق فی السلوک کی ایک شکل ہے اور اس کا عین نہیں اور غریب میں تم سے بعض معرّنین بیان کروں گا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

حقیقت طریق

بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جس پر احسان کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے سلوک کا راستہ عطا فرماتا ہے اور بہت سے عارف اس نکتہ کو کما حقہ سمجھنے سے عاجز ہیں اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ اسے ذکر و فکر پر مطلع کرتا ہے کہ جس سے سالک فنا اور بقاء کو پہنچ جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سلوک کا راستہ عطا فرمایا اور وہ سالک اس قول میں اپنے گمان کے موافق سچا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ طریقت اس ذکر اور فکر کا نام نہیں بلکہ وہ ایسی حقیقت ہے جو ملاء اعلیٰ میں منعقد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا آسمانوں پر سے حکم کرتا ہے تو وہ حکم ملاء اعلیٰ پر نازل ہوتا اور وہاں ٹھہرتا ہے اس کے بعد احکامات عالم ناموس میں اس کے مطابق نازل ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا ملاء اعلیٰ میں ایک داعیہ ہے کہ ہمیشہ ناموس میں اس کی صورت و حقیقت اور مقام رہتا ہے جب تک کہ وہ موجود ہوتا ہے اور جس وقت طریقہ منسوخ ہو جاتا ہے اور وہ داعیہ ختم ہو جاتا ہے تو انسانوں میں اس کی صورت حقیقت اور مقام کچھ نظر نہیں آتا، سو اگر تمام زمین والے اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس حافظہ کو جسے ہم نے بیان کیا معدوم کر دیں اور برابر اس سے اور اس کے محافظین سے مقابلہ کرتے رہیں تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ داعیہ موجود ہے اور اسی طرح اگر تمام اہل زمین مل کر اس کبھی کو ٹھیک کرنا چاہیں اور اس کے اس فساد کو جو فطرت اور اضطرار کے وقت واقع ہوا ہے، درست کرنا چاہیں تو اس وقت انہیں اس چیز پر قدرت نہیں حاصل ہو سکتی اور اس کی مثال آسمان کے ستاروں کے طریقہ پر ہے کہ ہمیشہ ان کا عکس حوضوں اور تالابوں میں پڑتا ہے، کسی بشر کی طاقت ہی نہیں کہ پانی کو ان کے عکس پڑنے سے روکے سو وہ داعیہ وہ ایک الٰہی طریقہ ہے جس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے اس کا ارادہ فرمائے تو اس کے لئے یہ طریقہ فیصل ہو چکا، اس کے بعد اس حقیقت منعقدہ اور اس کے اجزاء اور ارکان کی تشریح کا بیان ممکن نہیں مگر ذہن اور تیز فہم انسان کے لئے اور میرے پروردگار نے جو باتیں مجھے سمجھائیں ہیں، یہ ہیں کہ

آسمان اول کے ذریعہ نقلیں اور توسطات اور لباس آتے ہیں اور دوسرے آسمان سے قواعد منضبط تو وہ لکھی جاتی ہیں اور محفوظ کر لی جاتی اور جانی جاتی ہیں اور بزرگوں کے واسطے سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں اور ان سے سینوں کو عظمت حاصل ہوتی ہے اور صحیفے ان سے پڑھتے ہیں، اور تیسرے آسمان سے لون طبعی کہ وہ طبیعت ہو جاتا ہے اور اس کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں اور لوگوں کی حمیت اس سے جوش میں آتی ہے اور وہ اس کی حمایت اور مدد کرتی ہیں اور اس کے اغیار سے جھگڑا کرتی ہیں، اور اسے جان و مال اور اولاد کی طرح محبوب رکھتی ہیں اور چوتھے آسمان سے غلبہ اور قوت اور تسخیر کہ اس سے بڑے اور چھوٹے علماء اور امراء مسخر ہوتے ہیں اور پانچویں آسمان سے مغلو بیت اور شدت کہ جو شخص ان چیزوں کا انکار کرے تو اسے شدائد میں گرفتار کر دیا جاتا ہے اور اس پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور وہ ملعون ہو جاتا ہے اور عذبات میں مبتلا ہو جاتا ہے گویا کہ کوئی نہیں طور پر اس کا مددگار ہے اور چھٹے آسمان سے ہدایت معظمہ نازل ہوتی ہے جو لوگوں کی ہدایت اور کمال حاصل کرنے کا سبب ہوتی ہے اور ساتویں آسمان سے شرف دائمی نازل ہوتا ہے جو پتھر کی لکیر کی طرح ہے اور کبھی نہیں مٹتا و فتنہ وہ پتھر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ نہ ہو جائے تو یہ سات ارکان ہیں جو علماء اعلیٰ میں آکر مل جاتے ہیں تو ان کا ایک مستوی جسم بن جاتا ہے پھر اس جسم میں تدلی اعظم سے ایک جذبہ پھونکا جاتا ہے جو کہ بمنزلہ روح کے ہوتا ہے اس جسم میں لہذا جو شخص ان اذکار اور افکار سے آراستہ ہو جائے اور اس حالت کو اختیار کرے تو اس کی جانب رحمت الہی متوجہ ہوتی ہے اور اس کے اوپر اور نیچے سے جذب آتا ہے اور ایسے ہی دائیں اور بائیں اور ان مقامات سے کہ جہاں سے اس کا گمان نہ ہو تو پھر اس طفل کی، سادات ملاء اعلیٰ تربیت کرتے ہیں اور ملاء سافل اس کی خدمت کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اس کا معاملہ پختہ اور اس کی شان بڑھتی رہتی ہے تا وقتیکہ حکم الہی اس کے متعلق نہ آئے، سو یہی طریقت ہے اور اسی پر مذہب کو اصول اور فرع میں قیاس کر لو، اب اس کے بعد جو شخص بھی دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے طریقت اور مذہب عطا کیا اور اسے وہ چیزیں نہ عطا ہوئی ہوں جو کہ ہم نے بیان کیں تو وہ شخص طریقت کی معرفت سے جیسا کہ اس کی حقیقت ہے عاجز ہے، اور پھر ہر ایک شخص کے لئے طریقت کا حکم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے پاس کسی چیز کے اندر تخمینہ اور انگل چھوکی بات نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عطا کرتا ہے جو اپنی

فطرت اور حیات کے اعتبار سے زکی اور مبارک ہے، جس میں افلاک سجدہ ملا، اعلیٰ اور سافل سے امداد ہوتی ہے اور اس کے لئے تدلیٰ اعظم سے ایک رحمت خاص ہے پس کتنے عارف عظیم المعرفت یا فانی باقی شدید الفناء، کامل البقاء ہیں لیکن مبارک اور زکی نہیں تو اس بنا پر یہ چیز انہیں عطا نہیں ہوتی اور اسی طرح نگہبانی طریقت ہر ایک شخص کو نہیں عطا ہوتی ہے بلکہ ہر ایک کام کے لئے ایک انسان پیدا کیا گیا ہے اور اس کی جبلت میں وہ کام آسان کر دیا گیا ہے لیکن اس صورت کے ظہور کا عالم وہ ان عالم متعارفہ کے علاوہ ایک اور عالم ہے کہ اس کی حقیقت اعراض اور افعال میں برکت فائضہ کا ہونا ہے۔

(۱۹) مشہد آخر مذہب حنفی کا بہترین طریقہ

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون اور منجھ کیا گیا، بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں وہ یہ کہ مسئلہ میں اقوال ثلاثہ یعنی امام اعظمؒ اور صاحبینؒ میں سے جو (قول) اقرب بالنتہ ہو اسے اختیار کر لیا جائے اس کے بعد ان فقہائے احناف کی کلی طور پر اتباع کی جائے جو علمائے حدیث میں سے ہیں کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو امام صاحبؒ اور صاحبینؒ نے اصول میں نہیں بیان کی ہیں اور نہ ان کی فہمی کی ہے اور احادیث ان پر دلالت کرتی ہیں تو ان کا اثبات ضروری ہے اور یہ سب مذہب حنفی ہے۔

(۲۰) مشہد آخر یعنی روضہ اطہر کے انوار تمام انوار سے فائق ہیں

روضہ منورہ اور منبر مبارک کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے سو اس کی اہمیت تو ہم نے مشاہدہ کیا کہ اس کا نور تمام نوروں سے فائق ہے اور جو اس مقام پر نماز پڑھتا ہے وہ دریائے نور میں مستغرق ہو جاتا ہے اگرچہ وہ التفات نہ کرے اور لیت یہ ہے کہ انسان جس وقت محبوب ہو جاتا ہے، یعنی اس کے جوہر روح میں یہ برزہ مثالیہ یا نقطہ تدبیر یہ داخل ہو جاتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا منظور نظر ہو جاتا ہے اور ملاء اعلیٰ کے لئے ایک عروس جمیل بن جاتا ہے۔ سو جس مکان میں بھی جاتا ہے ملاء اعلیٰ اس کے ساتھ منعقد اور ان کی ہمتیں

اس کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہیں اور ملائکہ کی فوجیں اور انوار کی موجیں اس کے ساتھ چلی آتی ہیں خصوصاً جس وقت اس کی ہمت اس مکان معظم کے ساتھ متعلق ہو جائے اور جو عارف کامل معرفت اور حال والا ہوتا ہے تو اس کی ہمت میں نظر حق نفوذ کرتی ہے چنانچہ اس کے اہل اور مال اور گھر اور نسل اور نسب اور قرابتداروں اور دوستوں سے متعلق ہو جاتی ہے، اور مال اور آبرو وغیرہ کو شامل ہو جاتی ہے، اور اس کی اصلاح کرتی ہے، اور اسی سے کاملین کی سیرتیں غیر کاملین سے ممتاز ہوتی ہیں۔

(۲۱) مشہد آخر، علماء کرام کا مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت بلند ہے

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان اعتراضات کی تردید کرنے کی اجازت چاہی جو علماء حرمین نے بعض صوفیاء پر کئے ہیں، تو مجھے اس چیز کی اجازت نہ ملی، اور میں نے علماء کاملین کو دیکھا، کہ جن کا علم مشتعلین تصفیہ کے موافق ہے اور وہ نشر علم اور دین کرتے ہیں، اور آپ کو عزیز ہیں، اور ان صوفیاء سے آپ کو محبوب ہیں، اگرچہ یہ اہل فناء اور بقاء اور اس جذبہ سے تعلق رکھتے ہوں، جو کہ نفس ماطقہ میں ظہور کرے اور اہل توحید وغیرہ میں سے ہوں، جو صوفیاء کے ہاں اعلیٰ مقامات ہیں، اس اجمال کی تفصیل اس طرح پر ہے، کہ اس مقام پر دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے، کہ خلقت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ منتقل ہو، یہ چیز وسائط کے ساتھ ہوتی ہے، اور یہ جو ارجح کی تہذیب طاعات سے اور قوی نفسانیہ کی ذکر اور تزکیہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے کر دیتی ہے، اور لوگوں کی تہذیب نشر علم، امر بالمعروف نہی عن المنکر سے اور عام طور پر لوگوں کو نفع رسانی کی کوشش کرنے سے اور دیگر اشیاء سے جو ان مذکورات کے مناسب ہوں اور دوسرا طریق اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ہے، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایجاد کیا، اسی طرح بندہ نے پایا، اور جو افاضہ کیا، اسے حاصل کیا اور اس میں اصلاً واسطہ نہیں ہے، اور جو شخص کہ اس راستہ پر چلا، تو اس کی شان یہ ہے کہ وہ حقیقت انا سے متنبہ ہوا اور اس منہب کے ضمن میں حق سے آگاہ ہوا، اور اس سے فناء اور بقاء اور جذب و توحید

وغیرہ منشعب ہوئیں اور ہماری گفتگو دوسرے طریقہ میں ہے کہ یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عالی مرغوب اور پسندیدہ نہیں ہے، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے طریقہ کے فیضان کے عنوان ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق میں اپنی عنایت کے فیضان کے لئے آشیانہ بنایا ہے، اور اس کے ظہور کے لئے آپ کو مظنہ بنایا ہے اور اشیاء آپس میں ایک وجہ سے فضیلت رکھتی ہیں، دوسری وجہ سے نہیں اگر تو اس شے کا اعتبار کرے جو وجود عام میں ظرف ہے، بایں طور کہ سب جہات کو محیط ہوں کسی کو نہ چھوڑیں، تو ایسی وجوہات حاصل ہوں گی، کہ جن سے تقاضی حاصل ہوگا، اور تقاضی اسی میں دائر ہوگا، اور منافست ان میں منقسم ہوگی، اور اگر تو اسے سبب واحد کی طرف منسوب گمان کرے تو ایک وجہ سے فضل جاتا رہے گا، اور دوسری وجہ سے باقی رہ جائے گا، نتیجہ یہ ہوگا، کہ احد الاشیاء فضل سے کلی طور پر محروم رہ جائے گی، ہاں جس وقت یہ نورنا سوت کی طرف منتقل ہوتا ہے، تو دونوں طریقوں سے سالکین کو نفع پہنچتا ہے، اہل جذب پر تو انفسار تنبیہ اجمالی کا کہ اس نور کی بنا پر اُن پر معارف روشن ہو جاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ تم عارفین کو دیکھتے ہو، کہ اپنی معرفتیں کتاب اور سنت سے مطعون رکھتے ہیں اور اہل سلوک تضرع کرتے ہیں، اور اس کی آرزو رکھتے ہیں، اور اس نور میں مندرج ہوتے ہیں، اور اس سے قوام پاتے ہیں، غور سے کام لینا چاہیے، کیونکہ مسئلہ بہت دقیق ہے۔

(۲۲) مشہد آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو کیوں فضیلت حاصل ہے

جہیں معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ پر کیوں فضیلت حاصل ہے، باوجودیکہ حضرت علیؓ اس امت میں سب سے پہلے صوفی، پہلے مجذوب اور اول عارف ہیں، اور یہ کمالات دیگر صحابہ کرام میں نہیں ہیں۔ مگر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں قلت اور کمی کے ساتھ موجود ہیں، غرضیکہ یہ مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا، تو یہ چیز مجھ پر ظاہر ہوئی، کہ فضل کلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ ہے، جو تمام امر نبوت کی طرف راجع ہو، جیسا کہ اشاعت علم اور دین کے لئے لوگوں کی تسخیر اور جو چیزیں

اس کے مناسب ہوں اور رہا وہ فضل جو ولایت کی طرف راجع ہو، جیسا کہ جذب اور فناء تو یہ تو ایک فضل جزئی ہے اور اس میں ایک وجہ سے ضعف ہے، اور شیخینؒ اول قسم کے ساتھ مخصوص تھے، حتیٰ کہ میں انہیں فوارہ کے طریقہ پر دیکھتا ہوں کہ اس میں سے پانی پھوٹ رہا ہے تو جو عنایات اللہ تعالیٰ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئیں وہی بعینہ حضرت شیخینؒ پر ظاہر ہوئیں، تو آپ دونوں حضرات کمالات کے اعتبار سے ایسے عرض کے مرتبہ میں ہیں جو جو سر کے ساتھ قائم ہے، اور اس کی تحقیق کو پورا کرنے والا ہے، لہذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگرچہ آپ کے بہت قریب ہیں نسب و حیات اور فطرت محبوبہ میں حضرات شیخینؒ سے اور جذب میں بہت قوی اور معرفت میں بہت زائد ہیں، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باعتبار کمال نبوت حضرات شیخینؒ کی طرف بہت زیادہ مائل ہیں، اور اسی بناء پر جو علماء معارف نبوت سے باخبر ہیں، شیخینؒ کو فضیلت دیتے ہیں، اور جو علماء معارف ولایت سے آگاہ ہیں، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیتے ہیں اور اسی بنا پر حضرت شیخینؒ کا مدفن بعینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے اور اکثر امور عادیہ کا مبداء معنوی ہوا کرتا ہے، اور یہ سر ہے رسول اللہ ﷺ کے قول اللہم لا تجعل قبری وثناً یعبد من دونک کا۔

(۲۳) مشہد آخر (رسول پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نظر)

میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نظر ہے، گویا کہ یہی مراد ہے، مثل اس قول سے کہ ایسے رسول اگر تمہیں نہ پیدا کرتا تو ان آسمانوں کو بھی نہ پیدا کرتا سو مجھے اس صورت نظر کا شوق ہوا اور مجھے بہت تعجب ہوا، تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاصق ہو گیا، اور آپ کا طفلی بن گیا، اور میں ایسا ہو گیا جیسا کہ جو ہر کے ساتھ عرض اور میں نے اس نظر کے متعلق اصرار کیا، اور اس کی حقیقت دریافت کی اور میں اس کا منظر اور آئینہ ہو گیا، تو وہ ارادہ ظہور تھا، اور یہ اس لئے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ظہور شان کا ارادہ کیا، تو اسے محبوب رکھا، اور اس کی طرف نظر کی اور رسول اللہ ﷺ کی شان ایک آدمی کی شان کی طرح نہیں ہے، بلکہ ایک عالم مبتداء جو کہ بشر کی صورتوں پر نضاً ہر منسلک کے ساتھ موجودات کے اوپر منسلک ہے، تو گویا کہ نبی اکرم ﷺ غایت الغایات اور ظہور کے آخری نقاط ہیں، اور ہر ایک موج کی اس کے منتہی تک حرکت

ہے اور ہر ایک سیل سیلے اپنے مبلغ تک شوق ہے، نور سے کام لو، راز بہت نازک ہے۔

(۲۴) انسان محدث بنے یا اس کا طفیلی

میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں شفاعت ہے، اور علماء محدثین کے لئے تو سل ہے اور وہ حضرات جو ان کے زمرہ میں داخل ہوں، اور علم حدیث اور حفظ حدیث شریف ایک عروہ وثقی اور جبل ممدود ہے۔ جو کبھی نہیں نوٹ سکتی لہذا واجب اور ضروری ہے، کہ خود محدث ہو، یا محدث کا طفیلی، میری رائے میں ان دونوں باتوں کے علاوہ اور کسی چیز میں خیر اور بھلائی نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۵) مشہد یعنی عارف کے کامل ہونے کے بعد اس کی روح ملاء اعلیٰ سے جا کر مل جاتی ہے

عارف جس وقت کامل ہو جاتا ہے، تو اس کی روح ملا اعلیٰ سے جا کر مل جاتی ہے، اور وہاں ایک عالیشان عظیم المرتبت درگاہ ہے، ان کی ہمتیں اس مقام پر پہنچ جاتی ہیں، اور ان کے جسم وہاں نہیں پہنچتے، اور یہ سب مرد و واحد کی ہمت کی طرف راجع ہوتے ہیں، جس کی ہمت تدبیر و حدائی کی طرف راجع ہو، اگرچہ اس ہمت کی تفصیل میں مختلف ہوں، پھر اس عالی درگاہ میں اللہ العالمین تدائی فرماتا ہے، انہیں انوار سے جس قدر ڈھانکنا چاہتا ہے ڈھانک لیتا ہے، اور ان کی ہمتیں ان انوار کی چمک میں پوشیدہ ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ ان ہمتوں کی تمیز نہیں ہوتی اور نہ وہ آپس میں ممتاز رہتی ہیں اور اگر میں تیرے سامنے ان کے حال کی مثال بیان کر دوں، تو مجھ پر نشیب و فراز سے فحشگی کا اظہار نہ کر اس لئے کہ امثال اشیاء کی ایک جہت سے تفسیر کر دیا کرتی ہیں، دوسری جانب سے نہیں کرتیں، اور یہ بمنزلہ خفیہ ہیولی کے ہوا کرتی ہیں، جو دریافت نہیں ہوتا، مگر احکام و آثار سے جو جاری ہوتے ہیں اس موجود سے جہت مسام ہیولی سے ایسا ہیولی جو ام القابلیات ہے اور وہ نور جس نے انہیں گھیر لیا اور محو کر لیا ہے، وہ بمنزلہ اس صورت کے ہے، جو سب سے پہلے مد رک ہوتی ہے، اور وہ صورت اصل فعلیات ہے، پھر اس درگاہ عالی میں احکام و آثار جاری ہوتے ہیں، جو ملاء اعلیٰ کے علوم سے متولد ہیں، اور ان کی تفصیلیہ ہمتیں ان میں لطیف ہو جاتی اور بلند ہو جاتی ہیں، اور

ایسے ہی ان کی صفات فرشتوں کو بہتوں کے ساتھ پھر ان کی بہتوں کے مساوات سے خطیرہ قدس میں جاری ہوتا ہے پھر اس سے نور چمکنے لگتا ہے، اور ایسا ہی نہیں رہتا بلکہ اس کو اپنے جوہر کے قریب کر دیتا ہے، چنانچہ احوال مختلف ہوتے رہتے ہیں، حضرت قدس کی رضا مندی، غصہ، ہنسی خوشی اور انقباض اور اعتراض و نزول فی اوقات یا محال اور تردد فی القضاء اور لعن اقوام اور ایجاب و تحریم و نسخ وغیرہ سے، سو جس شخص نے اس درگاہ کا مشاہدہ کیا، اور اس کے اہتر از اور انشراح اور عزیمت کو معلوم کیا اور ہر ایک روزنی شان ہونے کو پہچانا تو اس کے نزدیک مشابہات بھی محکمت ہو گئے اور اشکال کے اندر اشکال اور شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اور جس نے اس درگاہ کا مشاہدہ نہیں کیا، تو اس کے لئے صحت اور صلاحیت کی کوئی سہیل نہیں، مگر یہ کہ ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور ان تمام مشابہات پر ایمان لائے جب تم نے یہ بات سمجھ لی، تو وہ درگاہ ملا علی کی بہتوں کا قبلہ ہے، اور ان کا مناط توجہ اور معقد نواہی ہے سو جو شخص کہ اس مرتبہ کو پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے سابقہ علم میں مقدر کر دیا تھا، کہ یہ چیز اسے حاصل ہو، تو وہاں فنا اور بقا اکثر اوقات متضلل ہو جاتا ہے، اور اس مقام پر اس کی روح اس کے جسم کی گہبانی نہیں کرتی، بلکہ صرف وہی درگاہ اس کی گہبانی کرتی ہے اور وہی مرشد اور ملہم ہے، اور میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی بن گیا، تو اس میں سے مجھے ایک جام سرشار عطا ہوا، بس کیا بیان کروں کہ وہ کیا تھا، والحمد للہ رب العالمین، اور اس درگاہ کے محاذی ایک اور درگاہ ہے، اس سے نیچے جو کہ ملاء سافل کی بہتوں کا منتہی ہے، اور ان کا مجمع امر اور ان کے الہام کی جگہ اور ان کا محکمہ قضاء ہے اور ان کی توجہ کا منظر ہے، کہ اس کی شان اس درگاہ مقدسہ کی شان کے مطابق نہیں، اس مقام پر بواسطہ تہذیب کے حق منصف ہے اپنے بندوں کے ساتھ محبت کرنے اور بعض امور میں ان کی خوشنودی ملحوظ رکھنے میں، غرضیکہ دونوں درگاہوں کی معرفتیں بہت دقیق ہیں، اور اس سے بالا ہے، کہ تمام عقول کی وہاں تک رسائی ہو سکے، واللہ الموفق۔

(۲۶) مشہد یعنی کامل معرفت کو ہمہ قسم کی نعمتیں ملتی ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مجھ پر بہت سے علوم منکشف ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے پورے احوال اور منجملہ اس کے کہ یہ شخص تمام لوگوں سے ممتاز ہے، باین طور کہ

اجزائے فلکیہ کا اس میں قوی ظہور ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ نافذہ حکم ہے، کہ جس کی بنا پر خدائی رنگ اس وجہ سے قائم ہوتے ہیں، تا کہ تمام معانی اس شے کے مناسب کر دے، جو جناب حق کے قریب ہے اور مجملہ ان امور کے ایک یہ بھی ہے کہ تمام المعرفة کے لئے یہ چیز ضروری ہے، کہ تمام تعلقات دنیویہ، اخرویہ، جسمانیہ اور روحانیہ اس سے شدت کے ساتھ دور ہوں، اور اسے سر بیان الوجود فی الموجودات کا سر بریکار نہ کر دے، اور ایسے ہی مبداء کی توجہ بارادۂ حبیت ان عالموں کی طرف اور میں نے سمجھ لیا، کہ یہ ان اجزاء میں سے ایک معنی ہیں، جو کہ زل کے مقابل ہیں، سو جب رنگ الہی غالب آتا ہے، تو وہ بے تعلقی محبت ذاتی ہو جاتی ہے، جو کہ نقطہ لات کی طرف متوجہ ہے، سو جو شخص اس بے تعلقی سے باز رہا، اور اسے حاصل نہ کیا، حالانکہ خلوت کل سے بقایا اللہ ہے اور تصرف بحق خلقت میں اور ارادۂ طلوع حبیت مبداء کا کیا اپنے قوی تشخص کے طریقوں سے تو وہ پورا کامل اور تمام نہیں، اور کامل وہ ہے جس نے اس بے تعلقی کو اپنے طرف میں مضبوطی کے ساتھ رکھا اور اسے مظہر کی محبت نے آلودہ نہ کیا، اگرچہ وہ حق کے ساتھ ہو، بایں طور کہ وہ محبت ذاتی کا عنوان ہو اور اس کے جسم کی روح اور اس کی حقیقت کا مظہر اور جب مظاہر کو لا بنفسہ نبی پر محمول کیا، بلکہ مخلوق کے لئے بالحق ہو، نہ ان کے نفسوں کے لئے بلکہ بالحق بھی ان کے ظرف میں ہو اور ایک چیز یہ ہے کہ جو عارف کامل المعرفة ہوتا ہے وہ اپنے نفس کے علاوہ اور کسی سے کچھ نہیں حاصل کرتا اور آمادگی معدیات یہ ہے، کہ وہ فرد جو کہ اس جزو میں موجود ہے، وہ اس سے آگاہ ہو اور اس کے معنی اس پر منکشف ہو جائیں، پھر اس پر وہ چیز ظاہر ہو جائے، جو کہ ظاہر نہیں ہوئی تھی، لہذا جو شخص بھی اپنے علاوہ اور کسی سے استفادہ کرے، تو وہ اس وجہ سے کہ وہ کامل المعرفة نہیں، اور ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ ہر وہ عارف جو کہ کامل المعرفة ہو جاتا ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے اسماء اور تدلیات کے علاوہ تمام چیزیں اس کے لئے مسخر ہو جاتی ہیں، یا تو زبردستی سے اور یہ اس صورت میں ہے، کہ حال ادنیٰ اور قوت ناقص ہو، یا وجود اس کے کہ عارف کے اس عالم کی جامعیت کے اوپر جو چیز پہنائی گئی ہے، اور معانی کے علاوہ حجاب کر دیا، سو کبھی ہمیت ملکیت سے مختلط ہو جاتی ہے قوی قوی سے یا ضعیف ضعیف سے ایسے ہی ضعیف قوی کے ساتھ تو احکام اور آثار دونوں چیزیں مل جاتی ہیں، ایسی شکل میں یہ چیز ان عوام کے لئے وجہ نکارت بن جاتی ہے

جو جامعیت کو چھوڑ کر لباس کی طرف دیکھنے والے ہیں، اور ظاہر پر نظر رکھنے والے ہیں، نہ معانی پر اور یا عارف کامل کے لئے یا مناسبت کی وجہ سے مسخر ہو جاتے ہیں اور یہ اس شکل میں ہوتا ہے جبکہ اس عام لباسیت اور حجابیت سے قوی حال اور کامل تاثیر ہو اور مناسبت کا سر اور راز اس چیز سے ظاہر ہوتا ہے، جو عارف میں ہے، اور اس مراد کے قائم مقام اس کی تسخیر ہو جاتی ہے، اور اس عارف اور اس جز کے درمیان مستندہ رئیس اور ماساریقا ہیں اور اصل میں ان اسرار کی جہت سے جو اس عالم مشترک میں موجود ہیں سو جس وقت عارف اس جزء کی طرف شدت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے، تو ان خیوط مستترہ میں حرکت ہوتی ہے، جو کہ اس تسخیر سے مقصود ہے، لیکن اسماء اور تدلیات ربوبیت کے انوار چمکنے کی وجہ سے مسخر نہیں ہوتے، ہاں اس مقام پر محبوبیت کے مقابلہ میں حب ہے، سو محبوبیت متحرک ہوتی ہے، اور اس کا مقابلہ حب کرتی ہے، اور پھر تدلی متحرک ہوتی ہے، اور اسم کیونکہ یہ دونوں چیزیں اس حب کے مناسب ہیں، لہذا جو شخص اس تسخیر مضطرب کو نہیں پہچانتا اور اپنے نفس میں یہ چیز نہیں دیکھتا تو وہ کامل المعرفت نہیں ہے، اور میں معلوم کیا، کہ یہ تسخیر مضطرب کے ان معانی میں سے ایک معنی اس جزء کے مقابل ہے جو کہ شمس اور سورج کے محاذ میں ہے، تو جس وقت یہ چیز انوار الہی سے رنگی جاتی ہے، تو یہ تسخیر ہو جاتی ہے، جس میں یہ مضطرب ہے، اور ان اشیاء میں سے ایک یہ ہے، کہ کامل کی معرفت کی روح میں ہر شے کے ساتھ تیز نظری اور غور و عنایت ہوتی ہے، طریقت مذہب سلسلہ نسبت اور قرابت سے اور ہر اس چیز سے جو کہ اس سے قریب ہو اور اس کے ساتھ تعلق رکھے، اور اس کامل معرفت کی عنایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل ہو جاتی ہے کیونکہ جس وقت اس کا نفس کدورات جسم سے مجرد اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے تو اس مقام پر اس کے لئے حق کی تجلی ہوتی ہے، اور تجلی اس شخص کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے، کہ جس کے لئے تجلی کی گئی ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ہم نے ضرب المثل میں بیوی اور صورت سے تعبیر کیا ہے، تو اس وقت یہ نفس حق کے لون کے ساتھ رنگا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان تدلیات میں سے ایک تدلی ہو جاتا ہے جو کہ مخلوق کی طرف ہیں، اس انصباغ امتزاج اور اختلاط کی وجہ سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو اس وقت اس کا نفس ان امور کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور جناب قدس کے اپنی جانب منعطف کرنے کے لئے توجہ ہو جاتی ہے، سو جب یہ راز اس کے نفس کے پہلوؤں،

اس کے شعبوں اور رگوں پٹھوں میں سرایت کر جاتا ہے تو نظر الہی ان سب سے غلط ہو جاتی ہے اور وہ شخص اکسیر بن جاتا ہے، کہ جس سے لوگوں کو شفا حاصل ہو، اور میرا مقصود نفس کی رگوں اور پٹھوں سے یہ ہے، کہ نفس اس کی طرف بلا قصد از روئے عادت اور ملکہ غیر مستقرہ کے متوجہ ہو، اور اس کامل کے لئے ان اسرار کی جہت سے بہت سے احکام اور آقا ہیں، اور میں نے یہ بات سمجھ لی، کہ یہ بات اس جزء کے معانی میں سے ہے جو اصل غلط یا مشتری کے بوقت الوان الہی کے حلول کرنے کے مقابل ہے، اور ایک ان میں سے یہ چیز بھی ہے، کہ کامل معرفت والے کو وہ تمام نعمتیں ملتی ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمان اور زمین اور کل کائنات اور جو ان میں ہیں، ملائکہ، انبیاء، اولیاء اور باو شاہوں وغیرہ میں سے ان پر نازل کی ہیں، اور یہ چیز اس وجہ سے ہے، کہ اس میں جو بھی اجزاء ہیں، وہ تمام موجودات کے اجزاء کے مقابل ہیں، تو یہ ایک اجمالی نسخہ ہے، جو تمام موجودات کو جامع ہے، اور جب اس کے کسی بھی جزء کی تفصیل کرنا چاہیں، تو وہ عالم میں ظاہر ہو جائے، سو جو بھی نعمت واقع ہوگی، تو اجزاء میں سے کوئی بھی جزء اس کا محل ہوگا، اور وہی ان نعمتوں کے شکر سے مطلوب ہے اور ہمارا کلام کچھ سرسری مساحت اور تجوز کا حامل نہیں ہے بلکہ وہ ایسی حقیقت ہے کہ نفس الامر سے متجاوز نہیں، ہاں یہ سراور راز اس وقت حاصل ہوگا، جس وقت کہ اس شخص کلی کے لئے جو کہ تمام مخلوقات میں منتشر ہے مجرد ہو جائے، اور جب تخصصات جزئیہ کی ہستی میں چلا جائے تو یہ سراور راز اس سے پوشیدہ ہو جائے گا۔

(۲۷) مشہد آخر، وھو القا ہر فوق عبادہ کا مطلب

میں اس حدیث کی شرح کا منتظر تھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا، اٹھ چنانچہ مجھ پر اس سر کا افاضہ ہوا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک نور ہے، اعلیٰ بعد ہیولانی میں اور اس نے از روئے تدبیر کے اس بعد کے جامع کو گھیر لیا ہے، ان خطوط شعاعی سے جو کہ اس نور سے اس کے تمام لواحق میں ممد ہیں، اور کہا گیا، کہ یہ وہی چیز ہے، جس کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان سے کیا کہ کان لم یعماء اور یہ بعد ہیولانی بھی عماء ہے (۱)، اور یہ خطوط شعاعیہ کا احاطہ وہی قہر ہے، جس کی طرف اللہ تبارک

(۱) عماء: بلند ہل۔

و تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اشارہ کیا ہے کہ (هو الفاهر فوق عبادہ) تو جس وقت اس سر کا ظہور ہوا تو میرا کھینچ ٹھنڈا اور میرا قلب مطمئن ہو گیا، گویا کہ کچھ شبہ ہی باقی نہ رہا اور نہ کوئی سوال جسے دریافت کروں، اس کے بعد میں حیرت و فکر میں چلا گیا، تو میں نے سمجھا کہ ذات الہی ان استعدادات کے ظہور کے لئے مستزیم اور متقاضی ہوئی، جو کہ اس میں مندرج ہیں، تو اس مقام پر از روئے ظہور عقلی کے کنارہ و جوہر ظاہر ہوا، اور اس مقام پر اس ظہور سے اعیان ممکنات ظاہر ہو گئیں اور ہر ظہور واجب کی شائیں ہر عالم میں متمثل ہو گئیں، اور ایسے ہی اس کی تدلی ہر ایک برزہ میں اور ذات الہی نے ان ظہورات سے متصف ہونے کا باعتبار عدم مادہ اور خارج کے اقتضاء کیا، تو ان چیزوں کو ظاہر کر دیا، جو کہ گوشۂ اعیان اور اسماؤ میں مطوی تھے، اور سب سے پہلے نور الہی ظاہر ہوا، اس نے جمیع عدم اور مادہ کو اخذ کیا اور اس پر مسلط ہو گیا اور وہ قائم مقام ذات الہی کا ہے اور وہ قدیم ہائزمان ہے اس لئے کہ زمان مکان اور مادہ ہمارے نزدیک سب ایک ہی چیزیں ہیں اور یہ وہی استعداد ہے کہ جسے ہم نے عدم اور خارج سے تعبیر کیا ہے، اور اسی میں ارادات متجددہ ہیں، اور یہ پہلی وہ شے ہے کہ جس کی شان میں زبان شرایع ناطق ہے اور یہ اس لئے کہ لفظ انیس سے سوال کیا گیا ہے، اور اس کے جواب کی وہی چیز صلاحیت رکھتی ہے، جو کہ خارج میں موجود ہو،

(۲۸) مشہد، اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف کتاب نازل

کرنے کے وقت کیا کرتا ہے

مجھ پر جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بندہ کے متعلق اپنے حیز سے حیز قدس کی طرف ترقی کر جانے کی کیفیت کا افاضہ ہوا تو اس وقت اس کے لئے ہر ایک چیز روشن اور منور ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس مشہد کے معراج منامی کے قصہ میں اس کی خبر دی گئی ہے، تو بسا اوقات آدمی کی نظر ان وقائع کی جانب جو کہ پیش آئے ہیں، پیچھے ہٹ جاتی ہے تو ان واقعات کو جان لیتا ہے جو الہام خداوندی طبعی خیالات اور کمر شیطان سے ہوئے ہیں اور بسا اوقات اسے علم صریح بھی حاصل ہو جاتا ہے، جس کا استعمال ملائعہ اعلیٰ علوم ناموسیہ اور وقائع کے پیش آنے سے ڈرانے کے لئے کرتے ہیں، اور لوگوں کے تنازعات کے تعلق ان کے مدارک میں نزول کے اعتبار سے اور اس

عقدہ کو کھولنے کے لئے جیلہ اور تہجد کرنے کے واسطے ان علوم میں سے جو کہ اس عالم کے مناسب ہیں، اور ایسے ہی علماء اعلیٰ کی ہدایات اور ان کے مقامات اور فرشتوں کے مقامات اور اولیاء و انبیاء کرام کی ارواح اور ملاء سافلہ اور وہ چیزیں جو ان کے مناسب ہوں، غرضیکہ یہ تمام علوم قرآن عظیم کے علوم ہیں، چنانچہ میں نے دیکھا، کہ طبیعت سے پردہ دور کرنے اور الفت اور عادت اور محسوسات سے جدا ہونے میں اور اس درگاہ کے رنگ میں رنگے جانے میں ایک امر عظیم ہے، پھر مجھ سے کہا گیا، کہ یہ درگاہ درگاہ رویت ہے نہ درگاہ کلام اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس بات کا ارادہ فرماتا ہے کہ مخلوق کی طرف کتاب منزل کے ساتھ تدلی کرے، تو اس مشہد والے کو ایک باریک نورانی لباس پہناتا ہے۔ تو یہ رویت اس کی نسبت کے اعتبار سے کلام ہو جاتی ہے اس کے بعد میں نے اس کے حیز عادت اور طبیعت کی طرف انحدار کی کیفیت دیکھی، تو اس وقت اس کی چشم طبیعت کھل جاتی ہے۔ اور چشم ملا اعلیٰ بند ہو جاتی ہے، تو اس کے سامنے ایک خیال کی ہی کیفیت ہو جاتی ہے، کہ غصہ وہ دیکھ رہا ہے اور ایک امر کی ہی کہ اس کے غائب ہو جانے کے بعد اسے یاد کر رہا ہے، اور کبھی طالب ملاذ اور اسباب وہ شے پالیتا ہے، جو اس سے سب ہو چکی ہوتی ہے، یا اس سے منع کر دی گئی تھی، اور اس کی ترقی اور منزل کے درمیان بہت سے حالات ہیں، کہ جن کا میں نے اس مشہد میں مشاہدہ کیا ہے، بعض ان میں سے وہ ہیں جو اعلیٰ کے بہت قریب ہیں، اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو اسفل کے بہت قریب ہیں، پھر ان حالات سے وہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں، جو کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں، چنانچہ باتف، خاطر اور خواب پیدا ہوتے ہیں، اور حق بات یہ ہے، کہ خواب احادیث نفس کی طرح ہیں، کہ جس وقت وذا کہ ان کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تو اسے مرئی اور مسموع کے مقامات پر پاتا ہے۔ تو اس کو صحیح خیالات پیدا ہوتے ہیں، کہ جن سے اس کا دماغ بھر جاتا ہے اور پھر اس سے فراست صادقہ پیدا ہوتی ہے وغیر ذلک اور یہ سب چیزیں حسین حجاب میں ہیں، اس درگاہ کے درمیان کہ جس میں کوئی حجاب نہیں ہے، اور حجاب متا کد من کل وجہ کے درمیان اور میں نے ان میں سے ہر ایک شے کی میزان اور مقدار کو بھی پایا، اور میں نے ہر ایک مظنہ بھی پایا جو وہاں پایا جاتا ہے، لیکن میں اس مشہد میں ان میزان اور مقداروں کے احاطہ سے فارغ نہیں ہوا، اور صرف ان کے اصول پر اکتفا کرتا ہوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ثانی حال میں ان چیزوں کے

احاطہ کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

(۲۹) مشہد، قَدِمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ کی تفسیر

عارف جس وقت اس چیز میں ہوتا ہے، جو کہ طبیعت سے متصل ہے تو فعل حق کا جیسا مشاہدہ کرنا چاہیے ویسا مشاہدہ نہیں کرتا، تو بسا اوقات اس کے سامنے الہامات مشتبہ ہو جاتے ہیں حدیث نفس اور حالت الہیہ امر طبیعت کے ساتھ اور ہو جاتا ہے کوئی حادثہ جس کے متعلق نہیں جانتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے، تو متردّد ہو جاتا ہے، اور اس میں ایک زمانہ گزر جاتا ہے، پھر وہ چیز حق کی طرف منجذب ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عبد اللہ ہوتا ہے۔ تو اس پر ہر ایک شے روشن ہو جاتی ہے، اور پھر اگلے پاؤں اس کی نظر ان امور مشتبہ اور شکوک کی جانب پیچھے ہٹتی ہے، تو اس پر ارادہ حق منکشف ہو جاتا ہے اور اس کا حکم پورا ہو جاتا ہے، گویا کہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے، پھر اگر وہ مکّم ہوتا ہے، تو برابر کلام کیا جاتا ہے، اور اگر نفیم اور سمجھدار ہوتا ہے تو سمجھایا جاتا اور تلقین کی جاتی ہے، اور تجھے سورۃ انفال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انفال کے متعلق دریافت کیا گیا، تو آپ نے نہیں بیان فرمایا کہ حق کا اس میں کیا حکم ہے اور کس طرح یہ چیز تقسیم کی جائے چنانچہ اس حکم کو حق نے ذات شوکت کی طرف روانہ کیا، تاکہ کفر مٹ جائے، اس کے بعد جب سوار اور ذات شوکت سب جمع ہوئے، تو آراء مختلف ہو گئیں، تو الہام حق تو ذات شوکت کی طرف جذب کرتا تھا، اور طبیعتوں کا میلان سواروں کی طرف نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کی گئی۔ اور امن و مطرب سب چیزیں نازل ہو گئیں۔ چنانچہ جہاد کی جانب لوگوں کے قلوب حرکت میں آ گئے، معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کا مبداء حق کا ان کے ذریعہ سے مدد کرنا ہے، یا تمام امور طبیعت ہیں، چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چیز حق کی جانب متوجہ ہوئے تو ان سے ان امور کی حقیقت بیان کی گئی، اب اگر تم دریافت کرو کہ جسے تم چیز حق کہتے ہو، وہ کیا ہے، تو سمجھو کہ وہ ملاء اعلیٰ اور عظماء مومنین کی ہمتیں اور ان کی مطمح نظر ہیں، جو حق کی تجلیات میں سے کسی بھی تجلی میں جمع ہوتی ہیں، اور یہ حظیرہ قدس ہے، اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں

بحث ہوئی، اور یہی قدم صدق عند ربہم ہے اور جس نے اسے پالیا تو وہ علی بن ابی طالبؑ سے رہے
وینلوہ شاهد منہ کا مصداق ہو گیا۔ یعنی اس کے نفس میں اس درگاہ سے ایک رنگ داخل ہو جاتا
ہے جو کہ مومنین کے قلوب میں حق کا داعیہ بن جاتا ہے، غور سے کام لو مسئلہ دقیق ہے۔

(۳۰) مشہد، نور عرش

اس اثناء میں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ تھا کہ اچانک ایک ایسا بلند نور
طلوع ہوا کہ جس سے میرا خیال پر ہو گیا اور میں اس کی چمک سے متحیر رہ گیا، تو میرے باطن سے
بطور فراست اور تفتن کے یہ آواز آئی کہ یہ نور عرش ہے، اور اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
نبوت میں بہت بڑا دخل ہے، اور ان کی حقیقت کی معرفت کامل نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ اس نور کی
حقیقت کا علم نہ ہو، پھر میں حیرت فکر اور رویت کی جانب منحدر نازل ہوا، تو مجھے وہ روایت یاد آئی جو
کتاب درمنثور میں حذیق کے واقعہ میں رویت نور عرش کے منقول ہے، اور ان کی رسالت اس نور
کی زبان پر منعقد ہے۔

(۳۱) اجمالی مشاہد، فقہ حنفی اکسیر اعظم اور کبریت احمر ہے

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روحانی سوال کیا، جیسا کہ میں کئی مرتبہ اس کے
متعلق آگاہ کر چکا ہوں، کہ میرے لئے تسبب بہتر ہے، یا ترک تسبب تو مجھے ایک ایسی خوشبو آئی،
کہ جس کی وجہ سے میرا دل اسباب اولاد اور گھر سے سرزد اور ٹھنڈا ہو گیا، اس کے بعد مجھے کشف ہوا
تو میں نے مشاہدہ کیا، کہ میری طبیعت تو اسباب کی طرف مائل ہے اس سے لذت حاصل کرتی اور
اسے تلاش کرتی ہے اور میں نے اپنی روح کا مشاہدہ کیا، تو وہ تقویٰ کی طرف مائل ہے، اور اس کی
خواہش رکھتی اور تلاش کرتی ہے، اور میں نے دیکھا کہ دونوں آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور رضا
مندی الٰہی مراد روح میں ہے، سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ مہربانیاں عنقریب بے اختیار ظاہر ہوں
گی، اس کے بعد ایک اور خوشبو آئی، اور یہ بات ظاہر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اور حق کی یہ مرضی ہے کہ تجھ
میں ان چیزوں کو جمع کر دے، جو کہ امت مرحومہ سے چھٹ گئی ہیں، اور خبردار تو اس چیز سے بچنا جو
کہ کہا گیا ہے، کہ صدیق اس وقت تک صدیق نہیں ہوتا، تا وقتیکہ ہزار صدیق اسے زندیق نہ

کہہ دیں اور خبردار قوم کا فروغ میں مخالف نہ ہوتا، اس لئے کہ یہ چیز مراد حق کے منقض ہوتی ہے، اس کے بعد ایک اور نمونہ کھلا جس سے فقہ حنفیہ یعنی امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے اقوال میں سے کسی کے قول کو اختیار کرنے اور ان کے عموماً کی تخصیص اور اس کے مقاصد پر وقوف اور لفظ حدیث کے معنی پر اکتفا کرنے میں حدیث کی مطابقت اور کیفیت مجھ پر ظاہر ہوئی، اور مجھ پر ان کے عموماً کی تخصیص اور ان کے مقاصد کا وقوف مشکف ہوا اور الفاظ سنت کے منہوم پر اکتفا کرنا، اور فقہ حنفی میں نہ تو تاویل بعید ہے، اور بعض احادیث کا بعض پر ضرب ہے اور نہ امت میں سے کسی کے قول کے ساتھ حدیث کو چھوڑنا ہے، اس طریقہ کو اگر اللہ تعالیٰ پورا اور کامل کرے تو کبریت احمر اور اسیر اعظم ہے، اس کے بعد ایک اور خوشبو آئی، اور اس میں میں نے اس سے وصیت کو دریافت کیا، انبیاء کرام کا طریقہ اختیار کرنے اور ان کی طرح غیبتوں کو برداشت کرنے کے لئے اور ایسے ہی ان کی خلافت کا منتظر ہونا اور لوگوں پر تعلیم اور ارشاد کی رو سے شفقت کرنا اور ان کے لئے دعا رفا بیت کرنا اور ایسے ہی ان چیزوں کو تلاش کرنا، جس میں ان کی ظاہری اور باطنی اصلاح ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

(۳۲) مشہد آخر، ائمہ اہل بیت کا عجیب طریقہ

میں ائمہ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبروں کی جانب متوجہ ہوا، تو میں ان کا خاص قسم کا طریقہ پایا ان کا یہ خاص طریقہ اولیاء کرام کے طریقوں کی اصل ہے، سو میں تم سے وہ طریقہ بیان کرتا ہوں، اور یہ بھی بیان کرتا ہوں کہ اس طریقہ کے ساتھ وہ کیا ہے جو مل گیا حتیٰ کہ وہ اولیاء کرام کا طریقہ ہو گیا، چنانچہ بیان کرتا ہوں کہ ان کا طریقہ یادداشت کی طرف التفات کرتا ہے، یعنی مبداء کی طرف ایک اجمالی حقیقت اگرچہ یہ پردوں کے پرے سے ہو لیکن پھر بھی پردوں سے ذہول ہو، اور اس سے بھی ذہول ہو کہ یہ بیداری جو ہر نفس سے ہے، یا علم حصولی سے الغرض حقیقت بسیط ہو، اور التفات اس حقیقت کی جانب کسی بھی نوع سے ہو یہ ان کا طریقہ ہے، اور جبکہ اس نقطہ میں اولیاء کرام سے جو ہر نفس فنا ہو گیا، تو اس التفات کے علاوہ ان کے فنا کی اور سی شکل ہو گئی، پھر انہیں ایسے راستے الہام ہوئے کہ جن سے فنا کی طرف ہدایت پائیں چنانچہ تمام ولایتیں مع طول اور عرض کے ظاہر ہو گئیں۔

(۳۳) مشاہد اُخریٰ، تفضیلِ شیخین کا حکم

مجھے درگاہِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسباب کا استفادہ ہوا کہ جس کے دل میں علاقَاتِ حبیبہ کے نقض میں قصور ہو اور ایسے ہی حق تعالیٰ کی محبت کے ثابت کرنے میں اور اس کے ساتھ ساتھ غیرِ وسوا کی عداوت میں جیسا کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اِنَّهُمْ عَدُوْلِيْ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اور تحقیقی طریقہ سے اس کی سرگشتگی عشق میں منہ کے بل گرنے میں نہ صرف معرفت سے تو ایسا شخص مغرور ہے اس میں کوئی بھی ہوسب برابر ہیں، عام ازیں کہ اسی حالت سے علاقَاتِ طیبہ یا مشاہدہ سریان وحدت فی الکثرات کے استغراق نے روکا ہو، اس حیثیت سے کہ ہر شے کو دوست رکھے اس لئے کہ اس میں اس کے محبوب کا سریان ہے یا اس کے علاوہ اور موانع ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے تین امور کا استفادہ کیا جو کہ میرے عندیہ کے خلاف تھے اور اس کے خلاف کہ جس کی طرف میری طبیعت بہت مائل تھی، سو یہ استفادہ میرے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے برہان اور دلیل ہو گئے، ایک تو ان میں سے سبب کی طرف ترک التفات کی وصیت چنانچہ جب بھی طبیعت کی طرف نزول کرتا تھا، تو مجھ پر عقل معاشی غالب آجاتی تھی، چنانچہ میں اسبابِ معاش کو دوست رکھتا تھا، اور اپنی فکر کو ان تمہیدِ اسباب میں دوڑاتا تھا، کہ جن سے اولاد اور مال حاصل ہو اور جس وقت بھی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہوا تو اس رذیلیت سے جدا ہو گیا اور مجھ سے عہد و پیمان لئے گئے کہ سبب کو چھوڑ دوں، یہاں تک ان دونوں امور میں تناقض محسوس ہوا، جیسا کہ ظلمت اور نور اور ٹھنڈی ہوا اور گرم ہوائیں اور میرے اکثر امور میں مناقضہ نہ تھا، بلکہ وہ بطریقِ صواب کے تھا، الحمد للہ کہ طبیعت الہام کے لئے سلامتی طلب تھی، لیکن ہر ایک شے پر اس امر کا مناقضہ ایک سرعجب کی وجہ سے باقی تھا، اور دوسرا امر یہ ہے، کہ ان مذاہب اربعہ میں کسی ایک مذہب کے مقلد ہونے کی وصیت کہ میں ان سے نہ لنگوں اور تا بمقدور ان کی موافقت کروں، اور میری سرشتِ تقلید کا انکار کرتی تھی اور اس سے روگردانی کرتی تھی لیکن ایک شے مجھے میرے نفس کے خلاف باعتبارِ تعبد کے طلب کی گئی تھی، اور اس مقام پر ایک نکتہ ہے، کہ جس کے تذکرہ کو میں نے موقوف کر دیا، سو الحمد للہ مجھے اس جبلت

اور وصیت کا سر معلوم ہو گیا، اور تیسرا امر حضرت ابو بکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ کو فضیلت دینے کی وصیت اس لئے کہ جس وقت میری طبیعت اور فکر کو چھوڑا جائے، تو وہ دونوں کی دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت دیتی تھیں، اور ان سے بہت سخت محبت کرتیں، لیکن یہ چیز بھی خواہش کے برخلاف مجھ سے باعتبار عبادت کے طلب کی گئی، افسوس یہ شدت جامعیت کے مناقضے کہ جنہوں نے مجھے اس میں ڈالا۔ نہ ہوتے۔

(۳۴) مشہد، نور ارشادیت

میں جس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، تو میں نے اپنی ذات کے لئے ایک نور عظیم دیکھا کہ جس نے شہروں کو گھیر لیا، اور شہروالوں کو روشن کر دیا، سو میں نے سمجھا کہ قطیبت یعنی ارشادیت اسی نور سے ثابت ہوتی ہے جو منور ہے، اور سب پر غالب ہے، کسی سے مغلوب نہیں، اور ہر ایک شے اس کے پاس آتی ہے، اور یہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔

(۳۵) مشہد

اس بیت متیق اور بنائے بلند، میں نے دیکھا کہ اس میں ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل کی بہتیں اس سے ملتی ہیں، اور اس سے ایسی متعلق ہیں، جیسا کہ نفس بدن سے اور میں نے اس کو ان کی بہتوں اور ارواح سے بھرا ہوا دیکھا، جیسا کہ گلاب کے پھول میں عرق گلاب اور روئی میں ہوا اور میں نے لوگوں کی خواہشات کو اس بیت متیق کی طرف براہیغیتہ ہوتا ہوا دیکھا، بسبب ان کی بہتوں کے اس کے ساتھ وابستہ ہونے کے کہ جس میں ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل ہیں۔

(۳۶) مشہد۔ (۱)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے اس شے سے مطلع کیا، جو کہ مجھے کروانے والا ہے، اور وہ جو کہ ظاہری اور باطنی نعمتیں مجھے دینے والا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے دنیا اور آخرت کے مواخذہ سے عصمت عطا فرمائی، لہذا جو سختیاں بھی مجھ پر گزریں، وہ مقصیات طبیعت سے ہیں، مواخذہ کی وجہ سے نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان چیزوں کا احسان کیا اور مجھے بتلادیا کہ وہ ایک ایسی شے ہے،

(۱) شاہ ولی اللہ کو خلیفہ اللہ و لا یت عطا ہوتا۔

جو اولیاء کو کم ملتی ہے۔ اور مجھے بہترین زندگی عطا کی ہے، اور ہر ایک سعادت سے مجھے معتد بہ حصہ ملا، اور مجھے خلافت باطنہ کا خلعت پہنایا چنانچہ یہ راز و نعت ظاہر ہوا، اور میں متحیر ہو گیا پھر اس کے بعد یہ چیز مجھ پر ظاہر ہوئی تو میں اس کی کما حقہ حقیقت سمجھ گیا۔

تحقیق شریف

کبھی عارف پر وہ نعمتیں منکشف ہو جاتی ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہیں چنانچہ ان امور کے کشف کے اعتبار سے اہل اللہ کے دو گروہ ہو جاتے ہیں، اصحاب کشف الہی اس واقعہ کو آمینہ حق میں دیکھتے ہیں یعنی اس بندہ کے ساتھ حق کی نظر کا ملاحظہ کرتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے ملاء اعلیٰ میں منعقد ہونے کے ارادہ کو ایسے اور ایسے ایجاد اور اسی طرح تقریب کے ساتھ پہچان لیتے ہیں، اور ان کی نظر اس واقعہ کی حقیقت پر نہیں پڑتی، سو اسی بنا پر وہ اس واقعہ کی تفصیل سے مطلع اور باخبر ہونے کی قوت اور طاقت نہیں رکھتے، جیسا کہ صاحب کشف کوئی اس کی خبر دے سکتے ہیں، اور کبھی ان کے لئے ملاء اعلیٰ کی جانب سے ان افاضات کے خزانوں اور چشمے منکشف ہو جاتے ہیں، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور ایسی کوئی شے نہیں کہ جس کا خزانہ ہمارے پاس نہ ہو، اور ہم اسے مقررہ اندازہ کے ساتھ اُتارتے ہیں، چنانچہ حواس ظاہری اور باطنی پر جو کہ اجزاء بہمیہ ہیں بعض اوقات میں اسے خزانوں اور اس کے چشموں کے وہ انوار جو کہ چمکتے ہیں، غالب آ جاتے ہیں، اور نہیں معلوم ہو سکتا کہ جو نازل ہو گا اس کی مقدار کیا ہے، اور یہ درگاہ بھی عجیب ہے چاہے اس میں احتیاط سے کام لے تاکہ یہ درگاہ رویتِ فکر اور حدیثِ نفس کے ساتھ غلط نہ ہو جائے، کہ صغیر کبیر اور حقیر عظیم اس معنی مرآت کی بنا پر نظر آنے لگیں تو بتانے لگے اس مقدار نازل کی بڑائی اور عظمت کو تو پھر جھوٹا بنے، اور یہی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمانوں میں سے ایک فرمان کا منشا ہے یعنی اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے نہ تو ایسا کوئی رسول بھیجا، اور نہ نبی کہ جب اس نے کسی بات کی آرزو کی تو شیطان نے اس کی تمناؤں میں دوسو ڈالا، اور اصحاب کشف کوئی اس واقعہ پر باعتبار خواب یا ہاتف کے بغیر معرفتِ خزانوں اور مبادی کے مطلع ہوتے ہیں، سو اگر وہ تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے، اپنی صورتِ خیالیہ موافقت کے لئے صورتِ طبعیہ کلیہ سے اس معنی

مثالی کے لئے جسدا رضی میں خواہ جسم ہو یا جسمانی ہو، تو وہ امر بلا تفاوت ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ انہوں نے دیکھا ہے، ورنہ پھر تعبیر کی حاجت پیش آتی ہے اور حقیقت امر پر مطلع ہونا، خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

(مزید تحقیق شریف) امت مرحومہ کیلئے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء کی اتباع ضروری ہے

امت مرحومہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی اتباع ضروری ہے خصوصیت کے ساتھ اصحاب خلافت ظاہری کے لئے حدود کے جاری کرنے اور اسباب جہاد تیار کرنے اور سرحدوں کی حفاظت کرنے میں اور ایسے ہی فتوہ کو نافذ کرنے اور صدقات کو وصول کرنے میں اور خراج لینے میں اور اس کو اس کے مستحقین پر صرف کرنے میں اور ایسے ہی فقہ یا فیصلہ کرنا اور قیاموں کی نگہبانی اور مسلمانوں کے اوقات اور ان کے راستوں کی خبر گیری اور ان کے مساجد کی نگرانی اور ان کے مشاہد اور امور کی ذمہ داری وغیرہ الغرض جو ان امور میں مشغول ہو، ہم اسے خلیفہ ظاہر کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی اسوہ حسنہ ہے اس طریقہ پر جو کہ آپ نے اس باب میں بیان فرمادیا، ان تفصیل کے ساتھ جو کہ کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اور جو اصحاب خلافت باطنی ہیں، یعنی شرايع تعلیم کرتے ہیں، اور قرآن شریف اور حدیث اور اچھی باتیں بتلاتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اور جن کے کلام سے دین میں نصرت حاصل ہوتی ہے، یا تو باعتبار مناظرہ کے جیسا کہ متکلمین یا نصیحت سے جیسے واعظین یا صحبت اور مجالست سے جیسا کہ مشائخ صوفیاء کرام اور جو نمازیں قائم کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں، اور ایسے ہی جو حضرات احسان کا طریقہ حاصل کرنے کے لئے رہنمائی کرتے ہیں اور عبادت اور زہد کی ترغیب دیتے ہیں، اور ان امور کو قائم رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کو ہم خلیفہ باطنی کہتے ہیں ان کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع میں بہترین نمونہ ہے جو بھی چھ آپ نے اس باب میں بیان فرمادیا ہے، اس تفصیل کے ساتھ جو کہ کتب احادیث میں مذکور ہے اس کلی مقدمہ پر علماء کا اجماع ہے، یہی وجہ ہے کہ تم فقہاء کو دیکھتے ہو، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت سے ان مسائل کو اخذ کرتے ہیں اور آپ کی ذات اقدس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑتے ہیں۔ اور جب ہم نے اس اصول کو اصل قرار دیا تو ہمارے لئے مناسب ہے، کہ ہم بیعت لینے کے مسائل کو اسی پر متفرع کریں اور ہم نے اس مسئلہ کو کتاب القبول البکمل فی بیان سواء السبیل میں بیان کر دیا ہے، تو اب ہمیں حق حاصل ہے، کہ ہم داعیان اور قاصدوں کے روانہ کرنے کو بھی اسی سے اخذ کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطراف اور قبائل میں ایسے لوگوں کو روانہ کرتے تھے، جو کہ ایمان باللہ و رسولہ کی دعوت دیں اور انہیں احکام شرعی پہنچائیں، جیسا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو اشعرین، اور ابوذر غفاریؓ کو قبیلہ غفار اور اسلم اور عمرو بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبیلہ رجبینہ کی طرف اور عامر حفصیؓ کو نبی عبدالقیس کی جانب اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ والوں کی طرف روانہ فرمایا اور انہیں امور خلافت ظاہری میں سے کوئی کام سپرد نہ کیا ان کا کام تو صرف لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا اور قرآن کریم اور سنت رسول اللہ کی تعلیم تھی، اور خلیفہ ظاہر اور باطن کے درمیان یہ فرق ہے، کہ تعدد اہل باطن سے خصوصیت اور نزاع ظاہر نہیں ہوتا، برخلاف خلیفہ ظاہر کے اور خلیفہ اور داعی اور قاصد کے درمیان فرق یہ ہے، کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ عالم وسیع العلم اور وسیع الکلام ہو اور داعی کے لئے یہ چیز ضروری ہے کہ اس کے لئے ایک دستور العمل لکھ دیا جائے کہ اس پر عمل کرے، اس کے علاوہ اور کچھ نہ کرے اور جہاں مشکل پیش آجائے، تو خلیفہ سے رجوع کرے اور اکثر داعی اور قاصدین کے طریقے ان کا قاصدین سے اخذ کئے جاتے ہیں، جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوموں کی طرف ہجرت سے قبل رواہ فرمائے۔

(۳۷) مشہد یعنی ملاء اعلیٰ کے اسرار عارف کی روح

میں حلول کرتے ہیں

میں نے اپنی روح کو پایا کہ وہ دو چند اور عظیم فراخ اور وسیع ہو گئی سو میں نے اس وجدان کے تعلق پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ عارف ان اشیاء کو پاتا ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ حضرت البیہ کے اسرار جو ملاء اعلیٰ میں منعقد ہیں، وہ عارف کی روح میں حلول کرتے ہیں، اور اولاً اسماء البیہ کی

برکات کا نزول ہوتا ہے جو کہ مدارک جمیلہ میں منعقد ہیں اور مفسر، میں ان آیات کے ساتھ جو کہ قلب رسول مجتبیٰ پر متلو اور منزل ہیں، یا وہ اسمائے مشہورہ کہ جن کو حق کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، باعتبار ان آثار کے اس سے ازروئے سرشت و جبلت اور طبیعت اور لوگوں کی عادات کے موافق ثانیاً لہذا ان حضرات اور برکات کا حلول عارف لوگوں کی ارواح میں وسعت اور قوت کو پیدا کرتا ہے، سو تو ان حضرات میں سے کسی کو نہیں دیکھے گا، کہ وہ کسی بھی شخص کی طرف نور سے دیکھیں، مگر یہ کہ وہ شخص اس کے رعب اور عظمت سے مرعوب نہ ہو جائے گا اور اس کی جلالت چہرہ سے اس کی ذات کا کرم ظاہر ہوتا ہے، اور ایسے ہی اس کی فراست اور ہمت میں برکات کا ظہور ہوتا ہے، سو یہ اس وجدان کا سراور اس کی اصلیت ہے۔

(۳۸) مشہد، کمال انسانی کس وقت متحقق ہوتا ہے

میں نے ایسی درگاہ دیکھی کہ اس کی نسبت طبیعت کلیہ سے ایسی ہے، جیسا کہ نسبت قوت راوہ اور عزم کو درانحالیکہ کہ مقرون ہوں، حرکت طبیعت سے کسی فرد کے ساتھ افراد انسان میں سے جیسا کہ انسان کے خیال میں نفع حاصل کرنے کی لذت یا ضرر رفع کرنے کی خواہش ہوتی ہے چنانچہ خیال اس صورت کا خلاصہ چھانت لیتا ہے، اور اس قوت میں اسے ڈال دیتا ہے تو وہ قوت براہینتہ ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عزم حاصل ہو جاتا ہے، اس کے بعد عضلات کو فعل مطلوب کی طرف حرکت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح نفس قوی مجرد کے قریب ہمت ظہور واقعہ کی عالم ناسوت میں متشل ہوتی ہے، وہ بھی اس صورت مطلوبہ کا خلاصہ منتخب کر لیتی ہے، چنانچہ اپنے رب کی معرفت کے ساتھ اس درگاہ میں اٹھا کر لے جاتی ہے، تو پھر طبیعت کلیہ کے قلب سے فیصلہ براہینتہ ہوتا ہے، اور عالم مثال میں صورت واقعہ آ جاتی ہے، پھر جبکہ عالم ناسوت میں اس واقعہ کے پیدا ہونے کا وقت آتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے ایسا پیدا کر دیتا ہے، جیسا کہ عالم مثال میں اسے پیدا کیا تھا۔ اور میں نے سمجھا کہ ہمت کی تاثیر اس طریقہ پر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، یہی کمال انسانی ہے، اور یہ اس بات کے لئے معد ہوتی ہے، کہ نفس جو ارج حق میں سے عالم برزخ میں جارح ہو جائے۔

(تحقیق شریف) حدیث لا یرد القضاء الا الدعاء کا مطلب

کبھی عارف پر یہ بات منکشف ہوتی کہ قضاء فلان واقعہ کو اس طرح ایجاد کرنے میں ضرور متعلق ہے، اور اس میں تقدیر مبرم ہے، چنانچہ وہ عارف اپنی کوشش ہمت سے دعا کرتا ہے، اور دعائیں خوب اصرار اور الحاج کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ قضاء دوسرے طریقہ پر ایجاد کرنے میں منقلب ہو جاتی ہے، تو یہ پھر اس چیز کو حسب ارادہ پاتا ہے، اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سیدی عبدالقادر جیلانی سے ایک تاجر کے بارے میں منقول ہے، جو کہ ہمارے ہاں کے اصحاب میں سے تھا، اور جیسا کہ سیدی والد مرحوم سے مرزا ہدایت اللہ کے واقعہ کے درمیان یہ چیز واقع ہوئی، اور اس میں جو اشکال ہے، وہ مخفی نہیں، اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ یہ امر دو طریقہ پر ہوتا ہے، ایک تو ان میں سے یہ ہے، کہ بعض اسباب عالیہ اس امر کے اقتضاء موکد کے ساتھ مقتضی ہوتے ہیں، اور بے شک ہر ایک اقتضاء میں ایک شے واحد ہے، کہ جس میں اس کی نفیض کا احتمال نہیں، اور اس میں بغیر اس انتباہ کے جو اس پر کسی اور سبب سے وارد ہو، صورت واقعہ کامل اور وافر ہے، چنانچہ عارف پر یہ اقتضائے متاکد اپنی صورت اور ہیئت کے ساتھ منکشف ہو جاتا ہے اور قدر مبرم کا منبع اس اقتضاء کے سوراخ سے دیکھ لیتا ہے، اور صراحتاً اسے نہیں دیکھتا، تو اسی کو قدر مبرم گمان کر لیتا ہے پھر اس کے بعد اس کی ہمت اسباب میں سے ایک سبب ہو جاتی ہے جو کہ نزول قضاء کے لئے معد ہوتی ہے، تو ان اسباب کی مزاحمت کے وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت ان امور میں سے جس پر وہ قبض کر لیتی ہے اور ان ہی امور میں سے ایک امر کو بسط کر دیتی ہے چنانچہ مراد ظاہر ہو جاتی ہے اور دوسری صورت وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی صورت عالم مثال میں اجزائے قونی روحانیہ سے پیدا کر دیتا ہے، قبل اس کے کہ اجزاء جسمانیہ سے اس کی صورت پیدا کرے، پھر اسے دنیا کی طرف نازل کرتا ہے، اور پھر متحد ہو جاتی ہے۔ وہ صورت واقعہ ناسوتیہ سے اور یہی معنی ہیں انعام کے نازل کرنے کے اور انزال میزان اور حدید کے اور بلا کے نازل کرنے کے پھر اس چیز کا دعا معالجہ کرتی ہے، پھر یہ صورت مجتہدہ عالم مثال میں محو ہو جاتی ہے، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ مَا يَشَاءُ وَيُبَيِّتُ وَعِنْدَهُ اَم الْكِتَابِ اور محوودہ چیز ہے کہ جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا یُردُّ الْقَضَاءُ اِلَّا الدَّعَاءُ میں رد قضاء رکھا گیا ہے، چنانچہ عارف پر اس واقعہ کا وجود مشکف ہو جاتا ہے اور وہ اسے قضاء مبرم کے ساتھ تعبیر کرتا ہے پھر اس کے ساتھ بہت مصادمت کرتی ہے، تو اسے متن طبیعت سے پھیر دیتی ہے۔

تحقیق شریف

کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کسی اہل اللہ سے وعدہ کرتا ہے پھر اس امر کو اس وعدہ پر ظاہر نہیں کرتا، باوجودیکہ الہام حق ہے، تو اکثر لوگوں پر یہ بات مشکل ہو جاتی ہے، اس اشکال کو دفع کرنے کے لئے مشائخ نے کلام کیا ہے، چنانچہ مشائخ نے بیان کیا کہ اکثر لطف الہی اس بندہ پر ہوتا ہے کہ اس سے ایک اچھا وعدہ ہوتا ہے تو اسے رغبت ہو جاتی ہے اور اس کا انتظار کرنے لگتا ہے پھر وہ وعدہ پورا نہیں کیا جاتا چنانچہ وہ نعمت کی محبت سے ترقی کر کے منعم کی محبت کرنے لگتا ہے، اور افعال کی محبت سے اب ذات اور صفات کی محبت کرتا ہے مشائخ نے اس امر سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وعدہ کو پورا نہ کرنا کوئی نقص نہیں ہے، بلکہ علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے بلکہ بسا اوقات وعدہ پورا نہ کرنا بخل و غرور اور تدلیس سے ہوتا ہے اور یہ منقصت ہے، اور اللہ رب العزت کی ذات اس قسم کے امور سے منزہ ہے، اور کبھی بندہ پر لطف کرنا مقصود ہوتا ہے، اور اس کی ترقی کا سبب ہوتا ہے اور ترقی کے قریب کا تو یہ چیز صفات کمال میں سے ہوئی، اور اس کی نظیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کلمہ کی اس کے محل سے تقدیم و تاخیر کرنا رعایت فاصلہ کی ضرورت کے لئے اور ای طرح مجاز کے ساتھ کلام کرنا۔ کہ عذوبت میں اس جیسا حقیقی کلمہ کوئی بھی نہیں پایا جاتا، یا اس کے مثل سوا اگر ہم اسے اضطراب اور عدم قدرت پر محمول کریں تو یہ چیز نقصان کی ہے اور اگر ہم یہ بات سمجھیں کہ قرآن کریم لغت قریش میں نازل ہوا، اور ان کی لغت میں فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے تقدیم و تاخیر اور عذوبت کی وجہ سے مجاز استعمال کر لیتے ہیں تو ان کی لغت کے موافق یہ نازل کیا گیا ہے، کسی قسم کے اضطراب کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان پر لطف اور مہربانی کی وجہ سے کتاب اور قرآن کریم اس کے اس لغت نازل کیا گیا، جسے وہ پہچانتے ہیں، تاکہ وہ کما حقہ تدبر کریں، تو یہ چیز مین صفات

کمال میں سے ہے، بس یہ ان کا قول ہے، اور ان کی توجیہ اور تحریر لیکن ہم کہتے ہیں، کہ یہ وجدان حق ہے جو کہ ان کے لئے ظاہر ہوا اس کے بعد انہوں نے اپنی رویت کی طرف رجوع کر لیا، تو ان کے سامنے ان کے وہ علوم آ گئے جو کہ ان کے سینوں نے پوشیدہ کر رکھے ہیں، کہ جس میں ان کے وجدان کی تاویل روشن ہو گئی اور ان کے قلوب کو وجدان سے اطمینان حاصل ہو گیا، ایسا اطمینان جو کہ اس تراشی ہوئی، تاویل سے ہے، بایں طور کہ ان کو اس چیز کی خبر نہیں، اور ایسا اکثر اتفاق ہوتا ہے، اور یہ بعینہ ہمارے اس مسئلہ کی مثال ہے سو جیسا کہ وعدہ حق ہے اور موعود کبھی ظاہر نہیں ہوتا، اسی طرح تعلیم حق ہے، اور اس میں تاویل تراشیدہ ہے، اور حق صریح یہ ہے کہ الہام بندہ کے لئے علیٰ ما علیہ تجلی حقائق کی ایک قسم ہے، اور جس وقت بندہ اور تجلی صراح کے درمیان حجاب چھوڑ دیا جاتا ہے، اور بندہ اور حالت تجلی کے درمیان جو تنگ ہو جاتا ہے مگر بقدر انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے حلقہ کے تو اس وقت یہ تجلی خطاب الہام اور خاطر و باتف ہو جاتی ہے، باعتبار اختلاف استعداد قوی و ذکا اور اسباب حاکمہ فی الوقت کے اور جب یہ امر اس طرح ہوا، تو عدم وقوع موعود کی دو شکلیں ہیں ایک تو ان میں سے یہ ہے کہ بندہ پر مساوات ملاء علیٰ میں کسی سردار کا اقتضاء، منکشف ہو، بایں طور کہ اگر امر صرف اسی اقتضاء کے ساتھ جمع، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ چیز ضروری ہے کہ اس کی دعا قبول ہو، اور اس کے لئے اس کا اقتضاء زیادہ کیا جائے، لیکن اس مقام پر اسی کی مانند ایک اور اقتضاء ہے جو کہ اس سے زیادہ موکد ہے، تو اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ چیز واجب ہے کہ جس وقت یہ جمع ہوں اور قوت میں مقابلہ کریں وہ قوت جو کہ طبیعت کلیہ کے قلب میں بمنزلہ قوت ارادہ اور عزم کے ہیں، جو کہ عضلات کی تحریک کے ساتھ وابستہ ہے، تو فیصلہ فرمائے، دوسری طرح اور یہ چیز پائی جائے، دوسری مثال میں سو بسا اوقات یہ بندہ نہیں پہنچ سکتا، اس مصمم قوت عازمہ کو جو طبیعت کلیہ کے قلب میں ہے اور پیشک میں خیال کرتا ہوں کہ یہ مرکز عرش میں ہے اور مرکز اس کے لئے عناصر اور موالید کا ٹھکانا ہو گیا ہے، تاکہ اس کی جانب بلا واسطہ اضافہ ہو، اور اس سے اسی کی طرف مواخذہ کرے، بلکہ غلاصہ سید اور صفاوت ہمت تک پہنچے، اور اس سوراخ سے قوت عازمہ کی طرف دیکھے تاکہ آنکھ میں مرآت اور مری کا رنگ غلط ہو جائے اور اس کا علم احاطہ اسباب اور اس حقیقت کی تک پہنچنے سے قاصر ہو جائے تو وہ بندہ اس اقتضاء اور اس حکم کے علاوہ اور کسی

چیز کو نہ پہچان سکے اس لئے کہ اس سید کی ہمت تمام ان احکام کو جامع ہے اور اس کے احکام متضادہ کے لئے مانع ہے، چنانچہ جمع اور منع اس میں اس حیثیت سے سرائیت کرتی ہے، کہ معلوم نہ ہو سکے اس کے بعد پھر یہ انکشاف خطاب سے ان اسباب کی طرف جو کہ ہم نے بیان کئے اور بیان نہیں کئے ہیں منقلب ہو جاتا ہے، اور یہ خبر دینی ظاہری طور پر نہیں ہوتی، کہ ضروری طور پر صادق ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس شخص کو ایک امر مجمل منکشف ہو جائے اور پھر یہ انکشاف اجمالی الہام کی جانب محول ہو جائے، چنانچہ پھر اس کے سید کی طرف علوم مخزومہ سبقت کریں، اور اس کی اس حیثیت سے شرح کریں کہ معلوم نہ ہو سکے اور جیسا کہ اس کے علوم انکشاف اجمالی کی خواب میں شرح کرتے ہیں اور وہ ایسا خواب ہو جاتا ہے، کہ اس میں تعبیر کی حاجت پیش آتی ہے سو اسی طرح یہ غلط الہام اجمالی سے تراشیدہ ہے تعبیر کا محتاج ہو جاتا ہے اور اس وقت ٹھنڈک اور اطمینان کا کوئی اعتبار نہیں رہتا، اس لئے یہ فی الحقیقت ایک امر اجمالی سے دل کی تسلی ہے، بایں طور کہ وہ اس شرح میں محفوظ ہے اور کبھی اس کی طرف خطرات نفس متبادر ہوتے ہیں، اور ایسے ہی استعمال طبیعت اور شیطان کا دھوکہ تو انسان کی نظر تیز سے قاصر ہو جاتی ہے، تو وہ امر اس کے نزدیک غیر مبین رہ جاتا ہے، الغرض جو بھی اس صورت غلط کو دیکھے وہ یہی کہے گا، کہ وعدہ کیا، مگر موعود نہیں پایا گیا اور جو شخص کہ ہر ایک چیز کو دوسرے سے متمیز دیکھے، تو وہ کہے گا کہ وعدہ اجمالی ہے، اور وہ پورا ہو چکا، اگرچہ ایک عالم کے علاوہ دوسرے عالم میں ہو، اور ایک قالب کے علاوہ کسی اور قالب میں ہو، اور صورت تراشیدہ ہے، یا تو اس شے کے ساتھ جو کہ اس کی تفسیر ہے اور محتاج تعبیر ہے، اور تعبیر کا حقہ نہیں دی گئی، یا اس چیز کے ساتھ مخلوط ہو گئی، کہ جس سے صدق آلودہ ہوا، اور اپنی صرافت پر باقی نہ رہی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں وجہیں متوسطین کو لاحق ہوتی ہیں، مگر اہل کمال وہ ان سے علیحدہ ہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ محتاج تعبیر ہیں، لیکن ان پر ان کے کمال کی بنا پر احکام عالم میں امر پوشیدہ نہیں رہتا۔ واللہ واعلم۔

تحقیق اور تمثیل

یہ بات سمجھ لینی چاہیے، کہ ارادہ صدور خلاق کی علتوں کا مرتقی ہے، لیکن ارادہ کے لئے ایک علت ہے، کہ جس سے وہ صادر ہوتا ہے وہ کیا ہے ذات کا اس ارادہ کو مقتضی ہونا اور اس سے مستزم ہونا بایں طور کہ کوئی اس میں شبہ نہ کرے اس لئے کہ ارادہ بذات خود واجب اور ضروری نہیں، لیکن ذات واجب الوجود کے واجب کرنے سے واجب ہوتا ہے، اس مقام پر ایک بات بہت مشکل باقی رہ گئی وہ یہ کہ کیا ارادہ کا تعلق اسی کے ساتھ ہے، نہ اس کی ضد سے باعتبار اس خصوصیت کے اور ایسے ہی اس کی تعین ذات ارادہ کے لئے واجب ہے، کہ ذات واجبہ کے لئے وجوب مرتفع نہیں ہوتا، یا اس کا وجوب اس جہت سے بھی ذات واجبہ کی طرف مرتفع ہوتا ہے، جیسا کہ نفس ارادہ وجود ذات واجبہ کی طرف مرتفع ہوتا ہے، غرضیکہ یہ راز اکثر انسانوں سے مخفی ہے، اور حق بات یہ ہے کہ جو اس کی ذات کے وجوب کا فائدہ ہے اور اس کا وجود اس کی ذات ہی سے ہے تو وہ ہر اس کمال کو فوت کرنے والا ہے، جو بعد میں اس کے وجود اور وجوب سے باعتبار ذات کے پیدا ہو، اس چیز کو اس کمال سے وہی آراستہ کرتا ہے، جو شخص کہ اسے وجوب کے ساتھ آراستہ کرتا ہے، لہذا استعدادات تاثیر یہ میں فراخی کے علاوہ کہ جن کا نام اسما ہے اور کوئی تعلق ارادہ نہیں، اور وہ استعدادات تاثیر یہ کہ جن کا نام اعیان ہے باعتبار اقتضائے ذات اور اس کے استلزام کے ساتھ اور ان دونوں استعدادات تاثیر یہ کے لئے فراخی کرنے میں اس کے لئے ایک حصر ہے، جو کہ زیادتی کو منع کرتا ہے، اور اس نقصان کو جو ذات سے پیدا ہو، اور ہم اس کے لئے ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں کہ جس وقت محاسب ارادہ واحد کے ساتھ وابستہ ہو تو اس سے ایک پیدا ہوتا ہے، اور ایک دوبارہ نظر کے ساتھ تو دو پیدا ہو جاتے ہیں اور اس سے نکلا ایک اور ایک اور ایک، تیسری نظر سے تو تین پیدا ہو گئے، غرضیکہ جس وقت کہ ارادہ اس کے ایک مشتق کو دوسرے مشتق کے ساتھ ملانے سے متعلق ہو، بقدر اس کی وسعت علمی کے تو مراتب احاد عشرات اور مائت اور الفوف پیدا ہو جائیں گے اس کے بعد اگر بعض کو بعض کے ساتھ باعتبار فرض عقل کے جمع کیا جائے تو امور غیر متماہیہ ہو جائیں گے بذات خود واحد کی طرف نسبت کرنے سے محصور ہیں،

کیونکہ وہ اس سے مشتق ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور سے نہیں، اور انہیں مراتب بعض سے بطریق اشتقاق ممتاز ہیں، تو اس وقت علت ظہور ان صورتوں کا یہ متکثرہ کے تعلق ارادہ کے ساتھ ظاہر ہوئی کمال محاسب کے ظہور کے ساتھ اور ان مراتب کی تعیین کا مشترک تیب اور انحصار اور انضبط کے ساتھ ایسے طور پر کہ اس میں نہ زیادتی ہو، اور نہ کمی وہ طبیعت عدد یہ ہے جو ارادہ سے پہلے محفوظ ہے، گویا کہ ارادہ اس کی طبیعت کے لئے حکایت ہے اور اس کے احکام کے ظاہر کرنے کے لئے منصہ ہے سو نسبت جعل اور ایجاد کی مابیات کے ساتھ ایسی ہے جیسا کہ محاسب کی تاثیر اعداد میں ان کی صورتوں کے ظاہر ہونے کے طریقہ پر بعد اس کے کہ وہ نہ تھیں، اور نسبت مابیات اور ان کے لوازم کی ان کے مفیض کی طرف جعل سے پہلے مراتب اعداد کی نسبت کی طرح ہے جو کہ واحد کی طرف ہو اور ان میں سے بعض کا بعض سے تدریج اور تدریج مراتب کے خواص کا صرف طبیعت عدد یہ کی طرف سے ہے سو یہی معنی میں ان کے توالی کہ مابیات جعلی نہیں ہیں، اور جعل و ایجاد و ظہور اور فیض مقدس ہے اور مابیات کا ارتباط اپنے منفیض سے ایسا ہے، جیسا کہ مراتب عدد یہ کا ارتباط واحد کے ساتھ اور مابیات کا تعیین اپنے خواص کے ساتھ فرضاً و وجوداً پہلے متعین ہونے کے ساتھ پہلے اور یہی وجود اقدس ہے، سو جیسا کہ عدد کے لئے سلسلہ مرتبہ ہے، کہ بعض ان میں بعض کے بعد میں یہ سلسلہ واحد سے لے کر غیر متناہی تک متحد ہے اور جیسا کہ واحد میں جہت فرض اور تقدیر پوشیدہ ہے سچ واحد کے جہت فرض سے نہ جہت تقریر بالفعل سے۔

اسی طرح ہے واسطے طبیعت کلیہ کے ساتھ اس شے کے جو اس کے جز میں ہے ارکان و موالید سلسلہ مرتبہ بعض بعض کے معلوم الخواص والمراتب چنانچہ اللہ تعالیٰ از روئے حکایت ان الحقائق کو بیان فرماتا ہے واما الالہ مقام معلوم کہ مفسر ہے طرف انواع کے انفسار حاصر ایسا کہ نہ زیادہ نہ کم اور نہ ممکن ہو اب تک پھر مفسر ہوتی ہیں وہ نوعین طرف افراد کے جب ان کو ضرب کریں اتصالات فلکیہ وارضیہ میں اور ملاحظہ کریں وضع سابق کا واسطہ وضع لاحق کے تغیر نہایت ممد ہے یہ سلسلہ ماہیت المابیات سے اور حقیقت الحقائق سے طرف لانہایت کے پنہاں ہے حقیقت الحقائق میں اور واسطہ اشیاء ہے باعتبار فرض و امکان کے نہ باعتبار جہت تقریر بالفعل کے پھر محیط ہوا ساتھ حقیقت الحقائق خارج کے اور اس میں ظاہر ہوئی صورت حقیقت الحقائق کی اور ارتباط

خارج کا حقیقت الحقائق سے ایسا ہے جیسے ارتباط لوازم کا ساتھ ماہیات کے پس صادر ہوئی اس جلی بالا ارادہ والا اختیار سے طبیعت کلیہ واحدہ کہ وہ مانند ایک شخص واحد کے ہے کہ جس سے صادر ہوئے اس کے واسطے سے ارکان و عناصر پھر حاصل ہے امتزاج عناصر و ارکان سے موالید اور اراک کیا اس شخص واحد نے اپنے رب کو فرد صمد اپنے خیال میں تو حاصل ہوئی صورت ملبہ کہ وہ کیفیت علمیہ ہے ایک اعتبار سے اور نفس معلوم ہے ایک اعتبار سے اور نفس علم ہے ایک اعتبار سے اور یہ پہلے جلی سے طبیعت کلیہ میں پھر نازل ہوئی تدارک مقیدہ تو ہو گئے حضرات ایمن ہی سے ذخیرہ نفس وغیرہ۔

(۳۹) مشہد آخر

اخلاق انسان میں سے ایک خلق ہے اس کا نام سمت صالح ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ حفظ ہی نفس ناظر کا اپنے اعمال اور اخلاق کا جو اس میں اور اللہ تعالیٰ میں ہیں یا وہ اعمال و اخلاق درمیان اس کے اور لوگوں کے ہیں اور ان کا ہدایت پانا ہے واسطے نظام صالح کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اپنے بندہ سے، تو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی بہتری چاہتا ہے تو اس کو سمجھ دیتا ہے اُن اعمال و اخلاق کی اور ہدایت کرتا ہے اس کو ان کے نظام صالح کی وہ سمجھ افاضہ ہوتی ہے۔ درگاہ رحمت سے بے فکر و رویت کے اس سے اور یہ افاضہ تحقیق ایک برکت ہوتی ہے نفع کی گئی خلق سمت صالح میں اور یہ معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے و اوحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ۔ اور یہ صورت ہے ایجاد فعل کی اور تابع ہوتا ہے اس ایجاد کے، ایجاد و علم ان اعمال و اخلاق اور ان کے نظام محبوب کے ساتھ اور اللہ کے بندوں میں سے کوئی کامل نہیں ہوتا مگر ساتھ ان دو ہدایتوں کے، لیکن بہت سے افراد انسان ہیں کہ مستوجب ایجاد مشافہہ کے نہیں درگاہ رحمت سے بغیر واسطے کے تو اس وقت بہتری یں ہوتی ہے کہ رحمت متوجہ ہوتی ہے کسی کامل بشر کی طرف جو استحقاق رکھتا ہو اپنی حیات کے سبب اس امر کا کہ نکل آئے احکام فرد خاص سے اور رہ جائے گروہ مردم میں ان کے مزاج کے موافق اور ان کے مزاج کے موافق اعمال و اخلاق کے اور ان کی ترقی کے طبیعت کے لائق جو ان کے واسطے تقدیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قربت سے اور نیز مستوجب ہو اس امر کا اپنی فطرت کے سبب کہ جذب کرے خیر طبیعت سے طرف خیر قدس کے اور وہاں منفع ہو اس کا

نفس ساتھ لون کئے کیونکہ اور احاطہ کر لے ان دونوں ہدایتوں کا از روئے تحقیق اور تمیز کی پس جس وقت متوجہ ہو رحمت طرف اس کامل کی جس کی یہ صفت ہو وہ رحمت اس سے مل جائے اور اس کو ڈھانک لے تو اس میں منطبع ہو جائے یہ سر مراد اور قالب ہو جائے، یہ سرا جمالی اپنی بقا کی صورت میں ساتھ احکام ان لوگوں کے پس سرایت کرے اس سے در انحالیکہ وہ طرف علم ہے پھر وارد ہو چیز نزول شرائع کی نبیوں پر از روئے وحی اور نزول طریقہ اوپر اولیا کے از روئے کشف اور الہام کے، تو محتاج واسطہ کا سنتا ہے اس سے ایسا کلام جو دلالت کرتا ہے، اوپر نظام مراد کے، پس متبادر ہوتی ہے اس کامل کی طرف اس کی فطرت اس سے اور اخذ کرتی ہے خلق مست صالہ اور خلق حکمت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جس قدر کہ اس کے خواص نفس کے مناسب ہے اور چھوڑ دیتا ہے امر عامہ کو پس متمثل ہو جاتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے نظام مراد اور ہو جاتا ہے حکم فیصل سب امور میں تو وہ قائم ہوتا ہے سعادت کو اور ہو جاتا ہے ان میں سے جنہوں نے صراط مستقیم کی ہدایت پائی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ ان میں سے تھے جن کی عقل مستوجب ہوئی بعد معرفت کے اس سننے کے جو مناسب تھا ان کے خواص نفس کو پہچانیں اکثر چیزیں امت کے حال کی، پس فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کی آگاہی کے واسطے ان کو، لقد کان فیمن قبلکم محدثون ارجح اور فرمایا، لو کان بعدی نسی لکان عمر، وہ یہ ہے اور بیشک مجھ کو دیا اللہ تعالیٰ نے اس میں سے حصہ پس سمجھا دیئے مجھے لوگوں کے مشرب اللہ کے قرب میں ان کی تو اس درگاہ سے یہ بات بھی ہے کہ انسان نہیں قابل ہوتا اس قربت کے جب تک نہ پہچانے نور طہارت کو اور اس کے فقدان کو اور جب تک نہ پہچانے طبیعت کے پردے پڑے ہوئے کو ورمیان اپنے اور اس نور کے اور پہچانے طبیعت کے غلبہ کو اور اس کے علاج کو اور ہیئت نفسانیہ کو جو اعادہ کرتی ہے اس کی طرف وہ شے جو گم ہو گئی ہے تجربہ کرے اس کو اپنے نفس سے اور احاطہ کرے اپنے نفس کا اس سے از روئے علم کے اور یہاں تک کہ پہچانے لذت مناجات کے سجدے میں اور پہچانے کہ کیونکر اس کی روح کو زقت ہوئی اور صاف ہوئی اس حالت میں اور اٹھ گیا حجاب جو اس روح کے اور اللہ کے درمیان تھا تو ہو گیا مشافہ سبب مناجات کے جیسا آنکھوں سے دیکھا اور پہچانے اس امر کو کہ کیونکر پردہ پڑتا ہے اس کے قلب پر بعد اسکے اور کیونکر دفع ہو جاتا ہے ساتھ التجا کے خشوع سے اور ہیئت بدنی اور نفسانی

پر لاتی ہے اس شے کو جو ہم ہو گئی تھی اور یہاں تک کہ پہچانے یقین کو یعنی جمع خاطری کو اللہ کی طرف اور اعتماد اللہ پر اور پہچانے کہ متضرع ہوتا ہے اس غلت پر تضرع سچ دعا کے واسطے بہتری دنیا اور آخرت کے اور پناہ مانگنے فتنوں سے اس امر کی معرفت سے کہ اعمال و اخلاق اس کے اور اعمال و اخلاق اس کے سواء کے اور مصائب زبانی کے اس کے ساتھ ہیں نہیں سب اللہ کے ہاتھ ہیں جو خدا چاہتا ہے سو کرتا ہے اور پہچانے کہ یہ خلعت اسے کیا ہدایت کرتی ہے، استخارہ سے ہر شے سے جو اس پر وارد ہو اور بے قراری سے طرف دعا کے اور پناہ مانگنی مضطرب ہو کہ جہت معرفت سے اور پہچانے کہ کیا اللہ نے اس کے واسطے مہیا کیا ہے دنیا و آخرت میں اس چیز میں جس سے رجوع ہو طرف قرابت کے اور جنت بہتر ہے لذات فانیہ جسمانیہ سے اور یہاں تک کہ جان لے حجاب طبیعت کا اور کیونکہ اس پر غالب آ جاتا ہے اور کیونکر اس کے نور کو فاسد کر دیتا ہے اور اطمینان کو پھر کیونکر علاج کیا جاوے غلبہ طبیعت کا اور پہچانے حجاب رسم و سوء معرفت کا پس جس شخص نے ان امور کو اپنے نفس سے پہچان لیا اگرچہ بقدر حوصلہ اپنے نفس کے تو وہ شخص مقرب ہے اور اس کے قلب میں ایمان کی بشارت داخل ہوئی پس اپنے پر لازم سمجھ لے کہ تو اپنے نفس کا طبیب ہو اور خبردار ان علوم کو پس پشت نہ کیجئے۔

(۴۰) مشہد آخر

اطلاع ہی مجھے اللہ سبحانہ نے روح کی حقیقت پر کہ بیشک روح وہ شے ہے کہ اس کے بدن سے جدا ہونے سے انسان مر جاتا ہے اور اسی سے حس و حرکت و حیات ہے اور اس کے طبقے اور اطلاق ہیں اقرب بدن میں اس کا جسم ہوا ہے کہ جس کا مقدار قلب میں ہے پھر وہ منتشر ہوتا ہے بدن میں اور انھما تے قوت دراکہ اور طبیعت کو پھر ایک حقیقت مثالیہ ہے اور وہ وہ ہے کہ منعقد ہوتی ہے عالم ناموس میں ظاہر ہونے سے پہلے اور اسی سے لیا گیا ہے ميثاق پھر ایک حقیقت روحیہ ہے وہ ایک حصہ ہے صورت انسانیت کا ایسی صورت انسانیت کہ مکلف ہے، عوارض مشخصہ سے جو تو اسے افلاک عناصر سے مقتضی ہیں واسطے احکام کے پھر صورت انسانیت ہے قطع نظر مشخصات سے پھر صورت حیوانیت ہے پھر صورت ناموسیہ ہے، پھر صورت جسمیہ ہے، پھر حصہ ہے طبیعت کلیہ سے، پھر

انبساط ہے حکم باطن الوجود کا، لوح خارج پر تو جو شخص کہے کہ روح جسم لطیف ہے حصول کئے ہوئے بدن میں جیسا حلول آگ کا کوئلے میں تو وہ سچ کہتا ہے اور جو کہے کہ روح مجرد ہے وہ بھی سچا ہے اور جو شخص کہے کہ روح قدیم ہے وہ بھی صادق ہے اور جو شخص کہے کہ روح حادث ہے وہ بھی صادق ہے۔ لکل وجہ ہو مولیہا لیکن یہ امر پوشیدہ تر ہے کہ اقتصار تصور ہے۔

تحقیق

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکل نبی دعوة مستجابة فتعجل کل نبی دعوته وانسی اختبات دعوی شفاعۃ لامتی۔ اگر تم کہو کہ ہر نبی کے واسطے بہت دعائیں مقبول ہیں اور اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بہت دعائیں مقبول ہیں جیسا کہ واقع ہوئیں استقاء اور بے شمار موقعوں میں تو کون سی دعا کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں کیونکہ اس کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دعا ہے واسطے ہر نبی کے تو میں بتاؤں تم کو یہ خاص کسی مطلب کے رغب کی دعا نہیں ہے بلکہ جب بھیجا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی اپنے بندوں پر لطف اور رحمت کے واسطے تو بندوں کا حال دو امر سے خالی نہیں یا اس نبی کے مطیع ہوئے تو یہ ان کے حصہ میں افاضہ برکات کا ہوا یا نہ ایمان لائے اس پر تو وہ مہربانی اور رحمت قہر و عنایت ہو گیا ان پر اور دونوں صورتوں میں نبی کے دل میں یہ بات ڈالی جاتی ہے، کہ ان کے لئے دعاء خیر کرے یا ان کے لئے بددعا کرے، سو یہ دعاء واحد ہے، جو کہ ہر نبی کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لطف سے پیدا ہوتی ہے جس کے لئے اس نبی کو بھیجا تھا، لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس سے اس بات کو سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بعثت سے فقط ان پر دنیا میں لطف کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ قیامت کے دن عام رحمت کا ارادہ فرمایا اور ہم بیان کر چکے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں شہید ہیں اور شہادت آپ کے خواص میں سے ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں یہ بات ڈالی گئی، کہ آپ اس دعاء کو محفوظ کر رکھیں قیامت کے دن کے لئے وہ دعاء جو اس لطف سے پیدا ہوگئی۔ جو منشاء نبوت ہے لہذا اس راز کو اچھی طرح سے محفوظ کر لو۔

(۴۱) مشہد آخر و تحقیقات (یعنی انسان میں شرافت اور بزرگی موروثی نہیں)

میرے دل پر خلق اور ایجاد کے علوم عموماً افاضہ ہوئے اور خلق کے نشأۃ خیالیہ میں خصوصاً اور اجتماعی نقیضین اور ضدین کا نفس الامر میں مجتمع ہونا ممکن ہے، مگر یہ کہ احداً نقیضین ایک درگاہ میں ہوا، مگر اس میں یہ یقین ہو، کہ یہ امر اسی طرح ہے اور دوسرا امر دوسری درگاہ میں ہو، اور اس میں یہ یقین ہو کہ یہ امر اس طرح نہیں ہے، اور ہم تم سے ان علوم کو بیان کرتے ہیں کہ جس طریقہ پر ان کا بیان کرنا آسان ہے، خلق اجزاء مختلفہ کا جمع کرنا ہے اور اس صورت کا افاضہ ہے، جو ان اجزاء پر مناسب ہو، حتیٰ کہ یہ اجزاء ایک شے واحد ہو جائیں، اور خلق کبھی ہوتا ہے، عناصر سے تو اس وقت اجزاء عناصر جمع ہو جاتے ہیں، اور تمام اعراض میں صورت عنصریہ کے مناسب ہوتی ہے تو مخلوق انسان ہو جاتی ہے، یا فرس (گھوڑا) اور کبھی صورت خیالیہ سے ہوتی ہے تو تمام وہ خیالات جمع ہو جاتے ہیں جو خیال میں منتشر تھے، یا خیال میں حلول کرنے سے تنگ تھے، صورت واقعہ فی الخیال میں خارج کے تو ان پر یہ صورت افاضہ ہوتی ہے جو صورت خیالیہ کے تجرد میں ایک وجہ سے مناسب ہے اور مادہ کے ساتھ آلودہ ہونے کے دوسری وجہ میں اور ہر ایک خلق خواہ وہ کسی بھی عالم میں ہو، تو اس عالم میں اس عالم کے خارج سے کوئی شے داخل نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ چیز محال ہے، عقل اسے ضرورۃً قبول نہیں کرتی، ہاں یہ بات ہے کہ ایک عالم دوسرے عالم کے لئے معد ہو جاتا ہے، اور ایک وجود ایک عالم میں دوسرے عالم میں موجود کے لئے معد ہو جاتا ہے اور یہ بہ سبب اس کے تمام انتظام کے طبیعت کلیہ میں ہے، اور اس کی سرایت تمام عالم میں برابر ہے سو مناسب ہے کہ تیری نظر عالم خیالیہ میں مجرود ہو جائے تو اس مقام پر بنانا اور بگاڑنا، زندہ کرنا اور مارنا اور تقریبات ہیں واللہ ہنالک کل یوم ہو فی شان، بسا اوقات ارادہ الہیہ شخص خیالی کی نکوین کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے تو اس کے لئے تقریب براہین ہوتی ہے اور اس کے بعد اجزاء خیالیہ جمع ہوتے ہیں اور عجیب اسرار میں سے ایک خلق نسب ہے کہ اس کا وجود ہی نہ تھا، چنانچہ ایک شخص نفس الامر میں شریف ہوتا ہے اور دوسرا ایک ہی زمانہ میں نفس الامر میں شریف نہیں ہوتا، اور

یہ اس لئے کہ ایک شخص فی الواقع شریف نہیں ہوتا، لیکن وہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوتا، کہ اتصالات فنکیہ اس وقت اس کی بزرگی کے مقتضی ہیں اور میری رائے میں یہ ایک نوع امتزاج ہے رطل کا شمس اور مشتری کے ساتھ بایں طور کہ رطل آئینہ ہے اور نور شمس اور مشتری اس میں منعکس ہیں تو اس وقت یہ چیز ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اس مولود (بچہ) میں بزرگی نسب اور اس کی بنا پر نباہت خوب اچھی طرح جانتا ہے، اور یہ اتصال اس طریقہ پر ہوا کہ اس کی صورت مفاد میں اس اتصال کا حکم اس طرح محفوظ ہو، جیسا کہ بچوں میں والدین کے اشکال اور ان کی صورتیں محفوظ ہوتی ہیں اور اس انسان میں شرافت موروثی نہیں، لہذا اولاء اعلیٰ میں اس کے شریف ہونے کا حکم دیا جاتا ہے پھر اس میں ہمیشہ یہ بات بڑھتی رہے جیسا کہ انسان اپنے بچہ کی تربیت کرتا رہتا ہے تو ایسا بڑھ جاتا ہے، کہ اس سے ملا سافل کی طرف الہامات مترشح ہونے لگتے ہیں اور انہیں اسرار میں کا ملین کے علاوہ بنی آدم کی توہینیں ہیں، سو جس وقت انسان اپنی جوانی کو پہنچتا ہے اور وہ اتصال آتا ہے جو اس کے ظہور نسب اور اس کے نباہت امر کو مستدنی ہے، تو اس وقت یہ سر زمین پر نزول کرتا ہے، اور لوگوں کی حفاظت یا بطون اور ارق سے ایسی کوئی وجہ نفی ہے جو اس کے شریف ہونے پر دلالت کرتی ہے، اگرچہ یہ چیز نفس الامر کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس مقام پر شباهت ہوتی ہے۔ تو بنی آدم کے خیالات متناقذ ہو جاتے ہیں، تو سب اس کے شریف کہنے پر جمع ہو جاتے ہیں اور شرافت فی بنا پر اس کی عظمت کرنے پر اور جس وقت یہ انسان اہل صلاح سے ہوتا ہے، تو اکثر اوقات وہ خواب دیکھتا ہے کہ وہ شریف ہے، تو اس کے ذریعہ سے اس کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے اور جس نے امر اول کی حفاظت کی اور ذکر کیا گیا کہ وہ شریف نہیں ہے، تو اس کا قول قبول نہیں کیا جاتا، بلکہ ملا سافل کا انکار اس کا احاطہ کر لیتا ہے، اور ایسا ہو جاتا ہے کہ شریف کو برا کہے کہ وہ شریف نہیں ہے، اور یہ سب باتیں خارج میں ایک ہیئت رکھتی ہیں۔ اور تمثال ہیں، اس کے نفس کے رنگے جانے کے لئے شرافت کے نسب سے اور ہر ایک نباہت نسب کے لئے خارج میں اپک نسب ہے، کہ جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بایں طور کہ وہ امام ہے دین میں یا بادشاہ ہے دین میں تو یہ استناد باعتبار وقت کے متعین ہو جاتی ہے، اور امر ایسا ہو جاتا ہے، گو یا کہ سرے ہی سے تھا ہی نہیں اور اسی پر شرف جاتے رہنے کو قیاس کر کہ اللہ تعالیٰ ایسی تقریبات عجیبہ کو موجود کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے سب

اس انسان کے شرف کو بھول جاتے ہیں، اور اس کی ذات سے شرافت نسب کی رنگت ختم ہو جاتی ہے، اور تمام انسان اس بات پر جمع ہو جاتے ہیں، کہ یہ شریف نہیں ہے، کہ یہ بات ملاءِ سافل میں لکھ دی جاتی ہے۔ جو شخص اس شریف کہتا ہے، تو اس کا انکار کیا جاتا ہے جیسا کہ کوئی غیر شریف کو شریف کہنے لگے۔ اور ہمارا مقصود اس سے اجتماعِ نقیصین نہیں ہے بایں طور کہ وہ ایک اعتبار سے شریف ہو اور دوسری حیثیت سے غیر شریف اس لئے کہ یہ ایک شے میں ناقص نہیں ہے بلکہ اس مقام پر دو درگاہیں ہیں ایک درگاہ میں تو یہ چیز ہے، کہ یہ من کل وجہ شریف ہے، اور دوسری درگاہ میں یہ بات ہے کہ یہ من کل وجہ شریف نہیں ہے، ان دونوں خبروں کی بناء پر جو ان درگاہوں میں مطابق ہیں۔ ان طریقہ سے یہ بات ہے کہ ظالم بادشاہ کی خلافت ایک درگاہ میں خلافت ہے، اور دوسری درگاہ میں نہیں ہے، اور اسی سے تقارب زبان ہے، کہ جس وقت قیامت قریب ہوگی، تو ایک سال ایک ماہ کے برابر اور ایک مہینہ ایک جمعہ کے برابر اور ایک جمعہ ایک دن کے برابر ہو جائے گا، اور یہ ملاءِ اعلىٰ میں صورت فنا اور عدم کے انعقاد کی بنا پر ہے، تو اس چیز کا رنگ عالم ناسوت میں مناضر ہوگا، چنانچہ ان کے خیال میں آئے گا کہ یہ امتداد ہے اور اس مقام پر امتداد وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ قیاسوں میں خلل پیدا ہو جائے گا، کوئی انسان اس بات پر قادر نہ ہوگا، کہ ایک دن میں وہ کام کرے جو پہلے ایک دن میں کرتا تھا۔ اور یہ اس سر مناض کی تاثیر کی بنا پر ہے، جو ملاءِ اعلىٰ سے بمنزلہ تاثیر کے افاضہ ہوا ہے، وہم انسان کے پیر کی لغزش کھا جانے سے اس درخت کے ٹہنے سے جو دودھ داروں کے درمیان ہے، اور اگر یہ جھنڈ درخت کا زمین پر رکھا ہوتا تو پھر یہ لغزش نہ صادر ہوتی، اور اجتماعِ نقیصین کی بہت سی صورتیں ہیں، کہ ہمارا کلام اس وقت ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(۴۲) مشہد آخر (جنتیوں اور دوزخیوں کا لباس)

مجھ پر مہربانہ اور معاد کے اسرار افاضہ ہوئے تو معاد کے اسرار میں سے اہل جہنم کا لباس روغنِ قطران کے کرے۔ جنتیوں کا لباس سندس اور حریر اور ان کے علاوہ اور فاخرہ لباس اور اسی طرح دوزخیوں کے منہ یہ ہونا اور جنتیوں کے چہروں کا منور اور روشن ہونا اور اس کے علاوہ اور شکلیں جو

کہ ہم نے بیان کر دیں، اور ان چیزوں کا بیان دو مقدموں پر موقوف ہے، ایک تو ان میں سے یہ ہے کہ نفس کے درمیان یعنی جس سے انسان میں حس و حیوۃ کا ہونا، اور اس کے نکل جانے پر انسان کی موت ہے اور بدن کے درمیان بہت مضبوط امتزاج ہے خصوصیت کے ساتھ ان بنی آدم میں کہ جن کی فہم اس بات کی طرف سبقت کرتی ہے، کہ روح بدن کے لئے ایک وصف ہے اور وہی حیاۃ ہے یا روح بدن میں ایسی ہے جیسا کہ کونکے میں آگ اور اسی موکد امتزاج کی بنا پر اوصاف نفس حالت خواب میں اوصاف بدن کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ بعض حضرات عالم ناسوت میں کسی ایسی شے کی صورت کے ساتھ متشکل ہوتے ہیں، جیسا کہ عالم خیال مقید میں ان کا تمثال جیسا کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کا واقعہ اور ملائکہ کا بحیروں کے متعلق متخاممین کی شکلوں میں ظاہر ہونا ان کے بعض آدمیوں سے معاملہ کے بارے میں ارواح میں اور ان دونوں مقدموں کی تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں، کفر کا رنگ ان کی ذاتوں پر یہی روغنِ قطران کے لباس کی شکل میں ہے، اور منہ کی سیاہی کی بوجہ لعنت الہیہ کے تاثیر کرنے کے اور ایمان کا رنگ ان کے نفوس پر لباسِ سندس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور ان کے چہروں کا منور ہو جانا بسبب اللہ تعالیٰ کے ان کے ساتھ عنایت کرنے کے اور میں نے یہ چیز باعتبار روایت روحانیہ کے دیکھی، اور مبداء کے اسرار میں سے یہ ہے کہ میں نے وجود منبسط کو حق میں دو طریقہ سے متلاشی دیکھا اس کے ذات الہی کی جہت سے صادر ہونے کے طریقہ پر اور تجلی الہی کے اس میں ظاہر ہونے کے طریقہ پر پائیں طور کہ وہ تمام جامع چیزوں کا احاطہ کر لیتی ہے سو جو اس چیز کا ناطق ہے کہ وہ منبسط وہ اللہ ہے سو یہی اس کی غفلت کی نشانی ہے، لیکن نظر دقیق اس بات کا تقاضہ کرتی ہے، کہ ذات واجبہ سے ایسی شہون صادر ہوتی ہیں جو کہ مبداء اول میں ہیں اور پھر وجود منبسط صادر ہوتا ہے۔ اور وہ فعلیت اور خارج ہے، پھر خارج میں ایک شان کے بعد دوسری شان ظاہر ہوتی ہے اس ترتیب کے مطابق جو کہ اس میں پوشیدہ ہے۔

(۴۳) مشہد، یعنی ولی کو خلعتِ قطبیت کس وقت پہنایا جاتا ہے

مجھ پر کرامات کے ظاہر ہونے کے طریقہ پر عجیب اسرار ظاہر ہوئے۔، سمجھ لو کہ کرامت اس

قوت کے علاوہ جو کہ نفس ناطقہ میں ہے، اور کسی چیز سے براہِ محنت نہیں ہوتی، سو جس وقت ملا، اعلیٰ سے تیاری ہوتی ہے اور اس کی ہمت اس قوت کے ساتھ ملحق ہوتی ہے جو کہ شخص اکبر کا ارادہ کر نیوالی ہوتی ہے، تو اس قوت عازمہ کو ٹوڑ رکھتے ہوئے یہ چیز بمنزلہ استحسان کے ہو جاتی ہے، تو اس وقت صورت مطلوبہ اس مقام پر عزمِ یقینی سے بدل جاتی ہے، اولیاء کرام کی اس مقام پر دو حدیں ہیں ایک ۱۔ وہ حد ہے، کہ اس مقام پر ادنیٰ خطرہ اور ادنیٰ استحسان ہو، جو کہ قوت عازمہ کے ساتھ متصل ہے، اور دوسری ان میں سے وہ حد ہے، کہ اس مقام پر وہ ہمت تو یہ ہو جو کہ صلب نفس مستمرہ سے اوقاتِ کثیرہ میں نفس پر منہٹ ہے جو کہ اس سے متصل ہے، اور دونوں طرفوں کے درمیان بہت سے مراتب ہیں، اور اوقات اور احوال اور اسباب کیلئے خواص ہیں پھر اولیاء کی ان میں سے دو قسمیں ہیں، ایک تو ان میں سے وہ ہیں کہ ان کی ہمت نفس انکے نزدیک متمثل ہے، اور وہ آثار کو اس سے صادر ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، اور ایک ان میں سے وہ ہیں، کہ جن کی ہمت غیر متمثل ہوتی ہے، بلکہ متضمن ہوتی ہے، خاطر یا خیال یا لفظ ہیں، تو وہ اس کے لئے توجہ نہیں پاتے اور کسی وقت تدبیر حق اور ان کی رحمت کے ساتھ یہ چیز مائل ہوتی ہے، تو اس سے آثار کا صدور ہوتا ہے، اور پہلی چیز ہندو فراسان اور اس کے قرب میں بہت ہے اور دوسری چیز حجاز اور یمن اور اس کے قرب و جوار میں، بکثرت ہے پھر اولیاء کرام کیلئے اوقات ہیں، بعضے ان میں سے وہ ہیں، کہ ان کا ارادہ صرفہ استبعاد کے غیر مزاحم ہو، یا اسے اللہ تعالیٰ کی سنت کے مخالف سمجھتا ہو یا اس طور کہ وہ مقصود میں تاخیر کرنے میں بہت سربلج ہے، سو جس وقت اس کے دل میں خاطر استبعاد یا سنت اللہ کی مخالفت کا خطرہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا قلب رک جاتا ہے جیسا کہ حیاء اور شرمندگی کے آجانے پر اور یہی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا راز ہے، جو کہ آپ نے ابو رافع سے فرمایا، جس وقت آپ ﷺ نے ان سے تیسری مرتبہ دست طلب کیا تھا، انہوں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ مگر یہی دست ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا تھا، اگر تم خاموش رہتے دست کے بعد دست لا کر دیتے رہتے، اور بعضے ان میں سے وہ ہیں، کہ جن میں مخالفت استبعاد اور انکار قوم زائد نہ ہو، مگر صرف عزیمت میں شدت ہو جیسا کہ تم جنگ و جدال اور معرکوں میں دلیروں، بہادروں اور ہم عمر جنگ جو انسانوں کو دیکھتے ہو۔ پھر اولیاء کے باعتبار ابعاث داعیہ کے دو طبقے ہیں بعضے ان میں سے وہ ہیں، کہ ان

میں داعیہ حق تعالیٰ کے الہام سے منبہط ہو، اور یہ اس بنا پر کہ نظام خیر کا ارادہ اپنی ہمت میں دوائی کو پیدا کرتا ہے، اور یہ کہ اسباب متخصیہ کے لئے یہ داعیہ سادہ ہوتا ہے جیسا کہ خضر علیہ السلام کا واقعہ یا یہ داعیہ مستمرہ ہوتا ہے جیسا کہ امت عو جاء عمیاء کی اقامت کا ہمارے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ارادہ فرمانا تو یہ ارادہ مستمرہ ہے اور یقیناً قلب مقدس کے ساتھ کوئی بھی گوشہ اس کے گوشوں میں سے متصل رہے گا، تو یہ چیز افاعیل خاصہ کیلئے ارادہ ہو جائے گی اور ان اوضاع جزئیہ کیلئے جو وقت اور مقام کے مناسب ہوں، اور یہی وہ طبقہ و علیا ہے جو کہ کمال مطلق کے ساتھ خاص ہے، تو یہی چیز شرافت اور قبولیت دعاء اور نکثیر طعام و آب باعتبار متخصیات اور معدات کے اسی وقت اور اسی پر علم کے چشمہ کو قیاس کرو، جو ناموس سے جاری ہے، اور ملاء اعلیٰ میں منعقد ہے، اہل زمین کے خیر کے ارادہ سے تو وہ ہمیشہ ان کے قلب مقدس سے متصل ہے، لیکن باعتبار اوقات اوضاع، اور بہات نفس کے ان کی صورتیں مختلف ہیں چنانچہ یہ چیز کبھی تو الہام قلب کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اور کبھی فرشتہ کی شکل میں متشکل ہوتی ہے، اور کبھی افاضہ برکات رویت میں اور کبھی مقام میں اور بعض ان میں سے وہ ہوتے ہیں کہ داعیہ شغلیہ انہیں میں باعث ہوتا ہے، اور یہ مقام کمال نہیں ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ چیز جامعیت کے معنی کو پوری کرنے والی ہے، اور اسی کی جانب ان کے مشہور مقالہ میں اشارہ ہے کہ انسا العارف لا ھمت لہ، پھر جب کہ ولی قوت عازمہ کی اس حد کو پہنچتا ہے، تو اسے خلعت قطبیہ مشہد سویداء قلب میں شخص اکبر کی طرف سے پہنایا جاتا ہے تو اس وقت وہ لوگوں کی پناہ کا مقام ہو جاتا ہے، اور ان کے متفرقات کو جمع کرنے والا اور میری رائے میں تنہا ایک شخص کیلئے اس مرتبہ کا واجب ہونا ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات دو اور تین اور اس سے زائد کے ساتھ یہ چیز متصل ہو جاتی ہے، اور حضرت ان میں سے ہر ایک کیلئے ایسی ہوتی ہے، جیسا کہ وہ اس کے اندر مفرد ہے، اس کی مثال انسان کے طریقہ پر ہے، کہ ہر ایک فرد بشر انسان ہونے میں متفرد ہے، بغیر کسی مزاحمت کے اگرچہ یہ ہزاروں میں اور جس شخص نے اس سے انفراد شخصی کا گمان کیا، تو وہ اس راز کے علاوہ اشارہ کرتا ہے کہ جس کی جانب میں اشارہ کیا، اور وہ اس انفراد کے ساتھ عروج حاصل کرے جس کو میں نے بیان کیا، اور اسے اس کے غیر محمل پر محمول کیا جائے، الحمد للہ کہ ان تمام مقامات سے کہ جن کی جانب میں نے اشارہ کیا ہے مجھے چھلکتا ہوا جام پلایا گیا۔

(۴۴) مشہد آخر، شہراجمیر میں کفر کی باتوں کا رواج

میں نے اپنے کو خواب میں قائم الزمان دیکھا، میرا مقصود اس سے یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا نظام خیر سے ارادہ کرتا ہے، تو مجھے اپنی مراد کے اتمام کے لئے اعضاء کے طریقہ پر بنا دے اور میں نے دیکھا کہ کفار کا بادشاہ مسلمانوں پر غالب آ گیا، اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا، اور ان کی اولاد کو غلام بنالیا، اور شہراجمیر میں کفر کی باتوں کو رائج کر دیا، اور شعائر اسلام کو مٹا دیا، عیاذ باللہ نتیجہ یہ ہوا، کہ اللہ العالمین زمین والوں پر بہت شدید ناراض ہوا اور میں نے اس غضب کی صورت ملاء اعلیٰ میں متحمل دیکھی، تو پھر یہ غضب میرے جانب مترشح ہوا تو میں بسبب اس درگاہ سے ڈرائے جانے کے بہت غصہناک ہوا، اس بنا پر نہیں کہ وہ اس عالم کی جانب رجوع کر رہا ہے، اور میں اس وقت لوگوں کے جم غفیر میں ہوں، ان میں سے روم، ازبک اور انہیں ہی میں سے عرب ہیں، بعض ان میں سے اونٹوں پر سوار ہیں اور بعض ان میں سے گھوڑوں پر سوار ہیں، اور بعض ان میں سے پیادہ سبقت کر رہے ہیں اور میں نے جو دیکھا تو یہ میدان عرفات میں حاجیوں کے بہت مشابہ محسوس ہوئے اور میں نے دیکھا، کہ وہ سب میرے غضب ناک ہونے کی بنا پر غصہناک ہیں، اور مجھ سے دریافت کر رہے ہیں، کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے، میں نے کہا کہ ہر ایک نظام کے دور کرنے کا انہوں نے عرض کیا، کب تک میں نے جواب دیا، جب تک کہ میرے غصہ کو خنڈا کو نہ دیکھ لو، تو پھر وہ آپس میں قتال کرنے لگے اور اپنے اونٹوں کے چروں کو مارنے لگے، ان میں سے بہت سے قتل ہوئے اور بہت اونٹوں کے سر پھوٹے اور زخمی ہوئے، پھر میں ایک شہر کی طرف بڑھا، اسے ویران کرنے اور اس شہر والوں کو قتل کرنے کے لئے چنانچہ اس چیز میں بھی انہوں نے میری پیروی کی اور اسی طرح ہم ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کو خراب کرتے رہے، یہاں تک کہ اجمیر پہنچ گئے، اور ہم نے وہاں پہنچ کر کفار کا قتال کیا، اور کفار سے اس شہر کو چھوڑا یا اور کفار کے بادشاہ کو قید کیا، پھر میں نے دیکھا کہ کافروں کا بادشاہ مسلمانوں کے بادشاہ کے ساتھ ان کی جماعت میں جا رہا ہے، تو اس اثناء میں مسلمانوں کے بادشاہ نے اس کے ذبح کر دینے کا حکم دیا تو لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کو گرادی، پھر پتھری سے ذبح کر کر ڈالا، سو جس وقت میں نے خون

کو دیکھا، کہ اس کی رگوں سے فوارہ کی طرح نکل رہا ہے تو میں نے کہا کہ اس وقت رحمت نازل ہوئی ہے، رحمت اور سکینت کو دیکھا کہ مسلمانوں میں سے انہیں شامل ہوئی، کہ جنہوں نے قتال کیا، اور یہ مسلمان رحمت کے مظہر ہو گئے تو پھر میری طرف ایک آدمی کھڑا ہوا، اور مجھ سے ان مسلمانوں کے بارے میں دریافت کیا، جنہوں نے آپس میں قتال کیا ہے، سو میں جواب میں توقف کیا، اور انہیں صاف نہ بتلایا اور میں نے یہ منظر شب جمعہ اکیسویں ماہ ذی قعدہ ۱۱۴۲ھ کو دیکھا۔

(۴۵) یعنی دقائق اور ان کے اثرات

اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں، کہ حقیقت الحقائق وحدت ہے، اس میں کثرت نہیں، اور اس کے لئے تنزیلات ضرور ہیں تاکہ کثرت ظاہر ہو، اور اس کے خاص اور احکام کے مراتب متعین ہوں، اور اس وحدت کی حرکت اس کی صرافت وحدت سے آخر مراتب تک تدریجی ہے اور اس کی کوئی حد نہیں مگر نفس ظہور اس کمال وحدت کے اور اس کی حرکت لفطیہ کے لئے اس کے مراتب کثرت کے وقت جب مقدس اعلیٰ ہے، اس سے کہ جسے ایک قوم، ارادہ اختیار یہ کہتی ہے، اور دوسرے ایجاب طبعی اور یہ اول امر میں حب بسیط ہے، پھر اس کا دائرہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا بمقابلہ اتساع کثرت کے اس لئے کہ ہر مرتبہ خاصہ کیلئے ایک حب خاص ہے، جو سبب ہے اس کے ظاہر ہونے کے لئے اور وہ بساطہ اولیٰ میں تمام ان محبات سے خالی نہیں ہے، جو کہ بعد میں ظاہر ہوئیں لیکن وہ اس میں مندرج ہیں، پھر ظاہر ہوئیں اور پوشیدہ اور پھر ظاہر ہو گئیں، یہ اصول ہیں، کہ جسے ذرا سی بھی عقل ہوا سے ان میں سے کسی حالت میں بھی شبہ کرنا درست نہیں اور ہمارے لئے اس کے بعد ایک اور مشہد ہے سو ہم نے مشاہدہ کر لیا، کہ تمام مراتب کا اندماج اس بساطت میں ایک حد پر نہیں ہے، بلکہ اس مقام پر ایک حب خاص ہے، جو کہ اس حب بسیط میں مندرج ہے اور وہ بمنزلہ ظاہر بارز موجود بالفعل کی ہے، اور ایک اور حب ہے جو قوت قریبہ یا بعید یہ کے طریقہ پر ہے اور حب ظاہر اس سے ایسی حب ہے، جو کہ نشاۃ کلیہ کے اولیٰ اور بالذات ظاہر ہونے کے ساتھ متعلق ہے، اور اس مقام پر اس نشاۃ کے افراد کا تذکرہ نہیں، پھر جس وقت اس نشاۃ کے افراد کے ظاہر ہونے کا وقت آتا ہے تو ظہور افراد کا حب اپنی تفصیل کے ساتھ بارز اور ظاہر ہو جاتا ہے

اور اسی سے وہ حب ہے، جو کہ نشاۃ کے ایسے فرد کے ظاہر ہونے کیساتھ متعلق ہے جو کہ مثال میں فرد مشخص ہو، اور فرد منتشر جو کہ عالم ناسوت میں بہت سے افراد پر علی سبیل البدل شامل ہو یا اس طور کہ اس مرکز میں ایک شخص قائم ہو، اور اس کے بعد دوسرا شخص اور اسی طرح سلسلہ جاری رہے پھر جب متعلق ظہور فرد کے ساتھ اس معنی کے اعتبار سے یا تو تدبیر الہی کے ظاہر ہونے کا قصد کرے گا، جو کہ اس نشاۃ کے ساتھ متعلق ہے یا نہیں اور اسی طرح جب کہ یہ حب ظہور نشاۃ کلیہ کے ساتھ متعلق ہو اور پھر اس سے حب اس کے افراد اور اشخاص کے ظاہر ہونے کا وقت منفرس تو ہو وہ بھی یا تو ظہور تدبیر الہی کے قصد کے ساتھ منفرس ہوگی یا مقصود نہ ہوگی، مگر نفس نوع کے وجود کا کمال ہے، یہ ہم نے مشاہدہ کر لیا، اور ہم نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ نشاۃ انسان یہ نشاۃ حیوانیہ کے تابع نہیں ہے، بلکہ اس کے بالمقابل ایک حب خاص ہے، جو اول الامر میں ظاہر ہوگی، اور اسی نشاۃ حیوانیہ کی ناموسیہ کے تابع نہیں ہے، اور ہم نے مشاہدہ کیا ہے، کہ وہ حب جو کہ ظہور فرد کیساتھ متعلق ہو، جبکہ وہ اول الامر میں ہو تو یہی مراد تمام نشاۃ الہیہ اور کونیہ کے لئے فرد جامع ہوتی ہے پھر اگر اس تدبیر نشاۃ کا قصد کیا جائے، تو یہی فرد نبی ہے، جیسا کہ حقیقت نبویہ جو کہ عالم مثال میں متمثل ہے، اور وہی نبی بالاصالت ہے، اور برابر عالم ناسوت میں ایک مثال کے بعد دوسری مثال ظاہر ہوتی رہتی ہے، حتیٰ کہ ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پائے گئے تو ان کی وجہ سے اس مرتبہ کے احکام پورے ہو گئے اور اگر اس سے تدبیر نشاۃ مقصود نہیں ہوتی بلکہ نفس تحقق اس وجہ کا کمال سے مقصود ہوتا ہے۔ تو وہ ایسا فرد ہوتا ہے، جو کہ نبی نہیں ہے اور جس وقت حب نشاۃ کلیہ کے ساتھ متعلق ہو، اور پھر جب اس کے افراد کے ظاہر ہونے کا وقت آئے، تو حب دوسری مرتبہ ظہور فرد کے ساتھ متعلق ہو جائے پھر اگر اس کے ذریعہ سے اس وقت تدبیر نشاۃ کا قصد کیا جائے تو وہ انبیاء میں سے ایک نبی ہے، اور وہ فرد جامع نہیں ہے، اور اگر اس وقت اس کے ذریعہ سے یہ قصد نہ کیا جائے بلکہ محض ان کمالات کے ظاہر ہونے کا خیال ہو کہ جن میں قوی الہیہ، قوی کونیہ پر غالب ہوں، تو وہ ولی فانی اور باقی ہے، اور بسا اوقات حب اول امر میں متعلق نہیں ہوتی اور نہ ظہور افراد کے وقت نشاۃ کلیہ کیلئے ظہور افراد کے ساتھ بلکہ ظہور افراد کے ساتھ بلکہ ظہور افراد کے وقت عالم ناسوت میں متعلق ہوتی ہے، اور اس وقت اگر اس کے ذریعہ سے تدبیر ملت کا قصد کیا جائے، تو وہ وارث الانبیاء ہیں، یا

اس کے علاوہ اور کسی چیز کا تو وارث ملا، اعلیٰ ہیں، یا قصد نہ کیا جائے، مگر صرف اس کا راشد ہونا تو وہ وارث الا اولیاء ہے یہ بہت باریک معرفت ہے، مضبوطی کیساتھ اسے محفوظ کر لو، پھر اس کے بعد یہ بات سمجھو کہ فرد کے لئے احکام ہیں، کہ جو ان کے بغیر نہیں پائے جاتے، بعض ان میں سے وہ ہیں کہ ان کے لئے اول ہی سے جب سے نقطہ صبیہ سے سفر شروع کیا، کوئی قیام گاہ نہیں تا وقتیکہ وہ اس شے کی طرف عود نہ کرے کہ جس کے لئے سفر کیا اور ہر نشأۃ کیلئے ایک پناہ گاہ ہے اور اس کے درمیان سیرتیر کی رفتار سے زیادہ تیز ہے، جس وقت کہ اسے کمان سے پھینکا جائے، حتیٰ کہ اپنے نشانہ پر پہنچ جائے، تو وہ نشأۃ کی کسی بھی گندگی اور نجاست سے آلودہ نہیں ہوتا، بخلاف اس کے غیر کے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ہو کہ نشأۃ متاخرہ نشأۃ متقدمہ سے مدد حاصل کرے از روئے ضرورت کے بعض ان میں سے وہ ہیں کہ انہیں محبت ذاتیہ حاصل ہوئی ہے اور اس کی حقیقت نقطہ صبیہ ہے جو کہ اس شے کی جانب عود کرنیوالی ہے کہ جس سے سیر باعتبار علم کے یا حال کے اور نشأت کے حاصل ہوتی ہے اور اس کے غیر کے لئے اس قسم میں کوئی حصہ نہیں ہے اور انہیں امور میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ سب حقیقی انتقال فرد کیلئے ایک نشأۃ سے دوسری نشأۃ کی طرف نہیں ہوتا، مگر محبت ذاتیہ کیلئے ایسا ہوتا ہے، چنانچہ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فرد جس وقت مستودع میں وارد کرتا ہے، تو ضروری ہے، کہ کسی زمانہ کی طرف التفات کرے اس نشأت کے احکام سے تاکہ اعلیٰ بلندی کو واصل ہو جائے اور اس کے غارب پر ٹھہرا رہے، اور اس سے وہ باتیں ظاہر ہوں، جو کسی اور سے ظاہر نہیں ہوتیں، پھر اس کے بعد یہ چیز ضروری ہے، کہ وہ نشأۃ اسے اپنے میں سے نکال دے۔ جیسا کہ بچہ اپنے ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور اس سے بچپن کا نشأۃ دور ہو جاتا ہے، سو جس وقت دور ہونے کا وقت آتا ہے، تو نقطہ صبیہ اس میں یاد آ جاتا ہے جو کہ مقرر عزت اور جیز بساطت ہے، اور بہت شدت کے ساتھ مشتاق ہو جاتا ہے، تو اس کا جوش اس کی ذات کے لئے یہی محبت ذاتیہ ہے، اور اس کی خاصیتوں میں سے یہ ہے کہ اس کی نشأت کی رگیں منقطع ہو جائیں اور وہ مر جائے اور اس کی روح اس کے جسم کثیف خالی سے رہا ہو جائے اس جس وقت اس کی روح کا نمہ ہوائیہ سے منفلک ہونے کا وقت آتا ہے، تو اس کی جانب ذہ محبت کی شدت اور بے تعلقی عود کرتی ہے اور جب اس کی روح کے داخل ہونے کا وقت ہو تب بھی اس کی جانب عود کرے، اور اسی طرح سلسلہ باقی

رہے، تاوقتیکہ نقطہ اپنے حیز اور موضع بساطت کو نہ پہنچ جائے، اور اپنی قرار گاہ عزت کو لیکن نہایت میں نشاۃ جسد یہ کے ٹھہرنا، سو یہ چیز انبیاء میں تو ظاہر ہے اور ان کے علاوہ اور حضرات میں وراثت انبیاء کے مراتب کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ مجددیت اور قطبیت اور ان کے آثار اور احکام کا ظاہر ہونا اور ہر علم اور حالت کی حقیقت تک پہنچنا اور واعضون کے درمیان جمع ہر مقام پر ہر ایک انسان کے لئے حاصل ہے، جس وقت سے خلقت پیدا ہوئی ہے اور اس سے رقائق کا ظاہر ہونا، اور ہر رقیقہ کے لئے اس کے مناسبات میں سے متعین کرنا، اور ہر رقیقہ کے آثار کا اس طریقہ پر آنا کہ کوئی شان اس میں کسی شان سے مشغول کرنے والی نہیں، اور نشاۃ نسیم کی بلندی پر ٹھہرنا، سو اس سے یہ ہے، کہ یہ معد ہوتی ہے، ان علوم نسیم نے وصول کی طرف جو کہ مقید ہیں، اپنے اجساد کے ساتھ تدلی اعظم کی طرف کہ جس سے طبیعت کلیہ پر ہے، اور یہ کہ جارح ہو جائے افاضہ ضرور خارجہ اور وقائع کونیہ میں اور اگر حق بات معلوم کرنا چاہتے ہو تو فرد کے لئے حال اور مقام اور منصب کچھ بھی نہیں، ہر ایک چیز لسان رقیقہ اور حال تدلی پر ہے، لیکن تمام عالم کو حال اور منصب نہیں، پوشیدہ کر سکتا ہے، احوال اور مناصب تو سب اس میں ہے تو اس وجہ سے مناسب ہے کہ محمول کیا جائے افراد میں سے ہر ایک کے کلام کو ان چیزوں کے ساتھ جو کہ مشعر ہوں اس کے قیام سے تدبیرات عالیہ اور مناصب مشاعرہ میں سے اور ہم اس کے جامع کلام اور ملاک امر سے تجھے آگاہ کرتے ہیں، اگر تو سمجھ دار ہے اور اس میں دس رقائق بارزہ ظاہرہ ہیں، اور ہر ایک رقیقہ کیلئے حکم اور اثر خاص ہے، کہ ضروری ہے کہ وہ آثار اس سے ظاہر ہوں اور اس کے لئے یہ بات درست نہیں، کہ وہ اپنے نفس کو اس سے روکے اس لئے وہ وہ ایسی جہلت ہے کہ اس پر رقیقہ قریریہ ظاہر ہوئی ہے، جو کہ مقابل ہے، علوم کسبیہ کے علم حدیث اور برکات طریق سے اور جو مشائخ صوفیہ کی طرف منسوب ہے اور ایک رقیق عطار دیہ ہے، کہ جو ان علوم کسبیہ کے مقابل ہے کہ جن سے تصانیف اور ہر علم میں رائے خاص ہے کہ اس کی نظر اس تک پہنچی، خواہ کوئی علم ہو، معقول ہو یا مقول اور ایک رقیقہ زہریہ ہے جو کہ جمال اور محبت کے مقابل ہے کہ وہ ہر ایک کو دوست رکھتا ہے اور ہر ایک اسے دوست رکھتا ہے اس حیثیت سے کہ دونوں کو معلوم نہیں، اور ایک رقیقہ شمس ہے کہ جس کے مقابل غلبہ اور ظہور ہے تمام چیزوں پر باعتبار معنی اور استحقاق کے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو حکم و حدانی

کے ماتحت جمع کرنے کے لئے اور ایک رقیقہ مرتبہ یہ ہے، کہ اس کے ہر کمال کے تاصل شدت اور رسوخ مقابل ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو ہر ایک چیز بیکار اور بناوٹ کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہے، اور ایک رقیقہ مشق یہ ہے کہ جس کے مقابل قطیب، امانت اور ہدایت ہے اور اس میں لوگوں کا مرجع ہونا کہ جس میں انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں، اور ایک رقیقہ زحلیہ ہے کہ جس کے مقابل بر رقیقہ کی بقاء اور تاصل ہے اور اس کا درازی زمانہ تک نافذ ہونا ہے اور نیز طبیعت کلیہ کی جانب تخرج ہے اور ایک رقیقہ ملاء اعلیٰ کی جانب سے ہے، اس کے مقابل وہ ہمت تام ہے جو کہ ان سے ملی ہوئی چیزوں کا احاطہ کرنے والی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کا قالب ہے اور اس کی عصمت ہے، اور ایک رقیقہ ملاء سافل کی طرف سے کہ جس کے مقابل وہ نور ہے کہ جو اس کے ہاتھوں اور پیروں اور اس کی آنکھوں میں اور تمام اس کے اعضاء میں داخل ہے اور ایک تدلی الہی کا رقیقہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی جانب تدلی ہے، اس سے دو شعبے منشعب ہوتے ہیں، شعبہ نور نبوت اور شعبہ ولایت اور اس کے بعد نفس بالکل نفس قدسیہ پیدا ہوتا ہے، کہ پھر اسے کوئی شان کسی شان سے نہیں روکتی، اور اس پر احوال میں سے کوئی حال بھی نہیں آتا، نقطیہ کلیہ کے تخرج کی جانب مگر وہ اس سے اسوقت باخبر ہے اور آنیوالی شے انجمال کی تفصیل اور شرح افھظہ کی اور اس کے دورہ کے ساتھ اور فرد سے کرامات کا صدور اس طرح نہیں ہے، جیسا کہ غیر سے اس کا صدور ہے، اس لئے اس کے غیر سے آثار اور خوارق اس حالت کے غلبہ سے صادر ہوتے ہیں، جو کہ اس میں ہے، جسوقت کہ وہ حالت اس کے طبقات وجود پر حکم کرتی ہے اور مسلط ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ مددہ اور کوئی نہیں ہوتی، لیکن فرد کا ہر ایک جزء اپنی روشن صورت پر مستقل ہے اور یہ بات اس لئے ہے، کہ تم جان چکے ہو کہ اس میں رقائق کلیہ حلیہ آئے ہیں اور وہ اسماء الہیہ کی جانب سے آئے ہیں، اور وہ رقائق ہیں، جو کہ نفوس افلاک اور ان کی طبائع کی جانب سے آئے ہیں، اور وہ رقائق ہیں کہ عناصر کی جانب سے آئے ہیں، اور وہ رقائق ہیں جو طرح طرح کے کمالات سے آئے ہیں، کہ جو ان سے حاصل ہیں، تو ایک جزء دوسرے جزء پر کبھی بھی غلبہ نہیں کرتا، اور نہ ہیبت اپنے اقتضاء سے ملکیت کے تسلط کی بنا پر کبھی معزول ہوتی ہے اور نہ ملکیت اپنے اقتضاء سے کبھی بھی ہیبت کے اس پر تسلط کر جائیگی وجہ سے معزول ہوتی ہے، اور کبھی کسی کمال کی وجہ تخرج نہیں ہوتا، اس طریقہ پر کہ دوسروں

کا کمال اس پر اثر کر جائے، بلکہ اس کے نزدیک ہر ایک شے اپنی مقدار پر ہے، تو اس سے جو خارق عادت ظاہر ہو، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو ان میں سے یہ ہے، کہ مدبر حق نے اپنے بندوں کو ربیوی یا اخروی نفع پہنچانے کا ارادہ کیا ہے یا اسی طرح ان سے تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہے، یا ان کے فعال پر انہیں عذات دینا چاہتا ہے تو اس فرد کے ہاتھوں پر جاری ہو جاتا ہے، اور خوارق اس کی طرف سے منسوب کرتا ہے، دراصل ایک باعتبار حقیقت کے وہ غسل کے ہاتھوں میں میت کے طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، اور دوسری وجہ سے کہ وہ فرد اپنی عقل حکمت اور فراست کی طرف رجوع کرنے، پھر جب کہ کوئی ایسی شے دیکھتا ہے کہ جس میں اس کا نفع یا اس سے غیر کا نفع ہوتا ہے، اس کے رقائق میں سے کوئی رقیقہ اس کی جانب بٹھ کر رہتا ہے، ان چیزوں میں سے جو کہ اس شے کی مناسب ہیں، تو لوگوں میں خارق عادات ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً وہ ارادہ کرے کہ آنے والے وقائع کے متعلق لوگوں کو خبر دے تو رقائق میں سے ایک رقیقہ بٹھ کر رہتا ہے، اور وہ قمریہ ہے تو وہ علم سے ملاتی ہو، اور ان کی طرف اس نے وہ علم پہنچایا ہے یا کسی قوم کی تسخیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے رقائق میں سے ایک رقیقہ بٹھ کر رہتا ہے اور وہ شمشیر ہوتا ہے، چنانچہ تسخیر ہو جاتی ہے اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے اور دنیاوی زندگی میں فرد کے خواص میں سے یہ چیز ہے، کہ وہ اس بات کی تیاری کرے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہے، تمام اخلاق اور تمام طبع کے ساتھ اور یہ اس وجہ سے کہ انسان مجرئی عادت میں ایسے داعیہ کی وجہ سے افعال شجاعت کرتا ہے جو کہ نفع حاصل کرنے یا دنیاوی ضرر کے دفع کرنے کا باعث ہو، تو جس وقت بندہ فرد ہوتا ہے تو حق کے احکاموں میں سے ملاء اعلىٰ میں حکم نافذ ہوتا ہے تو اس سے نفس کی طرف اثر مترشح ہوتا ہے، اور داعیہ معبض ہوتا ہے اور کوئی خلق اس کے اخلاق میں سے اس کی خدمت کرتی ہے، تو افعال جاری ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزوں میں اپنی مراد سے فانی ہے، مراد حق کے ساتھ باقی ہے، سو یہی معنی ہیں اس کے اخلاق کے ساتھ اس کی عبادت کے اور انسان کے لئے طبیعتیں ہیں، اور ہر ایک طبیعت کے لئے فنا اور بقا ہے اور ایک کمال ہے، جو اسے اس کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہے، اور افعال سے جاری ہوتے ہیں، اس کو حق میں فنا کرنے کے ساتھ اور تجلیات معنویہ ہیں جو کہ حاصل ہیں، کمال کی طبیعت بشریہ سے ترکیب کے ساتھ باعتبار اس کو کعب کے جیسا کہ

طبیعت زہریہ باعتبار نسیم کے اس بات کے لئے متقاضی ہے کہ ہر حس جمال کے ساتھ لذت اٹھائے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص کر دیا ہے اور ہر لذت اور خوشی میں اللہ تعالیٰ کی تابعداری دیکھے اور اس کے سامنے انقیاد کا اظہار کرے تو سب حواس اس کی لذتوں کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور وہ اشیاء کہ جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے، سب کی سب اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے گویا ان میں اس سے ایک عجیب حالت حاصل ہوتی ہے، کہ جس میں وہ مستغرق ہو جاتا ہے، اور کچھ دیر کے لئے غشی میں آ جاتا ہے، اور اس پر ہر ایک طبیعت کو قیاس کر لینا چاہئے، اور اگر تو حق چیز کا طالب ہے، تو اس کی عبادت اپنے پروردگار کے لئے اس کے حق میں باعتبار متصفائے طبیعت کے اس سے اس کا جاری ہونا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے اور جس وقت کسی فعل پر تسمیہ آتی ہے تو اس کا سبب اس کی اس امر میں کہ جو لباس اللہ تعالیٰ نے اسے پہنایا ہے، مخالفت کرتا ہے، اور اس فرد کے خواص میں سے برزخ میں یہ ہے، کہ جس وقت اس بدن سے منتقل ہوتا ہے، اور طبیعت عامہ کی طرف ہیمنان کرتا ہے، جو کہ ہر موجود کو عام ہے، جیسا کہ نفس ناطقہ کا اس کے بدن کی طرف ہیمنان کرتا ہے، مگر نفس ناطقہ کا ہیمنان، ہیمنان تدبیر ہے، اور اس کا ہیمنان، ہیمنان عشق ہے تو اس وقت تمام اجزاء عالم میں وہ اپنی ہمت کے ساتھ سرایت کر جاتا ہے، بایں طور کہ وہ حجر میں حجر شجر میں شجر اور فلک میں فلک اور ملک میں ملک ہے، اسے ایک طور دوسرے طور سے ہیئت طبیعیہ مطلقہ کے طریقہ پر نہیں روکتا ہے، اور اس وقت بسا اوقات اس فرد سے آثار عجیبہ اور احکام غریبہ صادر ہوتے ہیں، سو بعض ان میں سے یہ ہیں، کہ باعتبار علم حضوری کے یہ جاننا کہ یہ طبیعت اولیٰ کو قائم رکھے۔ بلکہ جیسا کہ نفس جاننا ہے کہ وہ قائم ہے، اور وہ قائم نہیں مگر جسد قائم ہے، اور اس علم سے یہ بات نہیں جانتا، کہ وہ فلاں بن فلاں ہے، بلکہ بسا اوقات علم حصولی سے یہ بات جاننا ہے کہ جیسا کہ وہ جاننا ہے کہ فلاں اجنبی بن فلاں ہے، اور انہیں امور میں سے یہ بھی ہے کہ یہ حقیقت بسا اوقات بعض تدبیر کلیہ کے لئے معد ہوتی ہے، کہ بعض مواطن میں ظہور کرتی ہے اور افاضہ برکات کا سبب ہوتی ہے شعر، یعنی اس کے بعد اس کی صفیں ظاہر نہیں کی جاتی اور میرے نزدیک اس کا چھپانا بہت خوب اور اچھا ہے۔

تحقیق (سید عبدالسلام بن بشیش کے قول کی تشریح)

یعنی سید عبدالسلام بن بشیش کا قول باعتبار شرب قوم کے وہ یہ کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْحِجَابَ جِسَاءَ رُوحِي وَرُوحَهُ سِرَّ حَقِيقَتِي وَحَقِيقَتَهُ جَامِعَ غَوَالِمِي بِتَحْقِيقِ الْحَقِّ الْاَوَّلِ۔
 انتہی، حجاب اعظم سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، جیسا کہ اس پر قدس اللہ سرہ کا قول سابق والا ہے، وَاجْبَابُكَ اَلْاَعْظَمُ الْقَائِمُ بَيْنَ يَدَيْكَ، اور ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حجاب اعظم کے ساتھ تعبیر کیا گیا، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اول مخلوقات اور اعظم میں سے ہے جیسا کہ قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے متعلق بیان کیا ہے، کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي، (سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا) اور اسی سے تعلق منشعب ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اللہ تعالیٰ اور حقیقتوں کے درمیان واسطہ ہے اور روح مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہے اس لئے کہ انبیاء کرام کی ارواح نے علوم اور معارف بواسطہ روح اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخذ کئے ہیں، سو جیسا کہ نبی اپنی قوم میں ترجمان حق ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اپنی قوم کے درمیان واسطہ ہے، سو اسی طرح روح اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارواح میں ترجمان حق ہے اور اللہ تعالیٰ اور تمام روحوں کے درمیان واسطہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ لِّحُجَّتِہَا پھر کیا ہوگا، جب کہ ہم ہر امت کے گواہوں کو بلائیں گے اور اے پیغمبر! تم کو بھی ان پر گواہی کے لئے بلائیں گے، اشارہ اس معنی کی جانب ہے بنا بریں کہ لفظ هُوَ لاء کا اشارہ شہداء کی طرف ہے، اور ان کی صورت ناسوت میں ظاہر ہے کہ جن سے معجزات کا ظہور ہوا اور اس کی زبان پر معارف اور احکام کا بیان ہوا، مخلوق اور حق کے واسطہ کی بنا پر اور یہ سب ہے مخلوق کے قرب کا حق سے اور ظاہر ہوا، اس سے جو ہم نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین عالم کلیہ ہیں، اور تین اصناف ہیں، توسط میں سے باعتبار ان نشاۃ کے، تو اول ان میں سے وہ مرتبہ ہے، کہ جسے جماعت اور قوم حقیقت محمدیہ کہتی ہے اور یہ احکام اسماء کلیہ کے لئے خارج میں تعین کلی ہے، اور دوسرا ان کے نزدیک روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مرتب ہے، اور تعین مجازی حقیقت محمدیہ کے لئے انسان کلی کے اپنے مظاہر اور تقیدات کے

انفسار کے وقت اور تیسرا ان میں سے نفاۃ ناسوتیہ ہے، جس سے خلقت میں کسی کی طرف نبی ہونے کے بعد کمالات ظاہریہ متعلق ہیں بعد اس کے کہ عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی، مگر اہ امت کو اہ پر لانے، اندھوں کی آنکھیں کھولنے، گونگوں کو کان عطا کرنے اور دلوں کو ہدایت بخشنے کی واسطے تاکہ وہ وحدانیت الہی پر گواہی دیں اور تہذیب پائیں اور اللہ تعالیٰ کے ان احکاموں کو جانیں جو افعال مکلفین کے ساتھ متعلق ہیں، اور اس کے علاوہ اور معارف جلیلہ ہیں، اور اکمل الاولیاء وہ شخص ہے، جو کہ ان تینوں نشاۃ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہے لیکن حقائق جزئیہ جو مستعد ہیں، کمالات محبت اور محبوبیت کو اور جو ان کے مناسب ہیں، انہیں متعین ہوتیں، مگر انسان کلی کے اس کے مقابل میں چیز اختیار کرنے کے بعد سو پہلی تعین اس کی خارج میں مشابہ اور ہم جنس ہے اس تعین رومی کے جو کہ حقائق کلی سے ہے، لہذا حقیقت محمدیہ سے مدد حاصل نہیں ہوتی، جو کہ حقائق جزئیہ کی طرف واصل ہیں مگر اس کے تعین کے وقت اور جامعیت کے حقیقت محمدیہ کی میراث ہونے کے بعد اور انعقاد استعدادات اس مقام پر باعتبار وراثت روح محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے سو مرتبہ عطا یا کا ایک ہوا، اور اسرار ان کے وجود کی متعدد جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو ہم کہتے ہیں، کہ شیخ قدس اللہ سرہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے آہ و زاری کرتا ہے، بزبان اپنی استعداد کے اللہ تعالیٰ اسے سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں میں سے باعتبار نشاۃ ثانیہ کر دے اور ان کے ان کے کمالات مختصہ کے ساتھ جو ہر ایک میں ہیں، پس تعبیر کیا اپنے سوال میراث کو اس کے کمال ناسوتیہ سے اور اپنے اس قول کے ساتھ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ الْجَنَابَ الْاَعْظَمَ خِيَرَةً رُوحی مراد اس سے وہ روح ہے، جو بدن میں پھونگی گئی ہے، جو بدن کی مدبر ہے، جس اور حرکت کا ارادہ کرنے والی ہے، اور وہی افراد جزئیہ میں جو مستعد ہیں، ان کمالات جزئیہ کے لئے بن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، بمقابل صورت ناسوتیہ کے افراد کلیہ میں جو کہ مستعد ہیں کمالات جزئیہ کیلئے اور کچھ مخفی نہیں، حسن تشبیہ اس مدد کے ساتھ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واصل ہے، اس مستفید کی روح کی طرف اس حیات کے ساتھ ایسی حیات جو کہ کمال اول ہے اس روح کے لئے، اور تعبیر کیا، اس نے اپنے سوال سے میراث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمالات روحیہ سے اپنے قول کے ساتھ کہ وَرُوحَهُ صِرَ حَقِيقِي اور یہ اس لئے کہ حقائق

جز یہ تعین ارواح کلیہ کے مقام سے ظہور کرتی ہیں، اور یہ چیز مخفی نہیں، کہ وہ شے ایسی تعبیر کی مدد سے ہے، کہ واصل ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مستفید کی حقیقت کی طرف اس سر کی بنا پر کہ جس سے خفا، سمجھی جاتی ہے، اور مصدریت آثار اور کمال کے لئے اور تعین استعدادات ہمیشہ کے لئے ایک ہی طریقہ پر مستمر ہے، حسن اور براعت سے اور تعبیر کیا، اس سے اس کا سوال اور میراث باعتبار ان کمالات کہ جن کا حقیقت محمدیہ نے وارث بنایا ہے، اگرچہ وہ ظاہر نہ ہوں اس مرتبہ کے علاوہ جو کہ ان کا قول ہے، کہ **وَ خَفِیْقَتُهُ جَامِعٌ غَوَّالِمِی**، اور یہ اس وجہ سے کہ اکملیت اس طریقہ پر بہت سے رقائق کے ظاہر ہونے کے لئے متلازم ہے، نشاۃ خارجہ کے مقابلہ میں اس لئے کہ برر قیقہ اجمال نشاۃ ہے اور ان کے احوال کے لئے معرفت ہے، سو وہ مدد جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واصل ہے، اس مرتبہ میں حقیقت مستفید کی طرف، تو اس کی صورت جمع عوالم ہے، اس معنی کے اعتبار سے اجعل ذالک بت تحقیق اور تحقیق کسی چیز کا خارج میں متحقق کرنا ہے اور مقصود اس سے فیض مقدس ہے اور مخفی نہیں جو کچھ بھی وضع مظہر سے مکان مضر میں ہے جو کہ اس بات کے لئے مشعر ہے، کہ تحقیق صادر ہے، اس کے حق ہونے کے اعتبار سے جو کہ متحقق بذاتہ اور متحقق لغیرہ ہے، اور اول الاشیاء ہے اس لئے کہ وہ وجود موجودات اور ماہیت الماہیات ہے۔

تحقیق (کاملین کیلئے ذات کی طرف وصول بالفعل ثابت ہے)

عارف کیے ذات اسماء اور تجلیات تک پہنچنا برابر ہے، جو کچھ بھی ہم نے کہا، کہ وصول الی الذات اس کا علم ہے خواہ اس کا اور اک ہو یا نہ ہو، اور جو ہمارے بیان کے خلاف اس مسئلہ میں محققین کے کلام سے وہم ہوتا ہے، تو اس کے معنی نفی علم اور احاطہ میں نفس وصول نہیں ہیں، اور اس کی تفصیل یہ ہے سا لک جس وقت حقیقت کی طرف وصول کرتا ہے، کہ جسے انا کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، اور وہ حقیقت اپنے ماسواء سے مجرد کر دیتی ہے، تو اس سے التفات واقع ہوتا ہے، تحقیق و تقرر اور وجود کی طرف اور ان تمام چیزوں کی اصلیت وجود مطلق ہے، اور اس کے لئے بہت سے تنزلات اور بکثرت ملا بس ہیں، سو اس التفات کے ضمن میں پہچان لیتا ہے، ہر ایک تنزل اور لبر

اس منزل اور بس کے حاسہ کو تو مثال کا ادراک مثال کے علاوہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور نہ روح کا بغیر روح کے اور اسی طرح رجوع کرتا ہے، صعود کرتا ہوا، حتیٰ کہ ادراک کر لیتا ہے اس حقیقت کا کہ اس حقیقت کے بعد اور کوئی حقیقت بعینہا نہیں ہے، پس اس مقام پر وصول ہے، اور انا کے علاوہ اور کوئی علم نہیں اور نہ انا علاوہ اور کوئی ادراک ہے، اور شیخ عارف عقیف الدین تلسائی کا کیا خوب قول ہے، جو اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، شعران کو چھوڑو جو محبوبہ سے مراد حاصل ہونے کے منکر ہیں، کہ وہ شق ہو جائیں، کیونکہ ان کے دلوں کا شق ہونا، اس چیز کو ثابت کر دے گا، اس کو کیا ہے، جو محبوبہ کے رخسار کا خال ہو گیا، اس کا باپ غیرت کرے یا ہمسایہ آگاہ ہو جائے، پس کاملوں کے لئے ذات کی طرف وصول بالفعل متحقق ہے، اور اسی طرح اصول اسماء اور تجلیات کیلئے فناء بقا اور متحقق ہے، ان کے لئے اس امر میں حالت منتظر و تاجا نہ نہیں، ہاں اس کے نشاۃ میں سے ہر ایک نشاۃ کے لئے احکام خاصہ ہیں، کہ استعمال کرتا رہتا ہے، ان میں سے انسان ایک کے بعد دوسرے کا گویا کہ اس نے دونوں وصولوں میں اس کا اجمالاً احاطہ کر لیا ہے، اور تفصیل کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہیں، سو اس معنی سے کاملوں کی ترقیات غیر متناہی ہیں۔

تحقیق (اللہ تعالیٰ کو علم اشیاء اجمالاً و تفصیلاً حاصل ہے)

جاننا چاہئے کہ اللہ جل مجدہ کو دو وجہوں سے علم اشیاء حاصل ہے، ایک تو ان میں سے اجمالی ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ جب اس نے اپنی ذات کو جاننا، تو نظام وجود کے لئے ذات کے اقتضاء کو جاننا اس لئے کہ علت تامہ کا علم معلول کے علم کے لئے کافی ہے، اور یہ تمام چیزیں اس مقام پر وجود الہی کے ساتھ موجود ہیں، نہ وجود امکانی کے ساتھ اس لئے کہ ہر ایک شئی واجبہ کے تحقق کے ساتھ متحقق ہوتی ہے، اور ایجاد و الواجب کے ساتھ پائی جاتی ہے، لہذا ہر ایک شے کے مقابلہ میں کمال واجب اور اقتضاء ہے اور یہ کمالات ان اشیاء کے صادر ہونے کے لئے مبداء اور ان کے حقائق کی کنہ ہیں تو ہر ایک کمال کسی شے کا مخصوص مقتضی ہے اور ہر ایک شے کمال کی مخصوص محتاج ہے، گویا کہ یہ کمالات اور اشیاء امر واحد ہیں، مگر یہ لوازم واجب میں سے ہیں اور اعتبارات ذاتیہ بمنزلہ علم کے ہیں، اور قدرت اور حیات کے اور یہ تمام معلولات اس سے صادر ہیں اور دوسری وجہ

تفصیلی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ ہر ایک موجود معلول واجب ہے اور جو معلول نہ ہو سکے، اس کے لئے تحقق ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان معلولات کی ایسی حاجت نہیں ہے، جیسا کہ مکان بنانے والے کو مکان کی حاجت بلکہ حاجت معلومات کی اور اصل تقرر اور جوہر اور تحقق اور تقویم کی مستمرہ ہے، جب تک کہ موجود ہیں اور ایجاد واجب کا ہے ان کے لئے اور ان کی تحقیق کرنا وہی ان کے وجود اور تحقق کی کنہ ہے، اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، اور منشأ امتیاز ماہیات کا کہ بعض کو بعض سے امتیاز حاصل ہے، بعض اقسام ایجاد کا اور تحقیق اور تقویم کا بعض سے سو یہ ارتباط بہت زیادہ قوی ہے، صورت کے ارتباط سے اپنے محل کے ساتھ جو کہ حضور اشیاء کا اپنے فاعل کے لئے تقاضہ کرتی ہیں، تو اولاً اللہ تعالیٰ ان اشیاء کو ان اشیاء کے ساتھ جانتا ہے، ان کی صورت مترسہ فی الوجود ہے اور یہ علم واجب کا ہے اور ان کے ساتھ ان کیلئے وجود امکانی بھی برابر ہے مادیات اور بحروات میں پس حق بات یہ ہے کہ کوئی حاجت نہیں جو ہر عقلیہ کے لانے میں کہ مرتسم ہیں، ان میں اشیاء کی صورتیں مگر ان مفروضات میں جو تحقق نہیں ہوتے، مگر فرض کرنیوالے کے عندیہ میں جیسا کہ دیو کے دانت لہذا اس کلام میں کماھہ غور کرو۔

(۴۶) مشہد آخر

ہندوستان میں مذہب حنفی کی ضرورت اور اسکی حقانیت

ملتیں اور مذاہب حقیقت کے ساتھ موصوف کی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے ملت حقہ ہے اور مذہب حق ہے۔ اور ناظران دونوں میں سے ایک وصف میں نظر کرتا ہے، بایں طور کہ یہ اس واقعہ کے مطابق ہے، سو ہم نے اس واقعہ کی حقیقت کے متعلق تامل کیا، کہ اگر اس کے موافق کوئی شے ہو، تو حق ہو جائے ورنہ باطل تو ہم نے دو معنی پائے ان میں سے جلی اور دوسرے دقیق کہ بعد میں ان کا علم ہو سکے سو جلی اور ظاہر تو یہ ہے کہ اگر ہو، ہر ایک مسئلہ اعتقادات میں سے مطابق اس شے کے کہ جس پر خارج میں اعتقاد کرنے والا ہے، مثلاً اس بات کا حکم کیا جائے، کہ اللہ تعالیٰ خلق اور غصہ کا اظہار کرتا ہے، اور امر اسی طرح ہو، اور یہ کہ حشر جسمانی ہونے والا ہے اور وہ بھی اسی طرح ہو، اور ہر وہ مسئلہ کہ جس میں کسی وجوب اور حرمت کا حکم دیا جائے، کہ وہ مطابق ہو اس شے کے کہ

جس پر امر ملاء اعلیٰ منعقد ہے، مثلاً یہ حکم دیا جائے، کہ نماز واجب ہے اور ملاء اعلیٰ میں نازل مثالی ہو، اس کی ادائے مضمون کی تحسین کے لئے کہ جو شخص اس کے ساتھ مجلس کرے، اور اس کا انسان کی ترقی کے لئے مستلزم ہونا، جو کہ اس کے نسب کے دامن کے ساتھ دنیا اور آخرت میں وابستہ ہے، اور تکفیر بیعت ظلمانیہ کے نسب سے وہ بیعت ظلمانیہ جو کہ احکام بھیہ میں استغراق سے حاصل ہوئی ہے، جیسا کہ زنجبیل کا کھانا تسخین بدن کے لئے مستلزم ہے اور انسان سے بردت کے دور کرنے کے لئے تو یہ نازل اس مقام پر حکم کا اپنے وجوب کے ساتھ مطابق ہے اور ہر وہ مسئلہ کہ جس میں توقيت یا تحدید ہے، وہ قواعد ملت کے مطابق ہے، جیسا کہ توقيت صلوٰۃ پانچویں وقتوں کے ساتھ اور تحدید زکوٰۃ دو سو درہم اور حولان حول کے ساتھ اور اس حیثیت سے ہو، کہ اصل اور اشباح کے درمیان وجود تشبیہی ثابت ہو، مدارک ملاء اعلیٰ میں تو یہ وہی ہے، اور وہ یہی ہے اس اعتبار سے تو جب ملت اسی طرح ہو تو کہا جائے گا، کہ یہ ملت جھڑ ہے، اور یہی معنی حقیقت مذہب کے ہیں، کہ اس کے احکام مطابق ہوں، ان اشیاء کے جو نفس الامر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں اور مطابق ہوں اس کے کہ جس پر وہ قرون کا رہند ہیں کہ جن کے لئے خیر کی شہادت دی جا چکی، اور اگر مسئلہ سے متعلق کوئی نص اور کوئی روایت نہ ہو، تو اس کی حقیقت ایسے قرآن کی محتاج ہے، جو کہ غائب ظن کے لئے سورث ہوں، ہاں طور کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس مسئلہ میں کلام فرماتے تو اس قول کے علاوہ اور کچھ نہ فرماتے، اور یہ کہ وجہ استخراج اور استنباط کی ظاہر ہو، کہ اس میں وہ شخص شبہ نہ کرے جو کہ اسالیب کلام کا محیط ہو، اور ایسے ہی مقاصد شارع کا شرعی احکام میں تو یہی معنی ہیں حقیقت مذہب کے اور رہے وہ دقیق اور باریک معنی جو کہ بعد میں معلوم ہوتے ہیں وہ یہ کہ حق اللہ تعالیٰ نے جان لیا، امتوں میں سے کسی امت کے جمع کرنے کو بایں طور کہ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے کسی کی طرف الہام کرے، ملتوں میں سے کسی ملت کے قائم کرنے کے ساتھ تو وہ برگزیدہ بندہ ارادہ حق کا خاوم اور اس کی تدبیر کے ظاہر ہونے کا منصہ ہو جاتا ہے اور آشیان ہو جاتا ہے، اس کے مدد نہیں کے فیض کے لئے تو اسی کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ جس نے اس بندہ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی چنانچہ رضا اس تدبیر کی موافقت میں موقوف ہو جاتی ہے۔ اور ناراضگی اس

کی مخالفت اور منافات میں اور جب یہ امر اس طرح ہو جائے گا۔ تو تمام ملت کے احکام حق ہو جائیں اور اس وقت اس کے حق کہنے میں ظہور تدبیر الہی اس جسم اور قالب میں منظور ہے، اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور اسی طرح مذہب کو بسا اوقات عنایت متوجہ ہوتی ہے، اس ملت حق کی حفاظت کی طرف جو کہ متوجہ ہیں، باعتبار معدات کے مذہب خاص کی حفاظت کی طرف بایں طور کہ مذہب کے محافظ اس روز وہ حضرات ہیں جو ملت سے برائی کے دور کرنے کے لئے قائم ہیں یا ان کا اطراف میں سے کسی طرف میں شعار ہوتا ہے، جو کہ فارق ہے، حق اور باطل کے درمیان تو اس وقت وجود تشکیکی ملاء اعلیٰ یا ملاء سافل میں منعقد ہوتا ہے، بایں طور کہ یہ ملت بھی مذہب ہے، اور اس کے احکام کلیہ ان صور خاصہ کے ساتھ ان کے مدارک میں مقید ہوتے ہیں۔ تو وہ مذہب اس معنی کے لحاظ سے حق ہو جاتا ہے۔ اور یہ وجود تشکیکی مناط حقیقت ہوتا ہے۔ لیکن معنی جلی وہ ہے۔ جہاں تک راتخیں فی العلم اپنے علم سے اور اہل استنباط اپنے استنباط سے پہنچتے ہیں، لیکن دقیق معنی سے واقف نہیں ہوتا۔ مگر نور نبوی کے ذریعہ جو ان احکام تدبیر کا کاشف ہے جو قاب علی البشر ہے اسی لئے ہم نے کہا کہ یہ بعد میں دکھائی دے گا۔ اور جب یہ تمہید ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ یہی نظر آیا کہ مذہب حنفی میں ایک سرغامض ہے۔ پھر میں اس سرغامض میں غور کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے پایا جو میں نے بیان کیا ہے اور میں نے مشاہدہ کیا۔ کہ ہمارے اس زمانے میں اس مذہب کو اس دقیق معنی کے لحاظ سے تمام مذاہب پر ترجیح ہے اگرچہ پہلے معنی کے لحاظ سے ان میں سے بعض کو بعض سے ترجیح ہے۔ اور میں نے مشاہدہ کیا کہ یہی وہ سر ہے۔ جس کو صاحب کشف اکثر ایک نوع کا ادراک کرتے ہیں اسی لئے اس مذہب کو تمام مذاہب پر ترجیح ہے۔ اور بسا اوقات الہام اس میں مضبوط رہنے کا متشکل ہوتا ہے یا ایسے خواب کی شکل میں ہوتا ہے جو اس پر عمل کے لئے ابھارتا ہے لیکن حق صریح ہی ہے جو ہم نے کہا اس لئے اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو اور غور کرو۔

(۴۷) مشہد آخر۔

ذکی ہو یا غبی ہر ایک صراط مستقیم پر کار بند ہو سکتا ہے

میں کعبہ مشرفہ میں داخل ہوا، اور اپنے باطن کی طرف وہاں متوجہ ہوا۔ تو مجھ پر صراط مستقیم کی حقیقت متجلی ہوئی جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ ایک خط کھینچا اور اس کے دونوں جانب متعدد خطوط کھینچے، اہل آخر الحدیث، تو میں نے اس حقیقت کو احوال نفس کے پتوں بچ پایا، کہ اس کا بعض فوق کے قریب ہے، اور بعض اس سے کم میری مراد اس سے یہ ہے کہ ہر طبقہ خواہ ذکی ہو یا غبی، اس کے لئے صراط مستقیم ہے، اور صراط مستقیم کسی ایسے مرتبہ کا نام نہیں ہے، جو ذکی کے ساتھ خاص ہو، اور میں نے اس کو موافقت اور انقیاد میں ایک طرح کا رسوخ اور تثبیت پایا۔ اور میں نے پایا کہ گویا ہر اس کو نفوس پر القا کرتا ہے، تو الہام الہی کے زیادہ قبول کرنے والے اس کو قبول کرتے ہیں، اور جو الہام سے دور ہیں، وہ اس کو کم قبول کرتے ہیں، اور اس کی طرف پہنچنا نفوس کے تکلف کسب کے ذریعے نہیں ہے، اور میں نے جہنم کی پیٹھ پر نصب کئے صراط کو اس حقیقت کا تمثال پایا، کہ اللہ تعالیٰ آفاق میں اس کا اس کے مطابق القا کرتا ہے، جو عالم نفس میں القا کیا گیا ہے، اور میں نے اس صراط مستقیم کے ساتھ جوف کعبہ کی خصوصیت پائی، اور میں نے پایا کہ وہ اشیاء جو اس کے دوران معانی کے درمیان ہیں ان میں اسی طرح ایک مناسبت ہے جو عالم حشر میں مقنوم ہے، ان معانی کے ان کی صورتوں کے ساتھ قائم کرنے کے ذریعے اور یہاں منبر اور مسجد نبوی اور اسطوانہ حنانہ کے وجود کا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا کہ میرے منبر اور میرے گھر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یہی راز ہے۔

تحقیق

وہ افعال جو انسان ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے۔ اس کے چند اسباب ہیں، جو اس کے صدور کو اجاب کرتے ہیں، مثلاً حتم نفس کے ساتھ فعل کا عزم کرنا اور ساتھ ساتھ عضاء کی اطاعت کرنا۔ اور اس کے علاوہ بہت سے امور خفیہ جن کا ان کے غامض ہونے کی وجہ سے بہت کم احاطہ

ہو سکتا ہے۔ پھر عزم اور ان امور میں سے ہر ایک کی کوئی علت ہے۔ جو اس کو واجب کرتا ہے۔ مثلاً ایسے نفس سے ایسی حالت میں اعتقاد جازم یا ظن سے براہیختہ ہونے والے شوق کا وجود عزم کو واجب کرتا ہے، اور ان اسباب کے لئے بھی اسی طرح علتیں ہیں۔ اور اسی طرح اس کا سلسلہ دراز ہو گا یہاں تک کہ وجوب قاطع تک اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، پس وہ موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے اور صادر ہیں بندہ کے ارادے سے لیکن اس کے سببوں کے واسطے اس کا ارادہ بھی واجب ہے، پھر جب انسان ارادہ کا مباشر ہو، تو اس کا لصوق جو ہر نفس کے ساتھ اس سے قصد اصدور کی وجہ سے اور اس کی قوتوں میں سے کسی قوت کے انشراح کی وجہ سے واجب ہے، اور واجب ہے کہ نفس کو الم یا بوخوشی ہو محض اس لاصق کو اس سے مخالفت یا اس کی موافقت سے آگاہ ہونے کی وجہ سے یا کسی تقریبات خارجیہ کی وجہ سے اس طور پر کہ اس کا مثال متقید مثال مطلق کے مشابہ ہو تو مطلق میں تنعم یا تالم کی صورت منعقد ہو، اور ملائکہ اس کے خادم ہوں، جن پر اس دربار سے الہام کیا جاتا ہے، تو اسباب سرور یا الم حاصل ہوں یا بایں طور کہ لوگوں سے بھلائی کا ارادہ اس کے حق میں رحمت یا عذاب ہو، اور یہ سب یا تو دنیا میں ہو، یا آخرت میں ہو، اور ان احتمالات میں سے ہر ایک کے لئے علل موجبہ ہیں، پس وجود میں نہیں ہوتی کوئی چیز مگر جو واجب ہو، اور اسی طرح مبداء سے ظہور شرائع واجب ہے، جبکہ اس دن اس صورت میں خیر کو محصور جانے، پس اعتقاد جازم کا وجود اس کے مطابق ان نفوس صالحہ میں واجب ہے جو شیطنیت کی نجاستوں سے آلودہ نہ ہو، جس وقت کہ معجزات ظاہر ہوں، اور عقل صریح اس خبر کے صدق پر دلالت کرے۔

السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا ابوبکیؒ امام خان

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم (۱)

یہ رسالہ مصنف علام کے مسترشدین ملا امان اللہ اور ملا شیر محمد دونوں کی تحریک پر سپرد خام ہوا، شاہ صاحب بعد بسملہ تحمید فرماتے ہیں:- (۲)

شکر ہے اس خدا کا جو نعمتیں بخشے والا اور کمزور ہات سے نجات دلانے والا ہے، دلوں میں حکمت و دانائی کا القاء جس کے بس میں ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی کے حضور اپنی بخشش کے خواہش مند ہیں، اس کی ذات سے اپنی ناجائز تمناؤں کے نقصانات سے پناہ مانگتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ اس ذات کبریا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور ہم یہ شہادت بھی دیتے ہیں کہ بلاشبہ سیدنا محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، جو اخلاق حسنہ کے اکمال کا سبب ہیں، صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ اہل معالی الہم۔

بعد ازیں عرض گزار ہے کہ عبدہ ضعیف ولی اللہ بن عبد الرحیم، ان دونوں کے ساتھ پروردگار بخشش اور احسان کا معاملہ فرمائے، اس (رسالے) سے امید ہے پڑھنے اور سننے والے فائدہ

(۱) شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ عربی میں ہے،

(۲) مزجم کے پیش نظر رسالہ مذکورہ کا وہ نسخہ ہے جس کا عربی متن اردو ترجمے کے ساتھ ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں دہلی میں چھپا تھا، اس کے طابع و ناشر سید ظہیر الدین عرف سید احمد ولی الہی مالک مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزی دہلی تھے، مدرسہ عزیزی کا مکمل وقوع دہلی کے موجودہ اردو بازار سے مشرق کی طرف جگت سینما سے ملحقہ کھڑکی سے لگا ہوا ہے اور ادھر کوچہ چچیان کی طرف جاتے ہوئے یہ احاطہ پہلے مدرسہ شاہ عبدالعزیز سے موسوم تھا، اب اس میں بڑبڑیے رہتے ہیں، ان کے علاوہ اب مختلف لوگوں کی رہائش گاہ میں ہیں، اب صرف مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا پورڈا لگا ہوا ہے۔ (قاسمی)

حاصل کریں، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی دست گیری فرمائے۔

واضح ہو کہ علوم مدونہ چار قسموں پر مشتمل ہیں، عربی، شرعی، فلسفی اور محاضروہ کے متعلق، ہم انشاء اللہ ان علوم کے ناموں اور لوگوں میں یہ جس طرح پھیلے، اس کے اسباب پر نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

پہلی فصل، علوم عربیہ

علوم عربیہ اس لئے مدون کئے گئے کہ ان کے ذریعہ کلام عرب کی معرفت حاصل ہو، مجملہ ان کے ایک وہ علم ہے، جس میں حروف مفردات سے بحث کی جاتی ہے، اگر ان سے بہ لحاظ مادہ بحث کی جاتی ہے تو یہ علم لغت ہے، اگر زبان سے حروف کو ادا کرنے کی کیفیت پر بحث ہو، تو یہ علم الفارح ہے، الفاظ کی ہیئت سے بحث کو علم صرف سے موسوم کیا جاتا ہے، اور جب الفاظ کو اصل و فرع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے منسوب کیا جائے تو یہ علم الاعتقاق ہوا، مجملہ ان کے ایک وہ علم ہے جس میں مرکبات سے بحث کی جاتی ہے اور اس کی بھی کئی شاخیں ہیں، اگر مرکب کلمہ کے آخری احوال سے بحث ہو تو وہ علم الاعراب ہے، صنعت ترکیب کے اعتبار سے بحث کی گئی ہو تو وہ عالم التالیف ہے اور حسنات کلام کے لحاظ سے بحث ہو تو وہ علم البدیع ہے۔

مجملہ ان کے ایک وہ علم ہے، جس میں شعر کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور اس کی بھی متعدد شاخیں ہیں، وزن کے لحاظ سے شعر پر بحث ہو تو وہ علم العروض ہے، اور اخباریات کے اعتبار سے بحث ہو تو وہ علم القافیہ ہے اور اس سے متعلق علم الخط ہے، جس میں عربوں کی اصطلاح کے مطابق نقوش کتابت یعنی حروف کی شکل و صورت سے بحث کی جاتی ہے، یہ فنون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر اس شکل میں نہیں تھے کہ ان کا کوئی خاص مقام ہوتا۔ سب سے پہلے ابو الاسود نے ان کے استنباط کی طرح ڈالی، اس نے دواوین اشعار پر زیر و بر پیش کی، حلا متوں کے لئے نقطے لگائے، پھر خلیل بن احمد آئے، اور انھوں نے لغت میں کتاب العین تصنیف کی اور عروض و قافیہ کا استنباط کیا، پھر (امام) سیبویہ آئے اور انھوں نے نحو میں اپنی مشہور کتاب (۱) لکھی اور اس میں ایک ضمیمہ شامل کیا، جس میں حروف کے مخارج علم صرف، علم تالیف اور قدرے عم معانی کا

(۱) جو فن نحو میں ”الکتاب“ کے نام سے مشہور ہے۔ (قاضی)

بیان ہے اس کے بعد بادشاہوں کے ندیوں مصاحبوں وغیرہ میں سے جو خن طراز لوگ تھے، انھوں نے قصے کہانیاں اور بلیغوں کے شعروں کے متعلق باہمی بحثوں کے نکتے جمع کر دیئے۔ چنانچہ یہ علوم معانی و بیان و بدیع کے استنباط کا ایک اساس بن گیا۔

دوسری فصل، علوم شرعیہ

علوم شرعیہ کی تدوین اس غرض سے ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جن امور کے ساتھ مبعوث ہوئے، ان کی معرفت حاصل ہو، ان علوم کا مرجع ہے، قرآن مجید و سنت اور جو ان سے مستنبط کیا گیا، سلف نے علوم شرعیہ میں چار اصناف کی تصانیف کیں۔ فقہ، جس میں عبادات، خرید و فروخت، میراث، خانہ داری، شہروں کی سیاست، اور آداب بعثت کا ذکر ہے۔ تفسیر، اس میں قرآن مجید کے مانوس (غرائب) الفاظ کی شرح، نزول آیات کے اسباب کا بیان، متعارض آیات میں تطابق و توافق، مشکل مقامات کی وضاحت، تائید و منسوخ کا بیان اور اسی طرح کی چیزیں آتی ہیں، سیر، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و شمائل، آپ کی آمد و رفت، آپ کے غزوات و شواہد اور اس طرح کی دوسری باتیں بیان کی جاتی ہیں، رقائق، یہ مشتمل ہے مواعظ و نصائح کی تلقین اور جنت و دوزخ، اعمال کے فضائل، صحابہ کے مناقب اور زہد و ترک دنیا وغیرہ کے ذکر و اذکار پر۔

ان اہل علم میں سے کوئی ایسا تھا، جس نے ایک فن میں کمال حاصل کیا، اور وہ اسی کا ہو گیا۔ بعض دواور بعض کئی فنون پر جامع تھے۔ چنانچہ سخاک بن مزاحم مفسر تھے، ابو حنیفہ، مالک اور شافعی فقہاء، اور ابن اسحاق اور واقدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے عالم اور واعظین، زہاد اور صوفیہ علم رقائق والے تھے اور ابن عباسؓ بہت سے فنون کے جامع تھے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہی عبداللہ بن عباس امام تفسیر تھے، اور عمر، علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم، ائمہ فقہ تھے، ان زمانے کے بعد اور لوگ ان فنون کی تحقیق میں لگ گئے اور ان کی بحث و تحقیق میں انھوں نے گہرے غور و فکر سے کام لیا چونکہ پہلے پہلے صرف قرآن و سنت ہی تھے، اس لئے انھوں نے قرأت کی مختلف وجوہ یعنی لہجوں کے بارے میں تصنیفات کیں اور اس میں سات اور سات سے بھی زیادہ مذاہب ہو گئے ان میں سے بعض روایت پر اور بعض عربوں کے کلام اور علم انخارج پر

محمول ہیں، انھوں نے قرآن کے رسم الخط پر لکھا اور اس میں عثمانی مصاحف کا تتبع کیا، اسی طرح انھوں نے اول اول بغیر کسی سابقہ نمونے کے جمع و تدوین احادیث پر کتابیں لکھیں، پھر انہیں غور و فکر اسی ضمن میں بہت سے فنون کی ترتیب کی طرف لے گیا، ان میں سے ایک حدیث صحیح کو سقیم سے اور مستفیض کو غریب و معلوم سے متمیز کرنا ہے، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مستدرک حاکم، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، نسائی، دارقطنی ہیں۔ ان کتابوں میں ایک قسم ہے، جس میں حدیثوں کو مسائل فقہ کے اعتبار سے مرتب کیا گیا۔ مثلاً کتب شافعی، ابن ماجہ، بیہقی اور شرح السنہ وغیرہ نیز احادیث کی ایک تقسیم صحابہ کے لحاظ سے ہے اور یہ کتابیں مسند کے نام سے موسوم ہیں، جیسے مسند ابی یعلیٰ (۱) اور مسند بزار۔

مجملہ ان فنون کے، ایک فن اسماء الرجال (۲) کا ہے، اس میں رجال احادیث پر جرح و تعدیل اور احادیث کے ثمانوس غریب الفاظ (۳) کی شرح ہوتی ہے۔ انہی فنون میں سے ایک مختلف کتب میں آمدہ احادیث کی تخریج (۴) ہے جیسے احیاء العلوم کی تخریج اور ایسے ہی کتب صحیح کی

(۱) نام مسند نہ صرف صحابہ کی تقسیم کے لحاظ سے ہے، بلکہ شیوخ و اساتذہ کے ساتھ بھی مسند ہیں، نواب صدیق حسن خاں نے اتحاف العلماء میں ایسی تقریباً پچاس مسانید کا ذکر کیا ہے، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور مسند امام احمد بن حنبل ہے، مسانید میں ترتیب کے مسائل کا لحاظ نہیں ہوتا، پہلے کسی ایک صحابی کی روایات آتی ہیں، پھر دوسرے کی، اب ان اخذ مسئلہ کے لئے ان کی ترویج ضروری ہوئی، چنانچہ مسند امام احمد کی بے شمار شرح کے ساتھ اسے بیوب بھی کیا گیا۔

(۲) علامہ ہندو پاک میں سے علامہ ظاہر یحییٰ نے المغنی نام سے رجال پر کتاب لکھی جو مطبع انصاری دہلی میں طبع ہوئی، اور اب نایاب ہے۔

(۳) غریب الحدیث پر بھی علامہ یحییٰ نے مجمع بحار کے نام سے کتاب لکھی اردو میں نواب وحید الزماں حیدر آبادی نے نوراللفاظ نام سے کتاب لکھی، جو دوسری مرتبہ راجی سے شائع ہوئی ہے۔

(۴) کسی مصنف کی مؤلفہ کتاب میں جو احادیث آئی ہوں، ان کے راویوں کی جرح و تعدیل تخریج ہے جیسے امام غزالی کی احیاء العلوم پر حافظ زین الدین العراقي (م ۸۰۶ھ) کی کتاب اور ہدایہ پر زبیطی (جمال الدین یوسف م 762ھ) کی تالیف نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ ہے۔ برصغیر میں علم حدیث کی اس صنف پر زیادہ کام نہیں ہوسکا، شاہ ولی اللہ کی کتاب حجتہ اللہ البابا لہ میں آوردہ احادیث کی تخریج قاضی محمد مجملی شہری نے یہ مهم سر کی تھی، کاش اودہ مخطوط دستیاب ہو جاتا، لیکن ان کی رحلت کے بعد یہ کتاب طبع نہ ہو سکی۔ تخریجات میں ہندی علماء میں سے نواب صدیق حسن خاں کی کتاب الادراک فی تخریج احادیث الاشرار "تلقویۃ الایمان" میں مستخرج احادیث پر ہے اور نواب وحید الزماں کی تالیف احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد ہے، اسی فصل میں مولانا سید امیر علی بیچ آبادی کی تالیف تقعیب ہے، جس میں تقریباً اربعہ بیچ ذہبی میں آمدہ راویوں کے اسماء و کنی کی تصحیح ہے، یہ کتاب تقریباً اربعہ بیچ کے حاشیے پر نول کشور میں طبع ہو چکی ہے۔

طرز پر تخریج ہے جیسے صحیح ابی عوانہ اور صحیح الاسامی۔

مجملہ ان فنون کے ایک فن مشکل الحدیث کا ضبط، مختلف حدیثوں میں تطبیق دینا اور اصول حدیث ہے، اور ان میں سے ایک کتب حدیث کی متون کی شرح کرنا ہے، جیسے ابن حجرؒ اور نوویؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرحیں لکھیں، ان کے علاوہ وہ کثیر التعداد شرحیں ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ کا اس بندے پر بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے اسرار حدیث اجملاً و تفصیلاً بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائی، چنانچہ اس نے اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں انہیں مدون کر دیا ہے۔

بعد ازاں اہل علم ان مذکورہ بالا چار فنون کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوئے، اور تفسیر میں ان کا زیادہ انہماک ہوا، چنانچہ ہر صاحب فن نے تفسیر لکھی، صاحب نحو نے نحو کو صاحب لغت نے لغت کو صاحب اخبار نے مناسب قصوں کو صاحب قرأت نے اپنے فن کو، صاحب فقہ نے فقہ کو، صاحب علم معانی نے علم معانی کو، صاحب علم کلام نے علم کلام کو اور صاحب تصوف نے تصوف کو اس میں شامل کیا، غرض بڑی کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، اور وہ خوب پھیلیں، اس کے بعد اہل علم نے ان تمام کو جمع کرنے کی کوشش کی، جیسے کہ رازیؒ، بیضاویؒ اور نیشاپوریؒ کی تفسیریں ہیں، پھر فقہ میں تلاش و تفحص انہیں اس طرف لے گیا کہ وہ اصول فقہ، علم جہل اور معرفت خلاف کا استنباط کریں اور چونکہ حوادث و واقعات کسی ایک حد پر نہیں رکتے اور جو کچھ پہلے لکھ گئے ہیں وہ تمام حوادث و واقعات کے لئے کافی نہیں، اس لئے بعد میں آنے والوں نے پہلوں کے نصوص سے مسائل استنباط کرنے کی طرف توجہ کی، انھوں نے فتاویٰ اور واقعات جمع کئے اور اس میں بعض اقوال اور وجود کی دوسروں پر ترجیح کو مد نظر رکھا، اس کے بعد وہ اپنے اپنے مذاہب فقہ کے علوم کی تدوین اور اقوال اور وجود کی روایت کی تحقیق و تائید میں لگ گئے اور انھوں نے ہر مذہب و مسلک کے حق میں منقول اور معقول دلائل فراہم کیں اور اس پر کتابیں لکھیں، اس وقت وہ فقہی مذاہب، جو مدون و منضبط ہو چکے تھے اور ان میں تخریج و ترجیح بکثرت ہو چکی تھی، چار تھے۔

علم رقائق یعنی وعظ و نصیحت میں ایک گروہ نے دو طریقوں سے عملی و لچکی لی، کبھی تو انھوں نے مواعظ اور دلوں میں رقت پیدا کرنے والی حکایات پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں اور منبروں

سے ایسے اسلوب میں جو لوگوں کے دلوں پر اثر کرے، ان چیزوں کا ذکر کیا، اور کبھی انھوں نے راہ آخرت پر چلنے کے بارے میں کتابیں لکھیں، چنانچہ اس کے لئے انھوں نے قواعد بنائے، انہیں تفصیل سے بیان کیا اور ان پر مسائل کی بنیاد رکھی، جیسے کہ کتاب احیاء العلوم ہے اسی طرح بعد میں آنے والے، کتب سیر کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان میں تنقیح اور بحث کی اور جو مناسب سمجھا اس کا اضافہ کیا، چنانچہ انھوں نے صحابہ، تابعین، علماء اور زہدوں کی سیر لکھیں، اور یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھا کہ لوگوں نے اپنے مشائخ کی سیرتیں تصنیف کیں اور فرداً فرداً ان کے اقوال منضبط کر دیئے، تصانیف کی اس قسم کو ”مقامات“ اور ”ملفوظات“ کا نام دیا گیا۔

یا ایک شیخ کے حالات ضبط کرنے کے بجائے ایک طبقے کے تمام لوگوں کے حالات یکجا کر دیئے جیسے مشائخ چشت یا علمائے حنفیہ یا ایک زمانے، یا ایک ملک یا شہر کے علماء و مشائخ کے حالات اس نوع کی تصنیفات کو طبقات یا طباق کا نام دیا گیا، ان تصنیفات میں کچھ تو تاریخ کا حصہ ہے اور کچھ اسماء الرجال کی کتابوں کا ان کی ترتیب میں ادھر ادھر سے استفادہ کیا گیا، اس باب میں راقم ضعیف نے انفس العارفین کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے والد ماجد اور علم محترم کے مقامات اور بعض اہل حرمین کے کچھ حالات جمع کئے ہیں، علیٰ ہذا القیاس ان اہل علم میں سے بعض ایسے تھے، جنھوں نے صوفیہ کے اور ادوار ان کے احوال پر کتابیں لکھیں اور بعض نے صوفیہ کے رموز، جو ان کے احوال کے تغیر کی وجہ سے تھے ان پر تصنیفات کیں، پھر ان لوگوں کے سلوک کے معاملے میں کئی مسلک اور مذہب ہو گئے اور ہر مسلک اور ہر مذہب پر انھوں نے رسالے لکھے۔

ان اہل علم میں سے ایسے بھی تھے، جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة و درود بھیجنے کے متعلق تصنیفات کیں، جیسے کہ دلائل الخیرات (۱) ہے اور بعض نے احزاب اور مناجات مرتب کیں۔ جب ملت کے بہت سے فرقے بن گئے اور ان فرقوں نے مختلف جماعتوں کی شکل اختیار کر لی تو یہ ہوا کہ ان میں قیل و قال اور بحث و مناظرہ ہونے لگے، ان فرقوں میں سے معتزلہ تھے، انہی میں سے روافضہ تھے، اہل فلسفہ تھے، اور انہی میں سے یہود و نصاریٰ اہل کتاب تھے، بعض

(۱) از ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان بن ابوبکر۔ م ۸۵۴ھ

اوقات دین کی نصرت کے لئے ان مباحثوں (۱) کی ضرورت پڑتی تھی، ان مباحثوں کے لئے انہوں نے مجالس و محافل قائم کیں، لیکن جب تک ان امور کے لئے مستحکم اصول، الگ الگ فروع، ترتیب و تسلسل افکار اور حسن تحریر و تقریر نہ ہو، یہ مباحثہ اتمام کو نہیں پہنچ سکتے، اور عادات یہ دوسروں کی باتیں سننے، وراثت میں دوسروں سے لینے، تدوین و تصنیف اور تعلیم و تعلم کے بغیر ممکن نہیں، لہذا وہ لوگ علم کلام کی تالیف میں لگ گئے۔

اہل اسلام میں سے جنہوں نے سب سے پہلے بحث و مناظر سے عملی دلچسپی لی وہ معتزلہ تھے انہوں نے فلسفہ سے حد (۲)، اسم (۳)، قیاس (۴) اور مقولات (۵) عشر مباحث نیز الہیات میں سے امور عامہ (۶) کے مباحث لئے اور ان کے ساتھ شریعت میں جو صفات، بنوات اور معاد کے مباحث تھے، انہیں شامل کر لیا، چنانچہ وہ اصولی فلسفہ جو قواعد اسلامیہ کے خلاف نہ تھے، انہیں تو انہوں (معتزلہ) نے بحالہ رہنے دیا اور جو قواعد اسلامیہ کے خلاف تھے ان پر اعتراض کئے، اور ان کی جگہ انہوں نے دوسرے اصول قائم کر دیئے، فلسفہ سے علم کلام کو اخذ کرنے کے یہی معنی ہیں اہل سنت میں سے جنہوں نے سب سے پہلے علم الکلام پر گفتگو کی، اور اسے اختیار کیا، وہ ابو الحسن اشعری تھے، اور ان کا اعتراض سے رجوع کا قصہ تو مشہور ہی ہے، وہ (معتزلی ہونے کے دور میں) جان گئے تھے، کہ ایک اصول کی بنیاد کیسے ڈالی جاتی ہے، اور پھر اس سے مختلف فروع اور شاخص کس طرح نکلتی ہیں، چنانچہ انہوں نے معتزلہ ہی کے نمونے پر اپنے طریقے کی بنا رکھی، بعد ازاں ابونصر اور ابوبعلی وغیرہ آئے اور انہوں نے قواعد اسلامیہ کو فلسفہ پر اس طرح تطبیق دینا شروع کیا کہ

(۱) ان میں سب سے زیادہ موثر مناظرہ بشری معتزلی اور امام عبدالعزیز بن یحییٰ الکلتانی الہکلی کا ہے۔ جو مامون الرشید کی صدارت میں قدم وخلق قرآن پر ہوا۔ اور بعد میں کتاب الجیدہ کے نام سے چھپ گیا۔ اس کا اردو میں ترجمہ ترجمۂ جبروتہ خلق قرآن کے نام سے راقم السطور نے ۱۹۳۵ء میں چھپ گیا ہے۔

(۲) حد: تعریف شے بذاتیات، چنانکہ تعریف انسان یہ حیوان ناطق۔

(۳) رسم: قیاس شے بضرعیات چنانکہ تعریف انسان یہ ماشی وضا حک۔

(۴) قیاس: قولیت مرکب ہدو جملہ کہ لازم آید ازوے نتیجہ

(۵) مقولات عشر: یک جوہر و نہ عرض

(۶) الہیات کے امور عامہ، در اصطلاح اہل حکمت چیز ہا و گویند کہ ذات آنها عام باشند و مختص یک قسم از اقسام موجودات باشند، بلکہ شامل باشند۔

فلسفہ میں جو چیز اسلام کے خلاف تھی، اس کی تاویل کرتے گئے، اس کے بعد مسلمانوں کو ان کا علم کلام نقل کرنے اور ان پر رد و قدح کرنے کی ضرورت پڑی، مثال کے طور پر جب شیعہ اپنے مذہب کے حق میں استدلال کرتے تو انہیں ان کا علم کلام نقل کرنے اور اس کی تردید کرنے کی ضرورت پڑتی، اس طرح علم کلام کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا، اور وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کی اہمیت اور وقار ہو گیا، چنانچہ ان کے دلوں میں جو تذبذب ہوتا تھا، اس سے سکون حاصل کرنے کے لئے وہ اس علم کی طرف رجوع کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہی خالص حق ہے۔

جب اہل حدیث (۱) نے یہ دیکھا تو انہوں نے اہل سنت کے عقیدے پر کتابیں تصنیف کیں، اس ضمن میں انہوں نے وہ احادیث الگ کر لیں، جن سے عقائد کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جہاں تک صوفیہ کا تعلق ہے، پہلے تو وہ ان اشارات و رموز میں مشغول رہے جو صوفیہ کے احوال اور کیفیات کی تعبیر کرتے ہیں، پھر وہ اس مقام سے معارف کی طرف منتقل ہوئے، اس میں سب سے پیش پیش شیخ محی الدین محمد بن عربی اور ان کے تلمیذ شیخ صدر الدین ہیں، جن کی بدولت یہ بھی ایک جداگانہ علم بن گیا، اس علم کی باریک باریک رگوں کی طرح بہت سی شاخیں ہیں، جو علوم اشراقیہ سے سیراب ہوئے لگیں، اسی وجہ سے ان کی اصطلاحات میں مثال (۲)، ناسوت (۳) اور لاہوت (۴) مروج ہوئیں، وہ شخص جس نے سب سے پہلے قلم، لوح، امر و خلق کا ان معنوں میں جو صوفیہ کے ہاں مستعمل ہیں، ذکر کیا، وہ میرے نزدیک فارابی تھا، پھر اس کے بعد ان لوگوں کے متبعین جیسے ضرورتیں پیش آتی رہیں، ان امور کے ایک ایک باب کے متعلق کتابیں لکھتے رہے، اور ان میں آپس میں بحثیں اور مناظرے ہوتے رہے، غرض شرعی علوم و فنون اس طرح شاخ و در شاخ اور فرع و در فرع ہوئے۔

(۱) اہل حدیث سے عالمین بالحدیث ترک التقلید نہیں بلکہ مہار سین بالحدیث معہوم ہے۔

(۲) عالم مثال، عالمی فروق است از عالم ارواح و آن چہ در عالم ظاہر است مثل آس و در عالم مثال است و خواب سے بینند آس را صور عالم مثال گویند۔

(۳) ناسوت۔ عالم اجسام کہ دنیا و این جہاں باشد و گاہے مجازاً بمعنی شریعت و عبادت ظاہری۔

(۴) لاہوت، دراصل "لاہو الاہو" است

تیسری فصل، علوم حکمیہ

علوم حکمیہ، سوان کی اصل یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد زمین میں پھیلی، وہ اس کے اطراف و جوانب میں آباد ہوئی اور اس کے گردہ درگردہ ہو گئے، چنانچہ ہر ایک میں لوگوں کی ایک کثیر جماعت جمع ہو گئی اور ذہانت، تجربہ اور ان امور کی معرفت میں مشغول ہونے کی وجہ سے جنہیں احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے، بہت سے اتفاقات کے باوجود ان میں اختلافات ضروری ہو گیا اب ضرورت پیش آئی کہ تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے فنون اور اچھے اخلاق کو برے اخلاق سے پہچاننے کے متعلق ان کی روایات اور نکتوں کو نقل کیا جائے اسی طرح طب، دواؤں اور بیماریوں کی معرفت اور ستاروں، کہانت، قیافہ اور حساب کو جاننے نیز بدنی اور نفسیاتی ریاضتوں کے ذریعہ تہذیب نفس کے طریقوں کی معرفت سے متعلق امور نقل ہوں۔

اب ان لوگوں میں جو بھی صنعتیں وجود میں آئیں، وہ ان کے باہم متفق ہونے اور خوب سے خوب تر کی تلاش کی وجہ سے تھیں، چنانچہ لوگوں میں سے کسی قدیم اور جدید گردہ کو تم ایسا نہیں دیکھو گے کہ ان فنون میں سے کسی نہ کسی سے اسے لگاؤ نہ ہو، بلکہ وہ سر زمین جہاں کے باشندے خلافت اور بادشاہت کے وارث ہوئے اور ان میں ان علوم کے حصول اور ان کی معرفت میں مقابلے کی رسم چل پڑی، ان کی ان امور میں معرفت و دوسروں سے زیادہ تھی، خلافت اور بادشاہت کا دور دورہ، فریدوں کے زمانے سے ہمارے نبی علیہ السلام کے زمانے تک فارس اور روم میں رہا، اسی لئے وہاں کے حکماء کو ان امور میں بہت زیادہ رغبت تھی۔

اتفاق سے اسکندر سے تین سو سال کے لگ بھگ پہلے اقلیم یونان میں ذہین، طلب علم کی مشقتوں پر صبر کرنے والے اور معرفت امور میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت کرنے والے لوگ تھے وہ ان علوم و فنون میں بہت زیادہ گہرے گئے، چنانچہ طب میں انہماک انہیں معدنی، نباتی اور حیوانی دواؤں، ان کے خواص اور ان کے طبیعی افعال کی تلاش و تخلص اور ابدان موالید (۱) کی طبیعت مدبرہ (۲) اور یہ طبیعت مدبرہ جس طرح ابدان میں غذا پہنچانے اور نشوونما دینے وغیرہ کا

(۱) جمادات، نباتات اور حیوانات موالید ثلاثہ کہلاتے ہیں۔

(۲) ان موالید میں تصرف کرنے والی طبیعت کو طبیعت مدبرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

کام کرتی ہے، اس کی کیفیت میں بحث و نظر کی طرف لے گیا، اس سے وہ کائنات فضائی و معدنی وغیرہ کے بہت سے اسباب کی ٹوہ میں لگ گئے اور اس ضمن میں انہیں بہت سی حکایتیں اور نکتے ملے، جنہیں ذہین لوگوں نے لے لیا اور جہاں تک بن پڑا انہیں رسالوں میں ضبط کر لیا۔

اسی طرح ستاروں کا علم انہیں سیاروں کی حرکات کی تحقیق کی طرف لے گیا اور چونکہ ہندی اور حسابی قواعد کے بغیر انہیں دائرہ ضبط میں نہیں لایا جاسکتا تھا، اس لئے انھوں نے یہ قواعد بھی مرتب کئے تاکہ اس طرح وہ ستاروں کی تحقیق کر سکیں غرض ان کے غور و فکر کا سلسلہ برابر جاری رہا، یہاں تک کہ ہیئت ہندسہ اور حساب نے مستقل فنون کی شکل اختیار کر لی۔

اسی طرح نفسانی ریاضتیں جو پیش روانیا سے ماخوذ تھیں، انہیں ان ریاضتوں کے ثمرات کے اور اک کی طرف لے گئیں اور پھر یہ ادراک باعث بنا، دنیا سے علیحدگی، تجرد اور اسلخ کا اور یہ انہیں معارف و جدائیہ کی طرف لے گیا، چنانچہ انھوں نے ان سب کے متعلق گفتگو کی اور ان پر رسالے لکھے، جن میں سے اکثر رموز اور اشاروں میں ہیں، پھر بعد کے زمانے والوں نے ان فنون میں دلچسپی لی اور ان میں بحثیں کرنے لگے اور یہ مباحثے انہیں تحدید، استدلال، جدل اور کثرت رد و منع کی طرف لے گئے پھر ارسطاطالیس پیدا ہوا، وہ صحیح فکر اور تیز ذہن والا تھا، شور و شغب اور جھگڑے اور جدل کے بجائے انصاف اور تحقیق کو عزیز رکھتا تھا، اس نے دیکھا جب تک حد اور برہان (۱) کے مباحث کی تصحیح اور برہان سے جدل و شعر کی تمیز نہ ہو، علوم میں صائب نظر پیدا نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس نے اس بارے میں نہایت صاف و مفید گفتگو کی، جسے عقلموں نے فوراً قبول کر لیا، ارسطاطالیس کا یہ کارنامہ خلیل سے جس نے علم عروض کا استنباط کیا، ملتا ہے، غرض ارسطاطالیس نے علم الطبیعیہ سے اوپر کے تین علوم اخذ کئے، اس میں اس جیسی اور چیزیں شامل کیں

(۱) شعری مقدمات، وہ مقدمات جن سے طبیعت میں انتہائیں پیدا ہوں۔

برہان باصلاح منطقین عبارت است از قیاسے کہ مرکب باشد از مقدمات یقینی و آں دو قسم است، یکے لمی، دومی آنست کہ حد اوسط دروں علت حکم ہو دور ذہن و نفس الامر، چنانچہ کہ گوئید، حد متعین الاطلاط و کل متعین الاطلاط فیہ محمول، لہذا محمول، پس حد اوسط کہ متعین الاطلاط است علت است برائے حکم کردن محمول بر ہذا دور ذہن و نفس الامر، و آں را برہان لمی ازاں گوئید کہ دلالت می کند بر علم و علت حکم در نفس الامر، دوم اتی۔

اور ان سب کو بڑی اچھی طرح سے بیان کیا، اس نے اشتر قبیلین (۱) کے رسالوں میں غیر مر بوط کلام دیکھا کہ اس میں سے کہیں کہیں تناقض، تعقید اور اضطراب ہے، جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ اس میں حد اور برہان کے مباحث کی رعایت نہیں رکھی گئی، گویا ان مسائل میں غور و خوض نہیں کیا گیا، چنانچہ ارسطاطالیس نے اسے بڑے صاف اور مختصر طریقے سے بیان کیا۔

اگر اسکندر نہ ہوتا، تو نہ ارسطاطالیس یہ کتابیں تصنیف کرتا اور نہ لوگ ہی اس کی کتابوں کی طرف اتنا زیادہ رجوع کرتے، باقی رہا بظلموس، تو وہ علم ہیئت اور نجوم میں بڑا ماہر تھا، اور ان فنون میں اس کی بڑی اچھی کتابیں ہیں، تقلیدس وہ تھا جس نے اپنے زمانے کے ایک بادشاہ کے لئے اصول ہندسہ پر کتاب لکھی، بقراط طب میں بڑا ماہر تھا، اور اس موضوع پر اس نے کتاب تصنیف کی اس کے بعد جالینوس آیا، اس نے علم طب کی تشقیق کی اور اسے اتمام کو پہنچایا، دور جاہلیت تو ختم ہو گیا لیکن ان کی یہ کتابیں اور رسالے رہے، لوگ انہیں پڑھتے پڑھاتے تھے اور ان کے مصنفوں کی عزت و تکریم کرتے اور ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بحیثیت کرتے تھے۔

موسیقی کی نسبت میرا خیال یہ ہے کہ وہ علوم کے بجائے صناعات میں سے تھی، لیکن ایک جماعت نے دیکھا کہ اس کے منتشر مسائل کی وجہ سے اس کی تعلیم ایسی صورت میں آسان ہو سکتی ہے کہ وہ ایک رسالے میں مدون ہو، چنانچہ انہیں اس فن میں کتابوں اور رسالوں کو تصنیف کرنے کی ضرورت پڑی پھر حکماء کی ایک جماعت آئی اور اس نے اس بارے میں بحث کی کہ بعض نعمات سے تو نفس کو لذت ملتی ہے اور بعض سے نہیں، ان کی یہ بحث حکمت کی قبیل سے تھی چنانچہ اس طرح موسیقی کو اصطلاحاً عالم حکمیہ میں داخل کیا گیا۔

پھر جب اسلام آیا اور حنین (۲) نے کتب فلسفہ کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا، تو مسلمان

(۱) پاکسمر۔ عمر، ہیئت از حکمائے سلف کہ از باعث اشراق در روشنی باطن تو ہوا کہ از کثرت ریاضت پیدا کردہ بودند، تعلیم و تعلم بمکلفہ و مراقدی کردند و حاجت بر فتن پیش یک دیگر نہ شنیدہ بخلاف حکمائے مشائخ کہ ایشان نزد یک یک دیگر رفتہ و مقدمات ریاضت کی ساختہ، چنانچہ افلاطون و بقراط و غیرہ از زمرہ اشراقیین بودند۔

(۲) حنین بن اعین عبادی، یہ اپنے عہد کا بڑا صاحب کمال نصرانی طیب تھا۔ اس کو یونانی، سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں کامل دستگاہ تھی، اس نے یونانی کتابوں کے کثرت عربی اور سریانی میں تراجم کئے، اس کی تالیفات و تراجم بہ شمار ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کے مطالعہ میں لگ گئے۔ اس کے بعد بوعلی (۱) آئے، اور وہ بھی اسی سچ پر چلے ان دونوں نے ایسی باتیں بیان کیں جو مشابہ تھیں اس صلح سے جس سے کہ دونوں فریق راضی نہ ہوں، ان میں سے بعض باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں یہ دونوں اس اصل مصلحت کو بھی نہیں سمجھے، جو شارع کے مقصود تھی اور نہ وہ کلام کا جو اصل مقصد تھا، اسے سمجھے پس جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا، وہ انھوں نے بیان کر دیا، جہاں تک بوعلی علی کا تعلق ہے اس نے ان لوگوں کے علوم پر کتابیں لکھیں، اور اپنی تصنیف ”کتاب الشفا“ میں ان علوم کو بڑی اچھی طرح مرتب کیا۔ اس نے حکمت نظری کی چار قسمیں کیں، ایک منطق، جس میں نو بحثیں ہیں۔ کلیات خمس (۲)۔ معقولات عشر، قضایا، قیاس، مباحث حدود و برہان، خطابت، جدل، شعر اور مغالطہ۔

حکمت نظری کی دوسری قسم طبیعیات ہے، اس کے آٹھ ابواب ہیں:۔۔۔ سماع طبعی (۳)، کون، فساد کائنات جوی، معادن، نبات، حیوان اور نفس، تیسری قسم ریاضیات ہے، اور اس کے

() (پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ما کا جب چلی گئے ہیں کہ جب خلافت مامون کے پاس آئی تو اس نے اپنے دادا ابو جعفر منصور کے کام کو تکمیل تک پہنچایا، اور علوم و فنون کو ان کے مرکزوں اور معدنوں سے نکالنے کی طرف متوجہ ہوا، سلاطین روم سے فلسفہ کی کتابیں مانگ بھیجیں چنانچہ ان لوگوں نے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کی کتابیں بھیجیں اور مامون نے باہر مترجمین سے ان کا ترجمہ کرا کے لوگوں کو ان کی تعلیم کی ترغیب دلائی، اور چند دن کے اندر اندر ایک معتد بہ جماعت علوم و فنون سے آراستہ ہو گئی، (تاریخ اسلام حصہ سوم۔ مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی) مامون رشید نے ۸۳۳ء میں انتقال کیا مگر حنین بن احق کا سال وفات ۸۷۷ء ہے۔ اس کا سن ولادت ۸۰۰ء کے لگ بھگ ہے (نامور مسلم سائنس دان، پروفیسر حمید عسکری)

(۱) بوعلی سینا ۹۸۰ء میں پیدا ہوا۔ اس نے ایک سو سے زائد کتب تالیف کیں، جو ہر قسم کے علوم مثلاً فلسفہ، سائنس، طب، فقہ اور ادب پر مشتمل تھیں، لیکن جن کتابوں کے باعث اس کو اسلامی دور کے نامور سائنس دانوں کی صف میں بہت اونچی جگہ تھی، وہ ہیں ایک قانون دوسری شفا، شفا میں فلسفہ، طب، کیمیا، ریاضی، موسیقی اور حیاتیات (یعنی بائی آلوژی) پر مضامین ہیں۔۔۔۔۔ دوسری بڑی کتاب ”قانون“ صحیح معنوں میں اس کی سب سے عظیم تصنیف ہے۔ یہ علم العلاج کا ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں اس نے اپنے زمانے تک کی تمام قدیم اور جدید معلومات کو نہایت قابلیت سے جمع کیا ہے، نامور مسلم دانشور داں پروفیسر حمید عسکری۔

(۲) جنس (حیوان) نوع (انسان)، فصل (ناطق) خاصہ (ضاحک) عرض (ماشی) یہ کلیات خمس کہلاتے ہیں۔

(۳) وہ حکمت جس میں جسم طبعی سے بحث کی جائے۔

چار ابواب ہیں، ہیئت، حساب، ہندسہ اور موسیقی، چوتھی قسم الہیات ہے، اور اس کے دو باب ہیں، موجودات کے لئے امور عامہ کی معرفت اور باری تعالیٰ اور عقول کی معرفت، بوعلی نے اپنی کتاب کے آخر میں سزا و جزا، امور نبوت اور عبادات کے متعلق جو اسرار شریعت ہیں، انہیں اور خانہ واری و شہریت کی سیاسیات کو بیان کیا ہے اب اگر تم ان امور میں تلاش و تھنص کرو تو دیکھو گے کہ بوعلی جب باری تعالیٰ اس کی صفات اور کلام پر بحث کرتا ہے تو اس میں بہت زیادہ بودا پن ہے، اور ان مباحث میں اس کی گفتگو ظن و تخمین سے مشابہ ہے، طبعیات میں فلسفیوں کی گفتگو کا مرجع زیادہ تر عن صرا و مواد میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں، جو اس وقایس سے ان کے اسباب بیان کرنا ہوتا ہے۔

چوتھی فصل، علوم محاضرہ

اب رہے علوم محاضرہ، یہ عبارت ہیں ان کلی قوانین، منفید صنعتوں اور عجیب و غریب حکایات وغیرہ سے، جو اس لئے مدون کئے گئے کہ لوگوں کو ان کی ضرورت پڑتی ہے، یا لوگوں میں ان کو جاننے کی رسم چلی آتی ہے، یا لوگوں کا ایک طبقہ انہیں یاد رکھنے کا میلان رکھتا ہے، یا اسی قسم کی کوئی اور بات ہوتی ہے، ان علوم کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک قبل از وقت معرفت حاصل کرنے کے علوم اور ان کی تدوین کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگ اپنے معاملات میں اس کے محتاج ہوتے ہیں کہ وہ فتح، شکست، بارش اور خشک سالی وغیرہ کے واقعات کو ان کے وقوع ہونے سے قبل جانیں اور اس کے لئے ستاروں، قائل، کمانت، تعبیر رویاء، رمل اور جفر وغیرہ سے کام لیا جاتا ہے، انہی علوم میں سے مزاج کو اعتدال پر رکھنے اور بیماریوں کو دور کرنے کے علوم ہیں، اور ان کی طرف لوگوں کی احتیاج کسی سے مخفی نہیں، اور یہ ہیں علم طب، تعویذ گندوں کا علم، اور ان حیوانات کے علاج و معالجے کا علم جنہیں پالنے کی رسم چلی آتی ہے، جیسے کہ گھوڑے، اونٹ، گائیں، بکریاں، باقھی، کبوتر وغیرہ ہیں۔

ان علوم میں سے یہ عجیب و غریب اور مفید صنعتیں بھی ہیں، جیسے تیر اندازی، خوش خطی، کیما، موسیقی، کھانا پکانا اور کاشت کاری، انہی علوم میں سے فنون حکمہ ہیں اور یہ وہ نکات ہیں جن سے اخلاق فاضلہ، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، قدیم حکماء کا یہ دستور تھا کہ وہ وحشی جانوروں، پرندوں اور درندوں کی زبان سے واقعی یا فرضی حکایتیں تصنیف کیا کرتے تھے،

ان حکایتوں میں نکتہ طرازی انہیں بہت دور تک لے گئی۔

ان علوم میں سے بادشاہوں اور رہبانوں کی تواریخ، نادر حکایتیں، ملکوں اور شہروں کے احوال و ہیئتیں اور پہاڑوں اور درختوں وغیرہ کی ہیئتیں بھی ہیں، انہی علوم میں سے زبانوں کا جاننا جیسے کہ ترکی، عربی، فارسی اور ہندی وغیرہ ہیں اور مختلف خطوں کا جاننا ہے، انہی علوم میں سے لوگوں کی شعر و شاعری، اس کی نشو و نما، اشعار کے نظم کرنے اور رسائل لکھنے کی معرفت ہے اور ان علوم میں سے قوموں کے مذاہب اور ان کی کتابوں کی روایات اور ان کے تراجم کی معرفت ہے۔
ان اوراق میں جو ہم درج کرنا چاہتے تھے، یہاں اس کا اختتام ہوتا ہے۔

رسالہ دانش مندی

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

رسالہ دانش مندی^(۱)

سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، جو حکمتوں کا الہام کرنے والا اور نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے اور درود و سلام ہو ان سب میں افضل پر، جنہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) کتاب اور فیصلہ کن بات دی گئی، نیز آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر، جنہوں نے احکام دین کی تبلیغ و اشاعت کی اور ہمارے لئے انہیں اس طرح بیان کیا کہ اس سے یقین حاصل ہو، اس کے بعد فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم کہتا ہے کہ اس خاکسار نے فن دانش مندی اپنے والد سے سیکھا، انہوں نے میر محمد زاہد بن قاضی اسلم سے یہ فن سیکھا، انھوں نے ملا محمد فاضل سے، انھوں نے ملا محمد یوسف قرہ باغی سے، انہوں نے مرزا جان سے، انہوں نے ملا محمود شیرازی سے، انہوں نے ملا جمال الدین دوائی سے، انہوں نے اپنے والد اسعد بن عبد الرحیم اور ملا مظہر الدین گزردئی سے، ان دونوں نے ملا سعد الدین قفٹازائی اور سید شریف جرجانی سے، انہوں نے قطب الدین رازئی سے، انہوں نے ملا سعد الدین قفٹازائی دونوں نے قاضی عضد سے، انہوں نے ملا زین الدین سے، انہوں نے قاضی بیضاوی سے اور ان کی سند کا سلسلہ جو کتب تاریخ میں مشہور و معروف ہے شیخ ابوالحسن اشعری تک جاتا ہے۔

غرض فقیر نے فن دانش مندی اس سند سے اخذ کیا ہے، اور علم کلام اور اصول (۲) بھی اس فن سے مخلوط ہیں، اس سند کے رجال سب کے سب اہل تصنیف اور اصحاب تحقیق ہیں اور درس

(۱) فن دانش مندی پر شاہ صاحب کا فارسی زبان میں ایک مختصر رسالہ ہے، یہاں اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔

(۲) اصول سے مراد اصول فقہ ہے۔

و تد ریس اور تصنیف، و تالیف میں مصروف رہے ہیں، سوائے فقیر کے والد (شاہ عبدالرحیمؒ) کے، جو اشغال قلبی میں مشغول رہنے کی وجہ سے تصنیف و تالیف اور درس و تد ریس کیلئے وقت نہ نکال سکے۔ اس فقیر کے دل میں آیا کہ فنِ دانشمندی کے قواعد و اصول مرتب کرے، اور اپنے زمانے والوں کو ان سے متعارف کرائے، اگر تم یہ پوچھو کہ دانشمندی سے میں کیا مراد لیتا ہوں تو دانشمندی سے میری مراد کتاب دانی ہے، اور اس کے تین درجے ہیں، اس کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ کتاب کا مطالعہ ہو، اور اس کی حقیقت بدرجہ تحقیق حاصل کی جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ استاذ کتاب کو پڑھائے اور اس کی حقیقت شاگردوں کو سمجھائے، اور اس کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ اس کتاب پر شرح یا حاشیہ لکھے اور اس کی حقیقت کے انکشاف میں مبالغہ کرے۔

اگر تم کہو کہ یہ جو میں نے فنِ دانشمندی کے اصول و قواعد کو مرتب کرنے کا ذکر کیا ہے، اس کا اور ان کے حفظ کرنے اور ان کی تحقیق کرنے کا کیا فائدہ ہے، تو میں یہ کہتا ہوں کہ اس کے دو فائدے ہیں، ایک تو اس سے طالب علم کے مطالعہ کا طریقہ جان لیتا ہے اور اس طرح اکثر حالات میں یہ مطالعہ قرین صواب ہوتا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب طالب علم کو فنِ دانشمندی کے بعض مقدمات جیسا کہ صرف و نحو و لغت وغیرہ ہیں، یاد ہوں گے، اس کے بعد وہ کسی کتاب کا مطالعہ کرے گا، اس کے پیش نظر اس کتاب کی شرح و تفسیر ہوگی اور شفیق استاذ اسے ان قواعد کلیہ سے آگاہ کرے گا، اس کے بعد استاذ اسے ہر مقام پر شارح نے اس سلسلے میں جو نکتہ بیان کیا ہوگا اس سے مطلع کرے گا تو اس طرح طالب علم کو کتاب مذکور سمجھنے کا سلیقہ پیدا ہو جائے گا اس میں شک نہیں کہ کلیات کے احکام جاننے کے بعد جزئیات اور جزئیات سے ان جیسی جو اور چیزیں پیدا ہوتی ہیں، ان کا احاطہ زیادہ آسان ہو جاتا ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جو شخص شعراء کے دواوین پر مرامست رکھتا ہے، وہ شعر کہنے لگتا ہے۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان بزرگوں نے، جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، اور وہ، اور ان جیسے دوسرے حضرات نے جو دانشمندی میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں، فنونِ دانشمندی کو علمِ کام و اصول وغیرہ سے غلط کر دیا ہے، اب اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم ان علوم سے فنونِ دانشمندی کو الگ تمیز نہیں کر سکتا، اور ان سب کے مجموعہ کو وہ ایک ہی علم جانتا ہے چنانچہ اس زمانے کے اکثر خام طبعوں

کا یہ حال ہے کہ چونکہ انہیں علم کے مختلف پہلوؤں میں انتشار نظر آتا ہے اس کی وجہ سے وہ اس کا صحیح طرح احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ فن و دانشمندی پر عمل کر سکتے ہیں، کیونکہ ادھر ان کا ذہن منہل ہی نہیں ہوتا، غرض جب اس مجموعی علم سے اس کے فنون الگ اور ممیز ہو گئے اور طالب علم اس قاعدے کو جان لے گا اور اس طرح اس کے ذہن میں فنون و دانشمندی کے بارے میں ایک امر جامع معین ہو جائے گا تو جیسے ہی وہ کسی مقام پر تھوڑی سی توجہ کرے گا وہ اس علم کے مسائل کا الگ الگ ادراک کر لے گا اور ان کے ہر پہلو پر اس کا احاطہ ہو جائے گا، وما ارید الا اصلاح ما استنعت وما توفیقی الا باللہ (میں تو حتی المقدور بس اصلاح چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی مجھے اس کی توفیق دینے والا ہے)

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ایک عالم اپنے شاگردوں کو علوم کی کتابوں میں سے کوئی کتاب، درایت و تحقیق کے طریقے پر پڑھانا چاہتا ہے تو اسے لازمی طور پر پندرہ باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کتاب کی شرح کرتا چاہتا ہے، تو لامحالہ طور، اسے بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا، وہ پندرہ باتیں یہ ہیں:-

(۱) پہلی:- پیش نظر عبارت میں جو مشکل الفاظ ہیں، ان کی نشان دہی یعنی عبارت میں جو اسماء و افعال ہیں اُن کی حرکات و سکنات محل اشتباہ ہیں، تو انہیں بیان کر دے، اسی طرح حروف پر جہاں نقطے ہیں، اور جہاں کوئی نقطہ نہیں، وہ بھی بیان کرے تاکہ تصحیف خطی اور تھقیف لفظی (مثلاً ج کی ح، ع کی غ، ت کی ث وغیرہ سے تمیز ہو جائے) ہر دو سے محفوظ ہو جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ:- عبارت میں جو غریب و نامانوس لفظ آئے، تو اس کی شرح کرے یعنی اُن کوئی لفظ قلیل الاستعمال ہے اور شاگردوں کے لئے اس کے استعمال کا مفہوم واضح نہیں، تو عالم اس کی لغت اور اصطلاح دونوں کی رو سے تشریح کر دے۔

(۳) ان پندرہ باتوں میں سے تیسری بات یہ ہے:- عبارت میں جو مغلط جگہ ہو، استاذ اس کی وضاحت کرے، یعنی اگر عبارت میں کوئی مشکل ترکیب یا شکل نحوی و صرفی صیغہ آیا ہے اور شاگردوں کے لئے اسے سمجھنا مشکل ہے، تو عالم اس کو نحو اور صرف کے مطابق حل کر دے۔

(۴) چوتھی یہ کہ:- مسئلہ زیر بحث کو مثالیں دے کر یا اس کی مختلف صورتیں پیش کر کے

سمجھائے، مثلاً کتاب میں ایک قاعدے کا ذکر ہے اور شاگرد اسے نہیں سمجھ پاتے، تو عالم اسے واضح طور پر بیان کرے اور اس کی مثالیں دے تاکہ شاگردوں کے ذہن میں اصل مقصد آجائے۔

(۵) پانچویں بات ”تقریب الدلائل“ (دلیلوں کو ذہن کے قریب لانا) ہے، یعنی اگر کتاب میں کسی مسئلے پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہے، تو عالم اس کے مخفی (۱) مقدمات کو اس طرح بیان کرے کہ بعض مقدمات کا بعض سے جو التزام ہے، یا بعض جو دوسروں میں مندرج ہیں، ان سے جو نتیجہ مقصود ہے وہ نکل آئے اور اس ضمن میں وہ ایسے مقدمات بدیہہ (۲) کی طرف رجوع کرے کہ جن میں شکل اور شبہ ہدایتا داخل نہ ہو۔

(۶) اس سلسلے کی چھٹی بات یہ ہے کہ تعریفات کی تحقیق کرتے وقت ان کی جو قیود (۳) ہوں، ان کے فوائد بیان کرے۔ اور اگر کسی تعریف کی قیود میں سے کسی قید کی کمی ہے تو اسے پورا کیا جائے، نیز اسناد تقسیمات (۴) اور ان سے ایسی جامع و مانع (۵) حد (۶) کے امتزاع (۷) کا جس میں کہ کوئی چیز زائد نہ ہو، طریقہ شرح بسط سے بیان کرے۔

(۷) ساتویں بات یہ ہے کہ قواعد کلیہ کی اس طرح وضاحت کرے کہ اس کے ذیل میں تعریف کی قیود کے فوائد، تقسیمات اور مثالوں کا نیز ان سے اس قاعدہ کلی (۸) کے ایسا امتزاع کا

(۱) قیاس دو قضیوں سے مرکب ہوتا ہے اور ان سے نتیجہ نکلتا ہے، جیسے عالم متغیر ہے، یہ پہلا قضیہ ہے اور جو چیز متغیر ہو، وہ حادث ہوتی ہے، یہ دوسرا قضیہ ہے، اس سے لازم آیا کہ عالم حادث ہے، یہ نتیجہ ہے، پہلے قضیہ کو صغریٰ اور دوسرے کو کبریٰ کہتے ہیں، اگر پہلا قضیہ مذکور اور دوسرا متروک ہو تو یہ قضایا مقدمات مخفی ہوں گے۔

(۲) وہ تصور یا تصدیق جس میں غور و فکر کی ضرورت نہ ہو، بدیہی ہوتا ہے، ذہن میں کسی چیز کا آنا تصور ہے اور تصور مع الحکم کو تصدیق کہتے ہیں۔

(۳) انسان کی تعریف ہے حیوان ناطق، حیوان ناطق اس تعریف کی قیود ہیں۔

(۴) تقسیمات (بسط قسمت) مثلاً اس طرح استدلال کرنا کہ یہ چیز یوں یوں ہے، اور یوں یوں نہیں، ایک چیز کے خواص اور عدم خواص کا برابر تفصیل کرتے جانا ”بسط قسمت“ کہلاتا ہے۔

(۵) اپنے تمام افراد پر محیط ہونا جامع اور اپنے تمام غیر افراد کی نفی کرنا، مانع ہے۔

(۶) دلیل یا قیاس میں تین حدیں ہوتی ہیں، اصغر، اوسط، اکبر، ”عالم متغیر ہے“، دلیل یا قیاس میں عام کو حد اصغر کہتے ہیں ہر متغیر حادث ہے، حادث کو حد اکبر کہیں گے اور عالم اور حادث کو مانع والی حد اوسط ہے۔

(۷) امتزاع، نتیجہ نکالنا۔

(۸) وہ قاعدہ جو بہت سی چیزوں پر صادق آئے، کلی ہے۔

کہ اس میں کوئی چیز زائد نہ ہو، اور وہ جامع و مانع ہو، شرح و بسط سے بیان آ جائے۔

(۸) آٹھویں بات یہ ہے:۔ عالم تقسیمات کو حصر کرنے کی وجہ واضح کرے اور بتائے کہ یہ حصر تقسیمات استقرار (۱) کی بنا پر ہے یا وہ اس کے حق میں عقلی دلیل پیش کرے کہ شے مطلوب انہی مذکورہ اقسام میں محصور ہے اور اسی طرح عالم فصول و قواعد میں جو تقدیم و تاخیر ہو، اس کی وجہ بیان کرے۔

(۹) نویں بات ہے دو اقتباس رکھنے والی چیزوں میں تفریق، مثلاً اگر بادی النظر میں دو قسمیں مشابہ ہوں یا دو مخالف مذہب ایک دوسرے سے مشابہ دکھائی دیں تو عالم بڑے واضح طور سے ان کے درمیان جو فرق ہے اسے بیان کرے۔

(۱۰) دسویں بات ہے، دو مختلف چیزوں میں تطبیق، اگر مصنف کی عبارت میں دو مختلف جگہوں میں اختلاف پایا جاتا ہے تو عالم اس اختلاف کو حل کرے، خواہ ان دونوں کا اختلاف دلالت (۲) مطابقی کا ہو، یا ایک دلالت مطابقی ہو اور دوسرا تضمنی یا التزامی۔

(۱۱) گیارہویں بات۔ یہ پہلی بات کا غمکہ ہے، ظاہر الورد و شبہات کا دور کرنا ہے۔ جیسے کہ مثال کے طور پر تعریفات میں استدراک کسی زائد چیز کا ذکر، خفی ترشی سے کسی چیز کی تعریف کرنا اور تعریف کا جامع و مانع نہ ہونا، ممنوع ہے، یا جیسے کہ دلائل میں جزئیہ (۳) کبریٰ ممنوع ہے یا شاگردوں کو مصنف کے کلام میں بادی النظر میں مخالفت نظر آئے یا اس کا استدلال کے موقع محل پر ٹھیک نہ بیٹھتا ہو، عالم ان ظاہر الورد و شبہات کی طرف توجہ کرے اور انہیں دور کرے۔

(۱) اس دلیل کو کہتے ہیں، جن میں جزئیات کی تحقیق کر کے ان کی ماہیت کلی پر حکم لگایا جائے۔
(۲) الفاظ کا اپنے معنی پر دلالت کرنا "دلالت" کہلاتا ہے، یہ دلالت یا تو وضعی ہوتی ہے یا غیر وضعی، لفظ کا اپنے اس معنی پر دلالت کرنا، جس کے لئے وہ وضع کیا گیا ہے، یہ دلالت وضعی ہے، اور اس کا اپنے اس معنی پر دلالت کرنا جس کے لئے وہ وضع نہیں کیا گیا، یہ دلالت غیر وضعی ہے، دلالت وضعی کی تین قسمیں ہیں، مطابقی، تضمنی اور التزامی، انسان کا حیوان ناطق پر دلالت کرنا یہ دلالت مطابقی ہے، انسان کا حیوان یا ناطق میں سے کسی ایک پر دلالت کرنا یہ دلالت تضمنی ہے، اور اگر ان دونوں سے کسی خارج چیز پر وہ دلالت کرے اور وہ خارج چیز انسان کے لئے ذہن میں لازم ہے تو اسے دلالت التزامی کہتے ہیں مثلاً انسان کا قابل اعلم ہونے پر دلالت کرنا۔
(۳) قیاس التزامی کی چار شکلیں ہوتی ہیں شکل اول میں یہ شرط ہے کہ صغریٰ موجبہ ہو اور کبریٰ کلیہ، اس شکل میں جزئیہ کلیہ آتا ممنون ہے۔

(۱۲) بارہویں بات، جہاں حوالہ دیا گیا ہے وہاں حوالے کا اور جہاں مصنف نے ”و فی نظر“ کہا ہے، وہاں اس سے مصنف کی کیا مراد ہے، اس کا ذکر کیا جائے اور جہاں سوال (۱) مقدر کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔

اور ان پندرہ باتوں میں سے (۱۳) تیرہویں بات یہ ہے کہ اگر شاگردوں کی زبان وہ نہیں، جو کتاب کی ہے، تو کتاب کی عبارت کا شاگردوں کی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

(۱۴) چودھویں بات، مختلف توجیہات کی تنقیح اور ان توجیہات میں جو صحیح تر ہو، اس کا تعین مطلب یہ ہے کہ اگر کتاب کے کسی مقام کے متعلق پڑھانے والوں اور شارحوں میں اختلاف ہو، ایک جماعت ایک جہت سے اس کی نئی شرح کرتی ہے، اور دوسری جماعت دوسری جہت سے اس کی شرح کرتی ہے اور اس طرح توجیہات میں نزاع پیدا ہو جاتا ہے، عالم ان توجیہات کی تنقیح کرے اور ان میں سے جو بہترین ہو، اس کا تعین کرے، اور اسی پر مشکل الفاظ کا ضبط و نشاندہی اور مشکل ترکیبوں کا حل بھی قیاس کر لو۔

(۱۵) پندرہویں بات یہ ہے کہ عالم کی تقریر سہل ہو، یعنی اوپر جن بارہ باتوں (صنعتوں) کا ذکر ہے، انہیں وہ واضح اور موجز و مختصر عبارت میں اس طرح بیان کرے کہ وہ ذہن سے قریب ہوں، (کم سے کم الفاظ میں مفہوم ادا کرنا کہ اس میں کوئی غیر ضروری چیز نہ آئے، ایجاز و اختصار ہے)

اور ان کا اخذ کرنا آسان ہو، اور ان میں سے ایک بات استخراج بھی ہے اور وہ یہ کہ استاذ مصنف کی عبارت کو اپنی عبارت کے ساتھ اس طرح ملائے کہ دونوں عبارتیں مل کر باہم مربوط و ہم آہنگ ہو جائیں۔

جب ایک عالم مذکورہ بالا پندرہ صنعتوں پر عمل کرے گا تو وہ درس و تدریس اور کتاب کی شرح و تفسیر میں کامل ہو جائے گا، شفیق استاذ کو چاہئے کہ اولاد وہ اپنے شاگردوں کو ان امور سے اجمالی طور سے مطلع کرے، ثانیاً جب وہ شرح و بیان کے دوران ان امور سے گزریں، تو وہ انہیں بتائے کہ یہاں شارح کا مطلب یہ ہے، اور وہاں اس کا مطلب یہ تھا، ثالثاً: شفیق استاذ شاگردوں

(۱) کوئی عبارت جو کسی سوال کا جواب معلوم ہوتی ہے لیکن عبارت میں سوال مذکور نہ ہو، اس سوال کو سوال مقدر کہتے ہیں۔

کو بتائے کہ وہ کتاب کے مطالعہ میں ان امور کو پیش نظر رکھیں، اور ان ان میدانوں میں اپنی فکر کو جولاں کریں، رابعاً: شاگرد کے مطالعہ کا اپنے مطالعہ سے مقابلہ کرے، اور شاگرد سے غلطی ہو تو اسے اس طرح اس پر متنبہ کرے کہ یہ غلطی اس کے ذہن پر واضح ہو جائے اور وہ آئندہ ایسی غلطی کرنے میں احتیاط برتے۔

خامساً: استاذ شاگرد کو کسی کتاب کی شرح یا اس پر حاشیہ لکھنے کو کہے، اور اس طرح اس کی قابلیت کا امتحان لے تاکہ تربیت کا جو حق ہے، اس کی تکمیل ہو سکے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ دانشمندی کے فن کا کتب معقول و منقول اور علوم برہانیہ (۱) اور خطابیہ (۲) اس پر اطلاق ہوتا ہے، اس ضمن میں کتب معقول میں زیادہ تر ان کی عبارتوں کی تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے اور کتب معقول میں مسائل کی تحقیق کی، علوم برہانیہ میں ایک یا ایک سے زیادہ واسطوں کے مقدمات بدیہی کو بطریق برہان (۳) کی ضرورت ہوتی ہے اور علوم خطابیہ میں بطریق ظن، میں نے اپنے اساتذہ سے مذکورہ بالا سند کے ساتھ جو فن و دانشمندی سیکھا تھا یہ اس کا خلاصہ مطلب ہے، اور یہ یہاں ختم ہوتا ہے۔

والحمد لله اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً

..... ☆ ☆ ☆

-
- (۱) علوم برہانیہ، وہ علوم جن میں دلیل و برہان ہو، جیسے کہ منطق
(۲) ظن کے علوم کو علوم خطابیہ کہتے ہیں، ان میں ظنی مقدمات پیش کر کے اپنی بات کہی جاتی ہے۔
(۳) وہ تصدیق جو جازم و ثابت اور واقع کے مطابق ہو، یقین ہے اور وہ قیاس جو مقدمات ظنی سے مرکب ہو، برہان ہے۔ یہ مقدمات ظنی یا تو بذاتہ بدیہی ہوتے ہیں یا ان مقدمات ظنی کی طرف ایک واسطے یا ایک سے زیادہ واسطوں سے پہنچا جاتا ہے۔

وصیت نامہ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

پروفیسر محمد سرور مرحوم

ترتیب

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

وصیت نامہ

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو حکمتوں کا الہام کرنے والا اور نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو عرب و عجم کے سردار اور آپ کی آل اور اہل فضل و کرم اصحاب پر، اس کے بعد فقیر ولی اللہ غفری عنہ کہتا ہے، یہ چند کلمات ہیں جن کی میں اپنی اولاد و احباب کو وصیت کرتا ہوں۔ میں اس کا نام ”المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة“ رکھا ہے، ہمارے لئے اللہ کافی ہے، وہی سب سے اچھا کارساز ہے اور وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے۔

۱۔ اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت کو مضبوط پکڑیں اور ہر دو کے اہتمام و تدبیر میں برابر مشغول رہیں، روزانہ ان دونوں میں سے کچھ نہ کچھ پڑھا جائے اور اگر اس کے پڑھنے کی استطاعت نہ ہو تو ان کے ایک صفحے کا ترجمہ سنا جائے، عقائد میں قدمائے اہل سنت کا مذہب اختیار کریں، اس سلسلے میں جن چیزوں کی تفصیل و تفتیش سلف نے نہیں کی، وہ بھی اس کی تفتیش نہ کریں، خام و ناپختہ عقل پرستوں سے اعراض کریں اور ان کی تشکیک پیدا کرنے والی باتوں کی طرف مائل نہ ہوں، فروعی مسائل میں علمائے کبار محدثین کی، جو کہ فقہ وحدیث دونوں کے جامع ہیں، پیروی کریں اور فقہ کی جزئیات و تفریعات کو ہمیشہ کتاب و سنت کے رو برو پیش کریں، جو ان کے موافق ہو اسے قبول کریں، اور جو نہ ہو اسے مسترد کر دیں، امت کے لئے کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں، جس میں وہ اجتہادی مسائل کو کتاب و سنت پر پیش کرنے سے مستغنی

الغیرات الالہیہ جز ثانی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک وصیت نامہ درج ہے، یہاں اس کا اردو ترجمہ دیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

ہو سکے، وہ خشک مزاج (حقیقتاً) فقہاء کی بات، جنہوں نے کہ ایک مخصوص عالم کی تقلید اختیار کر کے سنت کے تتبع ترک کر دیا ہو، نہ سنیں اور نہ ان کی طرف التفات کریں اور ان سے دور رہ کر خدا تعالیٰ کا قرب چاہیں۔

۲۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ امر بالمعروف کی حدود کے متعلق اس فقیر کے دل میں یہ خیال ڈالا گیا ہے کہ فرائض، کبیرہ گناہوں اور شعائر اسلام کے بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں سختی کرنی چاہئے، جو شخص اس معاملے میں تساہل برتتا ہے، اس کی مجلس میں نہ بیٹھنا چاہئے اور اس کا دشمن بننا چاہئے، اس کے علاوہ دوسرے امور میں، خاص کر وہ امور جن میں سلف اور ان کے بعد آنے والوں میں اختلاف رہا ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حد یہاں تک ہے کہ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ بتادی جائے اور اس میں سختی کرنا پسندیدہ نہیں۔

۳۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ اس زمانے کے پیروں اور مشائخ کے ہاتھ میں ہرگز اپنا ہاتھ نہ دیں اور نہ ان کی بیعت کریں، ان سے عوام کو جو حد سے زیادہ عقیدت ہوتی ہے، نہ اس سے اور ان سے جو کرامات منسوب کی جاتی ہیں، نہ ان سے دھوکا کھانا چاہئے، اس لئے کہ عوام کی یہ حد سے زیادہ عقیدت اکثر عام رسم و رواج کے تحت ہوتی ہے اور رکی اور رواجی امور کا حقیقت میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس زمانے کے تمام کرامات فردشوں نے سوائے چند مستثنیات کے طلسمات اور نیر نجات کو ہی کرامات سمجھ رکھا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے مشہور خارق عادت امر یعنی کرامات دوسروں کے دلوں کے خیالات پر مطلع ہونا (اشراف) اور آنے والے واقعات کا جاننا (انکشاف) ہے، اور اس اشراف اور انکشاف کے بہت سے طریقے ہیں، ان میں سے ایک علوم نجوم و رمل کا باب ضمیر ہے، تم اس گمان میں نہ رہنا کہ علوم نجوم کے فیصلوں کا انحصار خانے بنانے پر ہوتا ہے، رمل کے لئے زائچہ ضروری ہے، ہم نے تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ فن نجوم کے ماہر نے جب یہ جان لیا کہ اس وقت دن کی گھڑیوں میں سے کون سی گھڑی ہے تو اس سے اس کا ذہن طالع کی طرف منتقل ہو گیا اور تمام خانے، کوکب کے محل و مواقع اور ان کے احکام اس کے دماغ میں اس طرح صورت پذیر ہو گئے، گویا خانوں کا صفحہ اس کے رو برو پڑا ہے ایسے ہی جب فن رمل کا ماہر اپنے دل میں یہ متعین کرتا ہے کہ میں نے فلاں انگلی کو بھیاں قرار دیا ہے اور فلاں انگلی کی فلاں شکل مقرر کی

ہے اور وہ اپنے ذہن میں نقشہ بناتا ہے کہ ان شکلوں سے کیا کیا شکلیں پیدا ہوں گی یہاں تک کہ اس کے سامنے پورا رانچ آ جاتا ہے، انہی فنون میں سے ایک فن اپنی مختلف انواع کے ساتھ کہانت ہے۔ یہ فن بڑا وسیع ہے، اس میں کبھی جن حاضر کئے جاتے ہیں اور کبھی بغیر ان کے عمل کیا جاتا ہے، انہی فنون میں سے ایک فن ظلم ہے کہ کو اکب کی قوتوں کو ایک صورت میں مرکوز کرتے ہیں اور اس سے دوسروں کے دلوں کے خیالات معلوم کئے جاتے ہیں، اس طرح جوگ کے اعمال ہیں کہ ان میں سے بعض میں دوسروں کے دلوں کے حالات معلوم کرنے اور آنے والے واقعات کو جاننے کی خصوصیت ہوتی ہے، جسے اس امر کی مزید تحقیق مطلوب ہو، وہ ان فنون کی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

کسی کام پر ہمت مرکوز کروینا، ہیبت ناک شکل میں ظاہر ہونا، دل کو دوسرے کے دل سے باندھ دینا اور طالب کی تسخیر کرنا، یہ سب نیرنجات کے فنون میں سے ہیں، نیرنجات والے ان میں سے بعض پر عمل کرتے ہیں اور اس عمل سے مراد برآ جاتی ہے، ان معاملات میں کسی کی نیکی و بدی، سعادت و بد بختی اور اس کے مقبول یا مردود ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح مجلس میں حاضر لوگوں میں جدہ شوق اور قلق و اضطراب کی کیفیت کے جاری و ساری ہونے کا باعث بھی یہی کی حدت و تیزی ہوتی ہے، لہذا جس شخص کی قوت بھی یہ قوی تر ہوگی، اس میں وجد و شوق زیادہ ہوگا، بے شک بعض صالحین بھی ان اعمال و احوال کو نیک نیتی سے بجا لاتے ہیں لیکن وہ ان چیزوں کو کرامات میں سے نہیں سمجھتے، اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں، میں نے اکثر سادہ لوح افراد کو دیکھا ہے کہ جب وہ ان اعمال کو کسی پیر یا شیخ سے ظاہر ہوتے ہیں تو وہ انہیں حقیقی کرامات سمجھ لیتے ہیں۔

اس کا چارہ کار یہ ہے کہ آدمی کتب حدیث جیسے صحیح بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد و اور ترمذی اور کتب فقہ حنفیہ و شافعیہ پڑھے اور ظاہر سنت پر عمل کرے، اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کے دل میں شوق صادق کا فیضان فرمائے اور شوق صادق کی راہ کی طلب غالب ہو تو وہ کتاب عوارف المعارف سے نماز، روزہ، ذکر و اذکار اور اوقات کو مصروف رکھنے کے آداب اور رسائل نقشبندیہ سے یادداشت کے حصول کے طریقے کو حاصل کرے، ان بزرگوں نے ان دونوں امور پر اتنا اچھا لکھا ہے کہ اس کے بعد مرشد کی تلقین کی احتیاج نہیں رہتی، جب نور عبادت کی کیفیت اور نسبت یادداشت حاصل

ہو جائے تو وہ اس پر مداومت کرے، اگر اس دوران میں اسے کوئی بزرگ مل جائے جس کی صحبت جذب پیدا کرنے والی ہو اور اس کی تاثیر لوگوں کے اندر سما جاتی ہو تو وہ اس بزرگ کی صحبت اس وقت تک لازم پکڑے، جب تک اس کی نور عبادت کی مطلوبہ کیفیت اور نسبت یادداشت ایک مستقل ملکہ کی حیثیت اختیار نہ کر لے، اس کے بعد وہ الگ تھلگ ہو کر گوشے میں بیٹھ جائے اور اپنے اس مستقل ملکہ سے برابر لو لگائے رکھے، اس زمانے میں کوئی بھی ایسا نہیں، سوائے بعض مستثنیات کے، جو ہر حیثیت میں کمال رکھتا ہو، اگر وہ ایک حیثیت میں کمال رکھتا ہے تو دوسری حیثیت میں کمال سے خالی ہوگا، اس لئے اسے چاہئے کہ جو کمال وہ رکھتا ہے، اسی میں استحکام پیدا کرے دوسری چیزوں کو نظر انداز کر دے، اس معاملے میں وہ ”خذ ماصفا ودع ما کدر“ (جو اچھا ہے وہ لے لو، جو خراب ہے اسے چھوڑ دو) پر عمل کرے، صوفیہ کی نسبتیں بہت بڑی نعمت ہیں، باقی رہیں ان کی رسوم، ان کی کوئی قیمت نہیں، بے شک میری یہ بات بہت سوں کو گراں گزرے گی، لیکن میرے ذمے ایک کام کیا گیا ہے، اسی کے مطابق مجھے کہنا ہے، اور زید و عمر کے کہنے سے سرکار نہیں۔

۴۔ چوتھی وصیت یہ ہے کہ ہمارے اور اس زمانے کے لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ صوفی منش لوگ کہتے ہیں کہ اصل مقصود فنا و بقا، استہلاک (اپنے آپ کو ذات مطلق میں گم کر دینا) اور انسلاخ (تجرد کامل) ہے، باقی یہاں تک معاشی معاملات اور بدنی طاعات کا ادا کرنا ہے، جن کے بارے میں کہ شرعی احکام وارد ہوئے ہیں، تو یہ ان کے لئے ہے، جو اس اصل مقصود کو بجا نہیں لاسکتے، جیسا کہ مثل ہے: ”وَمَا لَا يَدْرُكُ كَلَهَ لَا يَتْرُكُ كَلَهَ“ (جس کا پورا ادا کرنا نہ ہو سکے، اسے پورے کا پورا چھوڑنا نہیں چاہئے) مشکلمین کہتے ہیں کہ ان امور کے ضمن میں جو کچھ شرع میں وارد ہوا ہے، اس کے علاوہ اور کچھ مطلوب نہیں اور مذکورہ بالا اصل مقصود یعنی فنا و بقا اور استہلاک و انسلاخ کا ذکر شارع نے صرف خواص کے لئے کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نوع انسانی کی تخلیق ایک لحاظ سے اس طرح ہوتی ہے کہ وہ جامع ہے قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ کی، چنانچہ اس لحاظ سے اس کی سعادت و خوش بختی قوت ملکیہ کی تقویت اور اس کی شقاوت قوت بہیمیہ کی تقویت میں ہے۔

غرض نوع انسانی کی تخلیق ایک لحاظ سے تو اس طرح ہوئی ہے، لیکن ایک لحاظ سے اس طرح بھی ہوتی ہے کہ نفس اعمال و اخلاق کے مختلف رنگ قبول کرتا ہے اور یہ رنگ نفس کی جڑوں میں جذب ہو جاتے ہیں چنانچہ جب انسان مرتا ہے تو یہ رنگ وہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کا بدن غذا سے پیدا ہونے والی کیفیات کو اخذ کرتا ہے جو اس کے ساتھ مل جاتی ہیں اور انہیں وہ ساتھ لے لیتا ہے، چنانچہ انہی کیفیات کے نتیجے میں وہ بدہضمی، بخار اور دوسری بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نوع انسانی کی تخلیق ایک لحاظ سے اس طرح بھی ہوئی ہے کہ انسان حظیرۃ القدس سے متعلق ہو کر وہاں سے الہام حاصل کر سکتا ہے۔ اگر (حظیرۃ القدس کے) فرشتوں سے اچھی مناسبت ہے تو الہام کے: یل میں اسے مسرت و بہجت حاصل ہوتی ہے اور اگر ان سے منافرت ہے تو تنگی اور وحشت کا ارتقا ہوگا۔

غرض انسانوں کی نوع کی اس طرح تخلیق ہوئی ہے کہ اگر انہیں خود ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اکثر انسانوں کو امراض نفسانی دکھ دیں اس کے پیش نظر حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے کار سازی فرمائی، انسانوں کے لئے راہ نجات متعین کی اور خود انہی میں سے ان کے لئے ترجمان لسان غیب، کہ جس سے مراد حضرت پیغمبر ہیں، مبعوث فرمایا تاکہ تمام نعمت ہو اور ربوبیت جس کا مقتضائے اول انسانوں کو عدم سے وجود میں لانا تھا، دوسری بار ان کی دست گیری کرے، پس انسانوں کی صورت نوعیہ نے زبان حال سے مبدائے فیض سے شرع کی درخواست کی، اس طرح جو شرع نازل ہوئی تو اس کا حکم نوع انسانی کے تمام افراد کے لئے لازمی و ضروری ہوا، کیونکہ انسان کی جو صورت نوعیہ ہے، اس کا حکم تمام انسانوں میں جاری و ساری ہے اور اس میں افراد کی خصوصیت کو کوئی دخل نہیں ہوتا، اب جہاں تک فنا و بقا و استہلاک اور اس قبیل کے دوسرے مقامات کا تعلق ہے تو ان کا مقصور و مطلوب ہونا افراد کی خصوصیت کی بنا پر ہے، اس لئے کہ بعض افراد کی تخلیق انتہائی بلندی و تجرد پر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ ان کو مذکورہ بالا راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ چیز نوامیس فطرت میں سے نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ایک فرد اپنی اس خصوصیت فردیہ کی حیثیت سے جو اسے حاصل ہوتی ہے، اپنی زبان حال سے مقامات فنا و بقا وغیرہ کا تقاضا کرتا ہے، شارع کا کام

ان معانی پر ہرگز محمول نہیں ہے، نہ صراحۃً نہ اشارتاً، ہاں ایک جماعت نے ان مطالب کو کلام شارع سے سمجھا، جیسے کوئی لیلیٰ مجنوں کا قصہ سنے اور اس کی ہر بات کو خود اپنی سرگزشت پر محمول کرے، اسے انھوں نے اپنی اصطلاح میں ”اعتبار“ کا نام دیا ہے۔

مختصر مقامات انسلاخ واستہلاک میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا اور ہر کس و نا کس کا اس میں مشغول ہونا، ملت مصطفویہ میں ایک سخت بیماری ہے، خدا اس پر رحم کرے جو اس بیماری کو فرو کرنے کی کوشش کرے، خواہ وہ خود ان مقامات کی تحصیل کے لئے بعض فطری استعدادیں رکھتا ہو، ہر چند یہ بات اس زمانے کے بہت سے صوفیہ پر دشوار گزرے گی، لیکن میرے ذمے جو کام کیا گیا ہے، میں اس کے مطابق اپنی بات کہوں گا، مجھے زیادہ عمر سے کوئی سروکار نہیں۔

۵۔ پانچویں وصیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے حق میں نیک اعتقاد رکھنا چاہیے اور زبان پر ان کے مناقب کے سوا اور کوئی ذکر نہیں آنا چاہئے، اس مسئلے میں دو گروہوں نے غلطی کی ہے، ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ صحابہ کے سینے آپس میں صاف تھے اور ان کے درمیان جھگڑے نہیں ہوتے، یہ سرتاپا وہم ہے کیونکہ مشہور روایات ان کے باہمی جھگڑوں کی شہادت دیتی ہیں اور ان روایات کا انکار نہیں ہو سکتا، دوسرے گروہ نے جب دیکھا کہ یہ سب چیزیں صحابہ سے منسوب ہیں تو ان کے خلاف انھوں نے اپنی زبان طعن و لعن کھولی اور اس طرح وہ ہلاکت کی وادی میں جا گرے۔

مجھ فقیر کے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ اگرچہ آپ کے صحابہ معصوم نہیں تھے اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض عوام صحابہ سے ایسی چیزیں صادر ہوئی ہوں کہ اگر ویسی چیزیں دوسروں سے صادر ہوتیں تو وہ لعن و طعن اور جرح و تنقیہ کے مستوجب بنتے، لیکن ہمیں ان کی لغزشوں کے بارے میں زبان روکنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی جرح و طعن سے عبادت کے طور پر منع کیا گیا ہے، اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اگر صحابہ کی جرح و طعن کا دروازہ کھول دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور سلسلہ روایات کے منقطع ہو جانے سے ملت کا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا، چونکہ ہر صحابی سے روایت لی گئی ہے اور اسی بنا پر بہت سی احادیث کے ایک سے زیادہ، کئی کئی راوی ہیں اور اس طرح امت کو جن احکام کا مکلف

بنایا گیا ہے، ان کی تائید میں حجت قائم ہوئی ہے، اب اگر اس ضمن میں بعض صحابہ پر جرح بھی ہوگی تو اس سے نقل روایت میں خلل واقع نہ ہوگا۔

اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ آپ شیعہ کے بارے میں جو اہل بیت کی محبت کے مدعی اور صحابہ کو برا کہتے ہیں، کیا فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از نوع کلام روحانی یہ القافر مایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ امام سے واضح ہوتا ہے جب مجھے اس بات سے آفاقہ ہوا تو میں نے لفظ امام میں غور و تامل کیا، معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں امام معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہے اور خلق کے لئے اس کا تعین ہوتا ہے، وہ امام کے حق میں وحی باطنی بھی تجویز کرتے ہیں، چنانچہ اس طرح وہ درحقیقت ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں، گو زبان سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ہی کہتے ہیں، مزید برآں جیسے آپ کے صحابہ کے حق میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہئے، اسی طرح آپ کے اہل بیت کا عقیدت مند ہونا چاہئے اور ان میں سے جو صالح تھے، ان کی اور زیادہ تعظیم کرنی چاہئے، بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ امام رضی اللہ عنہم نسبتوں میں سے ایک نسبت کے قطب تھے اور تصوف کا روان ان کے زمانے کے ختم ہونے پر شروع ہوا، جہاں تک عقیدہ و شرع کا تعلق ہے تو وہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی چیز سے نہیں لیا جاسکتا، ان ائمہ کی قطبیت ایک باطنی امر ہے، تکلیف شرعی سے اس کا کوئی تعلق نہیں (یعنی قطبیت کسی کو کسی شرعی حکم کا مکلف نہیں کر سکتی) ان میں سے ہر ایک کا اپنے بعد والوں کے لئے جو نص و اشارہ تھا، وہ اسی قطبیت کی وجہ سے تھا، اور جن امور امامت کے بارے میں انھوں نے گفتگو کی ہے وہ بھی اسی طرف راجع ہیں۔ وہ یوں کہ اپنے بعض مخلص احباب کو انھوں نے اس سے مطلع کیا، پس ایک زمانے کے بعد ایک جماعت نے اس میں غور کیا اور ائمہ کے قول کو دوسرے موقع محل پر محمول کر دیا، واللہ المستعان۔

۴۔ چھٹی وصیت یہ ہے، تعلیم علم کا طریقہ جو تجربے سے پایہ تحقیق کو پہنچا ہے، یہ ہے کہ سب سے پہلے صرف ونحو کے مختصر رسائل پڑھائے جائیں، ان میں سے ہر ایک کے تین تین یا چار چار رسائل طالب علم کی ذہنی استعداد کے مطابق، بعد ازاں تاریخ یا حکمت عملی کی کوئی کتاب جو

عربی میں ہو، پڑھائیں، اس دوران میں اسے کتب لغت سے استفادہ کرنے کا طریقہ اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی نکالنا سکھائیں، جب عربی زبان پر قدرت حاصل ہو جائے تو اسے یحییٰ بن یحییٰ مسمودی کی روایت کے مطابق موطا امام مالک پڑھائیں، اسے ہرگز نہ چھوڑیں کیونکہ اصل تو علم حدیث ہے اور اسے پڑھنے میں بڑے فوائد ہیں، ہم تک ان کا سلسلہ سماعت باقاعدہ پہنچتا ہے، اس کے بعد قرآن عظیم کا درس دیں اور یہ درس اس طرح دیں کہ صرف قرآن پڑھائیں بغیر تفسیر کے، ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے جائیں اور جہاں کوئی نحو یا شان نزول کا مشکل مسئلہ آجائے تو وہاں ٹھہریں اور اس پر بحث کریں، درس سے فارغ ہونے کے بعد درس میں جتنا قرآن پڑھا گیا ہو، اس کی مقدار کے مطابق جلالین پڑھائیں، اس طرح پڑھنے میں بڑے فائدے ہیں، بعد ازاں ایک وقت میں کتب حدیث میں سے صحیحین اور دوسری کتابیں، نیز کتب فقہ و عقائد و سلوک پڑھائیں، اور ایک ہی وقت میں کتب دانشمندی جیسے شرح ملا، قطبی وغیرہ پڑھائیں، اگر ممکن ہو تو ایک دن مشکوٰۃ اور دوسرے دن اس کی شرح طبری پڑھائیں، پہلے دن جتنی مشکوٰۃ پڑھی ہو، اسی مقدار میں دوسرے دن اس کی شرح پڑھائیں تو بہت فائدہ مند ہوگا۔

۷۔ ساتویں وصیت، ہم عربی ہیں، ہمارے آبا و اجداد ہندوستانی شہروں میں مسافروں کی حیثیت سے آئے، ہمارے لئے ہمارا عربی النسب اور عربی اللسان ہونا باعث فخر ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہمیں سید اولین و آخرین، افضل الانبیاء والمرسلین، فخر موجودات علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے نزدیک کرتی ہیں، اس عظیم نعمت کا شکریوں ادا کیا جائے کہ ہم بقدر امکان عربوں کی عادات و رسوم کو، جن میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور آپؐ نے نشو و نما پائی، ہاتھ سے نہ جانے دیں اور عجم کی رسوم اور ہنود کی عادات کو اپنے اندر نہ رہنے دیں۔

بغوی نے ابو عثمان النہدی سے روایت کی ہے کہ ہمارے پاس عمر بن خطاب کی طرف سے ایک خط آیا اور ہم اس وقت حنیبلہ بن مرقد کے ساتھ آذربائیجان میں تھے، (خط کے عربی متن کو نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب اس کا فارسی ترجمہ کرتے ہیں) لکھتے ہیں، یعنی جب عرب جہاد کرنے کے لئے سرزمین عجم کی مختلف اطراف میں پھیلے تو حضرت عمرؓ رے کے عرب کہیں عجمیوں کی رسمیں اختیار نہ کر لیں اور عربوں کی رسمیں نہ چھوڑ دیں، اس لئے انھوں نے اپنے خط میں لکھا کہ وہ تہ بند

باندھیں، چادریں اوڑھیں، جوتے (نعل) پہنیں، موزے ترک کر دیں، شلواریں چھوڑ دیں، اپنے دادا اسماعیلؑ کا لباس اپنے لئے لازم کریں، اپنے آپ کو ناز و نعم اور ثلثات ہاتھ اور بجمیوں کی طرز رہائش سے دور رکھیں، دھوپ میں بیٹھنا اپنے لئے لازم ٹھہرائیں، بے شک دھوپ عربوں کے لئے حرام ہے۔ بنو معد (۱) کی رسمیں اختیار کریں، سخت لباس پہنیں، مشقت کی زندگی گزاریں، پرانے کپڑے پہننے کی عادت ڈالیں، اونٹوں کو کچڑیں اور انھیں رام کریں، چھلانگ مار کر گھوڑوں پر سوار ہوں اور نشانوں پر تیر اندازی کریں۔

بنو دکی بری عادتوں میں سے ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ عورت کسی اور مرد سے شادی کرے، یہ عادت سرے سے عرب میں نہ تھی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے، نہ آپ کے زمانے میں اور نہ آپ کے بعد، خدا تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو اس بری عادت کو ختم کرے، اگر اس کو تمام لوگوں سے دور کرنا ممکن نہ ہو تو خود اپنی جماعت میں نکاح بیوگان کی اس عربوں کی عادت کو رائج کرنا چاہئے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بیوگان کا نکاح نہ کرنے کی اس عادت کو برا سمجھے اور دل سے اس کا مخالف ہو کیونکہ نبی عن المنکر کا سب سے ادنیٰ درجہ یہی ہے۔ (۲)

ہم لوگوں کے ہاں ایک اور بری رقم یہ ہے کہ نکاح میں مہر بہت زیادہ مقرر کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پر کہ دین و دنیا دونوں میں ہمارا عز و شرف منتہی ہوتا ہے، اپنے اہل بیت کا جو سب سے بہتر تھے، مہر بارہ اوقیہ اور نشتی مقرر فرمایا تھا، یہ سب مل کر پانچ سو درہم ہوتے ہیں، دوسری ہماری بری عادت خوشی کے موقعوں پر فضول خرچی اور اس ضمن میں بہت سی

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت اسماعیلؑ کے فرزند عدنان میں سے بعد میں بنو معد کی شاخیں نکلیں، بنو معد جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں رہتے تھے، بنو معزز اور بنو ربیعہ، ان ہر دو کے مورث اعلیٰ بنو معد تھے، یہ زیادہ تر بدو قبائل تھے اور بڑی سخت مشقت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

(۲) ارشاد نبوی ہے کہ من رأی منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فلیسانہ فان لم یستطع فلیقلبہ وذلك اضعف الایمان۔ رواہ مسلم، (اگر تم میں سے کوئی شخص بری بات دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اسے تبدیل کرنے کا کہے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے برا سمجھے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے)۔

رسوں کا جاری کر لینا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے موقعوں کے لئے دو چیزیں مقرر فرمائیں ہیں، ولیدہ کی دعوت اور عقیقہ، ان دونوں کو اختیار کرنا چاہئے اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کو ترک کرنا چاہئے یا ان کا زیادہ اہتمام نہ کرنا چاہئے، ہم لوگوں کے ہاں ایک اور بری رسم یہ ہے کہ ماتم کے سلسلے میں سوغم، چہلم، شش ماہی اور سالانہ فاتحہ پر بہت اسراف کرتے ہیں، ان سب رسموں کا حرب اولین میں بالکل وجود نہ تھا، صحیح بات یہ ہے کہ تین دن تک میت کے وارثوں کی تعزیت اور انھیں ایک دن ایک رات کھانا دینے کے علاوہ اور کوئی رسم نہ کی جائے۔ میت ہو جانے کے تین دن بعد خاندان کی عورتیں جمع ہوں اور مرنے والے کے رشتہ دار عورتوں کو خوشبو لگائیں اور اگر اس کی بیوی ہے تو وہ عدت ختم ہو جانے کے بعد سوگ ختم کر دے۔

ہم میں سے خوش قسمت وہ ہے جو عربی زبان کی صرف و نحو اور اس کی کتب ادب سے مناسبت پیدا کرے، حدیث اور قرآن میں سے اسے درک حاصل ہو، فارسی و ہندی کتابوں، علم شمر، معقولات، اس سلسلے کی جو دوسری چیزیں پیدا ہو گئی ہیں، ان میں مشغول ہونا اور تارخ، بادشاہوں کی سرگزشتوں اور صحابہ کے باہمی نزاعات کا مطالعہ کرنا گمراہی درگمراہی ہے، اگر رسم زمانہ ان چیزوں میں مشغول ہونے کی مقتضی ہو تو یہ ضروری بات ہے کہ وہ اسے علم دینی سمجھیں، اس سے متنفر رہیں اور توبہ و استغفار اور اظہار ندامت کرتے رہیں، ہمارے لئے یہ لازمی ہے کہ حرمین محترمین جائیں اور ان کے آستان پر اپنی پیشانی رگڑیں، اس میں ہمارے لئے سعادت ہے اور اس سے پہلو تہی کرنے میں ہمارے لئے شقاوت ہے۔

۸۔ آنھویں وصیت، حدیث شریف میں آیا ہے۔ ”میں ادرک منکم عیسیٰ بن مریم فلیقرأ منی السلام“ (۱) (جو تم میں عیسیٰ بن مریم کو پائے تو وہ میرا انھیں سلام دے) اس فقہ کی یہ پوری آرزو ہے کہ اگر اسے حضرت روح اللہ علیہ السلام کا زمانہ ملے تو سب سے پہلے جو انھیں سلام کہے، وہ میں ہوں، اگر میں وہ زمانہ نہ پاؤں تو اس فقیر کی اولاد یا متبعین میں سے جو بھی ان کے مبارک زمانے کو پائے، وہ انھیں سلام پہنچانے کی پوری کوشش کرے تاکہ ہم محمدی شکروں میں سے آخری شکر ہوں، پس سلام ہو، اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے۔

(۱) اس حدیث کو الحاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

خوشخبری

مجموعہ

رسائل امام شاہ ولی اللہ
حصہ سوم

(تصوف، مکتوبات، فن ترجمہ نگاری اور دیباچہ فتح الرحمن)
حضرت امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا تراجم مجموعہ

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے زیر اہتمام
جلد ہی منظر عام پر آ رہا ہے

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی اہم نئی مطبوعات

200.00	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	دلی کی تاریخی مساجد (حصہ اول)
100.00	//	دلی کی تاریخی مساجد (حصہ دوم)
200.00	//	پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد
250.00	//	امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات
150.00	//	الواح العناوید (حصہ اول)
100.00	//	الواح العناوید (حصہ دوم)
325.00	//	مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد اول)
300.00	//	مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد دوم)
200.00	//	مولانا عبدالماجد و ریاضی، خدمات و آثار
200.00		ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ
20.00	//	ہندو مندراور اورنگزیب عالمگیر کے فرامین (اردو)
20.00	//	ہندو مندراور اورنگزیب عالمگیر کے فرامین (ہندی)
70.00	//	نقوش خاطر (قلمی خاکوں کا مجموعہ)
250.00	//	۱۸۵۷ء اور ہریانہ
200.00	//	مرد و دیدہ ور
زیر طبع	//	مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد سوم)
300.00	معنفہ ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی	نماز القرآن
	مرتبہ مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	
350.00	//	الاشیاء والنظائر فی القرآن الکریم
300.00	//	وفیات اعیان الہند
300.00	//	مضامین خالدی
150.00	//	قرآنی تشبیہات واستعارات
100.00	مولانا جنید احمد بھاری	نشریات
100.00	خورشید انوار عارفی	سفر و سیارہ ظفر



المساجد التاريخية بدلهي

عطاء الرحمن قاسمي

قام بالنشر

وزارة الثقافة لجمهورية مصر العربية

